

انیس
کمر تپے

جلد اول

صالحہ عابد حسین

انیس کے مرتے

انیس کے مرتبے

جلد اوّل

مرتبہ

صالحہ عابد حسین



ترقی آرڈو بیورو نئی دہلی

ANEES KE MARSIAY I

Edited By

Saliha Abid Hussain

© ترقی اردو بیورو نئی دہلی
سہ اشاعت: پہلا ایڈیشن: 1977 شک 1898 تعداد 2000
دوسرا ایڈیشن: 1990 شک 1911 تعداد 3000

قیمت: 36/-
سلسلہ مطبوعات: 38

ناشر: ڈاکٹر ترقی اردو بیورو، ولیٹ بلاک 8 آر. کے. پورم، نئی دہلی 110066
طابع: پریس پرنٹرز، ساؤتھ انارکلی، دہلی۔

پیش لفظ

ہندوستان میں اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے لیے ترقی
اردو بیورو (بورڈ) قائم کیا گیا۔ اردو کے لیے کام کرنے والا یہ ملک کا
سب سے بڑا ادارہ ہے جو دو دہائیوں سے مسلسل مختلف جہات میں
اپنے خاص خاص منصوبوں کے ذریعہ سرگرم عمل ہے۔ اس ادارہ سے
مختلف جدید اور مشرقی علوم پر مشتمل کتابیں خاصی تعداد میں سماجی
ترقی، معاشی حصول، عصری تعلیمی اور معاشرہ کی دوسری ضرورتوں کو
پورا کرنے کے لیے شائع کی گئی ہیں جن میں اردو کے کئی ادبی شاہکار
بنیادی متن، قلمی اور مطبوعہ کتابوں کی وضاحتی فہرستیں تکنیکی
اور سائنسی علوم کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات،
تجارت، زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے
شعبوں سے متعلق کتابیں شامل ہیں۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے
تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس
سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مختصر عرصہ میں بعض کتابوں کے دوسرے
تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ترقی اردو بیورو
نے اپنے منصوبوں میں کتابوں کی اشاعت کو خاص اہمیت دی ہے۔
کیونکہ کتابیں علم کا سرچشمہ رہی ہیں اور بغیر علم کے انسانی
تہذیب کے ارتقاء کی تاریخ مکمل نہیں تصور کی جاتی۔ جدید معاشرے
میں کتابوں کی اہمیت مستم ہے۔ بیورو کے اشاعتی منصوبہ میں
اردو انسائیکلو پیڈیا، ذوالسانی اور اردو۔ اردو لغات بھی شامل
ہیں۔

ہمارے قارئین کا خیال ہے کہ بیورو کی کتابوں کا معیار اعلیٰ
 پائے کا ہوتا ہے اور وہ ان کی ضرورتوں کو کامیابی کے ساتھ پورا
 کر رہی ہیں۔ قارئین کی سہولتوں کا مزید خیال کرتے ہوئے کتابوں کی
 قیمت بہت کم رکھی جاتی ہے تاکہ کتاب زیادہ سے زیادہ ہاتھوں
 تک پہنچے اور وہ اس بیش بہا علمی خزانہ سے زیادہ سے زیادہ مستفید
 اور مستفیض ہو سکیں۔

یہ کتاب بھی بیورو کے اشاعتی پروگرام کی ایک کڑی ہے۔ امید
 ہے کہ آپ کے علمی ادبی ذوق کے تسکین کا باعث بنے گی اور آپ کی
 ضرورت کو پورا کرے گی۔

ڈاکٹر محمد عیدہ سیج

ڈائریکٹر ترقی اردو بیورو

فہرست

12	9	_____	حرف آغاز
18	13	_____	دیباچہ
60	19	_____	مقدمہ
91	61	_____	1۔ یارب تین نظم کو گلزارِ ارم کر
101	92	_____	2۔ جس دم یزد شام میں مسند نشیں ہوا
121	102	_____	3۔ سرزندہ مجسمہ کا مدینہ سے سفر ہے
130	122	_____	4۔ سبط نبی سے منزل مقصد قریب ہے
171	131	_____	5۔ جب کر بلا میں داخلہ شاہ دیں ہوا
194	172	_____	6۔ بخدا فارس میدان تہوڑ تھا خر
217	195	_____	7۔ طے کر چکا جو منزل شب کا روانِ صبح
237	216	_____	8۔ کیا فوج حسین کے جوانانِ حسین تھے
267	238	_____	9۔ جب خر کو ملا غلعت پڑ خونِ شہادت
298	268	_____	10۔ جب زلف کو کھولے ہوئے لیلۂ شب آئی
322	299	_____	11۔ جب حضرت زینب کے پسر مر گئے دونوں
349	323	_____	12۔ پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح
376	350	_____	13۔ آمد ہے کر بلا کے نینتوں میں شیر کی

- 14۔ جاتا ہے شیر بیشہ حیدر فرات پر _____ 377 — 401
- 15۔ جب آبِ رواں بند ہوا فوجِ خدا پر _____ 402 — ۴۲۲
- 16۔ جب بادِ ابنِ کشتی شاہِ اُمم مگرا۔ _____ 423 — 447
- 17۔ دولت کوئی دنیا میں پسے نہیں بہتر _____ 448 — 478
- 18۔ جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے _____ 479 — 506
- _____ فرہنگ _____ 507 — 526
- _____ اختلافِ نسخ _____ 527 — 540

حضر آغاز

زندہ قوموں کی یہ روایت ہے کہ وہ اپنے گزشتہ ارباب کمال کو فراموش نہیں کرتیں اور ان کی یاد کو مناسب طریقوں سے تازہ کرتی رہتی ہیں۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہماری قوم کی اس جماعت نے جس کی زبان اردو ہے، انیس صدی، یعنی اردو مرثیہ گو یوں کے مزاج میر انیس کی صد سالہ برسی بڑے اہتمام سے مناکرا اپنے زندہ ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ میر انیس اردو کے چوٹی کے شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا ہے کہ انیس کے مرثیے اور غالب کی غزلیں عالمی ادب کو اردو کی دین ہیں۔ میر انیس نے اپنے مرثیوں کے ذریعے اردو شاعری کو سوز و گداز و اخلاقی بلندی کی دولت عطا کی۔ انھوں نے مرثیے کو اتنی وسعت دی کہ وہ جذبات نگاری، منظر کشی، رزمیہ، ڈراما سبھی کا گلدستہ اور فکر و فن کا ایک جلوہ صُغُنک بن گیا۔

میر انیس کا انتقال ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ مطابق دسمبر ۱۸۷۴ء کو لکھنؤ میں ہوا تھا۔ جنوری ۱۹۷۱ء میں مرکزی انیس صدی کمیٹی کا قیام عمل میں آیا اور اس کا مقصد تھا کہ میر انیس جیسے عظیم شاعر کی وفات کی صدی ان کے شایان شان منائی جائے۔

کمیٹی کے پیش نظر حسب ذیل کام تھے :

- ۱۔ انیس کے کل مرثیوں کے نئے اڈیشن شائع کرنا (ان کے مرثیوں کے متعدد مجموعے مختلف اوقات میں شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن نہ تو یہ مجموعے ان کے پورے کلام پر حاوی ہیں نہ ان میں سے بیشتر میں متن کی صحت کے جدید ترین علمی تقاضوں کو مد نظر رکھا گیا ہے اسی لیے انیس کے کلام کو سارے قلمی نسخوں اور مطبوعہ نسخوں سے مقابلے کے بعد جدید

امیوں کے مطابق مرتب کر کے ممتاز انیس شناس ادیبوں کے مقدموں کے ساتھ شائع کرنے کی تجویز ہے)

- ۲۔ منتخب مرانی کو مع مقدمہ اور ضروری تشریحات دیوناگری رسم الخط میں شائع کرنا۔
- ۳۔ میر انیس کے غیر مطبوعہ کلام کو جس کے بارے میں یہ خیال ہے کہ مختلف کتب خانوں یا گھرانوں میں محفوظ چلا آ رہا ہے، حاصل کرنا اور کامل تحقیق کے بعد شائع کرنا۔
- ۴۔ دہلی اور دیگر شہروں میں انیس، ان کے کلام اور عہد کے متعلق سیمینار اور سمپوزیم منعقد کرنا اور آل انڈیا ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے انیس کے متعلق تقریریں اور فلمیں نشر کرنا۔
- ۵۔ محکمہ ڈاک و تار سے انیس صدی یادگاری ٹکٹ جاری کرانا۔
- ۶۔ مزار انیس کی مرمت اور درستی۔
- ۷۔ انیس کے مکان کو (جو بہت خستہ حالت میں ہے اور جس کا کافی حصہ منہدم ہو چکا ہے) خرید کر اس کی مرمت کرانا اور منہدم حصے کو نئے سرے سے تعمیر کرانا۔
- مندرجہ بالا امور میں سے مرکزی انیس صدی کمیٹی اب تک حسب ذیل کام انجام دے چکی ہے۔

انیس صدی تقریرات کا آغاز ایک سیمینار سے ۲۲ اپریل ۱۹۷۵ء کو صدر جمہوریہ ہند عالی جناب محمد الدین علی احمد کے مبارک ہاتھوں سے ایوان غالب نئی دہلی میں ہوا۔ اور جناب پروفیسر نور الحسن وزیر تعلیم حکومت ہند نے اس کی صدارت فرمائی۔ اس دوران کے سیمینار میں ہندستان کے ممتاز ادیبوں اور ناقدوں نے میر انیس کے کلام اور ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ ۷ مارچ ۱۹۷۶ء کو انیس صدی کمیٹی نے ہندوپاک انیس صدی سمپوزیم کا غالب ایکڈم، میں انعقاد کیا۔ سمپوزیم کا افتتاح پروفیسر نور الحسن صاحب نے فرمایا۔ پروفیسر نور الحسن کے ہاتھوں انیس صدی سلسلے کی پہلی مطبوعہ کتاب ”مہاکوی انیس“ مرتبہ بیگم سالجہ عابد حسین کی رسم اجرا عمل میں آئی جسے بھارتیہ گیان پیٹھ نے دیوناگری میں شائع کیا ہے۔ یہ دونوں علمی اجتماع پروفیسر گوپی چند نارنگ کے زیر اہتمام شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اشتراک و تعاون سے نہایت وسیع پیمانے پر منعقد ہوئے۔ ہندوپاک سمپوزیم میں جناب رشید الدین سابق ڈائریکٹر جنرل ریڈیو پاکستان نے شرکت کی اور اپنی تقریر میں انیس کو خراج تحسین پیش کیا۔ ڈاکٹر

وزیر آغا اور جناب انتظار حسین جو پاکستان سے مدعو کیے گئے تھے، بوجہ نہ آکے مگر انہوں نے اپنے مقالے بجاوادیے تھے جو پڑھے گئے۔ سپوزیم کے دو اجلاس ہوئے جن میں ملک کے متعدد ممتاز ادیبوں اور نقادوں نے مقالے پڑھے۔ یہ تمام مقالے کتابی صورت میں شائع کیے جائیں گے۔ جنہیں پروفیسر گوپی چند نارنگ مرتب کر رہے ہیں۔ کمیٹی اس زمانے میں مختلف طریقوں سے برابر سرگرم کار رہی اور میر انیس کے فکر و فن کی بلندی سے ملک کو روشناس کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے۔

حکومت ہند کے محکمہ ڈاک و تار نے انیس صدی یادگاری ٹکٹ جاری کیا۔ آل انڈیا ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے انیس کے بارے میں مختلف پروگرام پیش کیے۔ ظاہر ہے کہ کمیٹی کا سب سے اہم کام انیس کے کام کی اشاعت ہے جس کے لیے ہمیں حکومت ہند اور ترقی اور بورڈ کا تعاون حاصل ہے۔ اس سلسلے کی پہلی دو کتابیں مراٹھی انیس کا نمائندہ انتخاب ہیں۔ اس انتخاب کی پہلی جلد "انیس کے مرثیے" بیگم عالمہ عابد حسین نے مع دیا چاند مقدم اور فرہنگ مرتب کی ہے اور دوسری جلد کا کام جاری ہے۔ انیس کے غیر مطبوعہ مراٹھی کوشائع کرنے کے لیے نظام ٹرسٹ نے بچاس ہزار روپے کا گرانقدر عطیہ دیا ہے۔ یہ کام جناب نائب حسین نقوی نے شروع کیا تھا اور اب جناب شہاب سمدی اسے انجام دے رہے ہیں۔ انیس کے سلاموں اور رباعیوں کے مجموعے جناب علی جواد زیدی نے پرمغز مقدموں کے ساتھ تیار کیے ہیں۔ انیس صدی کمیٹی نے طے کیا تھا کہ انیس کی حیات اور شخصیت پر بھی ایک کتاب لکھوائی جائے۔ اس کے لیے پروفیسر مسعود حسین رضوی ادیب مرحوم سے درخواست کی گئی تھی۔ مرحوم انیسیات کے ممتاز ترین ماہر اور دراصل انیس صدی تحریک کے روح رواں تھے۔ انیسوس کہ وہ حیات انیس لکھنے کا کام انجام نہ دے سکے۔ اب اس کی ذمہ داری ڈاکٹر خلیق انجم نے لی ہے میر انیس کے مزار اور مکان کے سلسلے میں لکھنؤ کی انیس صدی کمیٹی نے کافی پیش رفت کی ہے۔ اگر کچھ کام باقی رہ گیا اور مرکزی کمیٹی کے دسائل نے اجازت دی تو وہ اس کی طرف بھی توجہ کرے گی۔

آخر میں مجھے ان تمام کرم فرماؤں اور اداروں کا شکریہ ادا کرنا ہے جن کی امداد، رہنمائی اور مشوروں سے ہمارا کام آگے بڑھ سکا۔ عالی جناب فخر الدین علی احمد، صدر جمہوریہ ہند کا افتتاحی ارشادات سے انیس صدی کمیٹی کی تقریبات شروع ہوئیں۔ پروفیسر نور الحسن وزیر تعلیم حکومت ہند نے ہماری ہر طرح مدد اور ہمت افزائی کی۔ جناب نواب علی اور جنگ گورنر مہاراشٹر نے ہمارے

کام میں گہری دلچسپی لی۔ ہنزہ بولی نس ڈاکٹر سیدنا محمد برہان الدین اور جناب مصطفیٰ رشید شروانی کی بروقت مالی امداد سے ہم اپنا کام شروع کر سکے۔ ترقی اردو بورڈ اور اس کے چیرمین ڈاکٹر عبدالعلیم مرحوم کے حدودِ جرہ شکر گزار ہیں کہ انھوں نے ہماری کمیٹی کی تیار کرائی ہوئی انیسٹریگاری کتابوں کی طباعت اور اشاعت کی ذمہ داری لے کر ہمارا کام بہت ہلکا کر دیا۔ حکومت ہند اور محکمہ ڈاک و تار اور آل انڈیا ریڈیو، ٹیلی ویژن کی معاونت اور اشتراک کا بھی میں دل سے اعتراف کرتا ہوں۔ بھارتیہ گیان پیٹھ کا بھی میں مشکور ہوں جنھوں نے ہماری سب سے پہلی کتاب دیوناگری میں شائع کی۔

آخر میں اپنے تمام ساتھیوں خصوصاً جناب مالک رام، ڈاکٹر سید عابد حسین، جناب علی جواد زیدی، بیگم مالحہ عابد حسین، پروفیسر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر صدیق الرحمن قذافی اور ڈاکٹر خلیق انجم کی خدمت میں پر خلوص شکریہ پیش کرتا ہوں، اور بھارتیہ گیان پیٹھ اور شعبہ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ کا شکریہ گزار ہوں کہ ان سب کے تعاون و اشتراک کے بغیر یہ اہم اور مشکل کام انجام نہ پاسکتے تھے۔

بشیر حسین زیدی

(مکمل سید بشیر حسین زیدی)

صدر مرکز زینیس صدی کمیٹی

دیباچہ

مرکزی یادگار انیس صدی کمیٹی نے، میر انیس کی صد سالہ برسی کے موقع پر ان کے کلام کے بڑے حصے کی اشاعت کا جو ارادہ کیا ہے وہ بڑا مستحسن ہے۔ اس سلسلے میں انیس کے مطبوعہ مراٹی کا ایک نیا انتخاب، مرکزی انیس صدی کمیٹی اور ترقی اردو بورڈ کے اشتراک سے، دو جلدوں میں شائع کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ اور یہ کام میرے سپرد کیا گیا۔ کام بہت بڑا اور مشکل تھا۔ میں نے اس وقت بھی معذرت کی اور اب بھی اس کا اعتراف کرتی ہوں کہ انیس کے کلام کے انتخاب کا پورا حق ادا کرنا میرے بس کی بات نہ تھی۔ اس کے لیے مجھ سے بہتر ادیب و نقاد مل سکتے تھے۔ لیکن کمیٹی کے اراکین کے اصرار کے سامنے مجھے سپرد الہی پڑی۔ شاید میرے نام قرعہ فال نکلنے کی ایک وجہ یہ ہو کہ میں جس کام کو ہاتھ میں لیتی ہوں، جب تک اسے کرنے لوں چین نہیں لیتی۔ یہ میری کمزوری ہے۔ اور دوسرے بڑے ادیبوں و نقادوں کی امید نہ تھی کہ وہ سب کام چھوڑ کر اس میں لگ جائیں گے اور وقت پر یہ کام ہو سکے گا۔ بہر حال گزشتہ آٹھ مہینوں سے، میں، اپنی ساری پریشانیوں اور بیماری وغیرہ کی رکاوٹوں کے باوجود اس کام میں لگی رہی اور خدا خدا کر کے انتخاب انیس کی پہلی جلد کا کام مکمل ہو گیا۔

میر انیس کے کلام کا انتخاب کس قدر مشکل ہے اس کا احساس اس زمانے میں اور زیادہ ہوا۔ بے شک ان کے کچھ مرثیے، جو غالباً ابتدائی دور کے ہیں، ان کے بہترین مراٹی سے کم درجہ کے ہیں، مگر ان کے سلی اند باند پایہ مرثیے بھی اتنے زیادہ ہیں کہ صرف نو سو صفحات میں ان کو سمیٹ دینا دریا کو کونڈے میں بند کرنا ہے۔ منتخب کا کوئی کیا انتخاب کرے؟

دوسری مشکل یہ تھی کہ گزشتہ پچیس بیس سال میں میر انیس کا مطبوعہ کلام بہت کم دوبارہ

چھاپا ہے اور جو چھپا وہ بھی اکثر اخلاط سے اس قدر کڑا کہ اُسے قابلِ اقتناء نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔ منشی نول کشور پریس کے مطبوعہ نسخے (جو میر انیس کے مرانی کے سب سے پہلے پبلشر تھے) لاٹریہروں میں بھی دستیاب ہونے مشکل تھے۔ یا تو تھے ہی نہیں یا پھر اتنی زندہ حالت میں کہ وہ لوگوں کو ہڑسنے کے لیے نہیں دیے جاسکتے۔ خود میرے پاس یوں تو انیس کے مرانی کے بہت سے نسخے تھے مگر قدرِ اولوں کی بدولت اب بہت کم رہ گئے ہیں۔ پھر بھی نظامی پریس برادریوں کی تینوں جلدیں، دو تین منشی نول کشور پریس کے نسخے موجود تھے مگر وہ بھی کثرتِ استعمال سے بڑی حد تک زندہ ہو چکے ہیں۔ رواج انیس، رزم نامہ انیس، وقار انیس وغیرہ میرے پاس موجود ہیں۔ مگر یہ بہت ہی مختصر انتخاب ہیں۔ کسی طرح میں نے دگنے گئے دام دے کر کچھ کتابیں لکھنؤ سے منگائیں۔ منشی نول کشور پریس کی لکھنؤ اور کانپور کی چھپی کچھ جلدیں علی گڑھ کی مولانا آزاد لائبریری سے جناب محمد حسین رضوی کی مہربانی سے مجھے ملی گئیں۔ دو جلدیں جامعہ لکھنؤ کی ڈاکٹر حسین لائبریری سے بھی، انصاری صاحب کی حمایت سے دستیاب ہوئیں۔ جناب نائب حسین نقوی نے بھی اپنے مرتبہ مرثیوں کے انتخاب کی جلدیں دیں جو پاکستان سے شائع ہوئی ہیں۔ اس طرح میں نے کسی نہ کسی طرح مرانی انیس کے متعدد نسخے فراہم کر لیے۔ مگر یہ ایک ہی سنہ اور ایک ہی سلسلے کی جلدیں نہ تھیں۔ کوئی انیسویں صدی کی آخر کی چھپی ہوئی ہے تو کوئی بیسویں صدی کے شروع کی۔ اولیہ ایک انفسوسناک حقیقت ہے کہ ان میں بھی بیشتر مرانی اخلاط سے پڑے ہیں۔ کچھ کتابوں کی مہربانی، کچھ مرثیوں کی لاہروانی ہو سکتی ہے (کیا کہہ سکتی ہوں کہ خود میرے اس انتخاب میں کتنی غلطیاں رہ جائیں گی) البتہ نظامی پریس برادریوں کی مطبوعہ تینوں جلدیں بڑی حد تک غلطیوں سے پاک اور مستند بھی جاسکتی ہیں۔ رواج انیس مرتبہ جناب سید مسعود حسین رضوی ادیب سبک مستند ہے۔ مگر اس میں کل پانچ مرثیے ہیں جن میں سے صرف دو میں نے اس پہلی جلد میں شامل کئے ہیں۔ نظامی پریس برادریوں کی تینوں جلدوں میں انیس کے سب نمایندہ اور بہترین مرثیے نہیں آسکے ہیں۔ بہر حال میں نے مرتب کرتے وقت ان سب جلدوں کو پیش نظر رکھا۔ بنیادی نسخہ، جو مرثیے رواج انیس میں تھے، اس کو بنایا، باقی مرثیوں میں اول تو نظامی پریس برادریوں کی تینوں جلدوں کو بنیاد بنایا ہے۔ اور ایک مرثیہ کے لیے جناب نائب حسین نقوی کی کتاب کہہ اور دو ایک کے لیے منشی نول کشور پریس کی مطبوعہ کتابوں کو بنیاد قرار دیا گیا۔ دوسرا نسخہ عام طور پر منشی نول کشور پریس کی مطبوعہ جلدیں مسترد دی گئی ہیں۔ اتنا میں جانتی ہوں کہ کتابوں کو ایڈٹ کرتے وقت مقابلے کے لیے

بھنے زیادہ نئے مل سکیں اتنا ہی اچھا ہے۔ اور مجھے اعتراف ہے کہ جتنے میں چاہتی تھی اتنے نسخے فراہم کرنے میں ناکام رہی۔ یہاں تک کہ ایک ہی اڈیشن کی سب سلسلہ وار کتابیں بھی مجھے نہ مل سکیں۔ ایک بات واضح کر دینا چاہتی ہوں۔ میرے پیش نظر کوئی تحقیقی کام کرنا نہ تھا بلکہ میرا نیس کے اعلیٰ درجہ کے مرثیوں کا انتخاب کر کے مرتب کرنا تھا۔ اس میں میں نے دو باتوں کا لحاظ رکھا ہے۔ ایک تو میرے پیش نظر اردو کے صاحب ذوق پڑھنے والے، زبان اور ادب کے اچھی واقفیت رکھنے والے حضرات تھے جو کلام انیس کو پڑھ کر سمجھ سکیں۔ اس سے خطا اٹھا سکیں۔ دوسرے طالب علم اور کم استعداد والے حضرات کا بھی خیال رکھا ہے۔ اور اس کے لحاظ سے مختصر سی فرہنگ آخر میں دے دی گئی ہے جس میں مشکل لفظوں، ترکیبوں، تشبیہوں، استعاروں وغیرہ کو واضح کیا ہے اور بعض جگہ پورا مصرع یا شعر کا مطلب سمجھا دیا گیا ہے۔ تحقیقی کام کرنے والوں کی خاطر آخر میں اختلاف نسخ بھی دے دیا گیا ہے۔ اس پہلے مجموعہ میں اٹھارہ مرثیے ہیں۔ ان کی ترتیب میں یہ بات ملحوظ رکھی گئی ہے کہ واقعہ کر بلا کے حالات اور واقعات روایت کے مطابق جس ترتیب سے مرثیوں میں پیش کیے جاتے ہیں اسی طرح سے ہم بھی ترتیب دیں۔ اس مجموعہ کا پہلا مرثیہ ہے۔

یارب چمن نظم کو گلزار ابرام کر

اس میں دعائیہ اشعار کے بعد امام حسین کی ولادت اور بعد میں شہادت کا تذکرہ کیا گیا ہے دوسرے مرثیہ کا مطلع ہے۔

جس دم یزید شام میں سمنڈیشیں ہوا

جس میں یزید کا امام حسین سے بیعت کا مطالبہ امام حسین کا اس سے انکار اور مدینہ چھوڑ کر کوٹنے کی سمت جانے کے ارادہ کا تذکرہ ہے۔ تیسرا مرثیہ

فرزند ہمیں سر کا مدینے سے سفر ہے

انیس کے شاہکار مرثیوں میں سے ایک ہے۔ اس میں امام حسین کا غلام سفر ہونا، بیمار بیٹی ہے وخصت، اس کی حالت، مدینے سے روانگی، اہل مدینہ اور خود مسافروں کی ذہنی کیفیت اور جذبات کو بڑی خوبی اور فن کاری کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

اگلے دو مرثیوں،

سب طمانی سے منزل مقصد قریب ہے

اور ۛ جب کربلا میں داخلہ مشاہدیں ہوا
میں امام حسین کے سفر کے اور کربلا میں ورود کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ دونوں مرثیے بھی
انیس کے بہترین مرثیوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ پہلے میں سفر کی کٹھنائیوں کا تذکرہ اور حسینؑ کے اہل
مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر کا ذکر ہے اور دوسرے میں امام کا کربلا میں داخل ہونا، نیچے نصب کرنا،
حضرت عباسؓ کی بہادری اور دشمن کی فوج سے مقابلہ کرنے کا اور آخر میں حضرت عباسؓ کی شہادت کا
بیان ہے۔

خدا فارس میدان تہور تماخر
اس مرثیے سے روز عاشورہ کے مصائب کی ابتدا ہوتی ہے۔ حر کا دشمن کی فوج کو چھوڑ کر امام حسینؑ کی
طرف آنا، معافی طلب کرنا، اس کا جہاد اور شہادت اس مرثیے میں دکھائی گئی ہے فن کا راز نقطہ نظر سے
یہ انیس کا بڑا بلند پایہ مرثیہ شمار ہوتا ہے۔ اس میں ڈرامائی عناصر، مکالمہ نگاری اور جذبات اور تیر کشی
کا کمال پورے عروج پر نظر آتا ہے۔ حر کے حال کا دوسرا مرثیہ ۛ
طے کر چکا جو منزلی شب کا روانہ صبح
بھی انیس کے نہایت عمدہ مرثیوں میں شمار ہوتا ہے۔ خاص طور پر اس کا چہرہ جس میں صبح شہادت
کا تذکرہ ہے۔

کیا فوج حسین کے جوانان حسین تھے
اس مرثیہ میں امام حسینؑ کی بہادریوں کی چھوٹی سی جماعت کا مختصر مگر بڑا جامع تعارف کرایا گیا ہے اور
ان کی شہادت کا تذکرہ اگرچہ ایک ایک دو دو بندوں بلکہ بعض جگہ ایک دو مصرعوں میں کیا گیا ہے مگر
اس قدر پڑا ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ آخر میں امام حسینؑ کے بوڑھے دوست اور رفیق حبیب ابن عطاء
کے جہاد اور شہادت پر ختم کیا گیا ہے!

اب امام حسین کے عزیزوں کی شہادت کا بیان شروع ہوتا ہے ۛ

جب زلف کو کھولے ہوئے لٹائے شب آئی

جب حر کو ملا خلعت پڑ خون شہادت

اور ۛ میرا انیس کے نہایت بلند پایہ اور پڑاثر مرثیے ہیں۔ پہلے میں شب عاشورہ کی سیاہی اور بولساکی،
صبح عاشورہ حسینی طم کے نکلنے اور حضرت عباسؓ کو طم بردار چٹنے جانے کا تذکرہ، عون اور محمدؓ حضرت زینبؓ

کے بیٹوں پر اس کا بد عمل اور اس کا شکوہ کہ ماموں نے ہمیں علم بروا نہیں پڑنا حالانکہ ہم علم اور جعفر کے ورثہ دار ہیں۔ ماں کی تنبیہ، بچوں کی پیشانی، بھرتوں کی رخصت، جہاد، بہادری سے جنگ کرنا اور شہادت پانا، ماں کا حوصلہ اور مائتائی کی تربیت کا بے مثال امتزاج اس خوبی اور جہاد کے ساتھ دکھایا گیا ہے جس کا جواب ملنا محال ہے۔ دوسرے مرثیے میں بھی مومن اور محمد کی جرأت، بہادری، جاں نثاری و وفاداری، حضرت زینب کی بھائی سے الفت، بچوں کو قربان کرنے کا جذبہ ان کی شہادت، ماں کا صبر اور بھرتوں کی جدائی کی تربیت اسی خوبی سے دکھائی گئی ہے۔

اگلے دوسرے قاسم بن مصیٰ کے حال کے ہیں۔
جب حضرت غضب کے پھر مر گئے دونوں

اور ے

پھولا شفق سے چرخ پر جب لالہ زار صبح

ان دونوں میں قاسم کی، اپنی والدہ، نئی بیابانی دہن سے رخصت، بچا سے اجازت، بے مثال بہادری سے جہاد کرنا اور شہادت پانا دکھایا گیا ہے۔ اول الذکر مرثیہ میں اگر بے تکلف روزمرہ اور سیرت و شخصیت نگاری کا کمال ہے تو دوسرے میں فن کاری اور حسن بیان اور حسن ادا کا جادو ہے۔ اس کے بعد کے تین مرثیے ے

آمد ہے کہ بلا کے نیستاں میں شیر کی

اور ے

جاتا ہے شیر بیشہ جسد فرات پر

اور ے

جب آب رواں نند ہوا فوج خدا پر

حضرت عباس کے حال کے ہیں۔ ان کی بے مثل شجاعت اور بہادری، وفا اور جاں نثاری، بھائی اور اس کے بچوں سے بے پناہ الفت، بچوں کے لیے پانی لانے کی جدوجہد میں شہادت پانا اور پیارے بھائی کی جدائی سے۔ امام حسین، حضرت زینب اور ان کی وفا شعار بیوی کا جو حال ہوا۔ اس کی مرتع کشی جس طرح کی گئی ہے وہ داد سے بے نیاز ہے۔ میر انیس نے حضرت عباس کے حال کے کتنے ہی مرثیے لکھے ہیں اور ان میں زیادہ تر ان کے بہترین مرثیوں میں شمار ہوتے ہیں۔

آخر کے تین مرثیے امام حسین کے کڑیل جوان بیٹے علی اکبر سے متعلق ہیں۔
جب بادشاہ کشتی شاہ اُمم گرا

اور

دولت کوئی دنیا میں پسرے نہیں بہتر
دونوں مرثیے بڑے پڑا اثر اور درد بھرے ہیں۔ لیکن آخری مرثیہ سے
جب غازیانِ فوج خدا نام کر گئے

انیس کے ان گنتی کے تین یا چار مرثیوں میں سے ایک ہے جن میں انیس کی شاعری اپنے معراج کمال پر
پہنچ چکی ہے اور ان کی مرثیہ نگاری کی ساری خصوصیات اس میں جمع ہو گئیں ہیں۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا میں نے دو باتوں کا خاص طور پر خیال رکھا ہے۔ اول تو یہ کہ واقعہ کر بلا
کے جتنے اہم کردار ہیں ان سب کے حال کے مرثیے ترتیب وار آجائیں تاکہ بڑھنے والے کو واقعات
کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ اب تک مرثیہ کی ترتیب کا یہی عام دستور رہا ہے اور میں بھی اسی کو ترجیح دیتی
ہوں۔ دوسری کوشش یہ کی گئی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو انیس کے بہترین اور نمائندہ مرثیے انتخاب
میں آجائیں (دوسری جلد میں زیادہ تر مرثیے امام حسین کی شہادت سے اور امام کی شہادت کے بعد کے واقعات
سے متعلق ہوں گے جن کا تذکرہ ہم دوسری جلد کے مختصر دیباچہ میں کریں گے، ان میں دو ایک مرثیے
واقعات کے بیان کی تسلسل کی خاطر ایسے بھی دیئے پڑے جو ذرا دبتے ہوئے ہیں۔ ویسے یہ میں جانتی
ہوں کہ پسند کا معاملہ بڑا پیچیدہ اور نازک ہوتا ہے۔ ایک چیز جو مجھے بہترین معلوم ہوتی ہے ہو سکتا ہو
کہ دوسروں کو نہ معلوم ہو۔ بہر حال میں نے اس کی کوشش ضرور کی ہے کہ وہ سب مرثیے ان دونوں مجموعوں
میں آجائیں جن میں انیس کے کلام کی اہم خصوصیات موجود ہوں اور جو ان کا نمائندہ کلام کہا جاسکے۔

میر انیس کے مرثیوں کی پہلی جلد، اعلیٰ درجہ کی کتابت اور طباعت سے آراستہ پراستہ
ہو کر صاحبانِ ذوق کی خدمت ہے۔ خدا کرے وہ قبولِ عام کی سند حاصل کرے۔

مقدمہ

(۱) مرانی کا پس منظر — کر بلا کا المیہ

میر انیس کے کلام کو سمجھنے کے لیے مرثیہ کے پس منظر سے واقف ہونا ضروری ہے کہ جب تک ان واقعات کا کم سے ہلکا سا خاکہ ذہن میں نہ ہو جن کو مرثیہ نگاروں نے اپنا موضوع سخن بنایا ہے مرثیہ کی خوبیوں اور خامیوں کو پرکھنا اور سمجھنا ممکن نہیں۔ اب سے تیس پینتیس برس پہلے تک اردو پڑھنے اور جاننے والوں میں ایسے لوگوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی جو واقعات کر بلا سے کسی دیکھی حد تک واقفیت رکھتے تھے اور مرثیہ سے لطف اٹھا سکتے تھے۔ لیکن گزشتہ پچیس تیس سال میں اُردو پر جو وقت گزرا اس کی وجہ سے مرثیہ وہ بھی انیس کے مرثیہ سمجھنے والے بہت کم رہ گئے۔ پھر اس کی امید کیسے کی جاتی کہ مرثیہ — وہ بھی انیس کا مرثیہ — سمجھنے والے مل جائیں گے؟ مگر خدا کا شکر ہے کہ ناامیدی کے بادل اب چھٹ رہے ہیں۔ اردو کے ساتھ کی گئی نا انصافیوں کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔ اردو کے بڑے شاعروں اور ادیبوں کے بے مثال کارناموں کی طرف بھی توجہ دی جا رہی ہے۔ ان کا نام سامنے آ رہا ہے۔ میر انیس کے مرانی کی اشاعت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی سمجھی جاوے۔

مرثیہ کے لغوی معنی اس نظم کے ہیں جو کسی مرنے والے کی یاد میں کہی جائے۔ اردو میں واقعات کر بلا سے متعلق مرثیوں کے علاوہ اور بھی مرثیے کہے گئے ہیں جن میں سب سے مشہور اور پُر اثر مرثیہ مولانا حالی کا مرثیہ غالب ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے ”والدہ مرحومہ کی یاد میں“ جو نظم

کہی ہے وہ بھی اردو کے بہت عمدہ مرثیوں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ لیکن جب ہم صرف لفظ ”مرثیہ“ بولتے ہیں تو ذہن فوراً شہادتِ امام حسین اور واقعاتِ کربلا سے متعلق کئی گئی نظموں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور اب اردو میں مجرد لفظ ”مرثیہ“ اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں ہم واقعہ کربلا کا مختصر سا تذکرہ، تاریخِ کربلا کی روشنی میں پیش کریں گے جو تاریخِ انسانی میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔

واقعہ کربلا کے سرورِ امام حسینؑ پیغمبرِ اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھوٹے نواسے اور اسلام کے پیروں کی طرف سے مہرِ طعن کی بیٹے تھے، علی جنہوں نے اسلام کی بقا اور اشاعت کے لیے زندگی بھر لڑا اور کھانا پینا بھلیں اور دشمنوں سے مقابلہ کر کے فتح کے جھنڈے گاڑے۔

پیغمبرِ اسلام کے ظہور کے وقت دنیا میں عموماً اور ملکِ عرب میں خاص طور پر جہل و کفر کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ عرب لوگ تہذیب و تمدن سے دور، جہالت اور ظلم، گمراہی اور خونِ غلیبہ کی دنیا میں مگن تھے۔ مگر ان ہی میں ایک قبیلہ بنو ہاشم کا تھا جو دیانت دار، شریعتِ انفس، سخی اور حق پرست تھا۔ خاندانِ کعبہ کی تولیت بھی اسی کے سپرد تھی۔ محمد مصطفیٰ اس قبیلے کے سردار عبدالمطلب کے پوتے تھے۔ ان کے والد حضرت عبد اللہ کا انتقال ان کی ولادت سے چند ماہ پیش تر ہو گیا تھا اور دادا نے اس دُرِ قیم کو پالا پوسا تھا۔ جب آٹھ سال کی عمر میں وہ بھی فوت ہو گئے تو ان کے چچا ابوطالب نے بھتیجہ کو اپنے سایہِ عاطفت میں لے لیا۔ (علیؑ انھیں کے چھوٹے بیٹے تھے)۔ چالیس سال کی عمر میں حضرت محمدؐ کی طرف سے نبیِ مبعوث کے گئے۔ اس کے بعد آپ کو خود عرب لوگوں کے ہاتھوں اور بعد میں یہودیوں و فرہ سے بھی، سخت تکلیفیں پہنچیں۔ ایک خدا کی عبادت کی دعوت دینے والے کے ساتھ تھوڑے لوگ تھے اور ساری دنیا ان حق پرستوں کی مخالفت پر تلی ہوئی تھی۔ لیکن جیسا کہ ہمیشہ سے تاریخِ انسانی میں ہوتا آیا ہے بالآخر حق فتح مند ہوا اور باطل کو جھکنا پڑا۔ ان حضرت نے سب معائب جھیلے مگر پیامِ حق پہنچانے سے ہمت نہیں موڑا جب تک ساری عرب دنیا اسلام کے سامنے جھک نہیں گئی۔ انھوں نے ایک وحشی قوم کو دنیا کی مہذب، شریف اور امن پسند قوم میں بدل دیا۔ یہ بجائے خود آں حضرت کا ایک معجزہ کہا جاسکتا ہے۔

حضرت محمدؐ کی مخالفت میں سب سے پیش پیش عرب کا ایک قبیلہ بنو امیہ کا تھا۔ کئی

ہشت اوپر جا کر ان کا نسب بنو ہاشم سے مل جاتا تھا۔ مگر چونکہ بنو ہاشم کی عرب میں عزت و احترام تھا اور خاندان کعبہ کے متولی ان ہی میں سے چنے جاتے تھے جو بڑے شرف کی بات تھی۔ اس لیے خاص طور پر بنو امیہ کو بنو ہاشم سے حسد تھا۔ اور آں حضرت کی دشمنی اور مخالفت میں یہ قبیلہ مسلسل لگا رہا۔ لیکن جب حضرت محمدؐ کو خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر فتح مکہ حاصل ہو گئی اور ساری دنیا سے عرب مسلمان ہو چکی تو بنو امیہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ مگر اس کے چند افراد کو چھوڑ کر وہ مصلحتاً مسلمان ہوئے تھے اور بنو ہاشم سے حسد اور دشمنی کے جذبات دل میں ویسے ہی موجزن تھے اور قوت و اقتدار کی تمنا بھی ہوئی سمجھو دیتی۔ آں حضرت نے فتح مکہ کے وقت عفو و کرم کی وہ مثال پیش کی جس سے دنیا کے فاقوں کی تاریخ خالی ہے یعنی اپنے سب مخالفوں اور دشمنوں کو دل سے معاف کر دیا۔ بنو امیہ بھی انھیں میں تھے۔ اور اس طرح یہ ظاہری مسلمان بھی آپ کے حلقہ میں شامل ہو گئے۔

آں حضرت کی زندگی میں اور ان کی وفات کے ایک عرصہ بعد تک یہ دشمنی کھل کر سامنے نہیں آئی۔ پہلے دو خلفائے زمانے میں بھی بنو امیہ بظاہر دبے رہے لیکن اندر ہی اندر ان کی رش و دانا جاری تھیں۔ تیسری خلافت کے دور میں ان کا اقتدار شروع ہوا اور حضرت علیؑ کے زمانہ خلافت میں وہ کلم کھلا مقابلے پر آ گئے۔ حضرت علیؑ سے خاندانی اور نسلی دشمنی کے علاوہ مخالفت کی اور بھی کئی وجوہ تھیں۔ وہ حضرت محمدؐ کے چہیتے چھا زاد بھائی تھے۔ انھیں سے آپ نے اپنی لاڈلی بیٹی سیدہ النساء فاطمہؑ زہرا کا عقد کیا تھا۔ ان کے بیٹے حسنؑ اور حسینؑ فرزند رسول کہلاتے تھے اور رسول اللہؐ انھیں بے انتہا چاہتے تھے۔ پھر حضرت علیؑ نے رسول اللہؐ کے ساتھ دشمنوں سے ہمیشہ نہایت بہادری کے ساتھ جہاد کیا تھا اور جانے کتنے لوگ ان کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ پھر جب حضرت علیؑ غلیظہ ہوئے تو انھوں نے ہر قسم کی وہ مراعات جو لوگوں کو ملی ہوئی تھیں، بند کر دیں۔ وہ خدا اور رسول کے حکم کے مطابق یرت المال کی تقسیم کرتے۔ اپنے عمال پر انصاف اور مساوات کی تاکید رکھتے۔ جن لوگوں کو گذشتہ زمانے میں بہت سے فائدے اور مراعات حاصل تھیں ان کا مخالف بن جانا کوئی حیرت کی بات نہیں کہ اب نہ اقربا پروری کی گنجائش تھی نہ کسی رُورعایت کی امید۔ حضرت علیؑ نے تو اسلام کی سچی روح اور اصلی تعلیم کے مطابق سیدھی سادھی حق، انصاف اور مساوات پر مبنی

حکومت قائم کی تھی۔ اور کسی حال میں، کسی قیمت پر اس سے روگردانی نہ کرتے تھے۔ چنانچہ بنو امیہ اور ان کے ساتھی کھلم کھلا حضرت علی کے مقابلے پر آگئے اور عظیم بغاوت بلند کر دیا۔ شام میں امیر معاویہ نے (جو اس وقت بنو امیہ کے بڑے با اثر اور مدبر لیڈر تھے) ایک متوازی حکومت قائم کر لی اور خلیفہ رسول ہونے کا دعویٰ کیا۔ وہاں دولت، اقتدار، شاہی شان و شوکت کا جلوہ نظر آتا تھا۔ شام اور آس پاس کے بہت سے نو مسلم لوگ اور علاقے ان کے ساتھی بنائے گئے تھے۔ اس سلسلے میں ان کی اور حضرت علی کی پہلے بات چیت ہوئی، پھر جنگ ہوئی۔ اور اسلام میں تفرقہ کی بنیاد پڑ گئی۔ اگرچہ عام مسلمانوں نے حضرت علی ہی کو اپنا پیشوا اور خلیفہ سمجھا مگر ایک طبقہ بہر حال امیر معاویہ کے ساتھ رہا۔

حضرت علی اپنے اعمال یا گورنروں پر بھی کڑی نظر رکھتے تھے اور ان کی بدعنوانیوں کو زورہ بھر برداشت نہ کرتے تھے۔ جو شخص اسلام کے حکم سے روگردانی کرتا اُسے معطل بھی کر دیتے تھے۔ اب ظاہر ہے کہ جو لوگ حضرت علی کی بدولت اقتدار و دولت کھو بیٹھے وہ بھی امیر معاویہ کے حامی بن جاتے ہوں گے۔ اس کے علاوہ ایک فرقہ خارجیوں کا بھی تھا جو حضرت علی اور امیر معاویہ دونوں سے بیزار تھا اور چاہتا تھا کہ ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہے۔ ان میں سے ایک شخص ابن مہم نے مسجد کوفہ میں، جب صبح صادق کے وقت حضرت علی سر بسجود تھے، ایک زہر آلود تلوار سے ان کے سر پر وار کیا جس سے آپ کا سر دو پارہ ہو گیا اور وہ دو دن بعد رحلت فرما گئے۔ اب امیر معاویہ نے اپنی حکومت اور مضبوط بنالی اور باقاعدہ اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ لیکن مکہ، حجاز اور عراق میں بہت سے لوگ ایسے موجود تھے جو رسول اللہ کی جانشینی اور خلیفہ وقت ہونے کے قابل صرف ان کے جگر گوشہ اور نواسے امام حسن اور امام حسین کو سمجھتے تھے۔ انھوں نے امام حسن کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا تھا۔ مگر حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کر لی کہ اگر امام حسن امیر معاویہ کو بیعت پر مجبور کرنا چاہتے تو جنگ چھڑ جاتی اور خون خرابا ہو جاتا۔ امیر معاویہ نے امام حسن کے پاس پیام اور قاصد بھیجے اور کچھ شرائط پر صلح کرنی چاہی۔ ایک شرط یہ تھی کہ اگر وہ اس وقت خلافت سے دست بردار ہو جائیں تو امیر معاویہ کے بعد وہی خلیفہ ہوں گے۔ اور ان کے بعد امام حسین۔ غرض صلح نامہ پر دستخط ہو گئے۔ مگر شرائط پر عمل کرنے کی جگہ اندر فائدہ اس کے خلاف کارروائیاں ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ صفحہ میں امام حسن کو زہر دے کر شہید کر ڈالا گیا اور ادھر نیزہ کی خلافت کے لیے

راہ ہوار کی جانے لگی۔

امام حسینؑ خاموشی سے ہوا کا رخ دیکھ رہے تھے وہ سمجھ رہے تھے کہ اسلام کی کشتی بھنور میں پھنس چکی ہے۔ اس کی روح کچلی جا رہی ہے، اس کی سچی تعلیم کو ختم کیا جا رہا ہے اور یزید جیسے نااہل کو رسول اللہؐ کا جانشین بنایا گیا تو اندیشہ ہے کہ اسلام (معاذ اللہ) مسخ ہو جائے گا۔ امام حسینؑ کو پورا احساس و ادراک تھا کہ اب اسلام کو بچانے کی ساری ذمہ داری ان کی اور صرف ان کی ہے۔ اور وہ اپنے کو اس کرطے امتحان کے لیے تیار، اور وقت کا انتظار کرتے رہے۔ اس لیے جب تک امیر معاویہ زندہ رہے وہ اپنے بھائی امام حسنؑ کے کیے ہوئے معاہدے کے پابند رہے۔ ادھر امیر معاویہ شام میں لوگوں سے اندر خانہ یزید کے لیے بیعت کرنے کا وعدہ لیتے رہے اور جب وہ وفات پا گئے تو یزید نے فوراً اپنے "خلیفہ رسول" ہونے کا اعلان کر دیا۔

اب زرا اس نازک فرق کو سمجھ لینا چاہیے جو یزید اور اس کے باپ میں تھا۔ امیر معاویہ اسلام کی روح کو نہ سمجھتے ہوں مگر اس کے ظاہری احکام کو مانتے تھے، زبان سے مسلمان ہونے کا اقرار کرتے تھے اور اسلامی تعلیم پر کاربند رہنے کا دعویٰ بھی تھا۔ اس کے برخلاف یزید نے اسلام کے ظاہری حکموں کو ماننا تھا نہ اسلام کی تعلیمات پر اس کا ایمان تھا۔ وہ کھلم کھلا اسلام کو بُرا کہتا۔ اور اس کا ہر عمل اسلام کے منافی تھا۔ وہ بدکار، فاسق و فاجر، ظالم اور نا انصاف شخص تھا جو عیش و عشرت کا بندہ اور اقتدار کا بھوکا تھا۔ ساتھ ہی اسے بنو ہاشم اور آل رسولؐ سے سخت دشمنی تھی۔ اور وہ ہر قیمت پر آل رسولؐ کو ستانا اور نیچا دکھانا چاہتا تھا جب کہ اس کے باپ جب بھی موقع ہوتا علیؑ اور اولاہ علیؑ کی فضیلت کا اعتراف کرتے تھے۔ یہی سب وجوہ تھے کہ امام حسنؑ نے باپ کا خلیفہ ہونا قبول کر لیا تھا۔ بیٹے کی خلافت کو کسی طرح برداشت نہ کر سکے۔

یزید جانتا تھا کہ اُسے اور اس کی خلافت کو سب سے بڑا خطرہ رسولؐ کے نواسے حسینؑ سے ہے جن کی شرافت، نجابت، زہد و عبادت، دین داری و حق پرستی اور خلقِ خدا کی خدمت نے عرب لوگوں کے دلوں کو صخرہ کر رکھا ہے۔ وہ ان کا احترام اور عزت لوگوں کے دل سے کھرچ کر پھینک نہیں سکتا تھا مگر اس نے طے کیا کہ حسینؑ کو ختم کر دیا جائے تاکہ پھر وہ کھلم کھلا حکومت اور من مانی کر سکے۔

چنانچہ یزید نے حکومت کا اعلان کرتے ہی مدینے کے حاکم کو حکم بھیجا کہ حسینؑ بن علیؑ سے

فوراً میری بیعت لے اور وہ نہ نہیں تو ان کو قتل کر ڈالے۔ مدینہ رسول میں نواسہ رسول کو مار ڈالنا کسی حاکم کے بس کی بات نہ تھی۔ اسے بغاوت کا اندیشہ تھا۔ اس نے حسینؑ سے بیعت یزیدؓ طلب کی حسینؑ نے انکار کیا اور اس نے صورت حال سے یزید کو مطلع کر دیا۔

امام حسینؑ نے دیکھا کہ وہ وقت آگیا ہے جب انھیں وقت کی سب سے بڑی طاقت کا مقابلہ کرنا ہے۔ یزیدؓ کے پاس شام و لے کی لاتعداد فوجیں تھیں، دولت تھی، ہتھیار تھے، چالاکی، عیاری اور مکاری کے حربے تھے۔ مگر حسینؑ کے پاس صرف ایک طاقت تھی حق کی۔ ایک ہتھیار تھا، حق کی راہ میں سب کچھ بھیل لینے کے جذبہ کا۔ بعض ناظم یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت یا خلافت کے دو دھوڑے داروں کا مقابلہ تھا۔ یہ ہر لحاظ سے غلط ہے۔ یہ برابری کی جنگ نہ تھی۔ دو آدمیوں کی محترمہ تھی۔ برابری کی جنگ ہوتی تو امام حسینؑ ہتھیار فراہم کرتے، فوج جمع کرتے، لوگوں کو اپنی طرف بلانے کی ہر طرح کی کوشش کرتے اور یزیدؓ سے مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرتے۔ مگر یہ تو جنگ تھی حق ہے باطل کی۔ ایک سچے مسلمان کی منافقت سے۔ یہ لڑائی تھی انصاف حق گوئی، آزادی کی خاطر۔ یہ لڑائی تھی ظلم و ستم سے، کفر و فساد سے۔ جسروہ استحصال کی قوتوں سے۔ یہ حسدیت اور یزیدیت کی جنگ تھی۔

امام حسینؑ نے مدینہ سے لے جانے کا قصد کیا کہ پہلے خانہ خدا جا کر حج کا فریضہ ادا کریں اور پھر کوفہ کی سمت روانہ ہوں جہاں سے لوگ برابر آپ کو بلانے کے خط بھیج رہے تھے جس میں یزیدؓ کے عاملوں کے ظلم و ستم کے تذکرے ہوتے تھے اور آپ سے بیعت پر آمادگی کا اظہار ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ امام حسینؑ کا خیال یہ بھی تھا کہ خود جا کر یزیدؓ سے ملیں اور بات چیت کریں۔

آپؑ نے سفر کا قصد کیا تو آپ کے کچھ دوستوں اور جان نثاروں نے ساتھ چلنے پر اصرار کیا اور امام حسینؑ کے منع کرنے کے باوجود نہیں مانے۔ اسی طرح خاندان کے تقریباً سبھی افراد جن میں مرد تھے، بچے تھے، جوان تھے، بوڑھے تھے، عورتیں اور لڑکیاں تھیں، نچے نچے تھے آپ کے ساتھ روانہ ہونے کو وہ سمجھتے تھے کہ حق کے راستے میں جان دینے یا قربانیاں دینے کا فرض ان پر بھی اسی طرح آتا ہے جس طرح امام حسینؑ پر۔

فرض سوسو اسو آدمیوں کا یہ قافلہ مکہ معظمہ روانہ ہوا۔ امام حسینؑ نے اپنے عہما زاد بھائی

مسلم بن عقیل کو کوفہ اپنا سفیر بنا کر روانہ کر دیا کہ وہاں کے حالات کا جائزہ لیں۔ حضرت سلم اپنے درویشوں کے ساتھ کوفہ روانہ ہو گئے۔ جہاں شروع میں ان کا پُر جوش خیر مقدم کیا گیا اور سلم کے ہاتھ پر لوگوں نے حسینؑ کی بیعت کرنی شروع کر دی۔ مگر کچھ عرصے بعد، جب یزید کا سخت گیر حاکم اور آپ رسول کا دلی دشمن ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا گیا، اور اس نے ظلم و سختی شروع کر دی تو کوئی لوگ سلم سے پھر گئے۔ حاکم نے حضرت سلم اور ان کے میزبان اور حامی آلِی کو اور بعد میں ان کے معصوم لڑکوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا۔ سفیر کا قتل جو دنیا میں ہمیشہ سے ممنوع رہا ہے۔

امام حسینؑ نے اُدھر مکہ معظمہ میں اِذازہ لگایا کہ یہاں یزیدی گرے موجود ہیں جن کا پلان یہ ہے کہ عینِ حج کے موقع پر چپکے سے امام حسینؑ کو شہید کر دیا جائے اور کسی بے گناہ پر الزام رکھا جائے۔ غائے کعبہ کی حرمت کا تو انہیں دھیان ہی کہاں تھا۔ پھر یزید کے لیے رات صاف ہو جانے کا اودھ بے دھرمک حکومت کرے گا اور یزیدی طاقتیں اسلام کو مٹانے اور سرخ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

امام حسینؑ نے حج کے بدلے عمرہ کیا اور خاموشی سے مکہ سے چلے آئے اور کوفہ کی سمت روانہ ہو گئے۔ کہ انہیں تو دنیا کو۔۔۔ صدیوں بعد تک آنے والے انسانوں کو۔۔۔ یہ بتانا تھا کہ اسلام کیا ہے۔ اس کی اصلی تعلیم، اس کی روح کیا ہے۔ سچا مسلمان کیسا ہوتا ہے اور نام کا مسلمان حرم و ہوس میں پھنس کر کس حد تک گر سکتا ہے۔ اسلام کو تباہ تک کرنے پر ترقی جاتا ہے۔

امام حسینؑ کو بعض خیر خواہوں نے جن میں ان کے سوتیلے بھائی ابنِ حنفیہ اور حضرت زینبؑ کے شوہر بھی تھے، انہیں روکنے کی بہت کوشش کی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ امام حسینؑ سخت خطرے میں ہیں اور یہاں رہ کر ان کی جان بچائی جاسکتی ہے۔ مگر حسینؑ کے سامنے تو دوسرا ہی مقصد تھا۔ جان بچانا نہ تھا۔ شہادت پانا تھا۔ ان لوگوں نے کہا کم سے کم عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں۔ اس پر ایک طرف حسینؑ کی بہنوں نے احتجاج کیا اور کہا نانا کی امت اور ان کے اسلام کو بچانے اور اس کے لیے قربانیاں دینے کا ہمیں بھی تو حق ہے۔ دوسری طرف خود امام حسینؑ اس پر تیار نہ ہوئے۔ کیوں نہیں ہوئے ؟

آنے والے وقت نے اس کو واضح کیا کہ یہی خواتین محترم اور معصوم بچے تھے جنہوں نے امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ان کے شہادت کے مقصد کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس خوبی اور بے باکی سے اس کی وضاحت کی اور اس راہ کا ہر ظلم، ہر ذلت، ہر مصیبت اس صبر اور حوصلے کے ساتھ سہاری کساری دنیائے انسانیت بل گئی۔

مکے سے کو ف کا یہ سفر بڑا ہی کٹھن سفر تھا۔ عرب کی بھرپوریاں، گرمی کا زمانہ، پانی کی کمی، سایہ ناپید، مگر حسینی قافلہ سب کچھ جھیلتا آگے بڑھتا رہا۔ اُدھر کو فے اور اس کے آس پاس یزید کی کرایے کی فوجیں ہزار در ہزار جمع ہو رہی تھیں جن میں سے بیشتر کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کس کے مقابلے کے لیے جا رہی ہیں۔ بس اتنا جانتے تھے کہ حاکم وقت سے کسی نے بغاوت کی ہے اور انہیں اس بغاوت کو کچلنا ہے۔

امام حسینؑ کا سفر جاری تھا۔ وہ کو فے کی سمت بڑھتے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک مسافر سے معلوم ہوا کہ اہل کو ف یزید کے ظلم و ستم کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ انہوں نے مسلم کو شہید کر دیا اور امام حسینؑ سے پھر گئے۔ اب جو بھی مسافر ملتا اسی قسم کی خبریں پہنچتی۔ اور آگے بڑھے تو یزیدی فوج کے ایک دستے نے، جس کا افسر حُر بن ریاحی تھا، آپ کا راستہ روکا اور کو فے کی سمت جانے میں مانع ہوا۔ امام حسینؑ اپنی طرف سے لڑائی چھیڑنا نہیں چاہتے تھے۔ خاموشی سے رات بدل لیا۔ اور یہ دستہ کچھ فاصلے سے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ کچھ دن بعد یہ لوگ بحر کرم حسینؑ کو پیاس سے نیم جان صحرا میں بٹھکتے ملے۔ جانتے تھے کہ دشمن ہیں، سمجھتے تھے کہ آگے شاید پانی ملے ہی نہیں مگر ان سے یہ ممکن نہ تھا کہ انسانوں کو پیاس سے بے قرار دیکھیں۔ اپنے ذخیرے کا سارا پانی خُرا اور اس کی فوج کو سیراب کرنے میں صرف کر دیا۔ اس واقعہ سے حُر بہت متاثر ہوا مگر اپنے فرض منصبی سے مجبور تھا اور حسینؑ کے قافلے کو کو فے کی سمت جانے دینے سے معذور۔

ماہ محرم کی دریاہن تاریخ تھی کہ حسینی قافلہ نینوا کی بستی کے پاس پہنچ گیا۔ یہی بستی تھی جو آگے چل کر کرب و بلا کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہاں دریائے فرات کی ایک شاخ بہتی ہے جس کا نام علقہ تھا۔ امام حسینؑ نے گھوڑا روکا اور وہاں پڑاؤ کرنے کا حکم دے دیا۔ ابھی قافلہ پوری طرح اُترا بھی نہ تھا کہ یزیدی فوج کے کچھ اور دستے پہنچ گئے اور امام حسینؑ کے خیمے نہر کے کنارے نصب کرنے میں مانع ہوئے حسینؑ نے پھر جنگ سے گریز کیا اور کچھ دور صحرا کی تپتی ریت پر اپنا کیمپ

قائم کر لیا۔

۲۔ ۸ محرم تک یزیدی فوجیں گروہ درگروہ جمع ہوتی رہیں۔ انھوں نے چاروں طرف سے امام حسین کی مختصر فوج کا گھیرا کر لیا۔ ناکہ بندی کر دی گئی یہاں تک کہ غذا کی رسد ہی نہیں پانی تک ۸ محرم سے بند کر دیا گیا۔

اس دوران میں بار بار امام حسین (اور ان کے بعض بوڑھے باخدا ساتھیوں نے) دشمن کے سامنے غلطیہ دیے۔ ان کو راہ راست پر چلنے کی تلقین کی، بے گناہوں کے خون سے باز رکھنا چاہا۔ یہ پیش کش کی کہ میں یزید کے پاس جانے اور اس سے بات کرنے کو تیار ہوں۔ یہ بھی کہا کہ مجھے عراق عرب سے کسی دور ملک کو چلا جانے دو۔ فرمایا میں ہندوستان یا کسی اور ملک چلا جاؤں گا۔ امام حسین حجت تمام کرنا چاہتے تھے کہ آنے والے زمانے میں یہ نہ کہا جائے کہ حسینؑ نے صلح کی کوشش ہی نہیں کی۔ وہ آخری وقت تک مسلمانوں کو خانہ جنگی سے بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر یزیدی فوجوں کو تو یہ حکم تھا کہ یا حسینؑ سے یزید کی بیعت لی جائے یا انھیں قتل کر دیا جائے۔

۹۔ ۹ محرم کو شمر بن ذوالجوشن اس حکم کے ساتھ کربلا میں وارد ہوا کہ اب حسینؑ کو مزید مہلت نہ دی جائے فوراً فیصلہ ہو جانا چاہیے اس وقت امام حسینؑ نے دشمن سے صرف اسی رات کی مہلت طلب کی کیوں کہ کیا اس لیے کہ انھیں کہیں سے کمک ملنے کی امید تھی یا اس لیے کہ دشمن کے راہ راست پر آنے کا کوئی امکان تھا؟ نہیں۔ تاریخ اس کا یہ جواب دیتی ہے کہ یہ مہلت حسینؑ نے مانگی تھی اس لیے کہ زندگی کی یہ آخری رات اور اپنے معبود کی عبادت میں بسر کر لیں۔ دوسرے وہ اپنے ساتھیوں کو کسوٹی پر کس کر دیکھنا چاہتے تھے کہ کون دل کی پوری آمادگی کے ساتھ حق کی راہ میں جان دینے پر تیار ہے۔ کیونکہ اس نادبر روزگار جنگ میں کسی کچے دل کے آدمی کی گنہائش ہی نہ تھی۔ چنانچہ شب عاشور امام حسینؑ نے ایک جامع مانع تقریر کی اور بتایا کہ یزید کا مقصد صرف مجھ سے بیعت لینا اور نہ کروں تو مجھے مار ڈالنا ہے۔ تم لوگوں میں سے جو بھی جانا چاہے گا وہ لوگ اس سے تعرض نہ کریں گے۔ کہا تم سے ہر ایک میرے عزیزوں میں سے بھی ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر لے جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہا کہ میں تم پر سے اپنی بیعت اٹھا لیتا ہوں۔ مطلب صاف تھا کہ تم جس کی چاہے بیعت کرو میں مانع نہ ہوں گا۔ واضح رہے کہ یہ بات

آپ راستے بھر لوگوں سے کہتے آئے تھے اور کچھ لوگ آپ کا ساتھ چھوڑ کر چلے بھی گئے تھے۔
 تقریر کے بعد آپ نے شمع مچا کر دی چہرہ پر رد مال ڈال لیا کہ جانے والوں کو شرمندگی نہ ہو۔
 مگر اس وقت پھر تاریخ عالم کا ایک عجیب واقعہ سامنے آتا ہے۔ اب ستر
 کے قریب صرف وہ مجاہد جاں باز رہ گئے تھے جو حسینؑ کے پسینے پر خون بہانا اپنا شرف
 سمجھتے تھے۔ انھوں نے بے قراری اور جوش کے ساتھ آخری دم تک حسینؑ کا ساتھ دینے کا
 اقرار کیا اور یہ اقرار صرف زبان سے نہ تھا بلکہ روزِ عاشورہ صبح ان کے خون کے ہر قطرے سے
 سچائی کی اور حسینؑ کے محبت کی گواہی ملی۔ اور پھر رات حسینؑ نے عبادت میں بسر کی۔ اندر عورتوں
 نے اپنے بچوں، بھائیوں، شوہروں کو حق کی راہ میں ثابت قدمی سے جہاد کرنے پر آمادہ کیا اور حسینؑ
 کی مختصر سی فوج نے خیموں کی حفاظت کی کہ دشمن شبِ ناز سے نہ مارے۔ اور اس طرح —
 صبح عاشورہ طلوع ہوئی اور دشمن کی طرف سے عین نازِ فجر کے وقت تیروں کی بوچھاڑ سے جنگ کا
 اعلان ہوا۔

صحیح تاریخی روایات میں یزیدی فوجوں کی تعداد بیس ہزار سے چالیس ہزار تک بتائی
 جاتی ہے اور امام حسینؑ کے ساتھ کل بہتر افراد تھے جن میں بوڑھے بھی تھے، نو عمر بچے بھی تھے
 اور ایک دو درمیتا بچہ بھی۔ عاشورہ محرم کو یہ لڑائی صبح فجر کے وقت سے شروع ہو کر عصر کے
 وقت ختم ہوئی۔ مرثیہ گو شاعرانہ مبالغے سے یزیدی فوجوں کی تعداد ”لاکھوں“ لکھتے ہیں۔ جو غلط ہے۔
 لیکن جب یہ تصور کیجیے کہ ان کی گنتی کل بہتر افراد کے مقابلے میں کتنی کثیر تھی تو لاکھوں، کالفظ زیادہ
 مبالغہ معلوم نہیں ہوتا۔

امام حسینؑ اور ان کے بعض اور ساتھیوں نے جن میں حبیب ابن مظاہر کا نام خاص طور پر
 قابل ذکر ہے، روزِ عاشورہ بھی یزیدی فوج کے سامنے جا کر خیلے دیے۔ مگر ان کو راہِ راست پر لانے کی
 یا صلح کی ہر کوشش ناکام ہوئی۔ میدان کا دُزار گرم ہوا۔ کربلا کے سبھو کے پیاسے مجاہدوں نے جہاد
 پر کمر بستہ کیا اور جب تک ان میں سے ایک فرد بھی زندہ رہا امام حسینؑ کو قتل سے بچانے کے
 لیے سردھڑکی بازی لگائے رہے۔ عباس کو لشکر کا علم بردار چنا گیا، اکبر کو سپہ سالار بنایا گیا
 یہ دونوں بہادر اپنی شجاعت کے لیے دور دور شہرت رکھتے تھے۔ سب سے پہلے خُرا، جو فوج
 مخالف سے امام حسینؑ کی طرف چلا آیا تھا، میدانِ جنگ میں گیا اور بہادری سے لڑ کر حسینؑ پر

جاہن قربانی کی۔ پھر حسین کے رفیقوں نے میدان کی رخصت یعنی شروع کی۔ ایک کے بعد ایک مجاہد رخصت طلب کرتا، فوج مخالف کے سامنے جگر مرپ کے قدیم دستور کے مطابق رجز پڑھتا یعنی اپنا نام، نسب، اپنے اور اپنے خاندان کے بہادری کے کارنامے بیان کرتا۔ پھر مبارز طلب کرتا۔ کچھ دیر ایک ایک سے دست بدست مقابلہ ہوتا۔ حسینی مجاہد جاں بازی سے، بہادری سے، ہتھیلی پر سر رکھ کر، سر سے کھن باندھ کر کئے تھے، کشتوں کے پھٹتے لگا دیتے۔ پھر یزیدی فوجیں گھیر کر مجاہد کو شہید کر ڈالتیں۔ امام حسین اپنے بہادر بھائی اور بیٹے کو لے کر جاتے اور شہید کی لاش لے آتے اور غم کے قریب لٹا دیتے۔ جب دوستوں کا پڑا خالی ہو گیا تو عزیزوں نے داد شجاعت دی۔ مسلم کے فرزندوں نے اپنے باپ کے دشمنوں اور قاتلوں سے جنگ کی اور شہادت پائی۔ عباس کے چار بھائیوں نے امام بھائی کی نصرت میں جہاد کیا دشمنوں کو مارا اور جانیں، جان آفریں کے سپرد کر دیں۔ حون اور محمد کو ان کی ماں زینبؓ نے خود ہتھیار بھا کر میدان جنگ میں بھیجا اور ان دونوں فوجی مجاہدوں نے کچھ دیر تک اپنے دادا اور نانا کی سسی شجاعت دکھا کر دشمن کی فوج کو حیران کر دیا۔ بعد پھر شہید ہو گئے۔ قاسم بن حسنؓ نے چپا سے، ماں سے اور نئی دھن سے رخصت ملی، یادگار جنگ کی جس میں شام کے مشہور پہلوان ازرق اور اس کے چار بیٹوں کو اپنی تلوار کے گھاٹ اتارا اور آخر فوج یزید کے ہاتھوں جام شہادت پیا۔ — عباس جو دیر سے جہاد پر جانے کو بے قرار تھے، آگے بڑھے۔ بھائی نے روکا۔ بہنوں نے دامن تھاما، ننھی پیاسی بھتیجی نے اپنا خشک مشکیزہ تھما دیا اور عباس محبوب محترم بھائی بہنوں سے رخصت ہوئے۔ بے مثال بہادری کے ساتھ دشمن سے مقابلہ کیا، نہر میں گھوڑا ڈالا، سکیڑ کی مشک بھری، مگر اپنے لب خشک تر نہیں کیے کہ حسینؓ اور ان کے بچے پیاسے ہیں۔ دریا سے نکلے، فوج یزید نے چاروں طرف سے گھیرا، بشیر خدا کے شیر نے بے جگری سے لڑائی لڑی، مشک بچانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر ایک اور ہزاروں کا اس مادہ سی دنیا میں کیسے مقابلہ ہو سکتا ہے۔ بازو شانوں سے جدا ہو گئے۔ مشک تیرے چھد گئی، پانی بہ گیا، عباس زخموں سے چور چور ہو کر دریا کے کنارے گر پڑے۔ حسینؓ دوڑے، بھائی کو عالم نزع میں پایا۔ صبر کی ہل دل پر رکھی، زانو پر سر رکھا۔ عباس کی پتیلیاں بھائی کی طرف ٹھیری رہ گئیں اور روح پرواز کر گئی۔ اب علی اکبر، فوج حسینی کا اکھوتا سپاہی باقی تھا جو خاندان بھر کا نور نظر، حسین کا لخت جگر

اور ہم صورت رسول تھا۔ مگر آج جو حق و باطل کی فیصلہ کن جنگ ہو رہی تھی اس میں خاندان رسالت کا ہر گویا بایں بھینٹ چڑھ رہا تھا۔ اکبر نے عزیزوں سے رخصت لی، باپ نے سوکھی زبان کے کانٹے دیکھے تو اپنی خشک زبان اس کے دہن میں دے دی۔ اکبر نے کہا بابا آپ کی زبان مجھ سے زیادہ خشک ہے۔ میدان جنگ میں گئے۔ بہادری اور بے جگری سے یادگار جنگ کی۔ یہاں تک کہ سناں ابن انس کی برہمی کا پھل سینے کے پار ہو گیا اور حسینؑ کا نورِ نظر گھوڑے سے گر پڑا، حسینؑ دوڑے، زینبؑ خیمے سے نکل پڑیں، ماں تڑپتی مگر بیٹا خدا کو پیارا ہو چکا تھا۔ اب صرف حسینؑ کو اپنا سہرا قدس راہِ خدا میں کٹنا رہ گیا تھا۔ مگر عین لڑائی کے وقت حسینؑ کو خیمے سے گریہ و ماتم کی صدائیں سنائی دیں۔ گھوڑا پلٹا، خیمے کے در پر آکر پوچھا کیا اجرا ہے، معلوم ہوا انخا علیؑ اصغر بھوک اور پیاس سے جاں بلب ہے۔ بچے کو ماں کی گود سے لے لیا۔ فوجِ ستم کے سامنے ہاتھوں پر بلند کیا اور چند قطرے پانی کے طالب ہوئے۔ انیس نے اس موقع کا ذکر کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے۔

حسینؑ اور طلب آب اے معاذ اللہ

تمام کرتے تھے حجت، سوال آب نہ تھا

امام حسینؑ کو یہ دکھانا تھا کہ یزیدی طاقتیں ظلم اور شقاوت کے کس درجہ پر پہنچ چکی تھیں کہ ننھے معصوم بچے تک پر ترس دکھایا۔ روایت ہے کہ دشمن کی فوج کے بعض لوگ علیؑ اصغر کی حالت دیکھ کر رونے لگے مگر ابنِ سعد کے حکم سے حُرملہ بن کاہل نے ایک سہیلو تیرا یا تاک کر مارا کہ امام حسینؑ کا بازو توڑنا ہوا علیؑ اصغر کے گلے میں ترازو ہو گیا۔ اور صابر حسینؑ نے اس وقت کہا تو یہ کہ اِنَّ اللّٰهَ فَرَّانَ الْيَسْبَدُ رَاجِعُونَ رَضًا بِقَضَائِهِ وَتَسْلِيْمًا لِّاَمْرِهِ۔ تلوار سے ایک ننھی سی قبر کھودی، بچے کو زیرِ خاک چھپایا، میدان کارزار میں آئے، آخری بار دشمن کو پھر راہِ ہدایت کی تلقین کی، جو بے اثر رہی، کچھ دیر ایک یادگار و بے مثال جنگ کی۔ ہر طرف سے تیر و تلوار، نیزے اور برہمیوں کے دار ہو رہے تھے۔ دشمن ہی کے راویوں کے بیان کے مطابق امام حسینؑ کے تن اظہر پر دو ہزار کے قریب زخم تھے۔ عصر کی اذان کی آواز کان میں آئی، اپنے زخمی جسم کو گھوڑے سے گرا دیا۔ اور مجروح پیشانی بارگاہِ الہی میں خاک پر جکادی اور اسی حالت میں شمر اور اس کے گیارہ اور ساتھیوں نے مل کر آپ کا سر تن سے جدا کر دیا۔ وہ

سیراقدس جس کو ظلم و ستم کی ساری طاقتیں مل کر نہ جھکاسکیں تھیں اب نیزے پر بلند تھا۔

سر داد نہ داد، دست در دست یزید

حقا کہ بنائے لالہ است حسین

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد خاندانِ حسین کی عورتوں کا جہاد شروع ہوا۔ یزیدی فوجوں کی دشمنی کی آگ حسینؑ کو شہید کر کے بھی ٹھنڈی نہ ہوئی تھی۔ وہ غیموں میں گھسے، بیسیوں کے سروں سے چادریں جھینیں، یتیم بچوں کو طمانچے مارے، بیمار سید سجاد کو ڈرے مار کر ہوشیار کیا۔ اسباب لوٹا اور غیموں میں آگ لگا دی۔ اگلے دن اپنے کشتوں کو دفن کیا مگر مگر سید سجاد کو شہیدوں کو دفن کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ عورتوں اور بچوں کو رسی سے باندھا، بے کجاہ اوٹوں پر سوار کیا، اونٹوں کی مہار بیمار سید سجاد کے ہاتھ میں دی گئی، جن کے گلے میں طوق اور پیروں میں بیڑیاں پہنا دی گئی تھیں اور ان کو کربلا سے کوفہ، وہاں سے دمشق لے جایا گیا۔ کربلا سے شام تک کاسینکڑوں میں کایہ فاصلہ اس شان سے اس قافلے نے طے کیا کہ ایک رسی میں بارہ بارہ بازو بندھے تھے، مابہ بیمار پایادہ پتی ریت اور کانٹوں پر چل رہے تھے۔ ہر بی بی کے اونٹ کے برابر اس کے سب سے پیارے عزیز کا سر نیزے پر بلند ساتھ ساتھ جاتا تھا۔ لیکن یہ تاریخ کا ایک عجیب واقعہ ہے کہ حسینؑ کے لکھانے کے یہ بے بس مصیبت زدہ پیادوں موئی، بے سہارا خواتین، اور لڑکیاں اور بچے تک دشمن سے ڈرے نہیں، ان سے ہار نہیں مانی، بلکہ ہر مقام پر حسینؑ کی بہنیں حضرت زینبؑ اور حضرت ام کلثومؑ پُر اثر اور پُر درد خطبے دیتیں۔ (یہ خطبے تاریخ کر بلا میں محفوظ ہیں، یا کبھی سید سجاد خطبے دیتے اور لوگوں کو بتاتے کہ یہ سر حسینؑ کا ہے، یہ عورتیں خاندانِ رسالت کی ہیں حسینؑ کو یزید نے کس ظلم سے سارے خاندانِ سمیت شہید کر ڈالا ہے۔ اور حسینؑ کا جرم“ صرف اتنا تھا کہ وہ فاسق و فاجر یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر آمادہ نہیں تھے یعنی اسے رسول کا جانشین نہیں مانتے تھے۔ دربار کوفہ اور دربار یزید میں حضرت زینبؑ نے وہ معرکہ الازرق برپا کیں کہ دشمنوں کا سر جھک گیا اور وہ بغاوت کے ڈر سے ایک دوسرے پر الزام رکھنے لگے۔ غرض پچھن سالہ بنت علیؑ سے لے کر چار سالہ سکینہؑ تک نہ دشمن سے ڈریں نہ اس کے سامنے جھکیں۔ بلکہ حسینؑ کے مقصد کو دنیا سے روٹنا س کرانے اور ان کی تعلیم کو پھیلانے کا کام کرتی رہیں

نام میں یزید نے اہل بیت رسول کو ایک تیرہ دہائیوں کے قید خانے میں بند کر دیا۔ مگر اب
دنیا نے اسلام پر اس کی حرکتوں کا راز فاش ہو رہا تھا۔ لوگ کلمہ کھلا اس کی حرکتوں پر غصہ
کرتے اور ملامت کرتے کہ اس نے یہ کیا کیا۔ خود اس کے گھر میں اس کی محبوبہ اور بیوی ہندہ جو
اہل رسول کی اور امام حسین کی عقیدت مند اور فدائی تھی، سخت برہم تھی، ہر طرف نفرت اور
غصہ بڑھ رہا تھا۔ آخر یزید کو مجبور ہو کر اہل حرم کو قید سے چھوڑنا پڑا اور یہ ۱۵ سال بھر بعد اس
طرح مدینہ پہنچا کہ انہیں خالی گودھنیں، سہاگنیں بیوہ، بہنیں بے بھائیوں کی، بچے یتیم تھے یہ سب
کے بازوؤں پر رستی کے اور پشت پر کوڑوں کے نشان تھے۔ مدینے میں کہرام مچ گیا اور یزید و یزیدی
طاقتوں کے خلاف ہر دل میں غم و غصہ پیدا ہو گیا۔

مگر یہ داستان کرب و بلا یہیں پر ختم نہیں ہوئی۔ مقتول و مفتوح حسینؑ کو وہ زبردست
فتح حاصل ہوئی کہ آج سارے تیرہ صدیوں بعد تک الی کا نام زندہ، ان کا کارنامہ امر الی کی شہادت
دنیا کا عظیم المیہ اور بے مثال واقعہ مانا جاتا ہے۔ دنیا بھر کے حق پرست حسینؑ کے سامنے سر جھکاتے
اور اس کی بارگاہ میں نذر عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اور یزید کا تو نام ہی گالی کے مرادف ہو گیا ہے۔
مولا محمد علی جوہر نے کیا خوب کہا ہے۔

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کر بلا کے بعد

کر بلا کے المیہ کا یہ مختصر اور سادہ خاکہ ہم نے، حتی الامکان تاریخ کی روشنی میں پیش کیا
کہ جب آپؐ مراۓ انیس کا مطالعہ کریں تو اس کے پس منظر سے واقف ہوں۔ یہی سادہ اور سچے
حقیقی داستان ہے جو صدیوں سے شامروں، ادیبوں، خطیبوں کا موضوع رہی ہے اور خواص و
عوام کے دل کے تاروں کو چھوتی رہی ہے۔

اردو زبان میں بھی اس کی طفولیت کے دور ہی سے کسی نہ کسی شکل میں مرثیہ کہا جاتا رہا
پہلے ربانی ڈبے اور نوے وغیرہ پڑے جاتے تھے پھر وہ لکھے بھی جاتے گئے۔ دکنی اردو میں
شروع ہی سے چومر مرثیوں نے جگہ بنالی تھی۔ شمالی ہند میں بھی دو مصرعے، چومر مرثیہ اور
نوے یا سوز و سلام کہے جاتے رہے۔ مگر یہ بیلہ مرثیے کسی بلند ادبی مقام تک نہیں پہنچ سکے۔
لوگ عقیدت و احترام اور درد و غم کے تاثرات کے ساتھ ان کو سنتے اور حسینؑ کی حالتِ سلام کے مصائب

پر آنسو بہا لیتے۔ بعض لوگوں نے ان کا درجہ مگرانے کے لیے مجرا شاعر مرثیہ کو کی بھتی بھی کس دی۔

سب سے پہلے میر ضمیر اور میر خلیق نے مرثیہ کی صنف سخن کو شاعرانہ بلند می بخشی۔
مرثیہ کے لیے سدس کی صنف کو اپنا یا گیا اور اس کے کیوس کو وسیع کیا۔ صرف بینہ مضامین کی جگہ اس میں چہرہ، تمبید، رخصت، جنگ، جہاد، شہادت اور آخر میں بین کے مضامین باندھنے کی روایت قائم کی۔ مرثیہ میں شہیدان کر بلا کی سیرت اور شخصیت کو اجاگر کر کے ان کو ایک طرف ادب کا کردار بنایا تو دوسری طرف پڑھنے اور سننے والوں سے ان کا منتقل تعارف کرانے کی رسم ڈالی۔ بیانیہ شاعری میں کسی مجاہد کا تعارف ہوتا۔ اس کی سیرت کی خصوصیات بیان کی جاتیں، اس کا عزیزوں سے رخصت ہونا، امام حسین سے اجازت طلب کرنا، میدان جنگ میں بہادری سے جہاد کرنا، دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہونا دکھایا جاتا۔ یہ دراصل اس نئی صنف مرثیہ کی ابتدا تھی جس کو آگے چل کر مرزا دیر اور میر انیس نے معراج کمال پر پہنچایا۔

واقعہ کر بلا کے ذکر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مجالس کا تعارف اور واقعہ کر بلا کے اہم کرداروں کا بھی ذکر کر دیا جائے۔

پیر اسلام کے نو لے احسین کی شہادت کی یادگار یوں تو سارے عالم اسلام میں کسی نہ کسی شکل میں منائی جاتی ہے۔ لیکن ہندوستان میں اس نے شاید اور سب جگہ سے زیادہ مشعل اور موثر انداز اختیار کر لیا ہے۔ یوں تو ہندوستان جیسے وسیع ملک میں ہر صوبے اور علاقے میں اپنے اپنے انداز میں یادگار حسین منائی جاتی رہی ہے لیکن شمالی ہند اور حیدر آباد دکن میں اس کا رواج زیادہ ہے۔ اس میں بھی مجلسیں کرنے اور تفریے علم وغیرہ اٹھانے کی رسم زیادہ مقبول ہے جس میں شیعہ مسلمان تو پیش پیش رہتے ہی ہیں مگر سنی مسلمان بلکہ بعض جگہ ہندو حضرات بھی یادگار مناتے ہیں۔ یکم محرم سے بارہ محرم تک تقریباً سبھی مسلمان سوگ مناتے ہیں (میرا مطلب ان مسلمانوں سے ہے جو مذہبی عقیدہ بھی رکھتے ہیں) اس دوران خوشیاں نہیں منائی جاتیں، شادی بیاہ نہیں کیا جاتا۔ یادگار منانے کے مختلف ڈھنگ ہیں۔ علاوہ مجلسیں کرنے کے، پانی اور شربت کی سیلیں جگہ جگہ رکھی جاتی ہیں۔ سات محرم کو مہندیاں نکالی جاتی ہیں۔ آٹھ محرم کو علم کا جلوس نکلتا ہے۔ دلدل (امام حسین کا گھوڑا) کی شہید نکالی جاتی ہے۔ اور دس محرم کو ماتم یا پٹے بازی کے ساتھ (جو ماتمی جنگی اہم کی یادگار سمجھا جاتا ہے) تفریے اٹھائے جاتے ہیں۔

اشاعری شیعہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی کو پہلا امام مانتا ہے اور ان کے گیارہ جانشینوں کو بھی امام مانتا ہے۔ واقعہ کر بلا کی یا ایک مخصوص انداز میں مانتا ہے۔ یکم محرم سے لے کر امام حسین کے چہلم تک امام باڑوں اور گھروں میں زبانی اور مردانی مجالس عزاء برپا ہوتی ہیں۔ علم، صریح، تعزیلے وغیرہ رکھے جاتے ہیں۔ شمعیں روشن کی جاتی ہیں، اگر اور لوہان سلگایا جاتا ہے اور مقررہ وقتوں پر مجلس ہوتی ہے جس میں پہلے سوز خوانی کی جاتی ہے یعنی ایک یا دو بند مرثیہ یا رباعی کے گاکر پڑھے گئے پھر سلام کو لمن کے ساتھ پڑھا اور چھوڑا کوئی مرثیہ یا اس کے چند بند کی سوز خوانی کی گئی۔ اس کے بعد یا تحت اللفظ مرثیہ پڑھا جاتا ہے یا حدیث (آج کل ذاکروں اور واعظوں کا رواج بڑھ گیا ہے) پھر اتم کے ساتھ نوے پڑھ کر فاتحہ اور سلام پڑھا جاتا ہے۔ مجلس کے بعد لوگ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق حصہ یعنی کوئی ٹھٹھائی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں جس کو تبرک کہا جاتا ہے۔

یہی تحت اللفظ مرثیہ خوانی تھی جس کا رواج مدتوں سے چلا آتا تھا اور جس کی بدولت رفتہ رفتہ مرثیہ نے عروج پایا۔ یہی تحت اللفظ مرثیہ تھا جس نے میر آئیس اور مرزا دبیر جیسے شاعروں کو پیدا کیا۔ تحت اللفظ مرثیہ خوانی کے رواج نے میر آئیس اور مرزا دبیر کے زمانے میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل کر لی تھی۔ ان کو سننے کے لیے ہزاروں کا جمع اکٹھا ہوتا تھا۔ اور گھنٹوں محویت کے عالم میں ان کو سنتا تھا۔ ایک بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ یہ مرثیہ خاص طور سے اس خاص انداز میں پڑھنے کے لیے لکھے جاتے تھے۔ اس میں شاعرانہ کمالات اور خوبیوں اور بین کے مضامین کے درد و اثر کے علاوہ پڑھنے والے کی شخصیت، انداز بیان، رکھ رکھاؤ، لباس، وقار سبھی چیزیں اثر انداز ہوتی تھیں۔ میر انیس اپنے دور کے مرثیہ خوانوں میں بھی ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی خود بخود وضعداری، خوش پوشی، خوش بیانی، مداح اہل بیت ہونے کا ناز اور ایک حد تک غرور، پڑھنے کا مخصوص و منفرد انداز (جس میں ہاتھوں کی مناسب حرکت اور چشم و ابرو کی جنبش اس میں بڑے معنی اور اثر پیدا کر دیتی تھیں) ان سب نے مل کر ان کے مرثیوں میں کچھ ایسی ڈرامائی کیفیت اور تاثر پیدا کر دیا تھا جو ان سے پہلے کسی مرثیہ خواں کے ہاں تھا نہ ان کے بعد پیدا ہو سکا۔ جب تک لکھنؤ کی شان و شکوہ قائم رہی انھوں نے لکھنؤ سے قدم باہر نہیں نکالا کہ ان کے قدردان اور بھنے والے وہاں سے بڑھ کر کہیں اور ملنا ان کے خیال میں محال تھا۔ لیکن لکھنؤ کی تباہی کے بعد جب انھیں مجبوراً دوسرے

شہروں میں جانا پڑا جس میں حیدرآباد، پٹنہ وغیرہ شامل ہیں اور انھوں نے وہاں مجلسیں پڑھیں تو ان کو اندازہ ہوا کہ ان کی مقبولیت ہر جگہ ہے اور ان سے پہلے ان کی شہرت پہنچ جاتی تھی اور ہر جگہ ان کی ناز برداری کی جاتی تھی۔ ان کے وقار کا لحاظ رکھا جاتا۔ وہ بڑے نازک مزاج آدمی تھے اور بڑے سے بڑے آدمی بلکہ بادشاہ وقت تک کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ مگر انیس کی عظمت اور مقبوضت کا یہ عالم تھا کہ سب کو ان کی شرطیں ماننی پڑتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہاں دس دس پندرہ پندرہ ہزار لوگوں کا مجمع انیس کو سننے کے لیے جمع ہو جاتا تھا۔ تصور کیجیے۔ اس محویت، سکوت اور احترام کا جس کے ساتھ مرثیے سن جاتے ہوں گے۔ خیال کیجیے انیس کی آواز انداز اور وقار کا کہ اس وقت جب نہ مانگ تھا نہ لاوڑ اسپیکر، یہ ہزاروں آدمی انیس کے مرثیہ کا ایک ایک لفظ سنتے اور گھنٹوں سنتے تھے۔

ظاہر ہے آج کے معروف دور میں مجلسوں میں نہ اتنا طول ہو سکتا ہے نہ اتنا اہتمام اور خرچ کیا جاتا ہے اور نہ کوئی انیس جیسا مرثیہ گو اور مرثیہ خواں موجود ہے جو لوگوں کو مسحور کر لے۔ پھر بھی بہت سے لوگ مجلسیں کرتے ہیں۔ اور بہت سی مجلسوں میں، خاص کر زنانی مجالس میں، انیس اور دبیر کے مرثیے سوز سے بھی پڑے جاتے ہیں اور تحت اللفظ بھی اور محویت اور تحسین کے ساتھ سن جاتے ہیں۔

میر انیس کے مرثیوں نے کئی نسلوں یعنی ان ہزاروں لاکھوں انسانوں پر کتنا اثر ڈالا ہو گا جو ڈیڑھ سو سال سے ان مرثیوں کو سنتے ہیں اور اس میں بیان کی ہوئی دل نشیں تہذیب اور دلکش کرداروں سے متاثر ہوتے رہے ہیں۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر خود ایک تحقیقی مقالہ لکھا جاسکتا ہے

مرثی انیس میں جن کرداروں کا بار بار تذکرہ آتا ہے ہم ان کے نام اور بعض لقب بھی نیچے درج کر رہے ہیں۔ یوں تو القاب بے شمار ہیں جو زیادہ تر صفات سے متعلق ہوتے ہیں مگر ان میں سے اکثر مرثیہ پڑھتے وقت سمجھ میں آ جاتے ہیں کہ کون سا لقب کس کے لیے استعمال کیا گیا ہے مثلاً حضرت علی کے لیے شیر خدا، امام حسین کے لیے مظلوم کر بلا، شہنشاہ دارین، شاہ دین و دنیا، سید سجاد کے لیے بیار کر بلا اور علی اکبر کے لیے شبیہ رسول یا ہم شکل پیغمبر اور حضرت عباس کے لیے سقائے سکینہ، بشیر کر بلا وغیرہ۔

کر بلا کے المیہ اور مرانی انیس کے اہم کرداروں کے نام ہم نیچے لکھ رہے ہیں :

امام حسین ————— کر بلا کے المیہ کے ہیرو

عباس بن علی ————— امام حسین کے سوتیلے جاں نثار بھائی

علی اکبر ————— امام حسین کے ننھلے صاحبزادے جن کی عمر اٹھارہ برس تھی

سید تجاد یا عابد یا زین العابدین ————— جو تھے امام، امام حسین کے بڑے صاحبزادے

علی اصغر ————— امام کا چھ ماہ کا بچہ

عون اور محمد ————— حضرت زینب کے نو عمر بہادر بیٹے

قاسم ————— امام حسن کے بیٹے۔ امام حسین کے بھتیجے اور داماد

حضرت زینب ————— امام حسین سے چھوٹی بہن جن کا حصہ واقعہ کربلا میں امام حسین کے

بعد سب سے اہم ہے۔

حضرت ام کلثوم ————— امام حسین کی سب سے چھوٹی بہن جو اپنی بڑی بہن زینب کے ساتھ

واقعہ کربلا میں اہم رول ادا کرتی رہیں۔

شہر بانو یا بانو ————— امام حسین کی بیوی۔ شاہ ایران یزدگرد کی پوتی

فاطمہ کبرا۔ فاطمہ صغرا۔ سکینہ ————— امام حسین کی صاحبزادیاں

فخرہ ————— جناب فاطمہ کی کینز جنہوں نے زینب اور حسین کو پالا بھی تھا اور سب

ان کی عزت اور ان سے محبت کرتے تھے۔

ہندہ ————— خاندان حسین میں پرورش پائی عورت جس کی شادی یزید بن معاویہ

سے ہوئی تھی۔

شیریں ————— شہر بانو کی کینز جس کو آزاد کر کے عرب کے کسی رئیس سے بیاہ کر دیا تھا۔

خر بن ریاحی ————— یزید کی فوج کا ایک افسر جو امام حسین کی طرف چلا آیا اور ان کی حمایت

میں جنگ کی اور شہادت پائی۔

مسلم بن عقیل ————— امام حسین کے چچا زاد بھائی اور سفیر جن کو کونے کے حاکم ابن زیاد نے

سفاکی سے قتل کر ڈالا تھا۔

حبیب ابن مظاہر ————— امام حسین کے بوڑھے ساتھی، دوست، رفیق جاں نثار، امام حسین

کی نصرت میں جنگ کی اور شہادت پائی۔

دشمن کی فوج کے بعض مشہور افراد

یزید بن معاویہ — غلیقہ وقت بھنے کا دعوے دار جس کے حکم سے امام حسین کو شہید کیا گیا۔
عبید اللہ بن زیاد — کوفے کا ظالم حاکم جو ان فوجوں کا سردار تھا جو کربلا میں امام حسین سے
لڑنے آئی تھیں۔

عرو بن سعد — کربلا میں یزیدی فوجوں کا سردار و سپہ سالار
شمربن ذالموشن — امام حسین کا سفاک قاتل جس نے آپ کا سر اقدس تن سے جدا کر دیا۔
حرملہ بن کاہل — اس کے سپہلو تیرے حسین کا بچہ علی امغر شہید ہوا۔
سنان ابن انس — اس کی بر بھی علی اکبر کے سینے میں پیوست ہو گئی تھی جس سے انھوں
نے شہادت پائی۔

ازرق شامی — شام کا مشہور بہادر پہلوان جس سے قاسم بن حسن سے جنگ کی اور قاسم
نے اس کو اور اس کے چار بیٹوں کو قتل کر دیا۔
خولی — یزیدی فوج کا ایک شقی القلب افسر جس کی تحویل میں امام حسین کا سر
دریا گیا تھا۔

خولی کی دو بیویاں — ان دونوں نے اپنے شوہر کے پاس سر حسین رکھ کر حسرت و استغماج
کیا۔ اسے لعنت و ملامت کی۔ ایک نے جان دی دوسری جنگ کو نکل گئی۔
کربلا کے عظیم المیر کے ان اہم کرداروں سے ذرا سا واقف ہونے کے بعد مرثیہ
کو سمجھنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

(۲) میر انیس

میر انیس علیہ السلام (مطابق اسلام) میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان شرافت

نجابت، بلند اخلاق اور وضعِ اداری میں شہرت رکھتا تھا۔ اسی کے ساتھ علم و فن میں بھی اس گھرانے کا لوہا مانا جاتا تھا۔ ان کے پر دادا میر ضاحک اچھے شاعر تھے جو زیادہ تر اپنی مزاحیہ شاعری کی وجہ سے مشہور ہیں۔ میر انیس کے دادا میر حسن کو کون نہیں جانتا جو مشہور و باکمال شاعر تھے۔ مثنوی سحرالبیان ان کا شاہکار ہے۔ میر ضاحک دلی کی تباہی کے بعد فیض آباد میں جا کر آباد ہو گئے۔ جب نواب آصف الدولہ نے فیض آباد کی جگہ لکھنؤ کو دارالسلطنت قرار دیا تو میر حسن نے بھی لکھنؤ آن بسایا۔ میر حسن کے بڑے بیٹے میر حسن خلیق، جو انیس کے والد تھے۔ بلند پایہ کے شاعر اور مرثیہ گو تھے۔ مرثیہ نے اعلیٰ پایہ کی شاعری کی حیثیت سے انھیں کے زمانے میں شہرت پائی۔ انھوں نے مرثیہ میں خوب خوب جہتیں پیدا کیں اور اس کے مضامین کو بڑی وسعت بخشی۔

یوں میر انیس کا آبائی وطن دلی تھا مگر پیدائش فیض آباد کی ہے جہاں پرورش پائی اور پھر پختہ عمر میں فیض آباد سے لکھنؤ آ گئے۔ ان کی زبان اور بیان پر دلی لکھنؤ دونوں شہروں کی تہذیبوں کا گہرا اثر اور چھاپ ہے۔ مولانا حالی کا یہ فرمانا :

دلی کی زبان کا سہارا تھا انیس اور لکھنؤ کی آنکھ کا تارا تھا انیس
دلی جڑ تھی تو لکھنؤ اس کی بہار دونوں کا ہے دعوا ہے کہ ہارا تھا انیس
محض شاعری نہیں سچی حقیقت بھی ہے۔

خود انیس کو اپنے درخیز پر ناز تھا۔ انھوں نے اپنے ایک مشہور مرثیہ
نکب خوان تکلم ہے فصاحت میری
میں (جو انھوں نے اپنے بیٹے کے لیے لکھا تھا مگر بعد میں یہ ثابت ہو گیا کہ یہ انیس ہی کا مرثیہ ہے)
وہ بڑے فخر سے کہتے ہیں :

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں
اور اس مداحی اہل بیت "کو انھوں نے سوچ سمجھ کر اپنا یا تھا۔ یہاں میں اپنے اس
عویں کی زرا سی کشریح کرنا چاہتی ہوں۔

میں نے خواب میں کہا۔ کلام انیس کے آئینے میں "کے دیباچہ میں لکھا ہے :

”اچھے شاعر کے لیے اچھا انسان ہونا ضروری ہے یا نہیں اس بارے میں کوئی کلیہ نہیں بنایا جاسکتا کہ ادب کی تاریخ شاہد ہے کہ ایسے شاعر گذرے جو اپنے اخلاقی اصولوں پر پورے نہیں اترتے مگر فن کی کسوٹی پر پورے اترتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ فن کار کے فن میں ایک حد تک اس کی سیرت، شخصیت، انداز فکر اور اخلاقی اقدار کا پر تو ضرور نظر آتا ہے۔ وہ کبھی غیر محسوس طور پر اور کبھی شعوری طور پر اپنے فن پاروں میں اپنی فکر، اور اپنی ذات کو سمو دیتا ہے.... اور اس یقین کی روشنی میں جب ہم انیس کی سیرت کو پرکھتے ہیں تو وہ ہمیں بہت بلند نظر آتی ہے...“

کوئی شک نہیں کہ انیس کو درجہ میں وہ کچھ ملا جو بہت کم خوش قسمتوں کو نصیب ہوتا تھا اعلیٰ اخلاق، شعری صلاحیتیں، ذہن کی جودت وغیرہ۔ مگر صرف وراثت کسی کو بڑا یا بلند سیرت انسان یا بالکل شاعر نہیں بنا سکتی۔ اس میں تعلیم، تربیت، ذاتی جوہر، قدرتی صلاحیت اور محنت و کاوش کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ خوش نختی سے یہ سب بھی انیس کو ملا۔ انھوں نے اپنے والد میر خلیق کی صحبت اور تربیت سے فیض پایا اور ان کے علاوہ دوسرے بلند پایہ عالموں سے کسب علم کیا۔ اپنی والدہ سے جو پڑمی لکھی اور اعلیٰ اخلاق و سیرت کی حامل، بڑی دیندار اور سمجھ دار بی بی تھیں، تربیت کی بے بہار دولت پائی۔ اور پھر اپنی بے مثال ذہانت کی بدولت، جس فن یا علم کو کوسیکھا، اس میں مہارت حاصل کی۔ جناب سید مسعود حسین رضوی ادیب میر انیس کے بارے میں فرماتے ہیں ۱؎

”وہ عربی فارسی میں اچھی دست گاہ اور جو علم اس زمانے میں لایج تھے ان سے کافی واقفیت رکھتے تھے.... اپنے زمانے کے دوسرے علوم رسمی سے بھی واقف تھے.... ان کے کلام میں عروض، منطقی، فلسفہ، طب، زحل وغیرہ کی اصطلاحیں بجزرت موجود ہیں.....“

آگے چل کر ان کی فارسی دانی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :
 انیس کو فارسی زبان میں بڑی مہارت تھی.... ان کی فارسی نظم و نثر
 لے دیا چہ روح انیس۔

کے بعض نمونے اب تک موجود ہیں

اور پھر بقول مسعود بن رضوی کے ان میں یہ کمال تھا کہ میرانیس ایک من علم سے سو من علم کا کام لینا جانتے تھے۔ انیس کی کامیابی میں ان کے اس صفت کو بہت بڑا دخل ہے۔ انیس کے مرانی پڑھنے کے بعد یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ انھیں فنِ حرب و ضرب سے بھی اچھی واقفیت تھی۔ رہی زبان اور اظہار خیالات تو ان پر تو ان کو جیسی قدرت تھی اس کی مثال اردو کی چھ سو سالہ تاریخِ ادب میں ڈھونڈے نہیں ملے گی۔

لیکن میں کہنا یہ چاہتی تھی کہ علمی قابلیت کے ساتھ ساتھ ان کے کلام میں جو گہرا خلوص جذبہ اور جوش ملتا ہے اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بلند سیرت انسان اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کے حامل تھے۔ ان کے معاصرین نے اور بعد کے ناقدین نے بھی لکھا ہے کہ وہ بڑے خود دار، وضعدار، اخلاقی خوبیوں سے مزین انسان تھے۔ وہ بڑے لوگوں کے سامنے جھکتے نہ تھے اور غریبوں سے اکڑتے نہ تھے۔ کہتے ہیں :

خاکساری نے دکھائی رفعتوں پر رفعتیں

اس زمیں سے واہ کیا کیا آسمان پیدا ہوئے

ان کو ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش رہتی تھی اور اسی لیے ان کا کلام ہندرج بلند ہوتا گیا۔ ان کے ابتدائی دور کے موشے بھی اگرچہ اچھے مرثیوں میں شمار جاتے ہیں مگر آخری دور کا کلام اس بلندی کو چھو تا نظر آتا ہے جس تک کوئی اور نہ پہنچ سکا۔ ان کا فن برابر ارتقا کے منازل طے کرتا رہا۔ اور اس کا احساس خود ان کو بھی تھا۔

سدا ہے فکر ترقی بلند بینوں کو

ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو

وہ ہر حساس فن کار کی طرح نازک مزاج اور زود حس ضرورت تھے مگر یہ نازک فانی، بدنامی اور غرور اور بداخلاقی سے کوسوں دور تھی۔ وہ دوستوں کے دوست، شاگردوں کے مشفق استاد اور عزیزوں کے ہمدرد و غمگسار تھے۔ قدر دانوں کے شکر گزار ہوتے اور بدذوق ناقد و شناسوں سے عزیز کرتے تھے، خوشامد، چالپوسی، فرض کے لیے جائز اور ناجائز ہر بات کر ڈالتا ان کے مزاج کے بالکل خلاف تھا۔ وقار، خودداری اور وضعداری ان کی صفات کا بڑا جوہر تھی :

اب ایسے انسان کا تصور کیجیے اور اس زمانے کی عام شاعری خصوصاً غزل پر نظر ڈالیے جو اپنی ابتدائی خوبی اور سادگی و پُرکاری کو کر معاملہ بندی اور کٹنگنی چوٹی کی سستی شاعری تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ تو یہ بات صاف ہو جائے گی کہ میرانیس عیسائیوں اور بے شاعر شعری ماحیتوں کا مالک، غزل کو چھوڑ کر مرثیہ کی طرف کیوں متوجہ ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ میرخلیق نے بیٹے کو یہ نصیحت کی تھی۔ لیکن کیا یہ صرف باپ کی نصیحت تھی؟ انیس کی دوراندیش مقل نے یہ پرکھ لیا تھا کہ غزل کی صنف ان کا میدان سخن نہیں بن سکتی کہ اس محدود میدان میں ان کے جوہر نکھل سکیں گے۔ مرثیہ ہی ایک ایسی صنف سخن تھی جس میں انیس نے قیدے کی شان و شکوہ، غزل کا سن و درد و اثر، مثنوی کے کمالات و خصوصیات اور مدیس کے عجائبات اور ڈراما کے مکالمے سو کر اسے نئے روپ میں ڈھالا اور ایک نئی صنف مرثیہ کو جنم دیا۔ ان کا فن پوری طرح کسی اور صنف سخن میں ٹھکر کر سامنے آ ہی نہیں سکتا تھا۔

چنانچہ میرانیس نے مرثیہ گوئی کو اپنا باب یہ وہ میدان ہے جہاں تیر و غالب جیسے باکمال سخن ور اپنا جہان کر بیچے ہٹ گئے تھے۔ حتیٰ تو یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام جیسے مدفن کی قلمی میرانیس پر ہی چھینی ہے۔

(۳) کلام انیس کی چند اہم خصوصیات

میرانیس نے مرثیہ کی صنف کو معراج کمال پر پہنچایا اس کا اعتراف ابتدائی سے سب نقاد اور صابان ذوق کلمے دل سے کرتے آئے ہیں۔ اس سے بھی کسی کو انکار نہیں کہ انھوں نے اردو شاعری کا درجہ بلند کیا اور زبان کا دامن معنوی اور لفظی جواہرات سے مالالیا کیا ہے۔ میرانیس کی شاعرانہ عظمت کا مشعلی نے تعارف کرایا، حالی نے اعتراف کیا اور انیس دوسرے متعدد لوگوں نے ان کے کلام کو سراہا۔ اور پھر آنے والے اس دور میں علاوہ اور لوگوں کے جنہوں نے انیس کے کسی نہ کسی پہلو پر لکھا ہے، جس شخص نے انیس پر سب سے زیادہ تحقیق کی اور ان کے کلام کی شعری اور فنی خوبیوں کو پرکھا اور دنیا کے سامنے پیش کیا وہ سید مسعود حسین رضوی ادیب کی ذات ہے۔ آج کہ ہندوستان میں انیس کی صد سالہ انکار مٹائی جا رہی ہے، بہت سے ناقد،

بصر، دانش ور، شاعر، ادیب انیس پر لکھ رہے ہیں، تقریباً یہی کہہ رہے ہیں اور ان کے فن اور شاعری کو سراہا جا رہا ہے۔ بحثیں ہو رہی ہیں کسی نے یہ مانا کہ وہ تیسروں کا بے ادب اور اقبال کے درجہ کا شاعر ہے۔ کسی نے کہا بعض لحاظ سے وہ اردو کا نسب سے بڑا شاعر ہے۔ مجھے یہاں انیس کا کسی اور شاعر سے مقابلہ یا موازنہ کرنا مقصود نہیں۔ ہر بڑے فنکار کا انداز جدا، میدان جدا ہوتا ہے۔ میں تو یہاں اپنی بساط بھر مرائی انیس کی چند اہم خصوصیات اور ان کے زبان اور بیان کے حسن پر کچھ اظہار خیال کرنا چاہتی ہوں۔

میں نے ابھی کہا ہے کہ مختلف ادیب اور نقاد انیس کے کلام کے مختلف پہلوؤں پر لکھ رہے ہیں۔ مثلاً "انیس کے منظر نامے" اور "انیس کی منظر کشی"۔ "انیس کی اخلاقی شاعری"۔ "انیس کا فلسفہ حیات" "ٹرامن اور مرائی انیس کا مقابلہ"۔ "انیس کے ہاں عورت کا تصور"۔ "انیس کے کلام میں ہندوستانی عناصر"۔ "انیس کی سیرت نگاری"۔ "انیس کے ہاں ڈرامائی عناصر" وغیرہ وغیرہ۔ لیکن انیس کے کلام کی وسعت اور گہرائی کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے کہ ان میں سے ہر موضوع پر ایک ایک بسوط کتاب لکھی جاسکتی ہے تو غلط نہ ہوگا۔ اور پھر بھی بہت سے موضوع اچھوتے رہ جائیں گے جن پر ابھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے اور امید ہے کہ لکھا جائے گا۔

میر انیس کے مرائی کے انتخاب کے اس مختصر سے تبصرہ میں تفصیل سے لکھنے کی تو گنجائش نہیں ہے۔ ہاں اس کی بعض خصوصیات کی طرف صرف اشارے کیے جاسکتے ہیں۔ میں نے اس مقدمے میں انیس کے کلام کے بعض حصوں کو ہاتھ لگانے کی ہمت نہیں کی۔ یعنی انیس کے رزمیہ شاعری جس کے زمرے میں مجاہدوں کی جنگ، فنونِ حرب، تلوار اور گھوڑے کی تعریف وغیرہ وغیرہ آتے ہیں کہ اس موضوع پر مجھ سے کہیں بہتر وہ بے لکھ سکتے ہیں جن کو ان فنون سے دلچسپی بھی ہو اور کچھ نہ کچھ واقفیت بھی۔ البتہ اتنا کہنے کی جرأت ضرور کروں گی کہ انیس کے کلام کا یہی وہ حصہ ہے جہاں آمد سے زیادہ آدرد نظر آتی ہیں۔ اس میں شعری صنایع، فنی کمالات، شاعرانہ ترتیب بازی، تشبیہوں اور استعاروں کا حد سے زیادہ استعمال، مراعاتِ لفظی کی کثرت، تخیل کی بے پناہ اڑان اور شاعرانہ مبالغے کی انتہا نظر آتی ہے گھوڑے اور تلوار کے ذکر میں زمین اور آسمان کے تلابے ملائے گئے ہیں۔ اور یہی وہ حصہ بھی ہے

جس میں اکثر اس دور کی غزل کا رنگ جھلک اٹھتا ہے۔ بعض جگہ تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاعر میرد کے گھوٹے یا تلوار کا ذکر نہیں کر رہا، اپنے محبوب کا سراپا، یا حسن کا تذکرہ کر رہا ہے۔ یہ محسوس ہے کہ بعض مرثیوں میں نسبتاً مختصر اور بعض میں بہت طویل ہیں انیس کے فن شاعری کے کمالات کو تو ضرور ثابت کرتے ہیں مگر مرثیہ کی اہم خصوصیات یعنی درد و اثر، حقیقت نگاری، اس بے مثال سیرت کشی، جذبات کی مرقع کشی کے سادہ و پُرکار انداز بیان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتے جو انیس کے کلام کی جان ہیں اور جن کی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں کہ انیس کے مقابلے کا شاعر پیدا نہیں ہوا۔ دراصل یہی وہ حصے ہیں جنہوں نے انیس کو انیس بنایا۔ لیکن زمانے کا رنگ اور تقاضا بڑے سے بڑے فن کار کے فن پر اثر انداز ہوتا ہے اور اسے اکثر غیر شعوری اور بعض وقت شعوری طور پر بھی اپنے ماحول کے اثرات کو قبول کرتے ہی بنتا ہے۔ وہ چاہے بھی تو ان سے اپنا دامن بالکل نہیں بچا سکتا۔ یہ نہ ہوتا تو انیس کا جہاد اور جنگ کا بیان مختصر اور حقیقت سے زیادہ قریب ہوتا۔ دراصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ مرثی کے دوسرے حصے یعنی ان کے کلام کا بہت بڑا حصہ، ان اثرات سے محفوظ رہا اور اس میں انہوں نے تخیل، حقیقت، سادگی بیان اور حسن بیان کو اس خوبی سے سمجھا کہ ہر واقعہ آنکھوں دیکھا اور سچائی سے قریب محسوس ہوتا ہے۔

اس ضمن میں چند باتیں میر انیس کا طرز امتیاز ہیں۔ ایک تو ان کے کلام کا ناہنجس من ہے یعنی زبان پر ان کی بے انتہا قدرت اور اس کا موقیع، بر محل استعمال، بیان کے نئے نئے پر اثر اور دل پذیر اسلوب جنہوں نے ان کے مرثی میں بڑا اثر بڑا حسن پیدا کیا۔ دوسرے داخلی اور ذہنی کیفیات کی مرقع کشی جس میں جذبات اور احساسات بھی آجاتے ہیں اور اخلاقی قدروں کی بلا واسطہ تعلیم بھی۔ خاندانی رشتہوں کا پاس اور آپس کے پر خلوص اور گہرے تعلقات بھی ملتے ہیں۔ ان میں ایثار و قربانی کے بے نظیر مظاہرے بھی ہیں اور مہر و تسلیم و رضا کے وہ نمونے بھی جو تاریخ انسانی کا قابل فخر سرمایہ کہے جاسکتے ہیں۔

انیس کے ہاں عورت کا جو تصور ہے اس میں بھی وہ منفرد ہیں۔ عورت کی سیرت اور اعلیٰ کردار کے نمونے اگرچہ انہوں نے خاندان رسالت کی محترم خواتین کے روپ میں دکھائے ہیں لیکن اس سے ان کا عورت کا عام تصور بھی اجاگر ہو جاتا ہے۔

سیرت نگاری ادب میں سب سے مشکل مرحلہ ہے۔ جہاں اعتدال کا دامن ہاتھ سے

چھوٹا، پامال میں جا کرے۔ شاعری میں یہ کام اور زیادہ ٹھن ہو جاتا ہے۔ اردو میں میر انیس سے پہلے اس کا کوئی قابل ذکر نمونہ نہیں ملتا۔ بے شک انیس ہی کے دادا میر حسن نے مثنوی سحر البیان میں اس کے دو چار کامیاب تجربے کیے تھے۔ مگر کیا مقابلہ ہے ان دو چار کرداروں کا انیس کے سو سے زیادہ کرداروں کی سیرت کشی سے جو انہوں نے اپنے مراٹھ میں پیش کیے ہیں۔

انیس جس فرد کی سیرت دکھاتے ہیں اس کی شخصیت اور درجہ کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ اس کی جذباتی کشمکش، نفسیاتی کیفیت، اس کا بات چیت کا انداز، مکہ رکھاؤ، ٹھیک دیا ہی ہوتا ہے جیسا اس جیسے کردار کا ہونا چاہیے اور اس طرح ہر کردار کی انفرادیت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے۔ وہ کردار امام حسین کا ہوا حضرت زینب کا، عباس کا ہوا علی اکبر کا، عون اور محمد کا ہوا یا شہر بانو اور زویہ عباس کا یا صغرا، سکینہ کا ہوا ہر فرد اپنی بات چیت، احساسات اور ذہنی کیفیت سے بغیر نام کے بھی پہچانا جاسکتا ہے۔

یوں تو جیسا ابھی میں نے کہا انیس نے ہر کردار کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے۔ مگر بزرگ ہستیوں میں زینب اور حسین جو انوں میں علی اکبر اور عباس اور نو عمروں میں عون اور محمد اور فاطمہ صغرا کی کردار نگاری میں نو قلم توڑ دیا ہے۔ خاص طور پر امام حسین اور حضرت زینب کی کردار نگاری میں جو باریکیاں، جزائرک جذبات، احساسات کی جو شدت اور گہرائی دکھائی کا اس کا جواب تو خود انیس کی شاعری میں بھی ملنا محال ہے کسی اور کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

حضرت زینب کی سیرت میں روحانیت کے ساتھ ساتھ انسانی اور نسوانی جذبات کے مناسب امتزاج نے، جو بڑا نازک کام ہے، اس کردار کو بڑا دلکش اور محبوب بنا دیا ہے۔ یہاں ایک چھوٹی سی مثال نمونے کے طور پر پیش کرتی ہوں۔ امام حسین کے منجھلے بیٹے علی اکبر کو، (یہ بات مرثیہ نگار ہمیشہ لکھتے آئے ہیں) ان کی پھوپھی نے پالا ہے۔ وہ پھوپھی کے بعد لاٹھے ہیں۔ یہاں تک کہ زینب اپنے بیٹوں کو بھی بھتیجے پر قربان کر چکی ہیں۔ علی اکبر خود بھی پھوپھی سے بہت محبت کرتے ہیں اور ان کی چاہت سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں۔ اس لیے جب میدان جنگ کی رخصت چاہتے تو پھوپھی کے پاس جانے کی ہمت نہیں کرتے۔ حالانکہ امام حسین بیٹے سے پہلے ہی کہہ چکے ہیں:

سب جانتے ہیں جو ہے پھوپھی کو تمھاری چاہ
اور یہ بھی فرما چکے ہیں :

خیمے میں جا کے اس کو رضا مند کیجیے

مگر وہ اپنی ماں کے پاس جا کر ان سے اجازت مانگتے ہیں۔ اس کا زینب کو بہت صدمہ ہوتا ہے۔ ان کی اس وقت کی حالت اور ذہنی کیفیت کی انیس نے متعدد درمیشوں میں مرقع کشی کی ہے۔ یہاں صرف ایک بند پیش کروں گی :

اکبر سے محمد کو یہ نہ توقع تھی ہے غضب اتنا نہیں خیال کہ ہے کون جاں بلب
اس گل نے اپنے میری ریاضت بھلائی سب نام خدا جو ان ہوئے کیا ہم سے کام اب

ہیں محو زُن کے شوق میں رخصتِ دھیان ہیں

پس ہے کسی کا کون ہوا ہے جہان میں

ایک اور جگہ مجھے شکوے کے دوران یہ بھی کہتی سنائی دیتی ہیں :

”مالک اب اور ہو گئے کوئی ہوئے نہ ہم“

اس اور کی بلاغت قابلِ غور ہے۔

شبیدِ اعظم حسینؑ انیس کے ہیرو ہیں۔ بے حد محترم اور مقدس ہستی، جن کی معصومیت پر وہ ایمان رکھتے ہیں۔ انھیں یقین ہے کہ دنیا کا سب خشک و تر خدا کے حکم سے ان کا تابع ہے مگر وہ اسلام کو تباہی سے بچانے کی خاطر اپنے ان اختیارات کو کام میں نہیں لاتے جو خدا نے انھیں بخشے ہیں اور حق کی شہادت دیتے ہوئے گلا کٹا دیتے ہیں لیکن اس مقدس و محترم ہستی کے کردار میں بھی روحانیت کے ساتھ ساتھ انسانی جذبات اور احساسات اس خوبی کے ساتھ سمونے لگے ہیں کہ انیس کی سیرت کشی کے کمال کا قائل ہو جانا پڑتا ہے۔

حسینؑ کو اپنی چھوٹی بچی سکینہ سے بہت پیار ہے۔ روزِ ماشاء اس سے رخصت کے وقت امام کے دل میں درد و محبت کا دیا موجزن ہے۔ بیٹی جو باپ کے سینے پر سر رکھ کر سونے کی مادی ہے آج ساری رات جاگتی اور روتی رہی ہے۔ باپ کو یاد کرتی رہی ہے۔ جب وہ شکوہ کرتی ہے تو اس کے جواب میں امام عالی مقام فرماتے ہیں :

آجھی نہیں عادت یہ، نہ رویا کرو بی بی
 پہلو میں کبھی ماں کے بھی سوا کرو بی بی
 آج کا دن قیامت کا دن ہے۔ کم سن بیٹی کو ان معائب کے لیے تیار کرنا ہے مگر
 ان کو سمجھانے میں خود ان کے دل پر کیا گزر رہی ہے اس کا بھی ان شعروں سے اندازہ
 کیا جاسکتا ہے:-

کیا ہوئے جو ہم گھر میں کسی شب کو نہ آئیں مجبور ہوں ایسے کہ تمہیں چھوڑ کے جائیں
 تم پاؤ نہ ہم کو، نہ تمہیں ہم کہیں پائیں بی بی کہو پھر چھاتی پر کس طرح سلائیں
 جنگل میں بہت قافلے لٹ جاتے ہیں بی بی
 برسوں جو رہیں ساتھ دو چھٹ جاتے ہیں بی بی
 اور پھر باتوں باتوں میں یہ کہہ جاتے ہیں:

”راحت کے دن گزر گئے اب فصل اور ہے

اب یوں بسر کرو جو یتیموں کا طور ہے“

تو معصوم بچی کا بھولے پن سے یہ پوچھنا پڑھنے سننے والے کے دل کے پار ہو جاتا ہے:

”بتلائیے مجھے کہ یتیمی ہے کس کا نام“

اس سوال سے باپ کے دل پر کیا بیت گئی اس کی زرا سی جھلک ان شعروں میں
 مل جائے گی:

آنکھوں سے خوں بہا کے یہ کہنے لگے امام ”کھل جائے گا یہ درد و الم تم پہ تا بہ شام“

بی بی نہ پوچھو کچھ یہ مصیبت عظیم ہے

مر جائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے“

فاطمہ صغرا امام حسین کی منجھلی بیٹی ہیں۔ وہ عمر کی اس منزل میں ہیں جب بچپن اور جوانی
 ملے ملتے ہیں اور احساس ذات بہت بڑھ جاتا ہے۔ یہاں میں اس لیے امام حسین ان کو اپنے
 ساتھ سفر پر نہیں لے جا رہے ہیں۔ فاطمہ صغرا کی سیرت کشی انیس نے بڑے کمال کے ساتھ
 کی ہے۔ اس میں انسانی جذبات، شعوری اور لاشعوری طور پر اس عمر کی لڑکیوں میں اپنی
 اہمیت کا احساس اور عزیزوں کی بے پروائی کی شکایت کی نقشہ کشی بھی بڑی خوبی سے

کی گئی ہے۔ وہ کسی طرح یہ بات نہیں سمجھ پائی کہ اسے بیماری کی وجہ سے وطن میں چھوڑا جا رہا ہے بلکہ یہ خیال دل میں بیٹھ گیا ہے کہ میری محبت نہ ماں کو ہے نہ باپ کو، نہ بہنوں بھائیوں کو میری پروا ہے نہ خاندان کے دوسرے لوگوں کو۔ وہ تو یہ سمجھتی ہے :

”کیا خلق میں لوگوں کوئی ہوتا نہیں بیمار“

حالانکہ وہ خود سب کی محبت میں چور ہے۔ امام حسین رخصت کے لیے بیٹی کے پاس آتے ہیں تو :

بیمار نے پانی گل زہر کی جو خوشبو آنکھوں کو تو کھولا پہ ٹپکنے لگے آنسو

ماں سے کہا مجھ میں جو حواس آئے ہیں اماں

کیا میرے سچا مرے پاس آئے ہیں اماں

باپ لاکھ سمجھاتے ہیں کہ تم بیمار ہو، سفر بہت کٹھن ہے مگر لڑکی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ وہ یقین دلا رہی ہے کہ میری بیماری کسی پر بار نہ ہوگی :-

”کیا تاب اگر منہ سے کہوں درد ہے سر میں اُٹ تک نہ کروں بھڑکے اگر آگ جگر میں

بھولے سے بھی شب کو نہ کراہوں گی سفر میں قربان گئی چھوڑ نہ جاؤں مجھے گھر میں“

اس کی بے قراری اور بے چارگی کا سب کو مدد اور قلق ہے مگر مجبور ہیں لیکن

وہ یہ سمجھتی ہے :

”بیزار میں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا سچ ہے کوئی مردے سے محبت نہیں کرتا“

اور حسرت سے کہتی ہے :

”بابا کو نہ اماں کو نہ بہنوں کو مری چاہ سب جیتے رہیں خیر ہمارا بھی ہے اللہ

حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اس کا

وہ آنکھ چرا لیتا ہے، منہ نکلتی ہوں جس کا“

بے بسی اور شرمندگی میں ”آنکھ چرا نا“ اور اس کا دوسرا مطلب اخذ کرنا کس خوبی سے

دکھایا گیا ہے۔

میرا نیس کے کلام کی ایک اور اہم خصوصیت (جس کی طرف ابھی بہت کم دھیان

دیا گیا ہے، وہ ہے خاندانی زندگی کی مرقع کشی، اس کی دلکش جھلکیاں، رشتوں کا پاس اور

لحاظ۔ انھوں نے امام حسین کے خاندان کی زندگی کی بڑی حسین و دل نشین تصویریں پیش کی ہیں۔ جن میں رنگ کہیں قدر سے ہلکے ہیں، کہیں شوخ ہیں لیکن دونوں ہی اس تعلق کو اُبھارتے ہیں جو انیس دکھا چاہتے ہیں۔ اس مرقع میں محبت، شرافت نفس، ایثار و قربانی کا جذباتِ اطاعت اور خدمت کی لگن، جان نثاری اور وفاداری کے ساتھ ساتھ غلوں اور اپنائیت کا وہ گہرا احساس بھی ملتا ہے جو خاندانی محبت کی جان ہوتا ہے۔ جس میں گلے شکوے کا حق بھی ہوتا ہے اور آپس میں اختلاف رائے بھی ہو سکتا ہے۔ بدگمانی بھی پیدا ہو جاتی ہے اور دور بھی ہو سکتی ہے۔ ایک دوسرے کا سکھ میں بھی ساتھ دیا جاتا ہے اور دکھ بھی بٹایا جاتا ہے۔ احساسِ محرومی بھی ہوتا ہے اور احساسِ فخر و ناز بھی۔ یہ جلوے تقریباً ان کے ہر مشیہ میں نظر آ سکتے ہیں۔ کہیں ذرا سی جھلک ہے، کہیں تفصیل سے ہے۔ بعض تو پورے پورے مرثیے اسی جذبے اور احساس کے گرد گھومتے ہیں۔ ان کے مرثیوں کو اس لحاظ سے پڑھا جائے تو میرے دعوے کا ثبوت آسانی سے مل جائے گا۔ یہاں میں نمونے کے طور پر حضرت عباس کی بیوی کا ذکر کروں گی۔ وہ امام حسین کے سوتیلے بھائی کی بیوی ہیں۔ مگر شوہر کی طرح سسرال کے ہر فرد پر جان داری ہے۔ خاص طور پر بڑی نند زینب اور جٹھانی شہرناؤ اور محترم بڑے بھائی امام حسین سے بہت عقیدت اور سکیذہ سے بہت پیار ہے۔ ان کی محبت کے مناظر بعض مرثیوں میں بڑے دل نشین اور روح پرور ہیں۔ ایک جگہ شوہر کا تذکرہ کرتے ہوئے نند اور جٹھانی سے :

کہنے لگی یہ زوجہ عباس خوش بیان ”غصے میں ان کو کچھ نہیں، ہٹا کسی کا دھیان
ہرات میں ہے شیر الہی کی آن بان یہ جان کو بھلا کبھی سمجھے ہیں اپنی جان

آتا ہے غیظ جب تو نہ کھاتے نہ پیتے ہیں

یہ تو فقط حسین کے صدقے میں جیتے ہیں“

عباس کو فوج کا علم تفویض ہوتا ہے۔ زوجہ عباس یہ خبر سن کر اپنے خیمہ سے آتی ہیں،
لیں سب سے مصطفیٰ کی بلائیں، پچشم تر زینب کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نود گرد

”فیض آپ کا ہے اور تصدق امام کا

عزت بڑی کینز کی، رتبہ غلام کا“

اس وقت زینب کابلہ اختیارانہ جذبہ دیکھیے :
 سر کو لگا کے چماتی سے زینب نے یہ کہا "تو اپنی ہانگ کو کھ سے ٹھنڈی رہے سدا"
 عباس جہاد کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔ بیوی کی بے قراری قدرتی بات ہے جنہاں
 ان کو سمجھاتے ہیں۔ اس میں محبت اور درددلی کی ایک دنیا پنہاں ہے :
 "خیر النساء کے لال پہ ہوتے ہیں ہم فدا شادی کا ہے مقام کہ ماتم کی ہے یہ جا

لو پونچھ ڈالو آنسوؤں کو بہرہ زد و الجلال دیکھو زیادہ رونے سے ہوگا ہمیں ملال"
 اور یہ کہہ کر بیوی کا حوصلہ بڑھاتے ہیں :
 "چرچا رہے کہ خلق میں کیا کام کر گئی چھوٹی بہو علی کی بڑا نام کر گئی"
 اس میں "چھوٹی" اور "بڑا" "مناسبت لفظی ہی کے لیے نہیں آیا۔ "چھوٹی بہو" میں بڑی
 بلاغت پنہاں ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ تم علی کی بہو ہو۔ چھوٹی ہسی مگر درجہ اور کسی سے کم نہیں۔
 مجھے قربان کر کے تمہارا نام اونچا ہوگا۔ تم زندہ جاوید ہو جاؤ گی۔

مرثیہ نگاروں کے ہاں، واقعہ کربلا کے کرداروں اور خاندان نبوت کی خواتین کو
 ہندوستانی رنگ میں پیش کرنے کی روایت بہت پرانی ہے۔ دکنی مرثیوں میں وہاں کے
 اثرات تھے۔ اودھ کے دور مرثیہ گوئی میں وہاں کی تہذیب اور رہن سہن کا اثر مرثیوں میں
 غالب نظر آتا ہے۔ مرزا دبیر کے ہاں تو یہ رنگ بہت زیادہ گاڑھا ہو گیا ہے۔

میر انیس نے بھی اس روایت کو اپنایا۔ خاندان رسالت کے مرد مجاہدوں میں
 ہندوستانی عناصر کم ہیں مگر حسینؑ کے گھرانے کی خواتین میں ہندوستانی تہذیب کا رنگ
 زیادہ گہرا اور نکھر ہوا ملتا ہے۔ البتہ کہیں کہیں ان کا قلم بھی شدت پسندی کی طرف مائل
 ہو گیا ہے مگر ایسا کم ہوا ہے اور عام طور پر انھوں نے اپنے کرداروں میں ہندوستانییت پیدا
 کر کے انھیں سننے، پڑھنے والوں کے دل سے زیادہ قریب کر دیا ہے۔ یاد رکھنے کی یہ بات
 بھی ہے کہ انیس شاعر ہیں مورخ نہیں۔ انھوں نے واقعہ کربلا کی تاریخ بیان نہیں کی، بلکہ
 بنیادی واقعات کو لے کر تخیل کی آنکھ سے ان مناظر کو شاعر نے دیکھا اور اپنے باکمال قلم سے

سے حضرت فاطمہ زہرا

اس کی جیتی جاگتی تصویر کشی کی کہ وہ حقیقت کے رنگ میں ڈوبی محسوس ہونے لگی۔ اس سے تیرہ صدیوں کا بلند مٹ جاتا ہے۔ کربلا کے سوا سو ڈیڑھ سو کرداروں کی زندگی کی عموماً اور چندہ بیس کی خصوصاً، جو مرتع کشی انیس لے کی ہے اس کا جواب ذمہ داری کی تاریخ میں مل سکتا ہے نہ خود اردو ادب کی تاریخ میں۔ ان کے کردار ہمارے دل کے تاروں کو چھوتے اور دماغ پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ ان میں مقامی رنگ انیس نے فصیح روایت کی خاطر، یا زمانے کے اثرات کی وجہ سے پیدا نہیں کیا بلکہ یہ زمرہ شناس شاعر خوب سمجھتا تھا کہ بعض ایسی آفاقی ہستیاں ہوتی ہیں جو کسی علاقے سے مخصوص نہیں ہو سکتی ہیں۔ وہ سب کی ہوتی ہیں۔ اور امام حسین ان میں سے ایک ہیں۔ جن کا پیام عالمگیر، جن کی محبوبیت ہمہ گیر ہے۔ اور جن کا عظیم المیہ سب کے دلوں پر اثر کرتا ہے۔ اور لوگ جب ان کو اپنی تہذیبی زندگی میں رنگا ہوا پاتے ہیں تو اس کا اثر بہت زیادہ دیر پا ہوتا ہے۔

طوالت کے خیال سے یہاں اس کی مثالیں پیش نہیں کی جا سکتیں۔ صاحبان ذوق ان مشعوں کو چمکھ کر خود ہی پرکھ جائیں گے۔ البتہ یہاں ایک بند دیے بغیر نہیں رہا جاتا جہاں حضرت زینب کے کربلا میں عماری سے اترنے کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ دیکھئے عرب کی امام زادی، اونٹ پر سے اتر رہی ہیں مگر گرد و پیش کی جو فضا ہے وہ خالص ہندوستانی

ہے؛ خازنہ زینب جو قریں ڈیوڑھی کے پہنچا

کمری سے اٹھے آب شرب و بطحا

گرد آ کے کیا تاسم و عباس نے پروا

محل سے اترنے جو لگی دخت زہرا

اک ہاتھ علی اکبر ذی جامنہ تھا

اک ہاتھ جگر بندہ اللہ نے تھا

انیس کی ایک نمایاں خصوصیت، جیسا ہم نے پہلے بھی کہا ہے، جو انھیں اپنے پیشرو اور ہم عصر شاعروں سے ممتاز کرتی ہے۔ عورت کی سیرت کا وہ بلند تصور ہے جو ان کے کلام میں جاری و ساری ہے۔ ان کے دل میں عورت کا بہت احترام ہے اور وہ اس کی شخصیت بہت بلند تصور کرتے ہیں۔ میں نے اپنی کتاب میں انیس کے کلام سے متعدد مثالیں اور

سے غواہ کر لیا۔ کلام انیس کے آئینے میں

دلیلیں دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ وہ محبت کو محبت کی دیوبی، حیا کی کان، ایمان کی جان، شرافت کی تصویر، قربانی اور ایثار کی مورتی، مبرور و داشت کی پیکر، دین و دارہ حق پرست، حوصلہ مند، بہادر، ہنر، اور وقت پڑنے پر بڑے سے بڑے پہاڑ سے ٹکرائے والی ہستی سمجھتے ہیں۔ اور یہ صفات صرف خاندان رسالت کی خواتین ہی کا طرہ امتیاز نہیں بلکہ واقعہ کریم میں جن عام عورتوں کا ذکر آتا ہے ان میں یہاں تک کہ دشمن کی عورتوں تک میں، کسی نہ کسی حد تک یہ صفات موجود ہیں۔ ان کے سب مرثیوں کو پڑھ جائیے، ایک عورت بھی ایسی نہیں ملے گی جس نے ظلم کیا ہو یا ظلم کا ساتھ دیا ہو۔ اس کے برعکس وہ ان واقعات کو اُجھار کر دکھاتے ہیں جب مرد و زندہ بن گئے تھے تو عورتوں ہی نے انسانیت کو باقی رکھا اور اہل بیت رسول کی حمایت کی۔ بعض وقت حسینؑ کی حمایت اور محبت میں جاں تک قربان کر دی۔ وہ اپنے مردوں سے خوف زدہ نہیں ہوئیں بلکہ ان سے ٹکرائی۔ اس سلسلے میں مثالیں دینے کی گنجائش نہیں۔ لیکن انیس کے کلام کو اگر زرا توجہ اور غور سے پڑھا جائے تو یہ مثالیں ان کے ہر مرثیہ میں بکھری ملیں گی۔

ایک اور لحاظ سے بھی انیس کا کلام بہت اہم ہے۔ یعنی اس میں تہذیبی اور اخلاقی قدروں کی تعلیم بڑی خوبی کے ساتھ دی گئی ہے۔ یہ کہیں کہیں بلا واسطہ ہے لیکن زیادہ تر بالواسطہ، مرثیہ کے کرداروں کے ذریعہ پیش کی گئی ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں عام طور پر یہ خیال بیٹھا ہوا ہے کہ مرثیہ صرف رونے رلانے کے لیے ہوتے ہیں۔ یوں تو ابتدائی زمانے کے مرثیوں تک میں بھی شہیدانِ کربلا کی زندگی کے واقعات بیان کیے جاتے تھے اور ان مثالی کرداروں اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کی حامل ہستیوں سے دنیا کو متعارف کرایا جاتا تھا۔ بچائے خود اخلاقی تربیت کا ایک ذریعہ کہا جاسکتا تھا۔ پھر جب مرثیہ باقاعدہ ادب کی ایک صنف بن گیا تو اس کے ذریعہ اخلاقی تعلیم کی تبلیغ اور زیادہ ابھر کر سامنے آنے لگی ایک اور نکتہ بھی قابل غور ہے۔ مرادارانِ حسین کو رولانے کے لیے انیس جیسے قادر الکلام اور پلٹھ پرایہ شاعر کو ڈیڑھ سو دو سو بلکہ ڈھائی سو ہند تک مرثیہ کہنے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ ان کے لیے تو صرف "اے حسین" یا "ہاے شہیدِ کربلا" یا "مظلوم امامِ محمدؐ مرثیہ بھی کافی ہو سکتا۔"

مرثیہ کی صنف سخن کو اتنی وسعت دینے اور اس میں اتنا تنوع پیدا کرنے، رنگا رنگ مضامین نظم کرنے میں یہ علم بھی پوشیدہ تھی کہ ان بلند پایہ ہستیوں کی شخصیت اور کارناموں کے ذریعہ لوگوں کو بلند اخلاق اور اعلیٰ قدروں کی تعلیم دی جائے۔ اور میر انیس کے ہاں تو خاص طور پر اس کا اہتمام ملتا ہے۔ کبھی مرثیہ کے چہرے میں کبھی رباعیوں اور سلاموں میں، بعض جگہ بینیہ مضامین میں بلا واسطہ اخلاقی قدروں کا بڑے موثر اور دل نشین انداز میں تذکرہ ہوتا ہے۔ پھر کربلا کے المیہ کے سارے کرداروں کی پوری زندگیاں اور سیرت ان اخلاقی قدروں کی حامل ہیں۔ اور ان کے کارنامے لوگوں کے لیے درس ہدایت بن سکتے ہیں۔ اور کیا نہیں ہے ان میں۔ حق کا پالن کیسے کیا جاتا ہے؟ خدا پرستی اور دین کی سلامتی کے لیے کیسے خندہ پیشانی سے اپنے خون کا ایک ایک قطرہ بہایا جاسکتا ہے؟ وفا اور جاں نثاری کس کو کہتے ہیں؟ دیانت، شرافت، خدمت، محبت، ایثار، قربانی کے جذبہ کیا ہیں؟ صبر کے معنی کیا ہوتے ہیں اور راہِ رضا میں سر تسلیم کیسے خم کیا جاتا ہے؟ کربلا کے شہیدوں اور اہل بیت حسینؑ کے سب کردار، ان صفات کا جامع نمونہ بن کر سامنے آتے ہیں۔ وہ فرشتہ نہیں مگر فرشتہ سے بڑھ کر انسان ہیں۔ انیس کے کلام کا اگر گہری نظر اور بے تعصبی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقائق صاف نظر آجاتے ہیں۔

بلا واسطہ اخلاقی تعلیم کے دو چار نمونے ان کی رباعیوں اور سلاموں میں سے ملاحظہ کیجیے

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم

انیس ٹھیس نہ لگ جائے آہیگیوں کو

دنیا میں کسی چیز کو ثبات نہیں۔ آج کچھ ہے کل کچھ ہے۔ یہ حقیقت جانتے سب ہیں مگر اس کا پورا احساس کوئی کوئی ہی کر پاتا ہے۔ لہذا دیکھیے انیس نے کس طرح اس بدیہی حقیقت کو بیان کیا ہے :

کسی کی ایک طرح پر بسر ہوئی نہ انیس عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

ہر اک کے ساتھ ہے روشن دلوں طمع و غروب سحر کا جند نہ تھا، شب کو آفتاب نہ تھا

انسان کی زندگی پانی کے بلبل سے بھی زیادہ ناپائیدار ہے :

نمود و بود بشر کیا محیط عالم میں ہوا کاجب کوئی جھوٹا چلا جاب و تھا قناعت و استغنا :

کنج حوت میں شالی آیا ہوں گوشہ گیر رزق پہنچا تا ہے گھر بیٹھے خدا میرے لیے خاکساری :

خاکساری نے دکھائیں رفتوں پر رفتیں اس زمیں سے واہ کیا کیا آسمان پیدا ہوئے دل کا شیشہ حد سے زیادہ نازک ہوتا ہے لہذا انسان کو اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ اس خیال کو کس نزاکت اور خوبی سے پیش کیا ہے :-

کسی کو کیا ہو دلوں کی شکستگی کی خبر کہ ٹوٹنے میں یہ بیٹھے صدا نہیں رکھتے ہر انسان کو مرنا ہے اس لیے نیک اعمال کا ذخیرہ پہلے سے جمع کر لینا ضروری ہے !

گر لاکھ برس جیسے تو پھر مرنا ہے پیمانہ عمر ایک دن بھرنا ہے ہاں تو شہر آخرت مہیا کر لے فاضل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

اور ۱

کیا کیا دنیا سے صاحب مال گئے دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے پہنچا کے لمحہ تلک پھر آئے احباب ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

ایسے سینکڑوں موتی ان کے کلام میں بھرے پڑے ہیں۔

امام حسین کو انیس نے بھائی یا بیٹے یا بھتیجے کی شہادت پر عالم بے قراری میں نالہ و بین کرتے دکھا یا ہے۔ اس پر بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اتنی عظیم شخصیت کے منہ سے یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ یا بعض لوگ کہتے ہیں کہ نالہ و زاری کرنے والے کے مبرا کیا سوال ہے؟ لیکن ایسے اعتراض کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں، یا سمجھ نہیں پاتے کہ انیس یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ساری روحانی بلندی کے باوجود امام عالی مقام کے دل میں بھی وہ سارے انسانی جذبات موجود تھے جو ہر انسان کو قدرت نے دویت کیے ہیں اور درد و غم سے متاثر ہونا انسانیت کی شرط ہے، تو ہمیں نہیں۔ پھر ان مقامات پر تو لوگوں کی نظر بہت کم پڑتی ہے جب خود امام حسین اپنے ساتھیوں یا بیوی یا بیٹی یا بہن اور کبھی کبھی خود اپنے آپ کو راضی برضا رہنے اور مبرا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ایسے مقام انیس کے کلام میں سینکڑوں سے

کم نہیں۔ صرف ایک مرثیہ کے دو تین بند نمونے کے طور پر پیش کرتی ہوں جب اپنے
کڑیل جوان بیٹے علی اکبر کی شہادت کے بعد باپ کا دل درد سے تڑپ رہا ہے۔ وہ
اسے صبر کی، راضی برضار ہونے کی تلقین کر رہے ہیں :

دل کا ہے تقاضا کہ تڑپنے کی رضا دو کہتا ہے جگر خوں مرا آنکھوں سے بہا دو
سرکینچا ہے نالوں نے کہ گردوں کو بلا دو شہر کہتے ہیں "یاد اب علی اکبر کی بھلا دو
منتار کا جو حکم ہو کچھ جبر نہیں ہے
اس زخم کا مرہم کوئی جبر مبر نہیں ہے

جواہلِ محبت ہیں بلا ان کے لیے ہے صابر جو ہیں یہ دردِ دوا ان کے لیے ہے
مظلوم جو ہیں لطفِ خدا ان کے لیے ہے ہر رنج میں اک تازہ مزا ان کے لیے ہے

سو دکھ ہوں تو ہوں، محو میں الفت میں سی کی

روتے ہیں تو روتے ہیں محبت میں اسی کی

روئے جو مصیبت میں تو کیا ہوتا ہے اے دل ہوتا ہے جو قسمت کا لکھا ہوتا ہے اے دل

ہر درد کا الفت میں مزا ہوتا ہے اے دل صابرے رضا مند خدا ہوتا ہے اے دل

مطلب ترے یہ مرحلے کر کے ملیں گے

بیچتے ہیں تو فرزند سے اب کر کے ملیں گے

داخل ہوئی خیلِ شہدائیں مری اولاد جو نیک کمائی ہے وہ ہوتی نہیں برباد

سب اس پہ فدا ہیں علی اکبر ہوں کہ بجاؤ بندہ وہ ہے، صاحب کی جو بھولے دیکھی یاد

طاعت تو ہے دشواں طاعت تو نہ جائے

یشا تو گیا صبر کی دولت تو نہ جائے

انیس کے کلام کی خصوصیات میں ان کی منتظر کشی کا ذکر آتا ہے۔ حقیقت بھی ہے

کہ منتظر کشی ان کا بڑا محبوب موضوع ہے۔ یہ محض مناظرِ فطرت تک محدود نہیں۔ وہ رزم

کی منتظر کشی بھی کرتے ہیں اور رزم کی بھی کسی شہید کی وفات کے وقت کا منظر کچھتے

ہیں تو دل کو تڑپا دیتے ہیں۔ مثلاً ایک بند کی بیت کا یہ شعر ملاحظہ ہو :

دم نکلے تھے مشکل سے کہ وہ تازہ جوان تھے

بالائے زمیں پاؤں رگڑنے کے نشان تھے

مجاہدوں کی جنگ پر جانے کے وقت کی منظر کشی تو انھوں نے ہر مہمہ میں کی ہے اور اس تفصیل، خوبی اور حقیقت سے کام لیا ہے کہ اس پر ایک ضخیم کتاب تصنیف ہو سکتی ہے خاندان رسالت کی بیویوں کے اوتھوں پر سوار ہونے کا منظر ہو یا سواری سے اترنے کا، غرض کوئی واقعہ ایسا نہیں جس کا وہ ہو بہو نقشہ نہ کھینچ دیتے ہوں۔

جہاں تک فطرت کی منظر نگاری کا تعلق ہے مہمہ کا میدان اس کے لیے بڑا نامازگار ہے عرب یا عراق کے صحرا اور بنجر پہاڑیاں کہیں کہیں زراعت کا نشان کوئی چھوٹی موٹی ندی اور بس۔ لیکن انیس کا کمال یہ ہے کہ اس محدود میدان میں انھوں نے منظر کشی کے وہ حسین و دلکش اور بے مثال نمونے پیش کیے، جن کے مقابلے کے منظر اردو شاعری میں دوسرے نہ مل سکیں گے۔ انھوں نے اپنے متعدد مہمہوں میں صبح عاشور، شب عاشور وغیرہ کی منظر کشی کی ہے اور ہر جگہ اپنے کمال کا لوہا منوا لیا ہے۔ ان کے سب سے بڑے شاہکار مہمہ "جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے" میں تو یہ منظر کشی اپنے پورے مروج پر نظر آتی ہے۔ کوئی تیس چالیس بند انھوں نے اسی پر لکھے ہیں۔ عام طور پر اسی کے اقتباسات انیس کی منظر کشی کے نمونے کے طور پر پیش کیے جاتے رہتے ہیں۔ میں یہاں ان کے ایک دوسرے مہمہ "پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح" کے دو تین بند پیش کرتی ہوں اس دھوے کے ساتھ کہ انیس کے کلام میں اس قسم کے نمونہ جگہ جگہ پائے جاتے ہیں۔ کربلا میں صبح عاشور کا طلوع دیکھیے:

چلتا وہ باد صبح کے مجھ کوں کا دم بدم مرقان باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آجے تاب نہر وہ موجوں کا بیچ و خم سردی ہوا میں، پر نہ زیادہ بہت نہ کم

کھا کھا کے اوس اور بھی سبز ہوا ہوا

تھامو تھیں سے دامن صحرا بھرا ہوا

وہ نور صبح اور وہ صحرا وہ سبز ہزار تھے طاووسوں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلتا نسیم صبح کا وہ کہے بار بار کو کو وہ قمریوں کی وہ طاووس کی پکار

دانتے دہ پکے باغ بہشتِ نعیم کے
 ہر سوراں تھے دشت میں جو کئے نعیم کے
 وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد
 نخل سی وہ گیہا وہ گل بسز و سرخ و زرد
 رکنتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہولے سرد
 یہ خوف تھا کہ دامن گل پر پڑے نہ گرد
 دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
 سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کھار کا
 ایک اور مرثیہ کا یہ بند ملاحظہ ہو :

ٹھنڈی ہوا میں سبزہ صحرائی وہ لہک
 شرمائے جس سے اطلالِ نگاری فلک
 وہ مجھوینا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک
 ہر برگ گل پہ قطرہ شبنم وہ جھلک
 ہیرے نخل تھے گو ہر پختا نشان تھے
 پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے
 شاہدہ کی یہ باریکی، یہ حسنِ نظر، اندازِ بیان میں حقیقت و تخیل کا یہ امتزاج انیس
 ویں کا حصہ ہے۔

میر انیس کے کلام پر جتنی گہری نظر ڈالیے یہ حقیقت واضح ہوتی جاتی ہے کہ جہاں
 ان کی شاعری میں وہ صلاحیت تھی جس کے لیے جزوِ لیست از پیغمبری کہا گیا ہے اور جس
 صلاحیت سے انھوں نے مجھوینا کام لیا، وہاں یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس فطری
 صلاحیت کو جلا ملی اس اکتسابی کاوش سے جو انھوں نے زبان سیکھنے کے سلسلے میں کی ہوگی
 اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اردو ان کے گھر کی لونڈی تھی۔ اس کی لطافت، سلاست
 انھوں نے ماں کے دودھ کے ساتھ ہی پٹی تھی۔ اس میں انھوں نے لوریاں اور کہانیاں سنیں اور
 اس طرح بچپن ہی سے اس کی کہاوتیں، محاورے، روزمرہ نے کانوں میں رس گھول لیا لیکن
 کوئی فنکار کتنا ہی بڑا کیوں دہوں جب تک وہ اپنی زبان کا طریقہ کھنگال نہ ڈالے اور پوری محنت
 سے اسے دیکھے زبان اسے نہیں آسکتی۔ اسی زبان بول لینا اور بات ہے اور زبان پر اتنی قدرت
 ہونا کہ خوبصورت باعنی، زبان میں اظہارِ خیالات بھی کیا جاسکے بالکل دوسری بات ہے۔ کسی شاعر
 (یا ادیب) کے کلام میں معنویت، حسن، دلکشی اور گہرائی صرف اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب

اسے اپنی زبان پر پورا عبور حاصل ہو اور صرف اپنی ہی زبان پر نہیں ان معاون زبانوں سے بھی جن کے الفاظ بجز مادری زبان میں مستعمل ہیں، اسے واقفیت ہو۔ انیس کا کلام پڑھنے سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ انھیں زبان اور بیان دونوں پر بے پناہ قدرت حاصل ہے۔ بقول سید مسعود حسین رضوی ادیب :

جو نازک سے نازک خیال دل میں پیدا ہو اور لطیف سے لطیف کیفیت
طبیعت پر طاری ہو، اسے لفظوں میں بیان کر دیں۔ وہ جیسا خیال ظاہر کرنا
چاہتے ہیں اس کی مناسبت سے ایسے الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں جو اپنی
آواز، اپنے ربط باہمی اور اپنے متعلقات معنوی سے اس خیال کی کامل
ترجمانی کرتے ہیں۔ اختصار اور طول پر بھی ان کو پورا اختیار ہے۔ ان
کے پاس لفظوں کا اتنا بڑا خزانہ موجود ہے جس سے زائد شاید ہی کسی اور
شاعر کو نصیب ہوا ہو۔ . . . (دیباچہ روح انیس)

یہ ہم پہلے کہیں لکھ چکے ہیں کہ مسعود صاحب ہی کا فرمانا ہے کہ انھیں اردو کے علاوہ
فارسی اور عربی زبان سے بھی بہت اچھی واقفیت تھی۔

انیس کے پاس محاوروں، کہاوتوں، تشبیہوں، استعاروں، کنایوں اور بے تکلف
بولے جانے والے الفاظ کا بے کراں خزانہ تھا۔ ان کا کلام پڑھتے وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ
لاکھوں جواہر پارے اس کلام کے جوہری کے سلسلے بکھرے پڑے ہیں۔ جس وقت جس کی ضرورت
ہوتی ہے وہ اسے اسٹاک کر میج جگہ پر بٹھا دیتا ہے۔ ایسا کہ جیسے انگوٹھی پر میرا جڑ دیا گیا ہو۔

خیال اور لفظ کا حسین امتزاج بھی انیس کے کمال شاعری کا ایک بڑا اہم جزو ہے۔
وہ نازک سے نازک اور مشکل سے مشکل مقام کی تصویر کشی اس خوبی اور چابک دستی سے کرتے
ہیں کہ پڑھنے والے کے سلسلے منظر کشی جاتا ہے۔ جنگ کی نقشہ کشی کرتے ہیں تو اس کا
پورا نقشہ کھینچ دیتے ہیں۔ تاثر اور درد کی کیفیت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو دلوں کو تڑپا دیتے
ہیں اور آنکھیں برسنے لگتی ہیں۔ جذبات کشی کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ شاعر کے
کرداروں کے نہیں خود ہمارے اپنے جذبات بیان کیے جا رہے ہیں۔ گھر بیروز نگہیاں کی
جھلکیاں دکھاتے ہیں، آپس کے تعلقات پیش کرتے ہیں، غرض جہاں جہاں بزم آرائیاں ہیں

وہاں ذہن اور دل سمجھ جاتے ہیں۔ ایک واقعہ کو لے کر انھوں نے اپنے مرثیوں میں سینکڑوں ہندوؤں میں بیان کیا ہے مگر اس کمال سے کہ واقعہ کا بنیادی عنصر اور اس کی روح جوں کی توں رہی۔ جزویات میں البتہ فرق ہوتا ہے۔ مثلاً امام حسین کے منجھلے بیٹے علی اکبر کی ماں باپ اور بھوپتی سے رخصت اور شہادت کے بعد کے بیان کو انھوں نے متعدد مرثیوں میں دکھایا ہے اور ہر مرثیہ ایک الگ انداز اور سخن رکھتا ہے۔ ماں کے جذبات اور احساسات اس رشتے اور اس کی فطرت کے مطابق ہیں تو باپ کے احساسات اور بیٹے سے عشق کی حد تک محبت، ان کے درجہ، مقام اور رشتے سے عین مطابقت رکھتے ہیں اور چاہنے والی بھوپتی کی محبت، جگے اور شکوے، پالنے کا حق جتانے اور اظہارِ الفت کا انداز بالکل دوسرا، بے حد پڑاثر اور منفرد ہے اور لطف یہ کہ کہیں ان کی بلند سیرت اور مقام سے ان کو گرنے نہیں دیتا۔ خود علی اکبر کے جذبات اور احساسات جب بیان کئے جاتے ہیں تو ایک نوجوان بہادر، مجاہد جاں باز کا جذبہ شوقِ جان شہری و شہادتِ جاہاگر ہر کمرے میں آتا ہے۔

واقعہ نگاری نظم میں ہو یا نثر میں، افسانہ میں ہو یا ناول میں، بہت مشکل مقام ہے۔ انیس کے مرثیے یوں تو سب کے سب کسی واقعہ کے گرد ہی گھومتے ہیں۔ لیکن جب یہ سوچا جائے کہ کربلا کے عظیم المیہ کو جو چند گھنٹے کے اندر وقوع پذیر ہوا تھا، انیس نے کس کس طرح دکھایا ہے، اس میں کیسی کیسی باریکیاں، موٹگافیاں کی ہیں اور اس کے باوجود واقعہ نگاری کی کسوٹی پر ان کا کلام پورا اُترتا ہے، تو ہمیں انیس کے کمال کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ وہ واقعہ کو کبھی اختصار سے پیش کرتے ہیں اور کبھی بڑی تفصیل سے مگر ہر جگہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے حقیقت اور تخیل کو بڑے متوازن انداز میں سویا ہے ان کے ہاں احساس کی شدت بھی ہے اور جذبات پر گہری نظر بھی۔ وہ انسانی فطرت اور انسانی جذبات کا پورا اور اک بھی رکھتا ہے۔ ایسا کہ پڑھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس موقع پر اس کے سوا کچھ اور کہا ہی نہیں جاسکتا تھا۔ کسی فنکار کے کردار اور میر و ہمیں اپنے دل سے اتنے قریب معلوم ہونے لگیں کہ من و تو کا فرق مٹ جائے تو سمجھ لیجئے کہ وہ بہت کامیاب، بہت بڑا فنکار ہے۔

یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ میر انیس نے بھی بینہ مضامین دوسرے مرثیہ نگاروں کی طرح بہت کچھ میں۔ لیکن دوسرے موضوعات کے مقابلے میں انھوں نے یہاں اکثر اختصار سے کام لیا ہے۔ کسی

مرثیہ میں دس بارہ بند ہوتے ہیں کسی میں پندرہ یا بیس یا زیادہ سے زیادہ نہیں ہتیتیس۔ ان میں بھی بہت سخت بیان (جیسا عام طور پر دوسرے مرثیہ گوئیوں کے ہاں ملتا ہے) نہیں ہوتا۔ البتہ مرنے والے کی صفات، بین کرنے والے سے اس کا رشتہ، اس کے اراٹوں، آرزوؤں کا تذکرہ اور محبت کی شدت کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ پہلی جلد کے ان اٹھارہ مرثیوں کے مجموعی بند چھتیس سو باسٹھ ہیں۔ ان میں سے بینید بند صرف چار سو پچاس ہیں۔

جیسا کہ میں نے پہلے اشارہ کیا میرا نہیں کا کلام بھی خامیوں اور کمزوریوں سے پاک نہیں۔ کون ایسا فنکار ہے جس کے ہاں کچھ نہ کچھ کمزوریاں یا خامیاں نہ ہوں۔ لیکن یہ معمولی معمولی کمزوریاں اس حسن و کمال کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جس سے میرا نہیں کا کلام بالامال ہے اس کو اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو اس میں وہ کمالات، وہ متاعیاں، حسن بیان، حسن ادا، حسن نظر ملتا ہے جس کا مقابلہ اردو کا کوئی شاعر نہیں کر سکتا ہے۔

انیس نے جو یہ کہا ہے :

نظم ہے یا گوہر شہوار کی لڑیاں انیس جو ہری بھی اس طرح موتی پر دسکتا نہیں
یہ ایک بدیہی حقیقت ہے اور یہ شعر تو ہزار بار دہرایا جائے۔ مگر اس کی صداقت اور دل کشی میں کبھی فرق نہیں آسکتا،

کسی نے تری طرح سے اے انیس

عروس سخن کو سنوارا نہیں

مجھے یقین ہے کہ انیس کے مرثیہ کا یہ انتخاب جو صاحبان ذوق کے سامنے پیش کر رہی ہوں قبولیت کا وہ مقام حاصل کرے گا جس کا وہ حقیقت میں مستحق ہے اس کو غور سے پڑھ کر ہی انیس کی اعلیٰ عظمت اور اردو شاعری میں اس کے صحیح مقام کو سمجھا جاسکتا ہے۔

صالحہ مجاہدین

۲۸ جون ۱۹۷۷ء

حیدرآباد

مرثیہ (۱)

یا رب چمن نظم کو گلزارِ ارام کر ۱ اے ابر کرم خشک زراعت پہ کرم کر!
توفیق کا مبداء ہے توجہ کوئی دم کر گمنام کو اعجازِ بیانیوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پر تو سے نہ جائے
اتسليم سخن میرے قلم تو سے نہ جائے

اس باغ میں چٹے ہیں ترے فیض کے جاری ۲ بلبِل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
ہر غنسل برومند ہے یا حضرت باری پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمن طسبعِ بیکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بُو کو

غواصِ طبیعت کو عطا کر وہ لآلی ۳ ہو جن کی جگہ تاجِ سرِ مرشس پہ خالی
ایک ایک لڑی نظمِ ثریا سے ہو مالی عالم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی
سب ہوں درِ ہیئتِ عطاء ہو کسی سے
نذر اُن کی یہ ہوں گے جہنمِ رشتہ ہے نجی

بہر دے دُرِ مقصود سے اس دُرِجِ دہاں کو ۴ دریائے معانی سے بڑھا طسبعِ رواں کو
آگاہ کر اندازِ تکلم سے زباں کو عاشق ہو فصاحت بھی وہ نے حسنِ بیاں کو
حمیں کا سہوت سے غل تا بہ سمک ہو
ہر گوشِ بنے کاںِ ملاحظت وہ نمک ہو

تعریف میں چٹے کو سمندر سے ملا دوں ۵ قطرے کو جو دودن آبِ لوگوں ہر سے ملا دوں
ذرے کی چمک مہرِ منور سے ملا دوں خادوں کو نزاکت میں گل تر سے ملا دوں
گلدستہ یعنی کوئے ڈھنگ سے باز دوں
اک پھول کا مضمون ہو تو سورنگ سے باز دوں

مگر بزم کی جانب ہو توجہ دم تحریر ۶ کچنہ جائے ابھی گلشن فردوس کی تصویر
دیکھئے نہ کہیں محبت انجس فلک پیر ہو جائے بوا بزم سلیمان کی بھی توفیر

یوں تحفہ حسینان معانی اتر آئے

ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

ساتی کے کرم سے ہودہ دور اور چلیں جام ۷ جس میں عوض نشہ ہو کیفیت انجام
ہر مست فراموش کرے گردش ایام صوفی کی زباں بھی نہ رہے فیض سے ناکام

ہاں بادہ کشو پوچھ لو مینا نشیں سے

کو شرکی یہ موج آگئی ہے غلہ بریں سے

آؤں طرف رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم ۸ خیر کی خبر لائے مری طبع اولوا العزم
قطع سیرا خدا کا ارادہ ہو جو بالجہنم دکھلائے یہیں سب کو زباں معرکہ رزم

جل جائیں عدد آگ بڑھکتی نظر آئے

تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

مصرع ہوں صفا صفت لشکر جبار ۹ الفاظ کی تیزی کو نہ پہونچے کوئی تلوار
نقطہ ہوں جو ڈھالیں تو الف خنجر تو خوار مد آگے بڑھیں برچھیوں کو تول کے آگ بار

غل ہو کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا

مقتل میں رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا

ہو ایک زباں ماہ سے تا مسکن ماہی ۱۰ عالم کو دکھاوے برش سیف الہی
جرات کا دھنی تو ہے یہ چلائیں سپاہی لاریب ترے نام پہ ہے سکنا شاہی

ہر دم یہ اشارہ ہو دوات اور قلم کا

تو مالک و مختار ہے اس طبل و علم کا

تائید کا ہنگام ہے یا حیدر صفر ۱۱ امداد ترا کام ہے یا حیدر صفر
تو صاحب اکرام ہے یا حیدر صفر تیرا بھی کرم عام ہے یا حیدر صفر

تنہا ترے اقبال سے شمشیر کف ہوں

سب ایک طرف جمع ہوں میں ایک طرف ہوں

ناقدِ ری عالم کی شکایت نہیں مولا ۱۲ کچھ دفترِ باطل کی حقیقت نہیں مولا
باہم گل و بلبل میں محبت نہیں مولا میں کیا ہوں کسی روح کو راحت نہیں مولا

عالم ہے مکدر، کوئی دل صاف نہیں ہے

اس جہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے

نیک و بدِ عالم کا تامل نہیں کرتے ۱۳ عارف کبھی اتنا بھی تجاہل نہیں کرتے
خاروں کے لیے رخِ طرفِ گل نہیں کرتے تعریفِ خوش الحانی بلبل نہیں کرتے

خاموش ہیں، گو شیشہ دل چور ہوئے ہیں

اشکوں کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوئے ہیں

الماس سے بہتر یہ سمجھتے ہیں خدفت کو ۱۴ دُر کو تو گھٹاتے ہیں، بڑھاتے ہیں مدف کو
اندھیرے سے چاند بتاتے ہیں کلفٹ کو کھودیتے ہیں شیشے کے لیے درِ نجف کو

ضائع ہیں دُر و لعل بدخشاں و عدن کے

مٹی میں ملائے ہیں جواہر کو سخن کے

ہے وصل و گھر سے یہ دہن کاں جواہر ۱۵ ہنگامِ سخن کھلتی ہے، دکانِ جواہر
ہیں بندِ مرصع تو، ورقِ خواں جواہر دیکھے اسے ہاں ہے کوئی خواہاں جواہر

بینائے رقومات ہنر چاہیے اس کو

سودا ہے جواہر کا، نظر چاہیے اس کو

کیا ہو گئے وہ جو ہریانِ سخن اک بار ۱۶ ہر وقت جو اس جنس کے بہتے تھے طلب گار
اب ہے کوئی طالبِ شناسا نہ خریدار ہے کون دکھائیں کسے یہ گوہرِ شہوار

کس وقت یہاں چھوڑ کے ملکِ عدم آئے

جب اٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

خواہاں نہیں یا قوتِ سخن کا کوئی، گو آج ۱۷ ہے آپ کی سرکار تو، یا صاحبِ معراج
اے با صیلا بجاو جہاں، خلق کے سرتاج ہو جائے گامِ بھر میں غنی بندۂ محتاج

امید اسی گھر کی، وسیلہ اسی گھر کا

دولت بھی میری، یہی تو شر ہے سفر کا

میں کیا ہوں مری طبع ہے کیا اے شہر شاہاں ۱۸ حسان و فرزدی ہیں یہاں عاجز و حیراں
شرمندہ نہ ملنے سے گئے مائل و سبائاں قاصر ہیں سخن فہم و سخن سخن و سخن داں
کیا مدح کف خاک سے ہو نور خدا کی
لکنت یہیں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی

لا یعلم ولا علم کی کیا سحر بیانی ۱۹ حضرت پہ ہویدا ہے، مری ہیج مدانی
نہ ذہن میں جودت، نہ طبیعت میں روانی گویا ہوں، فقط ہے یہ تری فیض رسانی
میں کیا ہوں فرشتوں کی طلاق سے تو کیا ہے
وہ خاص یہ بندے ہیں کہ مداح خدا ہے

تھا جوش کچھ ایسا ہی جو دعویٰ کیا میں نے ۲۰ خود سر بہ گریاں ہوں کہ یہ کیا کیا میں نے
اک قطرہ ناچیز کو دریا کیا میں نے تقصیر محسوس کیجیے بے جا کیا میں نے
ہاں سچ ہے کہ اتنی بھی قسلی نہ روا تھی
مولا یہ کلیجے کے پھپھو لوں کی روا تھی

جرم ہوں، کبھی ایسی خطا کی نہیں میں نے ۲۱ بھولے سے بھی آپ اپنی شنا کی نہیں میں نے
دل سے کبھی مدح اُمر کی نہیں میں نے تقلیدِ کلام جہلا کی نہیں میں نے
نازاں ہوں محبت پہ امامِ ازل کی
ساری یہ قسلی ہے حمایت سے ملی کی

ہر چند زباں کیا مری اور کیا مری تقریر ۲۲ دن رات و نلیغ ہے ثنا خوانی مشیر
منظور ہے اک باب میں دو فصل کی تحریر مولا کی مدد کا متمنی ہے یہ دل گیر
یہ فصل نئے رنگ سے کاغذ پہ رقم ہو
اک بزم ہو شادی کی تو اک محبتِ غم ہو

شعباں کی ہے تاریخ سویم روز ولادت ۲۳ اور ہے دہم ماہِ عزایوم شہادت
دونوں میں بہر حال ہے تفصیلِ مساوت وہ بھی مسل خیر ہے یہ بھی ہے عبادت
مداح ہوں کیا کچھ نہیں اس گھر سے ملا ہے
کوثر ہے صلا اس کا بہشت اس کا ملا ہے

مقبول ہوئی عرض، گنہ معفو ہوئے سب ۲۴ امید برآئی مبرا حاصل ہوا مطلب
شامل ہوا افضل محمد کرم رب ہوتے ہیں علم فوج مضامین کے نشان اب
پشتی پہ ہیں سب رکن رکیں دین متین کے
ڈھنکے سے بلا دینا ہوں طبقوں کو زمیں کے

نازاں ہوں عنایت پر شہنشاہِ زمیں کی ۲۵ بخشش ہے رضا جائزہ فوج سخن کی
چہرے کی بجالی سے قبا چست ہے تن کی لو برطرہ فی پڑ گئی مضمون کہن کی
اک فرد پرانی نہیں دفتریں ہمارے
بھرتی ہے نئی فوج کی لشکر میں ہمارے

ہاں اے فلک پر نئے سرے جواں ہو ۲۶ اے ماہِ شب چار دم نورِ شاں ہو
اے ظلمتِ غم دیدہ عالم سے نہاں ہو اے روشنیِ صبحِ شبِ عید عیاں ہو
شادی ہے دلاوت کی ید اللہ کے گھر میں
خورشید اترتا ہے شہنشاہ کے گھر میں

۱۔ شمس و قمر اور قمر ہوتا ہے پیدا ۲۷ نخلِ چمن دین کا ثمر ہوتا ہے پیدا
مخدومِ عالم کا پسر ہوتا ہے پیدا جو عرش کی ضو ہے وہ گھر ہوتا ہے پیدا
ہر جسم میں جاں آتی ہے مذکور سے جس کے
نو نورِ خدا ہوں گے عیاں نو سے جس کے

۱۔ کعبہ ایمان تری حرمت کے دن آئے ۲۸ اے رکنِ یمانی تری شرکت کے دن آئے
اے بیتِ مقدس تری عزت کے دن آئے اے چشمِ زمزم تری چاہت کے دن آئے
اے سنگِ صرم جلوہ سنائی ہوئی تجھ میں
اے کوہِ صفا اور صفا ہوئی تجھ میں

اے یثرب و بطنِ ترے والی کی ہے آمد ۲۹ اے رتبہ اعلیٰ شہِ عالی کی ہے آمد
عالم کی تفسیر پہ بجالی کی ہے آمد کہتے ہیں چمن، ماہِ اُجلائی کی ہے آمد
یہ خانہ کعبہ کے مباہات کے دن ہیں
یعقوبیہ کی ملاقات کے دن ہیں

۳۰ اے ارضِ مدینہ، تجھے فوق ابیہ فلک پر رونق جو سما رہی ہے، وہ اب ہوگی سک پر
خورشید لا، تیرا ستارہ ہے، چمک پر صدقے گل تر ہے تری پھولوں کی مہک پر
پر جس پہ فرشتوں کے پھیں فرش دی ہے
جس خاک پہ ہو نورِ خدا عرش دی ہے

یا ختمِ رسل گو ہر مقصود مبارک ۳۱ یا نورِ خدا رحمتِ معبود مبارک
یا شاہِ نجف شادی مولود مبارک یا خیر النساء، اخترِ مسعود مبارک
رونق ہو سدا نور دو بالا رہے گھریں
اس ماہِ دو ہفتہ کا اُجالا رہے گھریں

۳۲ اے اُمینیو ہے یہ دمِ شکر گزاری ہر بار کرو سجدہ شکر تیر باری
اللہ نے حل کر دیا مشکل کو تہاری فردیں غسلِ زشت کی اب پاک ہیں ساری
لکھے گئے بندوں میں ولی ابنِ ولی کے
ناجی ہوئے صدقے سے حسین ابنِ علی کے

۳۳ اے ماہِ معظم ترے اقبال کے صدقے شوکت کے فدا عظمت و اجلال کے صدقے
اتری برکت، فاطمہ کے لال کے صدقے جس سال یہ پیدا ہوئے اس سال کے صدقے
قصرِ باں سحر عید اگر ہو تو بجا ہے
نورِ روز بھی اس شب کی بزرگی پہ فدا ہے

۳۴ قربانِ شبِ جمعہ، شعبانِ خوش انجام پیدا ہوا جس شب کو عسکرا گل اندام
قائم ہوا دیں اور بڑھی رونقِ اسلام ہم پڑ صبحِ شبِ معراج تھی وہ شام
خورشید کا اجلال و شرف بدر سے پوچھو
کیا قدر تھی اس شب کی شبِ تقدیر پوچھو

۳۵ وہ نورِ قمر اور درافشاںِ انجیم تھے جس کے سبب روشنی دیدہ مردم
وہ چمپے رمواں کے، وہ حوروں کا تبسم آپس میں وہ ہنس ہنس کے فرشتوں کا کلم
میکال شگفتہ ہوئے جاتے تھے خوشی سے
جبریلؑ تو پھولوں نہ سماتے تھے خوشی سے

روشن تھامدیے کاہر اک کوچہ و بازار ۳۶ جو راہ تھی خوشبو، جو محلہ تھا وہ گلزار
کھولے ہوئے تھا آہوئے شب ناف تاتار معلوم یہ ہوتا تھا کہ پھولوں کا ہے انبار

گردوں کو بھی اک رشک تعازینت پر زمیں کی
ہر گھر میں ہوا آتی تھی خسروں بریں کی

کیا شب تھی وہ سعود و ہمایوں معظم ۳۷ رُخِ رحمتِ معبود کا تھا جانبِ عالم
جبریل و سرافیل کو مہلت نہ تھی اک دم بالائے زین آتے تھے اور جاتے تھے باہم

باشندوں کو یثرب کے خبر تھی نہ گھروں کی
سب سنتے تھے آواز فرشتوں کے پروں کی

تھیں فاطمہؑ بے چین ادھر درویشم سے ۳۸ مُنہ فقی تھا اور آنسو تھے رواں دیدہ نم سے
والبتہ تھی راحت جو اسی بی بی کے دم سے مضطر تھے علیؑ بنتِ پیر کے الم سے

آرام تھا اک دم نہ شہِ قلعہ شکن کو
پہرتے تھے لگائے ہوئے چھاتی سے سن کو

کرتے تھے دعا باد شہِ یثرب و بلخا ۳۹ راحم ہے تری ذاتِ مقدس مرے مولا
زہرا ہے کینز اور مرا بچہ ترا بندا آسان کر اے بار خدا شکن زہراؑ

نادار ہے اور فاقہ کش و زار و حزیں ہے
مادر بھی تشفی کے لیے پاس نہیں ہے

ناگاہ درِ حجبہ ہوا مطلعِ انوار ۴۰ دکھلانے لگے نورِ تمبلی درو دیوار
اسمانے علیؑ سے یہ کہا دوڑ کے اک بار فرزندِ مبارک تمہیں یا حیدرؑ کزار

اسپند کرو فاطمہ کے ماہِ جبیں پر
فرزند نہیں چاند یہ اترا ہے زمیں پر

دیکھا نہیں اس طرح کا چہرہ کبھی پیارا ۴۱ نقشہ ہے محمدؐ سے شہنشاہ کا سارا
ما تھے پہ چمکتا ہے جلالت کا ستارا اللہ نے اس گھر میں عجب چاند اتارا

تصویرِ رسولِ عربیؐ دیکھ رہے ہیں
آنکھوں کی ہے گردشِ کنبی دیکھ رہے ہیں

مژدہ یہ سنا احمد مختار نے جس دم ۴۲ پس فکر کے سجدے کو گرے قبلہ عالم
آئے طرف خانہ زہرا خوش و خرم نسر بایا مبارک پسر اے ثانی مریم
چہرہ مجھے دکھلا دو مرے نورِ نظر کا
شکر اے یہ نسر زید محمد کے جگر کا

کی عرض یہ اسمانے کہ اے خاصہ داور ۴۳ نہلا لوں تولے آؤں اُسے حجرے سے باہر
ارشاد کیا احمد مختار نے ہنس کر لے آ کر نواسا ہے مرا طاہر و اطہر
اس چاند کو تاج سرفلاک کیا ہے
یہ وہ ہے، خدا نے جسے خود پاک کیا ہے

میں اس سے ہوں اور مجھ سے ہے تو نہیں ہر ۴۴ یہ نور الہی ہے یہ ہے طیب و طاہر
اسرار جو مخفی ہیں وہ اب ہوئیں گے ظاہر یہ آیت ایمان ہے یہ ہے حجتِ باہر
بڑھ کر مدد سید لولاک کرے گا
کفار کے قصے کو یہی پاک کرے گا

جس دم یہ خبر مخبر صادق نے سُنائی ۴۵ اُسما اے اک پارچہ نرم پہ لائی
یو اس گلِ تازہ کی محمدؐ نے جو پائی ہنسنے لگے، سُرخِ رُخ پر نور پہ آئی
منہ چاند سا دیکھا جو رسولِ عربیؐ نے
پیشا لیا چھاتی سے نواسے کو نبیؐ نے

جاں آگئی یعقوبؑ نے یوسفؑ کو جو پایا ۴۶ قرآن کی طرح رحلِ دو زانو پہ بٹھایا
منہ ملنے لگے منہ سے بہت پیار جو آیا بوسے لیے اور ہاتھوں کو آنکھوں سے لگایا
دل ہل گیا کی جب کہ نظر سینہ دوسر پر
جو ما جو گلا، چپل گئی تلوارِ جگر پر

جوش آیا تھاروے کا مگر تمام کے رقت ۴۷ اس کان میں فرمائی اذان اس میں اقامت
میدر سے یہ فرمایا کہ لے شاہِ ولایت کیوں تم نے بھی دیکھی مرے فرزند کی صورت
پُر نور ہے گھر، تم کو ملا ہے قسریا
دنیا میں کسی نے نہیں پایا پسر ایسا

کیوں کر نہ ہو تم سا پدر اور فاطمہؑ کی ماں ۴۸ دوشمس و قمر کا ہے یہ اک نیزِ تاباں
کی عرض یہ حیدرؑ نے کہ اے قبلہ ایماں حق اس پر رکے سایہ پیغمبرؐ ذی شاں
اعلیٰ ہے وہ سب کے جو مقام نہ دیں ہے

بندہ ہوں میں اور یہ بھی غلامِ شریں ہے
عالم میں ہے یہ سب برکت آپ کے دم سے ۴۹ سرسبزی دنیا ہے اسی ابر کرم سے
تا عرش پہنچ جاتا ہے سرفرازِ قدم سے عزت ہے غلاموں کی شہنشاہِ اعم سے
کچھ اس میں نہ زہر کا ہے (۸) باعثِ نہ علی کا
سب ہے یہ بزرگی کہ نوا سا ہے نبی کا

فرمانے لگے ہنس کے شہرِ شرب و بطحا ۵۰ بھائی کہو فرزند کا کچھ نام بھی رکھا
کی عرض یہ حیدرؑ نے کہ اے سید والا سبقت کروں حضرت پر یہ مقدور ہے میرا
فرمایا کہ موقوف ہے یہ ربِّ علا پر
میں بھی سبقت کر نہیں سکتا ہوں خدا پر

بس اتنے میں نازل ہوئے جبریلؑ خوش انجام ۵۱ کی عرض کہ فرماتا ہے یہ خالقِ علّام
پیارا ہے نہایت ہمیں زہراؑ کا گل اندام یا ختمِ رسلؑ ہم نے "حیئن" اس کا رکھا نام
یہ حسن میں سردارِ حسینانِ زمن ہے
مشتق ہے تو احسان سے تصغیرِ حسن ہے

ح سے یہ اشارہ کہ یہ ہے حامیِ امت ۵۲ سمجھیں گے اسی سین کو سب سینِ سعادت
حق کی بزرگی میں ہے یسین کی آیت ہے لون سے ظاہر کہ یہ ہے نورِ نبوت
ناجی ہے وہ اس نام کو لے گا جو دہن سے
یہ حسن میں دس حصے زیادہ ہے حسن سے

دو نور کے دریا کو جو ہم نے کیا اک جا ۵۳ تب اُس سے ہوا گوہرِ نایاب یہ پیدا
تو قریں بے مثل، شجاعت میں ہے یکتا اب اور نہ ہوگا کوئی اس حسن کا لڑکا
ہم جانتے ہیں جو نہیں ظاہر ہے کسی پر
کام اس سے جو لینا ہے وہ ہے ختمِ اسی پر

فیاض نے کوئین کی دولت اسے دی ہے ۵۴ دی ہے جو علی کو وہ شہامت لے دی ہے
صبر اس کو عنایت کیا، عزت اسے دی ہے ان سب کے سوا اپنی محبت لے دی ہے
اعلیٰ ہے، معظم ہے، مکرم ہے، ولی ہے

بادی ہے، وفادار ہے، زاہد ہے، سخی ہے
جب کرچکا ذکر کرم مالک تقدیر ۵۵ جبریلؑ نے پاس آن کے دیکھا رخِ شیر
کی صلیب علیؑ کے محمدؐ سے یہ تقریر یا شاہ، یہ مہر و توبہ صاف آپ کی تصویر
جب کی ہے زیارت پے تسلیم جھکے ہیں
اس نور کو ہم عرش پہ بھی دیکھ چکے ہیں

ہے اس پر ازل سے نظر رحمتِ معبود ۵۶ یہ پیشتر آدم سے بھی تھا عرش پہ موجود
ہے ذاتِ خدا صاحبِ فیض و کرم وجود تھا خلق و دو عالم سے یہی مطلب و مقصود
مظلومی و غربت ہے عجب نام پہ اس کے
سب رونے ہیں اور روئیں گے انجامِ پاس کے

یہ ہے سببِ تہنیت و تعزیت اس دم ۵۷ ہے شادی و غم گلشنِ ایجاد میں تو ام
لپٹائے ہیں چھاتی سے جسے قبلہ عالم بے جُسر م و خطا زنجِ کریں گے اسے انظم
گر حشر بھی ہوگا تو یہ آفت نہ ٹلے گی
سجدے میں چھری حلقِ مبارک پہ چاگی

ہوگا یہ غم میں سستم اے شہرِ ذی جاہ ۵۸ چھپ جائے گا آنکھوں سے اسی چاند میں یہ ماہ
تاریخِ دہم جمعہ کے دن عصر کے وقت آہ نیزے پہ چڑھائیں گے سرِ پاک کو گمراہ
کٹ جائے گا جب سر تو ستم لاش پہ ہونگے
گھوڑوں کے قدم سینہ صد پاش پہ ہونگے

چلائے محمدؐ کریں بسمل ہوا بھائی ۵۹ اے وائے اخئی کیا یہ خبر مجھ کو سنائی
دلِ ہل گیا بر بھی سی کلیجہ میں در آئی یہ واقعہ سن کر نہ جیسے گی مری جانی
منگن نہیں دنیا میں دوا زخمِ جگر کی
کیوں کر کہوں زہرائے خبر مرگِ پسر کی

جس وقت سُنی فاطمہؑ نے یہ خبر سُنم ۶۰ شادی میں ولادت کی بپا ہو گیا ماتم
چلاتی تھی سر پیٹ کے وہ ثانی مریم بیٹی پر چھری چل گئی یاسیدِ عالم

خنجر کے تلے چاند سی تصویر کی گردن
کٹ جائے گی ہے ہے مرے شیر کی گردن

ہے ہے کئی دن تک نہ ملے گا اسے پانی ۶۱ ہے ہے یہ سبے کا لقب تشنہ دہانی
ہو جائیں گے اک جان کے سب دشمن جانی ہے ہے مرا محبوب، مرا یوسفِ ثانی
پیراہنِ صد چاک کفن ہووے گا اس کا
سر نیزہ پہ اور خاک پہن ہووے گا اس کا

میر اپنا دکھائے کو یہ آئے ہیں جہاں میں ۶۲ یوں خلق سے جانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
جگل کے بسائے کو یہ آئے ہیں جہاں میں اماں کے رلانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں

ہم چاند کی صورت پہ زشیدا ہوئے ہوتے
اے کاش مرے گھر میں نہ پیدا ہوئے ہوتے

دنیا مجھے اندھیر ہے اس غم کی خبر سے ۶۳ شعلوں کی طرح آہ نکلتی ہے جگر سے
واسن پہ ٹپکتا ہے لہو دیدہ تر سے بس آج سفر کر گئی شادی مرے گھر سے
جس وقت تلک جیتی ہوں ماتم میں رہوں گی
مظلوم حسینؑ آج سے اس کو میں کہوں گی

بیٹی کو یہ معلوم نہ تھا یا شبہِ عالم ۶۴ بچھے گی زچہ خانے کے اندر صفِ ماتم
اب دن ہے چٹنی کا مجھے عاشورِ محرم تارے بھی نہ دیکھے تھے کہ ٹوٹا فلکِ غم
پوشاک نہ بدلوں گی نہ سرووڑوں گی بابا
چلتے ہیں بھی چہلم کی طرح روؤں گی بابا

حیدر ہے کہاں آکے دلاسا نہیں دیتے ۶۵ زہرا کا برا حال ہے سمجھا نہیں دیتے
اس زخمِ کامرہم مجھے بتلا نہیں دیتے ہے ہے مجھے فسرِ زند کا پراسا نہیں دیتے
حجرے میں الگ بیٹھے ہیں کیوں چھوڑ کے گھر کو
آواز تو سُنتی ہوں کہ روتے ہیں پسر کو

پھر دیکھ کے فرزند کی صورت یہ پکاری ۶۶ اے میرے شہید اے مرے یکس ترے داری
ہاں بعد مرے فوج کریں گے تجھے ناری بنتی ہوں ابھی سے میں عزادار تمھاری
دل اور کسی شغل میں مصروف نہ ہوگا
بس آج سے رونا مرا موقوف نہ ہوگا

مر جائے گا تو تشنہ دہن ہائے حسینا ۶۷ ہو جائے گا ٹکڑے یہ بدن ہائے حسینا
اک جان پر یہ رنج و من ہائے حسینا کوئی تجھے دے گا نہ کفن ہائے حسینا
گاڑیں گے نہ ظالم تن صد پاش کو ہے ہے
رہواروں سے روندیں گے تری لاش کو ہے ہے

فسر مایا محمد نے کہ اے فاطمہ زہرا ۶۸ کیا مرضی مجھ سے بندے کا ہے چارہ
خالق نے دیا ہے اسے وہ توبہ اعلیٰ جسبہ ریل سوا کوئی نہیں جاننے والا
میں بھی ہوں فدا اس پہ کہ یہ فدیہ ربی ہے
یہ لال تراب بخشش امت کا سبب ہے

اس بات کا غم ہے اگر اے جانِ پیمر ۶۹ بے دفن و کفن رن میں رہے گا ترا دلیر
جب قید سے ہووے گا رہا عابدِ مضطر تربت میں اسے دفن کرے گا وہی اگر
ارواحِ رسولانِ زمن روئیں گی اس کو
سرپیٹ کے زینب سی بہن روئیں گی اس کو

جب چرخ پہ ہوئے گامیاں ماہِ محرم ۷۰ ہر گھر میں بپا ہوئے گی اک مجلسِ ماتم
آئیں گے ملکِ عرش سے داں روئے کو باہم ماتم یہ وہ ماتم ہے کہ ہوگا نہ کبھی کم
پُر نور سدا اس کا عزافانہ رہے گا
خورشیدِ جہاں گرد بھی پروانہ رہے گا

کیا اوج ہے کیا تہ ہے اس بزمِ عراکا ۷۱ غلِ عرش سے ہے فرشِ تلکِ مصلیٰ علی کا
مشتاق ہے فردوسِ بریں یاں کی فضا کا پانی میں بھی ہے یاں کی مزا آپ بقا کا
در بارِ مصلیٰ ہے ولی ابنِ ولی کا
جاری ہے یہ سب فیضِ حسین ابنِ علی کا

لویاں سے بس اب مجلسِ ماتم کا بیاں ہے ۷۲ وہ فصلِ خوشی ختم ہوئی غم کا بیاں ہے
مظلموی سلطانِ دو عالم کا بیاں ہے ہنگامہٴ عاشورِ محترم کا بیاں ہے

ہاں دیکھ لے مشتاق جو ہو فوجِ خدا کا

لو بزم میں کھلتا ہے مرقعِ شہد کا

اے خضرِ بیابانِ سخن راہِ سری کر ۷۳ اے نیرِ تابانِ خسروِ جلوہ گری کر
اے دردِ عطا اللذتِ زخمِ جگری کر اے خوفِ الہی مجھے عقیال سے بری کر
بندوں میں لکھا جاؤں امامِ ازل کے

آزاد ہوں صدقے میں حسینِ ابنِ علی کے

قدس کو نہیں بار، یہ دربار ہے کس کا ۷۴ فردوس کو ہے رشکِ یہ گلزار ہے کس کا
سب جنسِ شفاعت ہے، یہ بازار ہے کس کا خود بکتا ہے یوسفؑ یہ خریدار ہے کس کا

ملتی ہے کہاں مُفتِ متاعِ حسنِ ایسی

دیکھی نہیں انجسم نے کبھی انجسمِ ایسی

مجلسِ کا زہے نورِ خوشا محفلِ عالی ۷۵ حیدرؑ کے مجتوں سے کوئی جا نہیں خالی
عاشق ہیں سب اس کے جو ہے کوئین کا دالی اثنا عشری، پنجتنی، شیعہؑ خالی

ششدر نہ ہو کیوں چرخِ محبِ جلوہ گری ہے

یہ بزمِ عسرا آج تاروں سے بھری ہے

ان میں جو مَن ہیں وہ پیہر کے ہیں مہماں ۷۶ اور جو متوسط ہیں وہ حیدرؑ کے ہیں مہماں
جو تازہ جواں ہیں، علی اکبرؑ کے ہیں مہماں شیعوں کے پسر سب علی اصغرؑ کے ہیں مہماں

ہر خورد و کلاں عاشقِ شاہِ مدنی ہیں

پانچ انگلیوں کی طرح یہ سب پنجتنی ہیں

ارشادِ نبویؐ ہے کہ مددگار ہیں میرے ۷۷ فرماتے ہیں حیدرؑ کہ یہ غمِ خوار ہیں میرے
حضرت کا سخن ہے کہ عزادار ہیں میرے میں اُن کا ہوں طالبِ یہ طلبِ گاریں میرے

یہ آج اگر روکے ہیں یاد کریں گے

ہم قبر میں ان لوگوں کی امداد کریں گے

غم میں مرے بچوں کے یہ سب کرتے ہیں فریاد ۷۸ اللہ سلامت رکھے ان لوگوں کی اولاد
 بستی مرے شیعوں کی رہے غلطی میں آباد یہ حشر کے دن آتش دوزخ میں ہوں آزاد
 مرتا ہے کوئی گر تو بکا کرتا ہوں میں بھی
 اُن کے لیے بخشش کی دعا کرتا ہوں میں بھی

مردم کے لیے واجب معنی ہے یہ زاری ۷۹ رونا ہی وسیلہ ہے شفاعت کا ہماری
 ہے وقت معین پہ ادا طاعت پاری یہ خیر ہے وہ خیر جو ہر وقت ہے جاری
 ردِ لو کہ یہ وقت اور یہ محبت نہ ملے گی
 جب آنکھ ہوئی بند تو مہلت نہ ملے گی

مہلت جو اجل دے تو نیست لے جانو ۸۰ آمادہ ہو رونے پہ سعادت لے جانو
 آتشِ محفل آئیں تو عبادت اسے جانو ایذا ہو جو محفل میں تو راحت اسے جانو
 فاقے کیے ہیں دھوپ میں لبتے نہ رہے ہیں
 آفانے تمہارے لیے کیا ظلم ہے ہیں

تکلیف کچھ ایسی نہیں سایہ ہے ہوا ہے ۸۱ پانی ہے خشک مروجہ کش بادِ صبا ہے
 کچھ گرمی عاشورہ کا بھی حال سُنا ہے سر پینے کا وقت ہے ہنگامِ بکا ہے
 گذری ہے بیاباں میں وہ گرمی شہِ دیں پر
 بھن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر

لوں چلتی تھی ایسی کہ جھلے جاتے تھے اشبار ۸۲ تنہا غصہِ خاکِ پہ گمانِ کرۂ نار
 پانی پہ دو دوام گرے پڑتے تھے ہر بار سب خلق تو سیراب تھی پیاسے شہِ ابرار
 خاک اڑ کے جمی جانی تھی زلفوں پہ قبا پر
 اس دھوپ میں سایہ بھی نہ تھا نورِ خدا پر

قطرے جو پینے کے ٹپک پڑتے تھے ہر بار ۸۳ ثابت یہی ہوتا تھا کہ ہیں اخترِ ستار
 شاہدِ اہم فاقے سے ہے زردی رخسار بے آبی سے اودے تھے لبِ لعلِ مہرِ بار
 دنیا میں ترستے رہے وہ آپ رواں کو
 جن ہونٹوں نے جو ماتھا محمدؐ کی زباں کو

دنیا بھی جب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں ۸۴ وہ گل ہے یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ دوست ہے یہ دوست مروت نہیں جس میں وہ شہد ہے یہ شہد عداوت نہیں جس میں

بے درد و الم شامِ غریباں نہیں گزری

دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری

گودی ہے کبھی ماں کی کبھی قسیر کا آغوش ۸۵ گل پیر ہن اکثر نظر آتے ہیں کفن پوش
سر گرم سخن ہے کبھی انساں کبھی غابوش گچہ تخت ہے اور گاہ جنازہ بسر دوش

اک طور پر دیکھنا نہ جواں کو نہ سُن کو

شب کو نو چھپر کھٹ میں ہیں تابوتِ مین دل کو

شادی ہو کہ اندوہ ہو آرام ہو یا جور ۸۶ دنیا میں گزر جاتی ہے انساں کی بہر طور
ماتم کی کبھی فصل ہے عشرت کا کبھی دور ہے شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور

کس باغ پہ آسیبِ خزاں آ نہیں جاتا

گل کون سا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا

ہے عالمِ فانی کی عجب صبح عجب شام ۸۷ گچہ غم کبھی شادی کبھی ایذا کبھی آرام
نازوں سے پلا فاطمہ زہرا کا گل اندامِ واحسرت و درد اک وہ آغاز یہ انجام

راحت نہ ملی گھر کے تلاطم سے دہم تک

مظلوم نے فاتے کیے ہفتم سے دہم تک

ریتی یہ عسزیزوں کا مرقع تو ہے ابتر ۸۸ شہ کا ہے یہ نقشہ کہ میں تصویر سے ششدر
فسر زندہ مسلم کے نہ ہمشیر کے دلبر قاسم ہیں نہ عباس نہ اکبر ہیں نہ اصغر

سب نذر کو دربارِ پیمبر میں گئے ہیں

رضخت کو اکیلے شہر دیں گھر میں گئے ہیں

منظور ہے پھر دیکھ لیں ہمشیر کی صورت ۸۹ پھر لے گئی ہے گھر میں سکنہ کی محبت
سجاد سے کچھ کہتے ہیں اسرارِ امامت بانوے دو عالم سے بھی ہے آخری نعمت

مطلوبے کے یہ زرب بدنِ رخت کہن ہو

تا بعدِ شہادت وہی لمبوس کفن ہو

خیچے میں مسافر کا وہ آنا تھا قیامت ۹۰ ایک ایک کو چھاتی سے لگانا تھا قیامت
آنا تو غنیمت تھا پہ جانا تھا قیامت تھوڑا سا وہ رخصت کا زمانہ تھا قیامت

واں بین ادھر صبر و شکیبائی کی باتیں

افسانہ ماتم تھیں بہن بھائی کی باتیں

حضرت کا وہ کہنا کہ بہن صبر کرو صبر ۹۱ امت کے لیے والدہ صاحبہ نے ہے جبر
وہ کہتی تھی کیوں کرنے میں روؤں صفت ابر تم پہنوکفن اور نہ بنے ہائے مری قبر

لٹے ہوئے آماں کا گھر ان آنکھوں سے دیکھوں

ہے ہے تر خنجر تھیں کن آنکھوں سے دیکھوں

اس عمر میں تھوڑے غم جان کا اٹھائے ۹۲ اشک آنکھوں سے آماں کے جنازے پہ بہائے
آنسو نہ تھے تھے کہ پردہ غم میں نہائے ٹکڑے دل شبر کے لگن میں نظر آئے

حضرت کے سوا اب کوئی سر پر نہیں بھائی

انسا ہوں کلیجہ مرا پتھر نہیں بھائی

ہر شخص کو ہے یوں تو سفر خلق سے کرنا ۹۳ دشوار ہے اک آن مسافر کا ٹھہرنا
ان آنکھوں سے دیکھا ہے بزرگوں کا گزرنا ہے سب سے سوا ہائے یہ غفلوی کا مرنا

صدقے گئی یوں رن کبھی پڑتے نہیں دیکھا

اک دن میں بھرے گھر کو اجر تے نہیں دیکھا

ہے ہے تھیں لے کے میں کہاں چھپ رہوں بھائی ۹۴ لٹتی ہے مرے چار بزرگوں کی کسائی
کس دشت پر آشوب میں قسمت مجھے لائی یارب کہیں مرجائے یہ اللہ کی جانی

زہراء کا پسردقت جدائی مجھے روئے

سب کو تو میں روئی ہوں یہ بھائی مجھے روئے

زینبؓ کی وہ زاری وہ سکیئہ کا بلکنا ۹۵ وہ نفی سی چھاتی میں کلیجہ کا دھوکنا
وہ چاند سا منہ اور وہ بندے کا چلکنا حضرت کا ہا بیٹی کی طرف یاس سے تلکنا

حسرت سے یہ ظاہر تھا کہ معذوریں بی بی

پیدا تھا نگاہوں سے کہ مجبور ہیں بی بی

وہ کہتی تھی بابا ہمیں چھاتی سے لگاؤ ۹۶ فرماتے تھے شہ آؤ نہ جان پیر آؤ
ہم کرٹھتے ہیں لو آنکھوں سے آنسو نہاؤ خوشبو تو ذرا گیسوئے مشکیں کو سنگھاؤ

کوثر پہ ہے ہم بن نہیں آرام چچا کو
ہم جاتے ہیں کچھ دیتی ہو پیغام چچا کو
بی بی کہو کیا حال ہے اب ماں کا تہاری ۹۷ کس گوشے میں بیٹھی ہیں کہاں کرتی ہیں زاری
جب سے سوئے جنت گئی اکبر کی سواری دیکھا نہ انھیں گھر میں ہم آئے کئی باری
تھی سب کی محبت انھیں بیٹھی کے دم تک
کیا آخری رخصت کو بھی آئیں گی نہ ہم تک

کس جاہیں طلب ہم کو کریں یا وہی آئیں ۹۸ ممکن نہیں اب وہ ہیں یا ہم انھیں پائیں
کچھ ہم سے سنیں کچھ ہیں حال اپنا بتائیں اک دم کے مسافر ہیں دیکھ تو جائیں
بعد اپنے یہ لوٹا ہوا گھر اور ملے گا
افسوس کہ اک عمر کا ساتھ آج چھٹے گا

غش میں جو مٹی بانوئے مضطر نے یہ تقریر ۹۹ ثابت ہوا مرے کو چلے حضرت شبیرؑ
سرنگے انھی چھوڑ کے گہوارہ بے شیر چلائی مجھے ہوش نہ تھا یا شہ دل گیر
جاں تن سے کوئی آن میں اب جاتی ہوا
یہ خامہ رخصت کے لیے آتی ہے آتا

یہ سن کے بڑھے چند قدم شاہ خوش اقبال ۱۰۰ قدموں پر گری دوڑ کے وہ کولے مجھے بال
تھا قبلہ عالم کا بھی اس وقت عجب حال روتے تھے غضب آنکھوں پہ کئے مجھے رومال

فرماتے تھے جاں کا کھاجہ بدائی کا الم ہے
انکھو تمہیں روح علی اکبر کی قسم ہے
وہ کہتی تھی کیونکر میں اٹھوں اے مر مر تلج ۱۰۱ والی انھیں جوں کی بدولت ہم مر راج
سر پر جو نہ ہو گا پسر صاحب معراج چادر کے حق میں ہو جاؤں گی محتاج
چھوٹے جو قدم مرتبہ گھٹ جاے گا میرا
قربان مٹی تخت الٹ جاے گا میرا

پاں آئی میں جب خانہ کسریٰ ہوا برباد ۱۰۲ وہ پہلی اسیری کی اذیت ہے مجھے یاد
کی عقدہ کشائے دو جہاں نے مری ابداد حضرت کے تصدق میں ہوئی قید سے آزاد

لونڈی تھی، بہو ہو گئی زہرا و علی کی
قسمت نے بٹھایا مجھے مسند پہ نبی کی

چھبیس برس تک نہ چھٹا آپ کا پہلو ۱۰۳ اب ہجر ہے تقدیر میں یاسید خوش خو
شب بھر رہے تکیہ سراقہ سس کا جو بازو ہے ہے اُسے اب رتی سے بانڈیں گے جفا جو

سر پر نہ ردا ہوگی تو مر جاؤں گی صاحب
چھپنے کو میں جنگل میں کدھر جاؤں گی صاحب

حضرت نے کہا کس کا سدا ساتھ رہا ہے ۱۰۴ ہر عاشق و معشوق نے یہ داغ سہا ہے
دارِ محن اس دار کو داؤر نے کہا ہے ہر چشم سے خونِ بکرا اس غم میں بہا ہے

فرقت میں عجب حال تھا خالق کے ولی کا
ساتھ آٹھ برس تک رہا زہرا و علی کا

سوسو برس اس گھر میں عینتے رہتے جو ۱۰۵ اس موت نے دم بھر میں جدا کر دیا اُن کو
کچھ مرگ سے چارہ نہیں لے بانوئے خوش فح ہے شاق فلک کو کہ رہیں ایک جگہ دو

کس کس پر زمانے نے جفا کی نہیں صاحب
انہوں سے کبھی اُس نے وفا کی نہیں صاحب

لازم ہے خدا سے دُلبیبِ خیر بشر کو ۱۰۶ تھامے گا تباہی میں وہی رانڈ کے گھر کو
آتا ہے تمہیں بھی وہیں، جاتے ہیں جدھر کو وارث کی جدائی میں شکتے نہیں سر کو

کھولے گا وہی رتی بندھے ہاتھ تمہارے
سب اُدسا بیٹا ہے جواں ساتھ تمہارے

نصیب کو تو دیکھو کہ ہی کس دکھ میں گرفتار ۱۰۷ ایسا کوئی اس گھر میں نہیں بے کس و ناچار
تھا میں کہ بے جاں ہوئے دو چاند سے مولدار دنیا سے گیا اکبرِ ناشاد سا غمِ خوار

بیٹے بھی نہیں گود کا پالا بھی نہیں ہے
ان کا تو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے

یہ کہہ کے کچھ آہستہ کہا گوشِ پسر میں ۱۰۸ بیمار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں
اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں غش ہوئی زینبؑ یہ اٹھا درو جگر میں
ٹھہرا نہ گیا دامنِ مشہد والا کل آئے
تنہا گئے روتے ہوئے تنہا کل آئے

کچھ بڑھ کے پھرے جانبِ قبلہ شہ بے پر ۱۰۹ کچ کی طرف دوشِ یمنیں گردنِ انور
تھراتے ہوئے ہاتھوں پہ عامے کو رکھ کر کی حق سے مناجات کہ اے خالقِ اکبر
حرمتِ ترے محبوب کی دنیا میں بڑی ہے
کر رحم کہ آل ان کی تباہی میں پڑی ہے

یارب (۱) ہے سادات کا گھر تیرے حوالے ۱۱۰ رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
بیکس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے سب ہیں ترے دریا کے گھر تیرے حوالے
عالم ہے کہ غربت میں گرفتار بلا ہوں
میں تیری حمایت میں انھیں چھوڑ چلا ہوں

میرے نہیں بندے ہیں ترے لئے مرے خالق ۱۱۱ بستی ہو کہ جنگل تو ہی حافظ تو ہی رازق
باندھے ہیں مگر ظلم و تعدی پہ منافق نے دوست ہے دنیا نہ زمانہ ہے موافق
حرمت ہے ترے ہاتھ امامِ ازلی کی
دو بیٹیاں، دو بہنیں ہیں اس گھر میں علیؑ کی

میں یہ نہیں کہتا کہ اذیت نہ اٹھائیں ۱۱۲ یا اہلِ ستم آگ سے خیمے نہ جلائیں
ناموس لٹیں قید ہوں اور شام میں جائیں مہلت مرے لاشے پہ بھی رونے کی نہ پائیں
بیڑی میں قدم طوق میں عابد کا گلا ہو
جس میں ترے محبوب کی اُمت کا بھلا ہو

یہ کہہ کے گریبانِ مبارک کو کیا چاک ۱۱۳ اور ڈال لی پر لہنِ پُر نور پہ کچھ خاک
میت ہونے پیر کفن بن گئی پو خاک بس فاتحہ خیر پڑھا بادلِ غم ناک
مڑ کر نہ کسی دوست نہ غمِ خوار کو دیکھا
پاس آئے تو روتے ہوئے رہوار کو دیکھا

گردان کے دامن علی اکبر کو پکارتے ۱۱۴ تھا مو مرے گھوڑے کی رکاب اے مرے پیارے

لحیت دلِ شہزادہ اس وقت سدھائے بھائی ہیں کہاں ہاتھ میں دیں ہاتھ ہمارے

آتے نہیں مسلم کے جگر بند کہاں ہیں

دونوں مری ہمیشہ کے فرزند کہاں ہیں

تنبائی میں اک ایک کو حضرت نے پکارا ۱۱۵ کون آئے کہ فردوس میں تھا قافلہ سارا

گھوڑے پہ چڑھا خود اسد اللہ کا پیارا اونچا ہوا افلاکِ امامت کا ستارا

شوخی سے فرس پاؤں نہ رکھتا تھا زمیں پر

غل تھا کہ چلا قطبِ زماں عرشِ بریں پر

شہبیز نے پھل بل میں عجب ناز دکھایا ۱۱۶ ہر گام پہ طاؤس کا انداز دکھایا

زیور نے عجب حسنِ خدا داد دکھایا فتراک نے اوج پر پرواز دکھایا

تھا خاک پہ اک پاؤں تو اک عرشِ بریں پر

غل تھا کہ پھر اُترا ہے براق آج زمیں پر

اعداء کی زبانوں پر یہ حیرت کی تھی تقریر ۱۱۷ حضرت یہ ربّ پڑھتے تھے تو لے ہوئے شمشیر

دیکھو نہ مٹاؤ مجھے اے فرقہ بے پیر میں یوسف کنگانِ رسالت کی ہوں تصویر

واللہ تعالیٰ نہیں یہ کلمہ حق ہے

عالم کے مرتضیٰ میں حسین ایک ورق ہے

واللہ جہاں میں مرا ہمسر نہیں کوئی ۱۱۸ محتاج ہوں پر محمد سا تو انگر نہیں کوئی

ہاں میرے سوا شافعِ محشر نہیں کوئی یوں سب ہیں مگر سبطِ حمیر نہیں کوئی

باطل ہے اگر دعویٰ اعجاز کرے گا

کس بات پہ دنیا میں کوئی ناز کرے گا

ہم وہ ہیں کہ اللہ نے کوثر ہمیں بخشا ۱۱۹ سرداری فردوس کا افسر ہیں بخشا

اقبالِ علیٰ خلقِ پیغمبر ہمیں بخشا قدرت میں دیٰ زور ہمیں، زور ہمیں بخشا

ہم نور ہیں مگر طورِ تجلّا ہے ہمارا

تختِ بن داؤد مصلّا ہے ہمارا

۱۲۰ تاراہ کرید من کے قدم عرض کے سرتاج
ماں ایسی کسب جس کی شفا صفت کبھی نہ تاج
توسین مکان، خیم ریشل، صاحبِ عراج

لڑنے کو اگر حیدر صفد نہ نکلتے

بُتِ گھر سے خدا کے کبھی ہا ہر نہ نکلتے

کس جنگ میں سینے کو سپر کر کے نہ آئے ۱۲۱ کس مرحلہ صفت کو سر کر کے نہ آئے

کس فوج کی صف زیر و زبر کر کے نہ آئے قہی کون شی شب جس کو سر کر کے نہ آئے

تھا کون جو ایساں تہ مصمام نہ لایا

اس شخص کا سر لائے جو اسلام نہ لایا

ہم نام دیکھ کم تھے، ذکرِ خاتر تھے توڑے ۱۲۲ طاقت تھی کہ عزتی کو کوئی لاک توڑے

بدگوشوں نے سجدے بھی کیے ہاتھ بھی جوڑے بے توڑے وہ بُتِ حیدرِ صفد نے نہ چھوڑے

کہے کو صفا کر دیا خالق کے کرم سے

نیکے اسد اللہ اذال دے کے کرم سے

اس حیدر مالک اسی تلوار کے ہم ہیں ۱۲۳ جبرار سپر، حیدرِ گزار کے ہم ہیں

فسرزد محمد سے جہاں دار کے ہم ہیں وارثِ شہِ لولاک کی سرکار کے ہم ہیں

کچھ غیر کفن ساتھ نہیں لے گئے ہیں

تا بویہ سکینہ بھی ہیں دے گئے ہیں

یہ فسق پہ علامہ سر دارِ زمین ہے ۱۲۴ یہ تیغِ علی ہے یہ کمر بندِ حسن ہے

یہ خوشین داؤد ہے جو حافظِ تن ہے یہ پیر بہنِ یوسف کتغانِ من ہے

دکھلائیں سندِ دستِ رسولِ عربی کی

یہ مہرِ سیماں ہے، یہ خاتم ہے نبی کی

دیکھو تو یہ ہے کون سے جزار کی تلوار ۱۲۵ کس شیر کے قبضے میں ہے گزار کی تلوار

دریائے بھی دیکھی نہیں اس دھار کی تلوار بجلی کی تو بجلی ہے یہ، تلوار کی تلوار

قہر و غضب اللہ کا ہے کاٹ نہیں ہے

کچھتے ہیں اے موت کا گھر گھاٹ نہیں ہے

دم لے کہیں دک کر وہ روانی نہیں اس میں ۱۲۶ چلنے میں سبک تر ہے، گرانی نہیں اس میں
جسزہ حریف ظفر لورثانی نہیں اس میں جل جاؤ گے سب آگ سے پانی نہیں اس میں
پھوڑے مگی زندہ اسے جو دشمن دیں ہے

نابین نہیں، غصے سے ابل جیں یہ جیں ہے
سب قطرے ہیں مگر فیض کے دریا ہیں تو ہم ہیں ۱۲۷ ہر نقطہ قرآن کے شناسا ہیں تو ہم ہیں
حق جس کا ہے جامع وہ ذخیرہ ہیں تو ہم ہیں افضل ہیں تو ہم، عالم و دانا ہیں تو ہم ہیں
تعلیم ملک عرش پر تھا و برد ہمارا
جبیریل سا استاد ہے شاگرد ہمارا

گر فیض ظہور شبہ لولاک نہ ہوتا ۱۲۸ بالائے زمیں گنبدِ افلاک نہ ہوتا
کچھ خاک کے طبقے میں، بجز خاک نہ ہوتا ہم پاک نہ کرتے تو جہاں پاک نہ ہوتا
یہ شور اذان کا، سحر و شام کہاں تھا
ہم عرش پر جب تھے تو یہ اسلام کہاں تھا

حسن سے بدی، ہے ہی احسان کا عوض واہ ۱۲۹ دشمن کے ہوا خواہ ہوئے دوست کے بد خواہ
گمراہ کے بہکانے سے روکو نہ مری راہ لو اب بھی مسافر کو نکل جانے دو اللہ
مل جائے گی اک دم میں اماں رنج و بلا سے
میں ذبح سے بچ جاؤں گا، تم قہر خدا سے

بستی میں کہیں مسکن و ماوا نہ کروں گا ۱۳۰ یثرب میں بھی جانے کا ارادہ نہ کروں گا
صابر ہوں کسی کا کبھی شکوہ نہ کروں گا اس ظلم کا میں ذکر بھی اصلاً نہ کروں گا
رونا نہ چھٹے گا، کہ عزیزوں سے چٹا ہوں
جو پوچھے گا کہہ دوں گا کہ جنگل میں لٹا ہوں

اعدائے کہا قہر خدا سے نہیں ڈرتے ۱۳۱ ناری تو ہیں دوزخ کی جگہ سے نہیں ڈرتے
فریادِ رسولِ دوسرا سے نہیں ڈرتے خاتونِ قیامت کی بکاسے نہیں ڈرتے
ہم لوگ بدرِ دولتِ دنیا ہے ادھر ہیں
اللہ سے کچھ کام نہیں بندہ زریں

حضرت نے کہا خیر خبردار صفوں سے ۱۳۲ آیا غضب اللہ کا ہشیار صفوں سے
بجلی سا گزرجاؤں گا ہر بار صفوں سے کب بختی رکتے ہیں دوچار صفوں سے

غربت کے چلن دیکھ چکے، حرب کو دیکھو

لو بندہ زر ہو، تو مری ضرب کو دیکھو

یاں گوشہ عزت، خم شمشیر نے چھوڑا ۱۳۳ واں سہم کے چلے کو ہر ایک تیر نے چھوڑا
کس قہرے گھر موت کی تصویر نے چھوڑا ساحل کو صف لشکر بے پیر نے چھوڑا

عنقائے ظفر فتح کا در کھول کے نکلا

شہباز اجل، سید کو، پر تول کے نکلا

حبلوہ کیا بدلی سے نکل کر مہ نو نے ۱۳۴ دکھلائے ہوا میں دوسرا، اک شمع کی لو نے
تڑپا دیا، بجلی کو فرس کی تگ دوڑنے تاکا سپر مہر کو شمشیر کی ضو نے

اعدا تو پھیلنے لگے ڈھالوں پہ سروں کو

جبریل نے اونچا کیا گھبرا کے پروں کو

بالا سے جو آئی وہ بلا جانب پستی ۱۳۵ بس نیت ہوئی دم میں تم گاروں کی بستی
چلنے لگی یک دست جو شمشیر دوستی معلوم ہوا لگتی سب کفر کی بستی

زور اُن کے ہر اک ضرب میں اللہ نے توڑے

ٹوٹیں جو صفیں بت اسد اللہ نے توڑے

بجلی سی جو گر کر صف کفار سے نکلی ۱۳۶ آواز بزن تیغ کی جھنکار سے نکلی
گج ڈھال میں ڈوبی کبھی تلوار سے نکلی در آئی جو پیکاں میں تو سوار سے نکلی

تھے بند خطا کاروں پہ در امن و اماں کے

چلے بھی چپے جاتے تھے گوشوں میں کہاں کے

افلاک پہ چمکی کبھی، سر پر کبھی آئی ۱۳۷ کوندی کبھی جوشن پہ، سپر پر کبھی آئی
گج پڑ گئی سینہ پہ، جگر پر کبھی آئی تڑپا کبھی پہلو پہ، کمر پر کبھی آئی

ٹلے کر کے پھری کون سا قصہ تحافرس کا

باقی تھا جو کچھ کاٹ، وہ حصہ تحافرس کا

بدلتی ہوئی آئی ۱۳۸ نڈی ادھر اک خوں کی اہلی ہوئی آئی
 دم بھر میں سے سورنگ بدلتی ہوئی آئی پی پی کے لہو لعل اگلتی ہوئی آئی
 میرا تھا بدن، رنگ زمرہ سے ہر تھا
 جو ہر نہ کہو پیٹ جو اہر سے بھرا تھا

زیبا تھا دم جنگ پری دس اے کہنا ۱۳۹ معشوق بنی سرخ لباس اس نے جو پہنا
 اس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا جو ہر تھے کہ پہنے تھی دہن پھولوں کا گہنا
 سیب چمن خلد کی بو باس تھی پھل میں
 رہتی تھی وہ شبیر سے دو لہا کی نفل میں

سر شیکے تو موج اس کی روانی کو نہ پہونچے ۱۴۰ قلم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہونچے
 بجلی کی ترپ شعلہ فشاں کو نہ پہونچے خنجر کی زباں تیغ زبانی کو نہ پہونچے
 دوزخ کی زبانون سے بھی آئج اس کی بری تھی
 برجی تھی، کٹاری تھی، سر دی تھی، چھری تھی

موجود بھی ہر غول میں اور سب سے جدا بھی ۱۴۱ دم خم بھی، گھاٹ بھی، صفائی بھی، ادا بھی
 اک گھاٹ پتھی آگ بھی، پانی بھی، ہوا بھی امرت بھی، ہلا بھی، مسیحا بھی، قضا بھی
 کیا صاحب جو ہر تھی عجب ظرف تھا اس کا
 موقع تھا جہاں جس کا وہیں صرف تھا اس کا

ہر ڈھال کے پھولوں کو اڑاتا تھا پھل اس کا ۱۴۲ تھا لشکر باغی میں ازل سے عمل اس کا
 ڈرجاتی تھی منہ دیکھ کے ہر دم اجل اس کا تھا قلعہ چار آئینہ، گویا عمل اس کا
 اس در سے گئی کھول کے وہ در نکل آئی
 گج صدر میں بیٹھی، کبھی باہر نکل آئی

نیزوں پہ گئی بر جھپیوں والوں کی طرف سے ۱۴۳ جا پہونچی کاں داروں پہ بجالوں کی طرف سے
 پھر آئی سواروں کے رسالوں کی طرف سے منہ تیغوں کی جانب کیا ڈھالوں کی طرف سے
 بس ہو گیا دفتر نظری، نام و نسب کا
 لاکھوں تھے تو کیا دیکھ لیا جائزہ سب کا

پہنچی جو سپرنگ تو کلائی کو نہ چھوڑا ۱۴۴ ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا
شوخی کو، شرارت کو، لڑائی کو نہ چھوڑا تیزی کو، رکھائی کو، صفائی کو نہ چھوڑا

اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے

قیغی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے غضب کے

چار آئینہ والوں کو نہ تھا جنگ کا یارا ۱۴۵ چورنگ تھے سینے تو کلیجہ تھا دو پارا
کہتے تھے زرہ پوش نہیں جنگ کا یارا بیچ جائیں تو جانیں کہ لی جان دو بارا

جوشن کو سنا تھا کہ حفاظت کا محل ہے

اس کی نہ خیر تھی کہ یہی دام اجل ہے

بدکیش لڑائی کا چلن بھول گئے تھے ۱۴۶ نادرک فگنی تیر فگن بھول گئے تھے
سب حبیب گری، عہد شکن بھول گئے تھے بے ہوشی میں ترکش کا دہن بھول گئے تھے

معلوم نہ تھا جسم میں جاں ہے کہ نہیں ہے

چلاتے تھے قبضے میں کہاں ہے کہ نہیں ہے

ڈورڈر کے قدر راست سانوں نے جھکائے ۱۴۷ دب دب کے سر بجز کمانوں نے جھکائے
ہٹ ہٹ کے علم رن میں، جوانوں نے جھکائے سر خاک پر گر کر کے، نشانوں نے جھکائے

غل تھا کہ پناہ، اب ہیں یا شاہ زماں دو

پھیلائے تھے دامن کو، پھر بے کے اماں دو

شبہ کہتے تھے ہے بارہ پہ دریا نہ رُکے گا ۱۴۸ اس موج پہ آفت کا طمانچہ نہ رُکے گا
بے فسح و ظفر، دلبر زہرا نہ رُکے گا تا غرق نہ فرعون ہو، موسیٰ نہ رُکے گا

ہے بحسب غضب نام ہے قہر صمد اس کا

رُکنے کا نہیں شام ملک جس زر و دماں اس کا

اس منکے گئے پہنچے اس فول کے نکلے ۱۴۹ جو فوج چڑھی منہ پہ اُسے رول کے نکلے
انبوہ سے، یوں تیغ دوسرے تول کے نکلے گویا درخیز کو، عسلی کھول کے نکلے

دنیا جو بچی، روح محمد کا سبب تھا

شیر اگر رسم نہ کرتے تو غضب تھا

لڑتے تھے مگر غلط سے رحمت تھی زیادہ ۱۵۰ شفق تھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ
 نانا کی طرح خاطرِ امت تھی زیادہ بیٹوں سے غلاموں کی محبت تھی زیادہ

تلوار نہ مارا جسے منہ موڑتے دیکھا
 آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

فرماتے تھے اعدا کو ترائی سے بھگا کر ۱۵۱ کیوں چھوڑ دیا گھاٹ کو روکو ہمیں آکر
 دعوتِ یونہی کرتے ہیں مفسد کو بلا کر ہم چاہیں تو پانی بھی پیسیں نہر میں جا کر
 پر صبر کے دریا ہیں، ہمیں پیاس نہیں ہے
 اب زہر یہ پانی ہے کہ عباس نہیں ہے

بھولی نہیں اکبر کی ہم تثنیہ دہانی ۱۵۲ وہ چاند سا رخ وہ قد و قامت وہ جوانی
 وہ سوکھے ہوئے ہونٹ وہ اعجازِ بیانی دکھلا کے زبان مانگتے تھے نزع میں پانی
 کس سے کہیں جو خونِ جگر ہم نے پیا ہے
 بعد ایسے پسر کے بھی کہیں باپ جیا ہے

یہ کہہ کے سکینہ کے ہشتی کو پکارے ۱۵۳ الفت ہیں لے آئی ہے پھر پیاس تمھارے
 لڑتے ہوئے آپہونچے ہیں دریا کے کنارے عباس غش آتا ہے ہمیں پیاس کے مارے
 ان سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو ملا دو
 کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو پلا دو

لیٹے ہوئے ہو ریت میں کیوں منہ کو چھپائے ۱۵۴ اٹھو کہ سکینہ کو یہاں ہم نہیں لائے
 فاضل ہو، برادر، تمہیں کس طرح جگائے ہے عصر کا وقت اے امدا اللہ کے جائے
 خوش ہوں گامیں آگے جو علم لے کے پڑھو گے
 کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھو گے

کہہ کر یسین روئے لگا بھائی کو بھائی ۱۵۵ تلوار سے مہلت تم ایما دوں نے پانی
 جس فوج نے رن چھوڑ دیا تھا وہ پھر آئی دو روز کے پیاسے پر گھٹا شام کی چھائی
 بارش ہوئی تیروں کی ولی ابن ولی پر
 سب ٹوٹ پڑے ایک حسین ابن علی پر

کے شہ نے جو سینے پر نظر پونچھ کے آنسو ۱۵۶ سب چھاتی سے تھے پہلوؤں تک تیر سہیلو
ہر صحت سے تیغیں جو لگاتے تھے جفا جو سالم نہ کلائی تھی، نہ شان تھا، نہ بازو

برگشتہ زمانہ تھا شہ تشنہ گلو سے

پہل بڑھپیوں کے سرخ تھے سید کے لبو سے

جھک جاتے تھے ہرنے پر جو غش میں شہ ابرار ۱۵۷ منہ پیر کے آقا کی طرف نکلتا تھا رہوار
چمکار کے فرماتے تھے شبیر دل انگار اب خاتمہ جنگ ہے، اے اسپ وفادار

اتریں گے بس اب تجھ سے چھٹا ساتھ ہمارا

نہ پاؤں ترے چلتے ہیں، نہ ہاتھ ہمارا

زخمی ہیں نہیں اب تری تکلیف گوارا ۱۵۸ گرتے ہیں سنبھلے، کاہیں لب نہیں یارا
کیا بات تری، خوب دیا ساتھ ہمارا آپہونچا ہے منزل پر ید اللہ کا پیارا

تو جس میں پلا ہے، وہ گمراہ دم میں لے گا

بچپن کا ہمارا اترا اب ساتھ چھٹے گا

گھیرے ہیں عدو خیمے ملک جا نہیں سکتے ۱۵۹ کھوئی ہے جو طاقت اے اب پا نہیں سکتے
مشکل ہے سنبھلنا، تجھے دوڑا نہیں سکتے پہلو ترے مجروح ہیں ٹھکرا نہیں سکتے

جیواں کو بھی دکھ ہوتا ہے زخموں کے تھک

میں درد رسیدہ ہوں مجھے درد ہے سب کا

کس طرح دکھاؤں کہ ترے زخم ہیں کاری ۱۶۰ میں نے تو کسی دن تجھے قہمی نہیں ماری
گھوڑے نے سنیں درد کی باتیں جو ریساری دوندیاں اشکوں کی ہوئیں آنکھوں سے جاری

جیواں کو بھی رقت ہوئی اس لطف کرم پر

منہ رکھ دیا مڑ کر شہ والا کے قدم پر

گردن کو ہلایا کہ مسیحا نہ اتریے ۱۶۱ دم ہے ابھی مجھ میں مرے آقا نہ اتریے
تلوار لیے گرد ہیں اعدا نہ اتریے سب فوج چڑھی آتی ہے مولانا اتریے

اے وائے تم صدر نشین خاک نشین ہو

صبر ہے کہ مر جاؤں تو خالی مرا زیں ہو

شرعے کہا تا چند، مسافر سے محبت ۱۶۲ وہ تو نے کیا، ہوتا ہے جو حق رفاقت
بتلا تو سنبھلے گی بھلا کون ہے صورت نہ ہاتھ میں نہ پاؤں میں نہ قلب میں طاقت
بہتر ہے کہ اتروں نہیں تورا کے گردوں کا
پھٹ جائیں گے سب زخم جو غش کھلے گردوں کا

ہے مصر کا ہنگام مناسب ہے اترنا ۱۶۳ اس خاک پہ ہے شکر کا سجدہ ہمیں کرنا
گو مرطہ صعب ہے دنیا سے گزرنا سجدے میں کئے سر کسادت ہے یہ مرنا
طاعت میں خدا کی نہیں صرف تن و سر کا

ذی حق ہیں اس کے ہیں کہ درویش ہے بدر کا
اترا یہ سخن کہہ کے وہ کوئین کا دالی ۱۶۴ خاتم سے ننگیں گر گیا، زین ہو گیا خالی
اس دکھ میں نہ یاد رتھے نہ مولا کے موالی خود نیک کے تلوار کو سنبھلے شبہ عالی

کپڑے تن پر نور کے سب خوں میں بھرے تھے
اک ہاتھ کو ر ہوار کی گردن میں دھرے تھے

منہ پال پہ رکھ رکھ کے یہ فرماتے تھے ہر بار ۱۶۵ جاڈ بوز می پہ لے صاحب معراج کے رہوار
اب ذبح کریں گے ہیں اک نام میں ستم گار زینب سے یہ کہنا کہ سکینہ سے خردوار
دہنا دیں جب تک مرا سر تن سے جدا ہو
لے جائیو بانو کو، جدھر حکم خدا ہو

یہ کہہ کے جو سر کا اسد اللہ کا جایا ۱۶۶ اک تیر جہیں پر، بن اشعث نے لگایا
فسر یلوع نے زہڑ کی دو عالم کو ہلایا پیکان سے پہلو عقب سر بھل آیا
ترپے نہ، زہے صبر، امام دو جہاں کا
سوقار نے بوسہ لیا سجدے کے نشان کا

حضرت نے جہیں سے ابھی کھینچا نہ تھا وہ تیر ۱۶۷ جو سر پہ لگی تیغ ہی مالک بے پیر
ابرو تک اتر کر، جو انٹی ظلم کی شمشیر سر تمام کے بس بیٹھ گئے خاک پر شبیر
چلتے ملک دیکھ کے خوں سیوا نبی کا
تھا حال یہی سجدہ کونہ میں مصلی کا

بیٹے جو سوئے قبلہ دو زانو شہرے پر ۱۶۸ جھکتے تھے کھنچش میں اٹھاتے تھے کبھی سر
تھے ذکر خلعتیں کہ لگاتیر دین پر یا قوت بنے ڈوب کے غول میں لپ اٹھر

برہ آیا لہو تابہ زخمدان مبارک

ٹھنڈے ہوئے دو گوہر دندان مبارک

نیزے کا، بن وہب نے پہلو پہ کیا وار ۱۶۹ کاندھے پہ چلی ساتھ زرارہ کی بھی تلوار
ٹاوک بن کابل کا کلیجے کے ہوا پار باد میں در آیا تبصرِ خولی خوں خوار

تلوار سے وقفہ نہ ملا چند نفس کا

دم رک گیا نیزہ جو لگا ابن انس کا

تھرا کے جھکے سجدۂ حق میں شہر ابرار ۱۷۰ شورِ دہلِ نسیج ہوا فوج میں اک بار
خوش ہو کے پکارا پسر سعد جفا کار اے خولی و شیت وین ذی الجوشن جزار

آخر ہے بس اب کام امام ازلی کا

سر کاٹ لو سب مل کے حسین ابن علی کا

لکھتا ہے یہ راوی کہ پیا ہو گیا محشر ۱۷۱ بارہ ستم ایجاد بڑھے کھینچ کے خنجر
اک سیدہ نکلی درخیمہ سے کھلے سر برقع تھا نہ مقنع تھا نہ موزے تھے، نہ چادر

چلائے لعین خوف کے ہاتھ آنکھوں پہ دھر کے

لوفاطم آتی ہے بچانے کو پسر کے

ہلتا تھا فلک ہاتھوں سے جب بیٹھی تھی سر ۱۷۲ بجلی کی طرح کوندتے تھے کانوں میں گوہر
فرماتی تھیں، فضلہ جوارِ حادی تھی مجبّر فریادی ہوں فریادی کو زیبا نہیں چادر

سرنگے یوں ہی جاؤں گی روم نہ پہ نئی کے

پردہ تو گیا ساتھ حسین ابن علی کے

اس بھیر میں آکر وہ ضعیف یہ پکاری ۱۷۳ اے سبطِ نبی! ابن علی! عاشق باری
گھوڑا تو ہے کوئل کدھراتی ہے سواری بھیتا بہن آتی ہے زیارت کو تمھاری

مرداؤں کی حضرت کو جو پانے کی نہیں میں

بے آپ کے دیکھتے ہوئے جانے کی نہیں میں

اس وقت شبہ دہانے سنی زاری خواہر ۱۴۳ جس وقت کہ تھاق مہارک خیر خیر
فسر یا اشارے سے کہ اے شمر ستم گر زینب کھل آئی ہے شہر جا بھی دم بھر
آخر تو سفر ہوتا ہے اس دارِ عن سے

دو باتیں تو کر لینے بھائی کو بہن ہے
منہ پھیر لیا شمر نے خیر کو ہٹا کے ۱۴۵ دی شہ نے یہ زینب کو مدد اشک بہا کے
تراپاتی ہو بھائی کو بہن بلوے میں آ کے دیکھو گی کہ ہم تو ہیں پنجہ میں قضا کے
اٹھ سکتے نہیں جسم پہ تلواریں پڑی ہیں

گھبراؤ نہ اماں مرے پہلو میں کھڑی میں
دوڑی یہ صدائیں کے یہ اللہ کی جائی ۱۴۶ چلائی کہ دیدار تو میں دیکھ لوں بھائی
پر ہائے بہن بھائی تلک آنے نہ پائی یاں ہو گئی سید کے تن دوسر میں جدائی
قاتل کو، نہ گردن کو، نہ شمشیر کو دیکھا

پہونچیں تو سناں پر سر شہید کو دیکھا
سر دیکھ کے بھائی کا وہ بیکس یہ پکاری ۱۴۷ دکھ پائی بہن آپ کی مظلومی پہ واری
خیر سے یہ گردن کی رگیں کٹ گئیں ساری تم مر گئے پوچھے گا خیر کون ہماری
آفت میں بھنسی آل رسولِ عربی کی
اب جائیں کہاں بیٹیاں زہرا و علی کی

ہے ہے پسر صاحب معراج حسینا ۱۴۸ پردیس میں بیوؤں کا ناراج حسینا
گویا کہ مصلیٰ قتل ہوئے آج حسینا ہے ہے کہیں دگور کے محتاج حسینا
پرسا بھی ترا دینے کو آتا نہیں کوئی
لاشہ بھی زمیں پر سے اٹھا تا نہیں کوئی

قربان بہن اے مرے سرور مرے سید ۱۴۹ مذبح قضا کشتہ خیر مرے سید
لے فاؤ کش و بیکس دے پر مرے سید بیچے میں ہے قاتل کے ترا سر مرے سید
دیتے ہو صد اکچہ نہ بلاتے ہو، بہن کو
کس یاس سے بچتے چلے جاتے ہو بہن کو

بعتا مرا کوئی نہیں تم خوب ہو آگاہ ۱۸۰ احمد ہیں، نہ زہرا، نہ حسن ہیں، نہ بدعتہ
 ڈھارس تھی بڑی آپ کی، اے سید ذی جاہ چھوڑا مجھے جنگل میں یہ کیا قہر کیا آہ
 چلتے ہوئے کچھ مجھ سے نہ فرما گئے بھائی
 بہینا کو نجف تک بھی نہ پہنچا گئے بھائی
 اے میرے شہید اے مرے ماں جلے برادر ۱۸۱ کس سے ترا لاش بہن اٹھوائے برادر
 کس طرح مرے دل کو قراؤ آئے برادر پانی بھی نہ قائل نے دیا ہائے برادر
 انساں پر ستم یوں کبھی انساں نہیں کرتا
 حیواں کو بھی، پیاسا کوئی بے جاں نہیں کرتا
 خاموش انیس اب کہ ہے دل سینے میں بے چین ۱۸۲ لکھے نہیں جاتے ہیں جو زینبؑ نے کیے بین
 اب حق سے دھاما ننگ کر اے خالق کونین حاسد ہیں بہت، دل کو عطا کر مطلب چوین
 ناحق ہے عداوت انھیں اس پنج ملاں سے
 بے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیر زباں سے

مرثیہ (۲)

جس دن یزید شام میں مندر نشیں ہوا ۱ سب ملک، روسیہا کے، زیرِ نگیں ہوا
شیر سے زیادہ اسے، بغض و کین ہوا ایذا سے اہل بیت کا درپے لعین ہوا
کہتا تھا سلطنت کا تو ساماں درست ہے سختی زان پہ ہو تو، یاست یہ سست ہے

خط حاکم مدینہ کو لکھا ہر شد و مد ۲ مضمون یہ تھا کہ تب ہے اطاعت تری سند
بیعت مری حسین سے لے تو، بخت و کد میں فوج بھیجتا ہوں کرے گی تری مدد
بیعت کریں تو جلد ادھر بھیج دیجیو راضی نہ ہو تو کاٹ کے سر بھیج دیجیو

پہنچا اسے دینے میں جب نامہ یزید ۳ پڑھ کر وہ خط، بہت متروڑ ہوا ولید
دل میں کہا یہ ظلم تو ہے عقل سے بعید میں فاطمہ کے لال کو کیوں کر کروں شہید
دعوائے سلطنت بھی نہیں بے قصور ہے

ایسے کنارہ کش پرستم کیا ضرور ہے
آخر کسی کو بھیج کے شہ کو کیا طلب ۴ بھائی بھتیجے شاہ کے، حاضر تھے سب کے سب
فرمایا اس سے جا! کہ میں آؤں گا وقتِ شب معلوم ہے مجھے، جو بلانے کا ہے سبب
سب جانتے ہیں بیعتِ فاسق حرام ہے

اس کی طلب ہمیں یہ اجل کا پیام ہے
نہرا گئے یہ سن کے عزیز و رفیق دیار ۵ قاسم نے رکھ لی سامنے شمشیرِ آبدار
اکبر نے بھی طلب کیا اسبابِ کارزار آئے کمال غیظ میں عباس نامدار
کہہ کر یہ بات صوبتِ شیر، اٹھ کھڑے ہوئے
حاکم کے گھر نہ جائیں گے ہم بے لڑے ہوئے

زینب کے دونوں بیٹوں کو اس دم رہی نہ تاب ۶ جا کر حرم سرا میں کہا با صد اضطراب
حاکم کے گھر میں جاتے ہیں شاہ فلک جناب اماں ہمارے نیچے لاد بیجے شتاب

بجھٹے گی، مگر تو خون کے دریا بہائیں گے
کام آج بھی نہ آئے تو کس کام آئیں گے

سن کر سخن یہ ہو گیا زینب کا رنگ زرد ۷ آنسو بھر آئے آنکھوں میں اٹھا جگر میں درد
بولی کلیجہ تھام کے اور بھر کے آہ سرد کیا والی مدینہ ہے آمادہ نبرد
ایسی علی کے لال سے تقصیر کیا ہوئی
کیا جرم کیا گناہ ہوا، کیا خطا ہوئی

ہے ملک سے غرض نہ اسے تبت جاہ ہے ۸ قہقہے میں نہ خزانہ ہے اورد نہ پناہ ہے
لوگوں سے رابطہ ہے نہ خیروں سے راہ ہے جائے نشست، قبر رسالت پناہ ہے
ناحق یہ ظلم، حق سے نہیں لوگ ڈرتے ہیں
جنگ اس سے جس غریب پہ فلکے گزرتے ہیں

۱۰! ہیں اس کے سر پہ نہ جیل نہ ہیں حسن ۹ صدقے غریب بھائی پہ ہو ملنے یہ بہن
زندہ ہیں جب تلک یہ، تو جیتے ہیں پنجتن مرضی ہو دشمنوں کی تو ہم چھوڑ دیں وطن
گریاں لے گا چین نہ زہرا کی بھائی کو
جنگل میں جا رہے گی بہن لے کے بھائی کو

بھائی کو میرے پاس بلاؤ سنوں میں حال ۱۰ کیا بات ہے جو خاطر اقدس پہ ہے طال
تہنا چلا نہ جائے تمہیں فاطمہ کا لال بھائی پہ کچھ بنے گی تو کھولوں گی سر کے بال
شاید دعا ہو، جنگ کا ساماں کیے چلیں
حاکم کے گھر میں ساتھ مجھے بھی لیے چلیں

زینب یہ کہہ رہی تھیں کہ آئے امام دیں ۱۱ منہ دیکھ شہر کا رونے لگی زینب حزیں
فرایا شہر نے روتی ہو کیوں، خوف کچھ نہیں حاکم کے گھر میں جائے کا حیدر کا جانشین
وہ اور ہے جگہ تمہیں جس کا خیال ہے
یاں مجھ پہ ہاتھ اٹھائے کوئی کیا مجال ہے

سمجھا چکے بہن کو جو حضرت بہ چشم تر ۱۲ باندھی شہ نجف کے کمر بند سے کمر
ڈالا بجائے پاک محمد کو دوش پر لے کر عصائی کا، چلے شاہ بحر و بر

یوں ساتھ تھے عزیز شہ کم سپاہ کے
نیسے ستلے چرخ پہ ہوں، گرد ماہ کے

اس دم کمال حضرت زینب تھیں بے قرار ۱۳ بیت الشرف سے جاتی تھیں ڈیوڑھی پہ بار بار
عباس سے بلا کے کہا اے وفا شعار بھائی کو چھوڑیو نہ اکیلا بہن نثار

حاکم سے ہم سخن جو شہ خوش خصال ہوں

تم اک طرف ہو، ایک طرف میرے لال ہوں

یہ بات کہہ کے رونے لگی وہ جگر کباب ۱۴ چالیس شخص لے کے چلا ابن بو تراب
جو دیکھتا تھا شانِ امام فلک جناب کہتا تھا کہ رات کو نکلا ہے آفتاب

رستے میں شب کو حسن نبی کا ظہور تھا

افلاک تک زمیں کے ستاروں کا نور تھا

حاکم کے وہ پہنچنے تو کہنے لگے امام ۱۵ تم سب رہو یہیں کہ نہیں داں تمہارا کام
پر جب کروں، پکار کے حاکم سے میں کلام دراز آنیو کہ مدد کا ہے وہ مقام

گھبراتے آنا کیوں ہو کہ میں بے قصور ہوں

نہ تم ہو مجھ سے دور نہ میں تم سے دور ہوں

پاس ادب سے کہ نہ سکے کچھ رفیق دیار ۱۶ بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباس نامدار
دل کو غلام کے نہیں آئے گا یاں قرار سایہ کی طرح ساتھ نہ چھوڑے گا جانثار

شاید نہ پہنچے یاں تلک آواز دور کی

کفشیں لیے رہے گاہ خدام حضور کی

سمجھا کے بھائی کو گئے حاکم کے پاس شاہ ۱۷ اس نے کہا معاویہ نے لی عدم کی راہ
پڑھے خط مزید کو اسے شاہ دیں پناہ پڑہ کر وہ خط امام نے کھینچی جگر سے آہ

فرمایا سر کٹے تو کٹے کچھ الم نہیں

دانتہ دیویں ہاتھ سے عزت، وہ ہم نہیں

ہم ہیں ستوں دین نشان رویہیں ۱۸ خالق نے اپنے راز کا ہم کو کیا امیں
 واقعہ ہم ہیں وارث سردارِ مہر لیں روشن ہمارے نورِ امامت سے ہے زمیں
 گردش سے گوزمانے کی مظلوم آج ہیں
 فضلِ خدا سے عرشِ معلیٰ کے تاج ہیں
 بیجا ہماری شان میں خالق نے عداوتی ۱۹ کافی سند کے واسطے ہے فقط کف
 زیبا ہمارے تن پہ ہے تشریف انشا ہم کو کیا خدا نے سرفرازِ لا فتنی
 ہم سے زیادہ کس کا ہے رتبہ جہان میں
 قرآن ہے تین حصہ ہماری ہی شان میں
 یہ کہ کے اٹھ کھڑے ہوئے شاہِ ذوالاقترا ۲۰ قبر رسول پر اسی شب کو گئے امام
 لپٹے ضربِ پاک سے اور یہ کیے کلام رخصت کر حسین کو یا سیدِ انام
 قربت میں لے کے جلد لگا لیجے سینے سے
 امداد نکالے دیتے ہیں مجھ کو مدینے سے
 حضرت کی قبر چھوٹی ہے مجھ سے نانا جان ۲۱ میں چھپ رہوں کہیں نہیں ایسا کوئی مکان
 آرام سے گھروں میں ہیں سب زیرِ آسمان فریاد ہے حسین کو ملتی نہیں اماں
 ناموس کو حضور کے کس جا بٹھاؤں میں
 بچے ذرا ذرا سے کہاں لے کے جاؤں میں
 یہ جو کہا امام نے آنسو بہا بہا ۲۲ بس یک بہ یک مزارِ نبی کا پنے کا
 آئی ضربِ پاک محمد سے یہ صدا ماں باپ میرے تجھ پہ فدا اور میں فدا
 تیرے الم سے خنجر کیس دل پہ چلتے ہیں
 جاتا ہے تو، تو قبر سے ہم بھی نکلتے ہیں
 داں سے دوا ہو کے گئے ماں کی قبر پر ۲۳ دیکھا کہ بیٹھی روتی ہیں زینبؓ برہنہ سر
 کہتی ہیں اپنے لال کی تم کو نہیں خبر بھائی مرادینہ سے ہے عازمِ سفر
 ملتی نہیں پناہ مشہدیں پناہ کو
 سب چاہتے ہیں قتل کریں بے گناہ کو

ااں تمھاری بیٹیاں ہوتی ہیں بے وطن ۛۛ کیوں کر بچائے بھائی کو آفت سے یہ ہیں
 چھ بے اجازت ہوتا ہے پھولا پھلا چمن دو دن سے بے قرار ہے شاہنشاہِ زمیں
 کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ شب کو سوتے ہیں
 قربت پر مانا جان کی جا جا کے روتے ہیں
 زینب کو روتا دیکھ کے رو کے بہت امام ۛۛ رخصت کا ماں کی قبر کو، جھک کر کیا سلام
 شب بھر تو گھر میں روتے ہے شاہِ حاصلِ عالم وقتِ سحر وطن سے چلے سید ۛۛ
 رستے پر شہر کے تو سواری کا شور تھا
 اہل وطن کے نالہ و زاری کا شور تھا
 مایوس تھے جو فاطمہ کے نور عین سے ۛۛ ملتے تھے آنکھیں پائے شہِ مشرقین سے
 اس رات کوئی گھر میں نہ سویا تھا چمن سے غل تھا دینہ ہوتا ہے خالی حسین سے
 رخصت حرم سے عورتیں آ آ کے ہوتی ہیں
 کوٹھوں پر پردہ دایاں منڈھانے دوتی ہیں
 آتی تھی جب عمارِ زینب قریب بام ۛۛ ان عورتوں سے کہتی تھی یہ خواہرِ امام
 اے بیبیوں برائے خدا ہے یہ میرا کام شہ کی سلامتی کی دعا کیجو صبح و شام
 وہ دن خدا کرے کہ خوشی تم کو اڈوں میں
 بھائی کو لے کے خیر سے پھر گھر میں آؤں میں
 نلکے تلک تو ساتھ تھا خلقت کا اژدہام ۛۛ سب کو وداع کر کے، روانہ ہوئے امام
 اہل حرم کو ساتھ لیے با صد احترام اس رکنِ دین نے، کعبے میں جا کر کیا قیام
 تھا قصدِ حج حبیبِ خدا کے حبیب کو
 واں بھی ملا نہ چینِ حسینِ غریب کو
 صحرائے کریم میں ہوا جب درودِ شاہ ۛۛ اس رہبرِ زمانہ کی واں آ کے رو کی راہ
 منظور تھا کہ ہوں بنی فاطمہ تباہ چاروں طرف سے قتل کو آنے لگی سپاہ
 دریا تھا گرد موجِ زنی افواجِ شام کا
 تھا جوں جناب، پنج میں نیمہ امام کا

کرتے تھے استفادہ امام فلک جناب ۲۰ موجود تھے وہ سب پر نہ دیتے تھے کچھ جواب
اس وقت بڑھ کے شریعین نے کیا خطاب بس بس سخن کو طول نہ اب دیجئے بے عتاب
تینیں کھینچی ہوئی ہیں سرانجام جنگ ہے
باتوں کا ہے یہ وقت کہ ہنگام جنگ ہے

فرمایا شہ نے کل کا میرے ہے مگر خیال ۲۱ مہلت طلب ہے، آج کی شب فاطمہ کا لال
مردود نے کہا، نہیں مقبول یہ سوال اکبر بجز کے کہنے لگے، او زبوں خصال
مہلت ملے مجوس و نصاریٰ کے واسطے
اور حکم قتل، سید والا کے واسطے

کچھ سوچ کر یہ کہنے لگا، شہر رویا ۲۲ دی مہلت آج آپ کو یا شاہ دیں پناہ
خیمے میں آئے روتے ہوئے دشت میں سے شاہ دیکھا کہ حال حضرت زینب کا ہے تباہ
کی نل کے ہاتھ کہتی ہیں، ہے ہے میں لپٹی ہوں
پر دیں میں حسین سے بھائی سے چھپتی ہوں

زینب کے پاس روتے گئے اور یہ کہا ۲۳ بھینا ابھی سے روتی ہو کیوں تم یہ ہیں خدا
مہلت ہے شب کی، آؤ گلے سے لگو ذرا ہوں گے نہ اور چار پیر تم سے ہم جدا
تم قیدیوں میں جاؤ گی ہم دن میں سوتیں گے
مہان ہیں اور آج کی شب کل نہ ہو میں گے

بنت علیؑ یہ کہنے لگی سر پیٹ کر ۲۴ دیتے ہو اپنے مرنے کی بھائی مجھے خبر
ہے ہے جہاں سے پہلے نہ میں کر گئی سفر اعدا مجھے پھرائیں گے بلوے میں ننگے سحر
بہتر ہے موت آئے، اگر اس حیات سے
گورو کفن کو پاؤں گی، بھائی کے ہات سے

روئے امام سن کے بہن کا سلام یا ۲۵ فرمایا سچ ہے دار فناء ہے مقام یا بس
پھر اور امیدوں کو آیا پیام یا بس گذرا وہ روز چھا گئی خیمے پر شام یا بس
سیدائوں کو قطع امید حیات تھی
وہ دشت ہولناک تھا اور کالی رات تھی

کرتا تھا سائیں سائیں وہ مھرائے لہو دوق ۲۶ تھے بیبیوں کے صوبت مہتاب رنگ فنی
دم گھٹتے تھے اندھیرے سے بچوں کو تھا خلق آواز سے دزدوں کی ہوتے تھے سینے شوق

مائیں انھیں سلائی تھیں منہ ڈھانپ ڈھانپ کے

سینوں سے لپٹے جاتے تھے وہ کانپ کانپ کے

پیاسے مسافروں کو جو شب خوں کا خوف تھا ۲۷ خیمے کے گرد پھرتے تھے عباس با وفا

اتند شیر دیتے تھے ہر بار یہ صدا بیدار، ہوشیار، جوانان مرتضیٰ

نزدیک صبح جنگ ہے، کچھ رات اب نہیں

آقا بھی جاگتے ہیں، یہ غفلت کی شب نہیں

نزدیک خیمہ رہیو کہ آقا نہیں ہیں دور ۲۸ ناموس مصطفیٰ کی خبر داری ہے ضرور

حوروں کی ہے طلب، کہ ز خدمت میں ہو قصور حاضر رہو کہ حق کی عبادت میں ہیں حضور

اس رات بستروں پہ نہ جا جا کے سوئیو

کل دن سے پاؤں دشت میں پھیلا کے سوئیو

بالا وہ آسماں پہ ہوا صبح کا ظہور ۲۹ پھیلی سپیدی، ہو گئی ظلمت جہاں دور

کافور کی طرح سے اڑا، روئے مد کا نور یاد خدا میں زمزمہ کرنے لگے طیسور

آسمان صبح کے جو عیاں ہوتے جاتے تھے

حضرت نماز پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے

پہیر اسلام جب تو اٹھائے دعا کو بات ۳۰ خالق سے کی یہ عرض کہ اے رب پاکفات

سب راتیں ہو چکیں، نہیں باقی ہے کوئی رات ہے روز قتل قطع ہوئی مدت حیات

طاعت کا وقت، ہاتھ سے کھویا نہیں کبھی

شاہد ہے تو کہ شام سے سو یا نہیں کبھی

شرمندہ ہوں کہ کس لیے آیا تھا کیا کیا ۳۱ جو حق بندگی تھا، نہ وہ بھی ادا کیا

تو نے کرم حسینؑ نے لا انتہا کیا یاں تک کہ سارے خلق کا حاجت دہا کیا

صدمہ ہے آج فاطمہؑ کے نور مین پر

آسان کر دے قتل کی مشکل حسین پر

ہتیار سچ کے معن میں آئے امام پاک ۴۲ دیکھا کہ اہل بیت گمراہاں کیے ہیں چاک
فرمایا الوداع، کراہوں گے ہم ہلاک ناموس مصطفیٰ نے اڑائی سروں پہ خاک

بانوئے شاہ خاک پہ غش کھا کے گر پڑیں

زینب قدم پہ شاہ کے گھبرا کے گر پڑیں

ہو کر وداع، گھوڑے پر حضرت ہوئے سوار ۴۳ حلقہ کیے تھے گرد عسزیز و رفیق دیار
مانند گل، شگفتہ تھا ہر ایک گلے زار سبھی فاطمہ کے باغ پہ، وہ آخری بہار

مرنے کے شوق میں قدم آگے جو بڑھتے تھے

ہنس ہنس کے آتیں کرنے میں کیا چہل چڑھتے تھے

مولا کے ساتھ، صبح سے کھولی نہ تھی کمر ۴۴ آتے تھے تیرا دھر سے تو بن جاتے تھے پیر
زخموں سے چود ہو ہو کے گرتے تھے خاک پر رکھتے تھے شہ کے پائے مبارک پہ اپنا سر

کیا خوش نصیب وہ تھے کہ جب دم نکلتے تھے

منہ اپنا ان کے چہروں پر شبیر ملتے تھے

قاسم نے رن میں لاشہ پر لاشہ گرا دیا ۴۵ عباس نے بھی خون کا دریا بہا دیا
اکبر نے دم میں ناموروں کو بھگا دیا انداز ضرب شیر الہی دکھا دیا

تہا جب ان کے بعد شہ محروم ہوئے

تیروں کے سامنے علی الصغر سپر ہوئے

اس وقت یاشن امام پہ کیا بے کسی دیا س ۴۶ لاشیں تھیں گر و ملو نہ تھا کوئی آس پاس
فاقہ تھا تین روز کا سولہ پہر کی پیاس دشمن کئی ہزار، اکیلا وہ حق شناس

اعدا دھر تو نیزوں پہ نیزے لگاتے تھے

خیمے سے اہل بیت اُدھر نکلے آتے تھے

میدان میں آ کے کہنے لگا شہر بے ادب ۴۷ طاقت ملی کی کیا ہوئی لڑتے نہیں ہر اب
جو آپ کو بچاتے تھے اسے گئے وہ سب ہاتھوں کے کانپنے کا ہے شاید ہی سبب

اب کی جو فوج گھوڑوں کی باگیں اٹھائے گی

حضرت سے ذوالفقار بھی کہیں نہ جائے گی

یہ سن کے آگیا شہم ذی جاہ کو جلال ۴۸ مانند شیر ہو گئیں آنکھیں خضبے لال
 بل کھاکے اٹھے پیش خضبے کے ساگر بال فرمایا سامنے سے سرک، او زبوں خصال
 تو جانتا ہے ابن علی کو، ہر اس ہے
 مجھ کو فقط رسول کی امت کا پاس ہے

مشہور ہے کفندہ غیسیر، مرا پدر ۴۹ لشکر اٹھالوں کوہ کا، ٹوٹی ہے گو کمر
 کچھ سوچتا نہیں کہ موا ہے جوان پسر لرزہ ہو شیر کو، جو کروں غیظ سے نظر
 وارث ہوں ذوالفقار جناب امیر کا

رگ میں میری زور ہے زہرا کے شیر کا
 دے حکم جنگ کس لیے لڑنے میں دیر ہے ۵۰ دیکھوں تو فوج شام کی کیسی دیر ہے
 گو ہاتھ کا پتے ہیں مراد تو شیر ہے شبیر بھوک پیاس میں جینے سے سیر ہے
 بھائی کا غم سہا علی اکبر کو روچکا
 کس کس جوان کو، انھیں ہاتھوں سے کھوچکا

یہ کہ کے کہیں تیغ تو تھسے گئے فلک ۵۱ فریاد کا سما سے ہوا شور تا سماک
 دیکھی گئی نہ تیغ ید اللہ کی چمک آنکھوں کو بند کر کے لگے کانپنے ملک
 تابندگی برق بجکا ہوں سے گھر گئی
 شکل اجل، لعینوں کی آنکھوں میں پھر گئی

پشتے تھے زنجیروں کے چپ در اس و پیش و پس ۵۲ بجلی سا کوندتا تھا ہر ایک غول میں فرس
 جلتے تھے برق تیغ سے اعدا مثال خس ہر صف میں تھا یہ شور کہ بس اے حسین بس
 تم بنے پیا ہے شیر جناب بتوں کا
 امت پر رحم کیجیے صدقہ رسول کا

اس وقت ہاتھ روک کے گویا ہونے یہ شاہ ۵۳ تم نے کیا نہ رحم کہ اکبر تھا بے گناہ
 مارا جوان پسر کو یہ کیا منصفی تھی داہ میں ہو گیا تباہ کہ تم ہو گئے تباہ
 پوچھو تو اس سے فلک میں ہیں کافر ملے
 ہاں پھر تھے یہ ہاتھ جو میرا پسر ملے

یہ کہہ کے چاہتے تھے کہ پھر ہوئیں حملہ ور ۵۴ دیکھانہی کے ہاتھ کو گھوڑے کی باگ پر
فرماتے ہیں حسین بس امت پر جسم کر اے لال میرے پاس ہے تیرا جواں پسر

جب تک کہ سر کٹا کے نہ جنت میں آؤ گے

عباس سے ملو گے نہ اکبر کو پاؤ گے

یہ سنتے ہی میان میں لی، شہ نے ذوالفقار ۵۵ رو کر کہا کہ آپ کی امت کے میں نثار
اب ہے فقط حسین کو، اماں کا انتظار آئی صدا بتول گی اے میرے گلزار

میں بیٹیتی تھی بر بھی جب اکبر نے کھائی تھی

اماں تو دیر سے تمھیں لینے کو آئی تھی

اس بن کی خاک میں کبھی سر پہ اڑاتی ہوں ۵۶ اصغر کی لاش کو کبھی چھاتی لگاتی ہوں
زینب کو تھامنے کبھی خیمہ میں جاتی ہوں سر بیٹیتی ہوئی کبھی میسداں میں آتی ہوں

راحت میں فاطمہؑ کے نہ کیوں کر خلل پڑے

جس کی کمائی لٹتی ہو کیا اس کو کل پڑے

یہ ذکر تھا کہ ٹوٹ پڑی شہ پہ فوج شام ۵۷ باہم چلے یہ تیر کہ تن چھن گیا تمام
چھوٹی رکاب پاؤں سے اور ہاتھ سے لگام تلوار فرق پر جو لگی جھک گئے امام

ہر ملی بی در پہ خیمہ کے فیش کھا کے گرتی تھی

گھوڑے کے گرد فاطمہؑ سر ننگے پھرتی تھی

آخر گرا زمین پہ زہرا کا ازبیں ۵۸ عرش الہ کا نپ گیا ہل گئی زمیں
آگے بڑھا چڑھائے ہوئے شہر آستیں زانو تو رکھا چھاتی پہ، گردن پہ تیغ کیس

جلے سر نماز میں پسر فاطمہؑ ہوا

سجدہ نہ ہو چکا تھا کہ بس خاتمہ ہوا

بس اے آئیں ختم کلام اب ضرور ہے ۵۹ لطف سخن اٹھاتا ہے جو ذی شعور ہے
دعویٰ کلام کا نہ بیاں کا غبور ہے حاسد جلیں تو اس میں مرا کیا قصور ہے

مارا، داغ بحث و سر کار زار نیست

لیکن دلِ دونیم، کم از ذوالفقار نیست

مرثیہ (۳)

فرز نمہ میسر کا مدینے سے سفر ہے ۱ سادات کی بستی کے اُجڑنے کی خبر ہے
در پیش ہے وہ غم، کہ جہاں زیرِ دربر ہے گل چاک گریباں ہیں صبا خاک بہ سر ہے
گل رُو صفت غنچہ کربتہ کھڑے ہیں
سب ایک جگہ صورتِ گلستہ کھڑے ہیں

آراستہ ہیں بہر سفر، سر و قبا پوش ۲ عمامے سروں پر ہیں عجائیں بسرو پوش
یاراں وطن ہوتے ہیں آپس میں ہم آغوش حیراں کوئی تصویر کی صورت کوئی خاموش
منہ ملتا ہے رو کر کوئی سرو کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبر کے قدم پر

عباس کا منہ دیکھو کے کہتا ہے کوئی آہ ۳ اب آنکھوں سے چھپ جائے گی تصویرِ اللہ
کہتے ہیں گلے مل کے یہ قاسم کے ہوا خواہ واللہ دلوں پر ہے عجب سدا مرزا نکاہ
ہم لوگوں سے شیریں سخنی کون کرے گا
یہ انس، یہ خلقِ حسنی کون کرے گا

روتے ہیں وہ، جو عون و محمد کے ہیں، ہم سن ۴ کہتے ہیں کہ کتب میں نہ جی پہلے کا تم بن
اس داغ سے چین آئے ہمیں، یہ نہیں ممکن گرمی کا مہینہ ہے سفر کے یہ نہیں دن
تم حضرت شبیرؑ کے سایے میں چلے ہو
کیوں دھوپ کی تکلیف اٹھانے کو چلے ہو

بجولیوں سے کہتے تھے وہ دونوں برادر ۵ ہاں بھائیو تم بھی ہمیں یاد آؤ گے اکثر
پالا ہے ہمیں شاہ نے، ہم جائیں نہ کیوں کر اموں رہیں جنگل میں تو اپنا ہے وہی مگر
وہ دن ہو کہ ہم حقِ غلامی سے ادا ہوں
تم بھی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پر فدا ہوں

رضعت کے لیے لوگ چلے آتے ہیں باہم ۶ ہر قلب حسد ہے تو ہر اک چشم ہے پر غم
ایسا ہنس گھر کوئی کہ جس میں نہیں ماتم غل ہے کہ چلا دل بر رخِ دوسرے عالم
خدا م کھڑے پیٹتے ہیں قبرِ نبی کے
رو نہ پہ اُدا سی ہے رسولِ عربی کے

ہے جب سے کھلا حالِ سفرِ بند ہے بازار ۷ یہ جس غمِ ارزاں ہے کہ روتے ہیں دکاندار
خاک اڑتی ہے ویرانیِ شرب کے ہیں آثار ہر کوپے میں ہے شور، کہ ہے ہے شبِ ابرار
اب یاں کوئی والی نہ رہا آہ ہمارا
جاتا ہے دینے سے شہنشاہ ہمارا

تدبیرِ سفر میں ہیں ادھر سبطِ پیمبر ۸ گھر میں کبھی آتے ہیں کبھی جاتے ہیں باہر
اسبابِ نکلواتے ہیں عباسِ دلاور تقسیمِ سواری کے تردد میں ہیں اکبر
شب کو جنھیں لے جاتا ہے، وہ پائے ہیں گھوڑے
خالی ہوا اصطبل، چلتے ہیں گھوڑے

حاضرِ درِ دولت پہ ہیں سب یادِ انصار ۹ کوئی تو کمر باندھا ہے اور کوئی ہتھیار
ہو درج بھی کسے جاتے ہیں مہل بھی ہیں تیار چلتے ہیں درباں، کوئی آنے نہ خبردار
ہر محل و ہو درج پہ گھٹا ٹوپ بڑے ہیں
پردے کی قناتیں لیے فراشِ کھڑے ہیں

عوراتِ محلہ چلی آتی ہیں بصرِ غم ۱۰ کہتی ہیں یہ دنِ رحلتِ زہرا سے نہیں کم
پڑ سے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم فرشِ اٹھتا ہے کیا بختی ہے گویا صفا م
غل ہوتا ہے ہر سمت، جدا ہوتی ہے زینب
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینب

لے لے کے بلائیں یہی سب کرتی ہیں تقریر ۱۱ اس گرمی کے موسم میں کہاں جاتے ہیں شبیر
سمجھتی نہیں بھائی کو اے شاہ کی، جمشیر مسلم کا خطا آئے تو کمریں گویا کی تمبیر
اللہ ابھی قبرِ پیمبر کو نہ چھوڑیں
گھرِ فاطمہ زہرا کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑیں

وہ گھر ہے ملک رہتے تھے جس گھر کے گھنچیاں ۱۲ کیوں اپنے بزرگوں کا مکان کرتے ہیں ویراں
کوئے کی بھی خلقت تو نہیں صاحبِ اہمال بی بی یہ مدینے کی تباہی کا ہے ساماں

ایک ایک شقی دشمنِ اولادِ علیؑ ہے

شمسِ بستمِ داں سرِ حیدر پر چسلی ہے

اُجڑے گا مدینہ جو یہ گھر ہوئے گا خالی ۱۳ بربادیِ شرب کی بنا چرخ نے ڈالی
کیا جائیں پھر آئیں کہ نہ آئیں مشہرِ عالی حضرت کے سوا کون ہے اس شہر کا والی

زہرا ہیں نہ حیدر نہ پیمبر نہ حسنؑ ہیں

اب اُن کی جگہ آپ ہیں یا شاہِ زمنؑ ہیں

گرمی کا یہ دن اور بہاڑوں کا سفرِ آہ ۱۴ ان چھوٹے سنے بچوں کا گھنچیاں ہے اللہ
رستے کی مشقت سے کہاں ہیں ابھی آگاہ ان کو تو نہ لے جائیں سفر میں شہِ ذی جہاہ

قطرہ بھی دمِ تشنہ دہانی نہیں ملتا

کو سوں تلک اس راہ میں پانی نہیں ملتا

منہ دیکھ کے اصغر کا چلا آتا ہے رونا ۱۵ آرام سے مادر کی کہاں گود میں سونا
جھولایہ کہاں اور کہاں نرم بچھونا لکھا تھا اسی سن میں مسافر انھیں ہونا

کیا ہوگا جو میدان میں ہو اگر م چلے گی

یہ بچوں سے کھٹلائیں گے ماں ہاتھ ملے گی

ان بیبیوں سے کہتی تھی یہ شاہ کی ہم شیر ۱۶ بہنوں ہمیں شرب سے لیے جاتی ہے تقدیر
اس شہر میں رہنا نہیں ملتا کسی تدبیر یہ خط پہ خط آئے ہیں کہ مجبور ہیں غصتیرؑ

مجھ کو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھ کہ نہیں سکتی

بھائی سے جدا ہو کے مگر رہ نہیں سکتی

آں کی لحد چھوڑ کے میں یاں سے نہ جاتی ۱۷ قاتلے بھی اگر ہوتے تو غم اس کا نہ کھاتی
بھائی کی طرف دیکھ کے شق ہوتی ہے چھاتی بے جائے مجھے بات کوئی بن نہیں آتی

نظارہ میں تو ما بین لحدِ سوتی میں اماں

میں خواب میں جب دیکھتی ہوں روتی ہیں اماں

ہے روح پہ اماں کی قلعی کرتی ہیں زاری ۱۸ سر پیٹتے ہیں نے انہیں دیکھا کئی باری
روداد بیاں کر گئی ہیں مجھ سے وہ ساری فرماتی تھیں بھائی سے خبر داریں واری
غم خوار ہے تو اور خدا حافظ جاں ہے

نہ باپ ہے سر پر مرے بچے کے نہ ماں ہے
یاد آتی ہے ہر دم مجھے اماں کی مصیبت ۱۹ کچھ جان کی تھی فکر نہ ان کو دم رحلت
آہستہ یہ فرماتی تھیں با صد غم و حسرت شب بیدار کئے جو سوئے وادی غربت
اُس دن مری تربت سے بھی منہ موڑیو زینب
اس بھائی کو تنہا نہ کبھی چھوڑیو زینب

اماں کی وصیت کو بجا لاؤں نہ کیوں کر ۲۰ گھر بھائی سے تھا بھائی نہ ہو گا تو کہاں گھر
دوہنیں ہیں ماں جائیاں اور ایک برادر رسی سے بندھے ہاتھ کہ بلوے میں گھلے سر
جو ہووے سو ہو بھائی کے ہمراہ ہے زینب
اس کو پج کے انجم سے آگاہ ہے زینب

یہ کہتی تھی زینب کہ پکارے شب عادل ۲۱ تیار ہیں دروازے پر سب ہوؤں محل
طے شام تلک ہوگی نہیں آج کی منزل رخصت کرو لوگوں کو بس اب ملنے سے حاصل
چلتی ہے ہوا سرد ابھی وقت سحر ہے
بچے کئی ہمراہ ہیں گرمی کا سفر ہے

رخصت کرو ان کو جو کہ میں ملنے کو آئے ۲۲ کہہ دو کوئی گھوڑا نہ صغہ کو بھی لائے
نادان سکینہ کہیں آنسو نہ بہائے جانے کی خبر میری نہ صغہ کہیں پائے
ڈر ہے کہیں گھبرا کے نہ دم اس کا مچل جائے
باتیں کرو ایسی کہ وہ بیمار بہل جائے

رخصت کو ابھی قبر پر ہی ہے جانا ۲۳ کیا جانے پھر ہو کہ نہ ہوئے مرا آنا
اماں کی لحد پر ہے ابھی اشک بہانا اس مرقہ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبر حسن سے

سن کر یہ سخن بانوئے ناشاد پکاری ۲۳ میں لٹتی ہوں کیسا سفر اور کیسی سواری
غش ہو گئی ہے فاطمہ صغیرہ پیاری ایکس کے لیے کرتے ہیں سب گریہ و زاری

اب کس پہ میں اس صاحب آزار کو چھوڑوں

اس حال میں کس طرح سے بیمار کو چھوڑوں

ماں ہوں میں، کیجیہ نہیں سیدہ میں نہ ملتا ۲۵ صاحب مرے دل کو ہے کوئی ہاتھوں ملتا
میں تو اسے لے چلی، پر کچھ بس نہیں چلتا رہ جاتیں جو نہیں بھی تو دل اس کا بہلتا

دروازے پہ تیار سواری پہ کھڑی ہے

پر اب تو مجھے جان کی صغیرہ کی پڑی ہے

چلاتی تھی کبرا کہ بہن آنکھیں تو کھولو ۲۶ کہتی تھی سکید کہ ذرا منہ سے تو بولو
ہم جاتے ہیں تم اٹھ کے بغلیگر تو بولو چھاتی سے لگو باپ کی دل کھول کے دلو

تم جس کی ہوشیدا وہ برادر نہ ملے گا

گھر بھر میں جو ڈھونڈو گی تو اکبر نہ ملے گا

ہشیار ہو کیا صبح سے یہ ہوش ہے خواہر ۲۷ اصغر کو کرو پیار کیجیہ سے لگا کر
چھاتی سے لگو اٹھ کے کھڑی روتی ہیں مادر ہم روتے ہیں دیکھو تو ذرا آنکھ اٹھا کر

افسوس ناسی طور سے غفلت میں رہو گی

کیا آخری بابا کی زیارت نہ کرو گی

سن کر یہ سخن شاہ کے آنسو نکل آئے ۲۸ بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
منہ دیکھ کے بانو کا سخن لب پہ یلائے کیا ضعف و نقاہت ہے خدا اس کو چھائے

جس صاحب آزار کا یہ حال ہو گھر میں

دانستہ میں کیوں کر اسے لے جاؤں سفر میں

کہہ کر یہ سخن بیٹھ گئے سیدہ خوش خو ۲۹ اور سورۃ الحمد پڑھا حتام کے بازو
بیمار نے پانی گل زہرا کی جو خوش بو آنکھوں کو تو کھولا پر ٹپکنے لگے آنسو

ماں سے کہا مجھ میں جو حواس آئے ہیں اماں

کیا میرے میسما مرے پاس آئے ہیں اماں

ماں نے کہا ہاں ہاں وہی آئے ہیں میری جاں ۲۰ جو کہنا ہو کہ لو کہ یہاں اور ہے سا ماں
دیکھو تو اور مرو تے ہیں بی بی شہ زئی شاں صغرا نے کہا ان کی محبت کے میں قرباں
وہ کون سا سا ماں ہے جو یوں روتے ہیں بابا

کھل کر کہو مجھ سے کہ جدا ہوتے ہیں بابا
یہ گھر کا سب اسباب گیا کس لیے باہر ۲۱ نہ فرس، نہ ہے مسند فرزند یمبر
دالاں سے کیا ہو گیا گہوارہ افسر اجڑا ہوا لوگوں نظر آتا ہے مجھے گھر
کچھ منہ سے تو بولو مراد مچھتا ہے اماں
کیا سبط یمبر سے وطن چھٹتا ہے اماں

شعبہ کامنہ بخنے لگی بانوئے مغموم ۲۲ صغرا کے لیے رونے لگیں زینب و کشتوم
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سید مظلوم پردہ رہا اب کیا تمہیں خود ہو گیا معلوم
تم چھٹی ہو اس واسطے سب روتے ہیں صغرا
ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہیں صغرا

اب شہر میں اک دم ہے ٹھہرنا مجھے دشوار ۲۳ میں پایہ رکاب، اور ہو تم صاحب آزار
پھر آتا ہے وہ گھر میں، سفر میں جو ہو بیمار تکلیف تمہیں دوں یہ مناسب نہیں زہار
غربت میں بشر کے لیے سوطر کا ڈر ہے
میرا تو سفر رنج و مصیبت کا سفر ہے

لوں پلٹی چٹاک ہوتی ہے گرمی کے ہیں آیام ۲۴ جنگل میں نہ راحت، نہ کہیں راہ میں آرام
بستی میں کہیں صبح، تو جنگل میں کہیں شام دریا کہیں حائل، کہیں پانی کا نہیں نام
صحت میں گوارا ہے جو تکلیف گذر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مڑتا ہو تو مرجائے

صغرا نے کہا کھانے سے خود ہے مجھے انکار ۲۵ پانی جو کہیں راہ میں مانگوں تو گنہگار
کچھ بھوک کا شکوہ نہیں کرنے کی یہ بیمار تیری فقط آپ کا ہے شربت دیدار
مگر میں بھی راحت سے گذر جائے گی بابا
آئے گا سینہ تپ اتر جائے گی بابا

کیا تاب اگر منہ سے کہوں درد ہے سر میں ۳۶ اُف تک نہ کروں، بھڑکے اگر آگ جگر میں
بھولے سے بھی شب کو نہ کراہوں گی سفر میں قریاں گئی، چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر میں
ہو جانا خفا راہ میں گر روئے گی صغرا

یا نیند کب آتی ہے جو داں کھنکھائی صغرا
وہ بات نہ ہوگی، جو بے چین ہوں مادر ۳۷ ہر صبح میں پی لوں گی دوا آپ بنا کر
دن بھر مری گودی میں رہیں گے علی اصغر لوٹا ہی ہوں سکینہ کی، نہ سمجھو مجھے دختر
میں یہ نہیں سمجھتی کہ عساری میں بٹھا دو
بابا مجھے فتنہ کی سواری میں بٹھا دو

شہر بولے کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ ۳۸ میں کہ نہیں سکتا مجھے درپیش ہے جوراہ
کھل جائے گا یہ راز بھی، گو تم نہیں آگاہ ایسا بھی کوئی ہے جسے بیٹی کی نہ ہو چاہ
ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہوں صغرا
ہے مصلحت حق یہی جو کہتا ہوں صغرا

اے نود بھر آنکھوں پر لے کر تجھے چلتا ۳۹ تو مجھ سے بہ سستی، مراد دل تجھ سے بہتا
تپ ہے تجھے، اور غم سے جگر بے مرا جلتا یہ ضعف کہ دم تک نہیں سینے میں سلجھتا
جز بھر علاج اور کوئی ہو نہیں سکتا
دانتہ تمھیں ہاتھ سے میں کھو نہیں سکتا

منہ کھنے لگی ماں کا وہ بیمار بصر غم ۴۰ چتون سے عیاں تھا کہ چلیں آپ مجھے ہم
ماں کہتی تھی مختار ہیں، بی بی شہ عالم میرے تو کیلچے پہ چھری چلتی ہے اس دم
وہ درد ہے جس درد سے چارا نہیں صغرا

تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغرا
صغرا نے کہا کوئی کسی کا نہیں زہنار ۴۱ سب کی ہی مرضی ہے کہ مر جائے یہ بیمار
اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے، نہ وہ پیار اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ نہ اس کے ہیں غم غوار
بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
پچ ہے کوئی مردے سے محبت نہیں کرتا

ہمشیر کے عاشق ہیں سلامت رہیں اکبر ۳۲ اتنا نہ کہا مرگئی یا جیتی ہے خواہر
میں گھر میں تڑپتی ہوں وہ ہیں صبح سے باہر وہ کیا کر رہی برگشتہ ہے اپنا ہی قصد

پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے

نہ بھائیوں کو دھیان نہ بہنوں کو خبر ہے

کیا ان کو پڑی تھی جو وہ غم کھانے کو آتے ۳۳ میں کون جو صورت مجھے دکھلانے کو آتے
ہوتی جو فرض چھاتی سے لپٹانے کو آتے زلفیں جو الجھتی تو، سلجھوانے کو آتے

کل تک تو مرے حال پریشاں پر نظر تھی

تقدیر کے اس تیغ کی مجھ کو نہ خبر تھی

مانوس سکینہ سے ہیں عباسؑ دلادر ۳۴ میں کون ہوں جو میری خبر پوچھتے آکر
سر سبز رہے خلق میں نو بادۂ شہر شادی میں بلائیں مجھے یہ بھی نہیں باور

بے دو لہا بنے منہ کو چھاتے ہیں ابھی سے

میں جیتی ہوں اور آنکھ چراتے ہیں ابھی سے

کس سے کہوں اس درد کو میں بیکس و رنجور ۳۵ بہنیں بھی الگ مجھ سے ہیں ادبجانی بھی ہیں دور
اماں کا سخن یہ ہے کہ بیٹی میں ہوں مجبور ہمسرا ہی بیمار کسی کو نہیں منظور

دنیا سے سفر، رنج و مصیبت میں لکھا تھا

تہائی کا مزا میری قسمت میں لکھا تھا

سب یہ بیاں رفتہ رفتہ لکھیں سن کے یہ تقریر ۳۶ چھاتی سے لگا کر اسے کہنے لگے شہیر
لو مبر کرو، کوچ میں اب ہوتی ہے تاخیر منہ دیکھ کے چہرہ گئی وہ بیکس و دلگیر

نزدیک تھا دل چہرے کے پہلو نکل آئے

اچھا تو کہا منہ سے پہ آنسو نکل آئے

بالو کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ ۳۷ اکبر کو بلاؤ، علی اصغر کو بھی، لاؤ
آئے علی اکبر تو کہا شاہ نے آؤ روٹی ہے بہن تم سے گلے اس کو لگاؤ

چلتے ہوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو

لینے انھیں کب آؤ گے اقرار تو کر لو

پاس آن کے اکبر نے یہ کی پیار کی تقریر ۴۸ کیا مجھ سے خفا ہو گئیں صغرا مری تقصیر
چلانے لگی، چھاتی پہ منہ رکھ کے، وہ دلگیر محبوب برادر ترے قسربان یہ ہمیشہ

صدقے ترے سر پر سے آارے مجھے کوئی

بل کھائی بیڑی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

رخساروں پہ سبزے کے نکلنے کے میں صدقے ۴۹ تلوار لیے شان سے چلنے کے میں صدقے
افسوس سے ان ہاتھوں کھلنے کے میں صدقے کیوں ہوتے ہوا شک آنکھوں سے ڈھلنے کے میں صدقے

جلد آن کے بھینا کی خبر لیجیو بھائی

لے میرے کہیں بیاہ نہ کر لیجیو بھائی

لکھنا مجھے نسبت کا اگر ہو تمہیں سامان ۵۰ حقدار ہوں میں نیگ کی میرا بھی ہے دھیان
اور مرگئی پیچھے، تو رہے دل میں سب سامان لے آنا دولہن کو مری تربت پر میں قربان

خوشنود مری روح کو کر دیجیو بھائی

حق نیگ کا تم قبر پہ دھر دیجیو بھائی

پیارے مرے بھیا مرے مرد، علی اکبر ۵۱ چھپ جائیں گے آنکھوں سے یہ گیسو، علی اکبر
یاد آئے گی یہ جسم کی خوشبو، علی اکبر ڈھونڈھیں گی یہ آنکھیں تمہیں، ہر سو علی اکبر

دل سینے میں کیوں کرتا دہلا نہ رہے گا

جب چاند بچھے گا تو اجالا نہ رہے گا

کیا گذرے گی جب گھر سے چلے جاؤ گے بھائی ۵۲ کیسے مجھے ہر بات میں یاد آؤ گے بھائی
تشریف نہ دیا جائے کب لاؤ گے بھائی کی دیر تو جیتا نہ ہمیں پاؤ گے بھائی

کیا دم کا بھروسہ کہ چہرا رخ حسری ہیں

تم آج مہاسر ہو تو ہم کل سفری ہیں

اں مسج ہے کہ بیمار کا بہتر نہیں جانا ۵۳ صحت سے جو ہیں ان میں کہاں میرا ٹھکانا
بھیا جو اب آنا تو مری قبر پہ آنا ہم گود کی منزل کی طرف ہوں گے روانا

کیا لطف کسی کو نہیں گر چاہ ہماری

وہ راہ تمہاری ہے تو یہ راہ ہماری

مرنا تو مقدم ہے، غم اس کا نہیں زہار ۵۳ دھڑکا ہے کہ جب ہوں گے عیاں ہو گئے آہار
 قبل کی طرف، کون کرے گار بخ بیمار یسین بھی پڑھنے کو نہ ہو گا کوئی غم خوار
 سانس اکھڑے گی جس وقت تو فریاد کروں گی
 میں ہچکیاں لے لے کے تمہیں یاد کروں گی

ماں بولی یہ کیا کہتی ہے صغراترے قربان ۵۵ گھبرا کے ناب تن سے نکل جائے مری جان
 بیکس مری بھی، ترا اللہ عجیبان صحت ہو تجھے میری دعا ہے۔ ہی ہر آن
 کیا بجائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں بیٹا
 کفنے کے لیے جان کو کھوٹے نہیں بیٹا

میں صدقے گئی بس نہ کرو گرے وزاری ۵۶ اصغر مرادوتا ہے صداسن کے تمھاری
 وہ کانپتے ہاتھوں کو اٹھا کر یہ پکاری آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری
 چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے حم
 اصغر مری آواز کو پہچان گئے حم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہیں سکتی ۵۷ تب ہے تمہیں چھاتی سے میں اپنا نہیں سکتی
 جودل میں ہے لب پر وہ سخن لا نہیں سکتی رکھ لوں تمہیں اماں کو بھی سمجھا نہیں سکتی
 بیکس ہوں مرا کوئی مددگار نہیں ہے
 تم ہو سو تمہیں طاقت گفتار نہیں ہے

معصوم نے جس دم یہ سنی درد کی گفتار ۵۸ صغرا کی طرف ہاتھوں کو لٹکا دیا اک بار
 لے لے کے بلائیں یہ لگی کھنے وہ بیمار جبک جبک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار
 دنیا سے کوئی دلی میں گذر جائے گی صغرا
 تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مرجائے گی صغرا

جاس نے اتنے میں یہ ڈیوڑھی سے پکارا ۵۹ چلتے کو ہے اب قافلہ تیار ہمارا
 لپٹا کے گلے فاطمہ صغرا کو دوبارا اگلے شہ دیں، گھر تم و بالا ہوا سارا
 جس چشم کو دیکھا سو وہ پُر غم نظر آئی
 اک مجلس ماتم تھی، کہ برہم نظر آئی

بیت الشرف خاص سے نکلے شہ ابرار ۶۰ روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے حریت اطلہار
فسر آشوں کو عباس پکارے یہ بہ نیکرار
پاہر حرم آتے ہیں، رسول دوسرا کے
شفق کوئی جھک جائے نہ جمونے سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹے پہ چڑھا ہودہ اتر جائے ۶۱ آتا ہوا دھر جودہ، اسی جا پہ ٹھہر جائے
ناتے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گزر جائے دیتے رہو آواز جہاں تک کہ نظر جائے
مرہم سے سوا حق نے شرف ان کو دیے ہیں
افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

عباس علی سے علی اکبر نے کہا تب ۶۲ ہیں قافلہ سالار حرم حضرت زینب
پہلے وہ ہوں اسوار تو محل میں چڑھیں سب حضرت نے کہا ہاں یہی میرا بھی ہے مطلب
گھر میں مرے زہرا کی بسگ بنت علی ہے
میں جانتا ہوں ماں مرے ہمراہ چلی ہے

ہمچی جو ہیں ناتے کے قسریں دختر حیدر ۶۳ خود ہاتھ پکڑنے کو بڑے سب بڑا پیر
فترت تو سنبھالے ہوئے تھی گوشہ چادر تھے پردہ تحمل کو اٹھائے علی اکبر
فرزند گریستہ چپ در اس کھڑے تھے
نعلین اٹھا لینے کو عباس کھڑے تھے

اک دن تو مہیا تھا، یہ سامان سواری ۶۴ اک روز تھا وہ، گرد تھے نیزے لیے ناری
محل تھا، نہ ہودج، نہ کجاہ، نہ عماری بے پردہ تھی وہ حیدر کھرا کی پیاری
نخنہ کئی بچوں کے گلے ساتھ بندھے تھے
تھے بال کھلے چہروں پہ اور ہاتھ بندھے تھے

زینت دو محل جو ہوئی دختہ زہرا ۶۵ ناقوں پہ چڑھے سب حرم سید والا
آنے لگے رہوار، کھلا گرد کا پردا عباس سے بولے یہ شہ شرب و بطحا
حدم ہے پھرنے کا مرے روج نبی پر
رخصت کو چلو قبر رسول مصر بنی پر

ہے قبر ۱۱ کی مقدم مجھے جہا ۳۹ کیا جانے پھر ہو کہ دہو شہر میں آنا
اماں کی ہے غربت پر ابھی انگ جہا ۱۲ اس مرتبہ انور کو ہے آنکھوں سے لانا
آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملتا ہے ابھی قبر حسن سے

پیدل شہر دیں روئے اکٹھا کو مدعا ۶۰ تربت سے صدا آئی کہ آ مرے پیارے
تعویذ سے شہر لپٹ کر یہ پکارے ملتا نہیں آرام نوا سے کو تمہارے
خط کیا ہیں اجل کا یہ پیام آیا ہے ۱۰
آج آخری رخصت کو سلام آیا ہے نانا

خادم کو کہیں امن کی اب جا نہیں ملتی ۶۸ راحت کوئی ساعت مرے مولا نہیں ملتی
دکھ کوئی سا اور کون سی ایذا نہیں ملتی ہیں آپ جہاں، راہ وہ اصلا نہیں ملتی
پابند مصیبت ہوں گرفتار بلا ہوں
خود پاؤں سے اپنے طرف قبر چلا ہوں

میں اک تن تنہا ہوں ستم گار ہزاروں ۶۹ اک جان ہے اور دہ پئے آزاد ہزاروں
اک بھول سے رکھتے ہیں نقش غار ہزاروں اک سر ہے فقط ادھر سیر ہزاروں
واں جمع کئی شہر کے خوں ریز ہوئے ہیں
خجر مری گردن کے لیے تیز ہوئے ہیں

فرمایا اب جائے کدھر آپ کا شہر ۷۰ یاں قید کی ہے فکر اُدھر قتل کی تدبیر
تیغیں ہیں کہیں میرے لیے اور کہیں زنجیر خوں ریزی کو کعبہ ملک آپہنچے ہیں بے پیر
بچ جاؤں، جو پاس اپنے بلا لیجیے نانا
تربت میں نوا سے کو چھپا لیجیے نانا

یہ کہ کے ملا قبر سے شہر نے جو بیخ پاک ۷۱ لپٹے لگا مدے سے مزار شہر لولاک
جنش جو ہوئی قبر کو تھرا گئے افلاک کاہی جو زمیں صحن مقدس میں اڑی خاک
اس شور میں آئی یہ صدا روئے جد سے
تم آگے جلو ہم بھی مچلتے ہیں لمحہ سے

ہاتوں نے تری دل کو مرے کر دیا مجروح ۱۶ تو شہر سے جاتا ہے شہتی ہے مری روح
بلے تیغ کیا، غنجرِ خم نے ترے مزاج ۱۷ ہے کشتیِ امت پہ تباہی، کہ چلا نوح

افلاکِ امامت کا سچے بدر نہ سکھ

بلے قدر ہیں ظالم کہ تری قدر نہ سکھ

مارا گیا جس روز سے شبِ بزمِ مراپیارا ۱۸ اس روز سے ٹھوٹے ہے کلیجہِ مراسارا

اب قتل میں ہوتا ہوں ترے ساتھ دوبارا ۱۹ امت نے کیا پاس ادب خوب ہمارا

زہرا کی جو بستی کو احباڑیں تو عجب کیا

احدائے تربت سے اکھاڑیں تو عجب کیا

اس ذکر پہ رویا کیے شبِ ہر سو کو جھکائے ۲۰ واں سے جو اٹھے فاطمہ کی قبر پہ آئے

پائین لحدِ گر کے بہت اشک بہائے ۲۱ آواز یہ آئی کہ میں صدقے مرے جائے

ہے شور ترے کوچ کا جس دن سے وطن میں

پیارے میں اسی دن سے تڑپتی ہوں کفن میں

حزبت میں جو کی میں نے بہت گریہ و زاری ۲۲ گہرا کے مٹی آئے بغض سے کئی باری

کچھ تھے کہ اے احمدؑ محنتِ راکِ پیاری ۲۳ خم پاس ہو تربت ہے بہت دور ہماری

گھر لٹتا ہے کیوں کر ہمیں چین آئے گا زہراؑ

کیا ہم سے نہ رخصت کو حسینؑ آئے گا زہراؑ

میں نے جو کہا قبر سے کیوں نکلے ہو باہر ۲۴ نہ سر پہ عام ہے نہ ہے دوش پہ چادر

فرمایا کہ احمؑ میں ہوں لے بنتِ پیمبر ۲۵ مرنے کو پسر جاتا ہے برباد ہوا گھر

نرسیں گے وہ پانی کو جوازوں کے پلے ہیں

تلواریں ہیں اب اور مرے بچوں کے گلے ہیں

پھر تاجِ مری آنکھوں میں شہیرِ شہ قاتل ۲۶ وہ غمِ فرات اور کئی کو سس کا جھل

وہ بجلیاں تلواروں کی اور شام کا بادل ۲۷ دیا سے وہ پاسوں کے شادی نے کی ہلچل

شہیر کے سر پر سے یہ آفت نہ ٹلے گی

دوسری کو محرم کی چھری مجھ پہ چلے گی

سن کر یہ بیاں باپ کا مادر کی زبانی ۷۸ رو رو کے پکارا اسد اللہ کا جانی
 ہاں والدہ سچ ہے دے ملے گا مجھے پانی پیاسے ہیں مرے خون کے یہ ظلم کے بانی
 بچپن میں کیا تھا، مرا ماتم شہد دیں نے
 نانا کو خبر دی تھی مری روح امیں نے

پہلو میں جو تھی فاطمہ کے تربت شہپر ۷۹ اس قبر سے پلٹے بہ محبت شہد صفد
 چلائے کہ شبیر کی رخصت ہے برادر حضرت کو تو پہلو ہوا اماں کا میسر
 قبریں بھی جدا ہیں تہ افلاک ہماری
 دیکھیں ہمیں لے جائے کہاں خاک ہماری

یہ کہ کے چلے قبر حسن سے شہد مظلوم ۸۰ رہوار جو مانگا تو سواری کی ہوئی دھوم
 یارانِ وطن گرد تھے افسردہ و مغموم چلاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم
 خالی ہوا گھر آج رسولِ مسرہی کا
 تابوت اسی دھوم سے نکلا تھا نبی کا

جب اٹھ گئی تھیں خلق سے مخدومہ عالم ۸۱ سر پہ بیٹھے تھے لوگ اسی طرح سے باہم
 برپا تھا جنازے پہ غم کے یونہیں ماتم تھا رحلتِ شہپر میں محبتوں کا یہی غم
 بس آج سے بے وارث و والی ہے مدینہ
 اب پنجتنِ پاک سے خالی ہے مدینہ

چلائی تھیں راہ میں کہ چسلی شہ کی سواری ۸۲ لے گا خراب کون مصیبت میں ہماری
 آنکھوں سے یتیموں کی دراشتک تھا جاری مضطر تھے اپا بچ ضعفا کرتے تھے زاری
 کہتے تھے گدا، ہم کو غسنی کون کرے گا
 محتاجوں کی فاقہ شکنی کون کرے گا

تھا، ناکے ملک شہر کے اک شور قیامت ۸۳ سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حفرت
 رو رو کے وہ کہتا تھا جسے کرتے تھے خست پائیں گے کہاں ہم یہ غنیمت ہے زیارت
 آخر تو پھر کر کف افسوس ملیں گے
 دس بیس قدم اور بھی ہمسرا چلیں گے

قیس انھیں دے دے کے کہا شہر نے کہاؤ ۷۵
 اللہ کو سونپا تمھیں آنسو نہ بہاؤ
 پھرنے کے نہیں، ہم سے بس باب اچھا اٹھاؤ
 اس بیکس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
 یارو مری صفرا کی خبر پوچھتے رہنا

روتے ہوئے وہ لوگ پھرے شاہ سدا سے ۸۵
 جو صاحب قسمت تھے وہ ہمراہ سدا سے
 کس شوق سے مردانِ حق آگاہ سدا سے
 بابہ طرف خدائے اللہ سدا سے
 اترے نہ مسافر کسی مخلوق کے گھر میں
 عاشق کو کشش نے گئی معشوق کے گھر میں

روشن ہوئی کعبہ کی زمیں نورِ خدا سے ۸۶
 مکہ نے شرف اور بھی پایا شرفا سے
 جگ جگ کے طے، سبیلِ سیمبر خرابا سے
 آباد ہوا شہر، غاروں کی صدا سے
 خوش ہو کے ہوا خواہ یہ کہتے تھے علیؑ کے
 سب باب کی خویا ہے نوا سے میں نبیؐ کے

کعبے میں بھی اک دن نہ ملا شاہ کو آرام ۸۷
 کونے سے چلے آتے تھے منے سحر و شام
 اعلانے گذرنے نہ دیے، حج کے بھی ایام
 کھولا پسرِ فاطمہؑ نے باندہ کے احرام
 عازمِ طرفِ راہِ الہی ہوئے حضرت
 تھی ہشتم ذی الحجہ کراہی ہوئے حضرت

جاتے تھے دل افسردہ و غمگین شہرِ ابرار ۸۸
 ہر گام پہ ہوتے تھے عیاں موت کے آثار
 قبریں نظر آتیں کسی صحرا میں جو دو چار
 فراتے تھے شہرِ فاطمہؑ وایا ادلی الابصار
 جز خاک نہ ہوئے گمان بھی بدلوں کا

انجام یہ ہے ہم سے غریب الوطنوں کا
 اجاب کہیں، گھر ہے کہیں، آپ کہیں ہیں ۸۹
 آگے تو زمیں پر تھے پر اب زیرِ زمیں ہیں
 خالی ہیں مکاں آپ درِ خاک کیں ہیں
 جو دور نہ رہتے تھے وہ اب پاس نہیں ہیں
 حسرت یہ رہی ہوگی کہ پہنچے نہ وطن میں
 کیا منہ کو پیٹے ہوئے سوئے ہیں کفن میں

بائیں تھیں ہی یاس کی اور مدد کی قسم ۹۰ منزل پہ بھی آرام سے سوتے تھے نہ شبیر
شب کو کہیں اترے تو سحر کو ہوئے رہگیر جلدی تھی کہ ہو جائے شہادت میں نہ تاخیر

مقتل کا یہ تھا شوق شہ جن و بطور کو
جس طرح سے ڈھونڈے کوئی معشوق کے گھر کو

لٹا تھا کوئی مرد مسافر جو سر راہ ۹۱ یوں پوچھتے تھے اس سے بہ حسرت شہ نہ بجاہ
ایسا کوئی صحرابی ہے اے بندۂ اللہ اک نہر سوا جس میں ہو چشمہ نہ کوئی چاہ
کیا لٹا ہے اس دشت میں اور کیا نہیں ملتا
ہم ڈھونڈتے پھرتے ہیں، وہ صحرا نہیں ملتا

وہ عرض یہ کرتا تھا کہ سبھا شہ لولاک ۹۲ ہے سخت پر اندوہ، وہ صحرائے افلاک
ہنستا ہوا داں جلتے تو ہو جاتا ہے غناک سنتا ہوں وہاں دن کو اڑا آجے کوئی خاک
واں راتوں کو آتی ہے صدا سینہ زنی کی
درویش کی ممکن ہے سکونت نہ غنی کی

چلاتی ہے عورت کوئی ہے ہرے فرزند ۹۳ اس دشت میں ہو جائے گا تو خاک کا پیوند
تلواروں سے چھپے یہیں ہوں گے ترے دلہند پانی یہیں ہو جائے گا بچوں پہ ترے بند
پیارے تو اسی خاک پہ گھوڑے سے گرے گا
ہے ہے یہیں خیر تری گردن پہ پھرے گا

اک شیر ترائی میں یہ چلاتا ہے دن رات ۹۴ گٹ جائیں گے یاں ہاتھ مرے لال کے سر ہات
کیا حال کہوں نہر کا، اے شاہ خوش اوقات پانی تو نہیں شور، پہ مٹھو رہے یہ بات

طائر بھی دم تشنہ دانی نہیں پیتے
وحشی کبھی داں آن کے پانی نہیں پیتے

اس جاہ اترتا ہے نہ دم لیتا ہے رہ گیر ۹۵ ہے شود کہ اس آب میں ہے انگ کی تاثیر
پیا سوں کے لیے اس کی ہلک موج ہے شبیر اس طرح ہوا چلتی ہے جس طرح چلیں تیر
بھتی نہیں داں پیاس کسی تشنہ گلو کی
ہو آتی ہے اس نہر کے پانی میں ہو کی

اس شخص سے یہ کہہ کے چلے قہر عالم ۹۶ اللہ نے چاہا تو بسائیں گے اسے ہم
ماشوق پہ بلا بعد بلا آتی ہے ہر دم غم اور بڑھا، وصل کا مہر صبر و ہر دم

آفت یہ نئی فوج شہنشاہ میں آئی

مسلم کی شہادت کی خبر راہ میں آئی

غربت میں نہ ماتم کی سنائے خبر اللہ ۹۷ طاری ہوا حضرت پر عجب صدمہ جانشاہ
گوندے ہوئے سر کھول کے بیٹے حرم شاہ فرماتے تھے شہ سب کو ہے دریش یہی راہ
ہو گا وہی اللہ کو جو مد نظر ہے

آج ان کا ہوا کوچ، کل اپنا بھی سفر ہے

فاریک کے لیے زوجہ مسلم کا تھایہ حال ۹۸ محل سے گری پڑتی تھی بھرائے ہوئے بال
روتے تھے بہن کے لیے عباس خوش اقبال وہ کہتی تھی ساتھ آئے تھے چھوٹے مرگدال

پوچھو تو کہ مردہ مرے پیارے گئے دونو

فرماتے تھے شبیر کہ مارے گئے دونو

محل تھے سب اس بی بی کے ہودج کے برابر ۹۹ تھا شور کہ بیوہ ہوئی شبیر کی خواہر
کعبہ رگنی تھی مسلم مظلوم کی دختر ہر بار یہی پوچھتی تھی ماں سے لپٹ کر

کیوں بیٹھتی ہو کون جدا ہو گیا اماں

غربت میں مرے باپ پر کیا ہو گیا اماں

اس دن سے تو اک ابرستم فوج پہ چھایا ۱۰۰ کھانا کتنی دن قافلہ والوں نے نہ کھایا
رستے میں ابھی تھا اسد اللہ کا جیسا جو چاند محترم کا فلک پر نظر آیا

سب نے مہ نواز کبر شبیر میں دیکھا

منہ شاہ نے آئینہ شمشیر میں دیکھا

حویث و رفقا چاند کی تسلیم کو آئے ۱۰۱ مجھے کو بھکے اور سخن لب پہ یہ لائے
یہ چاند مبارک ہو میرا اللہ کے جلئے کفار پہ توفیق، اسی چاند میں پائے

رجہ مہ و غود شید سے بالا رہے تیسرا

ناخوش زمانے میں اجلا رہے تیسرا

حضرت نے دعا پڑھ کے یہ کہی سے حجابات ۱۰۲ کر رم گنہگاروں پر اسے قاضی حاجات
سروینے کا شائق ہوں عالم ہے قری ذات خنجر مری آنکھوں میں بکھرتا چلن رات
باقی ہیں جو راتیں وہ عبادت میں بسر ہوں

یہ زیست کے دس دن قری ملک میں بسر ہوں
پہنچا دے مجھے جلدی بس لے غائق افلاک ۱۰۳ اس خاک پر جس خاک سے ملتی ہے مری خاک
طالب ہے ترے قرب کا سبب شہرہ لولاک ملک کی خواہش ہے نہ در کا ہے املاک

بیتاب ہے دل صبر کا یارا نہیں مجھ کو
اب فصل بجز وصل گوارا نہیں مجھ کو
اتنے میں یہ فتنہ ملی اکبر کو پکاری ۱۰۴ نو دیکھ چکی چاند یاد اللہ کی پیاری
عادت ہے کہ وہ دیکھتی ہیں شکل تمھاری آنکھوں کو کیے بند یہ فرماتی ہیں واری

آئے تو رخ اکبر ذی قدر کو دیکھوں
شکل میرے نو دیکھ چکی بدر کو دیکھوں
شہر داخل خیمہ ہوئے فرزند کے ہمراہ ۱۰۵ منہ دیکھ کے یوں کہنے لگی بنت یاد اللہ
یہ چاند ہے کس طرح کا اسے غافل کے ماہ فرمانے لگی رد کے بہن سے شہ ذی جاہ

سرتن سے مرا اس مہ پر غم میں کٹے گا
زینب یہ مہینہ تمھیں ماتم میں کٹے گا
یہ آل نبی کی ہے مصیبت کا مہینا ۱۰۶ یہ ظلم کا عشرہ ہے یہ آفت کا مہینا
پہنچا ہے فریبوں کی شہادت کا مہینا آخر ہے بس اب عمر کی مدت کا مہینا
یہ بار امامت مری گردن سے اتر جائے
ہو خاتمہ بالغیر جو سرتن سے اتر جائے

گردوں پر مہ نوجو غما ہاں ہے یہ ہمشیر ۱۰۷ چڑھتی ہے سر کے لیے چرخ پر ہمشیر
اس چاند میں کٹ جائے گاسب شکر شیر نیزہ کوئی کھائے گا کنبہ پہ، کوئی تیر
برجی کسی جانباز کے پہلو میں لگے گی
شمیر کسی شیر کے پہلو میں لگے گی

خیمے کو جلا دیں گے کھڑے کار و زیور ۱۰۸ اس ماہ میں ہوں گے نہ پدر اور نہ برادر
ماؤں سے پسر چھوٹیں گے بہنوں سے برادر بیوہ کئی سیدانیاں ہوں گی مقدر

گھر لگیں گے ستکار جو رووے گی سکینہ

اس ماہ میں بے باپ کی ہووے گی سکینہ

دولہا کوئی باپوں کے تلے ہوئے گا پامال ۱۰۹ پیٹے گی کوئی ستازہ دھن کھولے ہوئے بال
تیروں سے کسی ماں کا جگر ہوئے گا غریب نکلے گی کوئی کہتی ہوئی ہاے مرا لال

معصوموں کے سونے کی جگہ پائیں گی خالی

بچوں سے بھری گودیاں ہو جائیں گی خالی

اس عشرہ اول میں نہ ہوں گے بہن ہم ۱۱۰ تاریخ سفر ہے دہسم ماہ محترم
عشرہ یہ وہ عشرہ ہے کہ اسے زینب پُر غم جس لال کی عاشق ہو وہ ہو جائے گلہ دم

دیکھو گی نہ پھر منہ علی اکبر سے پسر کا

اب شام میں ہوئے گا تمہیں چاند صفر کا

رونے کے لیے حق نے بنائے ہیں یہ دس دن ۱۱۱ ان روزوں خوشی ہو یہ کسی کو نہیں ممکن
لیوں گے مرا قصہ یہ ہر شہر کے بہاکن اکبر کو جواں روئیں گے معصوموں کو گم سن

بھولیں ہمیں ایسے نہیں غم خوار ہمارے

ہوئیں گے سیہ پوش عزادار ہمارے

غش ہو گئی سن کر یہ بیاں زینب پُر غم ۱۱۲ غیمے میں اسی رات سے برہا ہوا ماتم
بیدار رہیں صبح تلک بیبیاں باہم خیموں کو اکھڑا کے چلے قبلہ عالم

آخر وہی صحرا، وہی جنگل نظر آیا

نئی دوسری تاریخ کہ قتل نظر آیا

اترے اسی میدان بلا خیز میں سرور ۱۱۳ استاد ہوئے، خیر، ناموس پیہر
صحرا کی طرف دیکھ کے خوش ہو گئے اکبر دیا پہ ٹہلنے لگے جتاسی دلاور

شہر ہولے ہوا نہر کی بھائی تمہیں بھائی

ہاں شیر ہو دیا کی ترائی تمہیں بھائی

خلعے کو بس اب روک انیس جگہ افکار ۱۱۳ خالق سے دما مانگ کہ اسے ایلا در غفار
 زندہ رہیں دنیا میں شہ دیں کے عوادار غیر از غم شہ، ان کو نہ غم ہو کوئی دہسار
 آنکھوں سے مزار شہ و گیسر کو دیکھیں
 اس سال میں بس روزہ مشیر کو دیکھیں

مرثیہ (۴)

پہلے نبی سے منزل مقصد قریب ہے ۱ آرام گاہِ جانِ محمد قریب ہے
 مولد تو دور رہ گیا مشہد قریب ہے جس جا لحد بنے گی وہ سرحد قریب ہے
 جاتے ہیں آپ خلق کی مشکل کشائی کو
 آئی ہے کربلا سے اجل پیشوائی کو
 ہے شہرِ آمد آمد شاہِ فلک سرور ۲ فوجوں کی ہر طرف سے چلی آتی ہے بہر
 دعوت کے واسطے ہیں سنا میں لیے شہر حضرت کی پیشکش کو، کما نہیں ہیں اور تیر
 پانی پر چوکیاں ستم آرا بٹھاتے ہیں
 دریا کے ٹکٹا، برچھیوں روکے جاتے ہیں
 شتے گئے ہیں شام کے حاکم کے جا بجا ۳ ہر پر گئے سے ہے طلبِ شکر جفا
 آکر اترتی جاتی ہیں، فوجیں جدا جدا لیتا ہے جائزہ عمرِ سعد بے حیا
 غل ہے کریں گے قتل جو زہرا کے ماہ کو
 انعام میں ملے گا دو ماہہ سپاہ کو
 تیغیں سلاحِ خانہ سے نکلی ہیں بے شمار ۴ ہے جا بجا دستی اسبابِ کارزار
 ہوتے ہیں یس، تیروں کے دستے کئی ہزار خنجر پونے ہیں ذبح کو، پیاسوں کے آبدار
 نوکیں نکالی جاتی ہیں تیروں کی سان پر
 پھل برچھیوں پر چڑھتے ہیں پر تم نشان پر
 وہ سالکِ طریقِ ہدایت ہے، شاد شاد ۵ ہے آرزو کہ جلد ملے گو صبرِ مراد
 بہتے ہیں اشک، جوش ہے بحرِ اتحاد لب پر اسی کا ذکر ہے مل جلایا کی یاد
 معشوق کے سوا، کوئی پیش نظر نہیں
 یہ شوق وصل ہے کہ کسی کی خبر نہیں

۶ وہ گرمیوں کے دن، وہ پہاڑوں کی راہ سخت پانی نہ منزلوں، نہ کہیں سائے درخت
ڈوبے ہوئے پسینوں میں ہوا قازیوں کی درخت سونگے ہیں رنگ جواہر نیک سخت

راکب جمائیں چاند سے چہروں پہ ڈالے ہیں

تونسے ہوئے سمند، زبانیں نکالے ہیں

چلتی ہے لوں، حرارتِ خورشید ہے دوچند ۷ مرجھا گئے ہیں غل ہوا میں ہے یہ گزند
جھیلوں میں ہیں دند، درختوں پہ ہیں پرند ہے دھوپ میں رسول کا نسر زند، اچند

غربت میں نیکی ہے شہ دیں پناہ پر

سایہ ہے آفتاب کا زہرا کے ماہ پر

۸ وہ دن ہیں جن دنوں نہیں کرتا کوئی سفر صحرا کے جانور بھی نہیں چھوڑتے ہیں مگر
رہج مسافرت میں ہیں سلطان، بحر دیر لب برگ گل سے خشک ہیں چہرہ مرق میں تر

آتی ہے خاک اڑ کے سین دیار سے

گیسوئے مشکبار اٹے ہیں غبار سے

۹ اہل حرم ہیں محل و ہودج میں بیقرار معصوم پانی مانگتے ہیں روکے بار بار
بانو پکارتی ہے کہ یا شاہ نامدار گرمی سے جاں بہ لب ہے مرا غفل شیر خوار

کیونکر یہ دکھ اٹھے چہ پہننے کی جان سے

گرمی ہے یا برستی ہے آگ آسمان سے

۱۰ چلاتی ہے سکینہ کہ اچھے مرے چچا محل میں گھٹ گئی، مجھے گودی میں لوفدا
بابا سے کہ دو اب کریں خیمہ کہیں بپا ٹھنڈی ہوا میں لے کے چلو تم پہ میں فدا

سایہ کسی جگہ ہے، نہ چشمہ نہ چاہ ہے

تم تو ہوا میں ہو مری حالت تباہ ہے

۱۱ جب طے ہوئی وہ منزل آفت قریب شام اس روز ثعلبیہ میں شہ کا ہوا مقام
اکبر نے آن کر کیا پرے کا اہتمام ناوقوں سے اترے آل نبی با صد احترام

ڈوبے ہوئے عرق میں سموں کے لباس تھے

دل زندہ گئے تھے، چاند سے چہرے اداس تھے

اترے رفیق خاص، قریب غیام شاہ ۱۲ کچھ فاصلے گرد، فرخ شہنشاہ
کلام سے حضرت خیر النساء کا ماہ کرسی پہ جلوہ گر ہوا، وہ عرش بارگاہ

ہر نخل غیرت شجر طور ہو گیا

صحر خدا کے نور سے معمور ہو گیا

اس دن بہت اُداس تھا، نہرا کا یادگار ۱۳ زردی تھی رخ پہ، کیسوؤں پر راہ کا غبار
صحر پہ گہ نظر تھی، گہے سوئے کوہ سار کہتے تھے دیکھ دیکھ کے گردوں کو بار بار

کس کو نہ بے وطن کیا، کس پر جفا نہ کی

اے دہر تو نے آہ کسی سے دفا نہ کی

یہ کہہ کے رو رہے تھے شہزادیں کہ ناگہاں ۱۴ ناتے پہ ایک شخص ہوا دور سے عیاں
عباس سے یہ کہنے لگے شاہ دو جہاں تم جا کے اس عرب کو بلاؤ بھائی جاں

تشویش ہے رسول خدا کے حبیب کو

کچھ پوچھنا ہے اس سے حسین غریب کو

جلدی چلے یہ سنتے ہی حکم شہرِ انام ۱۵ پاس اس کے جا کے اپنے کی سبقت کلام
ناقدِ طعنا کے کو دھڑا تب وہ نیک نام عباس نامور نے یہ اس سے کیا کلام

آیا ہے تو بدھڑے، اُدھر ہم بھی جاتے ہیں

اے شخص جلد چل تجھے آقا بٹاتے ہیں

دیکھا جو عرب و بدرِ شوکت و جلال ۱۶ دست ادب کو جوڑے اس نے کیا سوال
ہے کون شخص آپ کا آقاے خوش خصال عباس نے کہا کہ رسول خدا کا لال

نورِ نگاهِ فاتحِ بدر و حنین ہے

آقا کا میرے اسم مبارک حسین ہے

یرین کے اشک آنکھوں اُس شخص نے بجائے ۱۷ بھائی پہ اچھے مار کے بولا کہ ہائے ہائے
کیوں اس طرف کو سید و ملا وطن سے آئے آفت سے نور چشم علی کو خدا بچائے

سب اہل شر ہیں کو فیوں کو ان سے خیر ہے

پھر جائیں آپ جانبِ شرب تو خیر ہے

گھبرا گئے یہ سنتے ہی عباس با وفا ۱۸ فرمایا اے غریب ترے رونے کی وجہ کیا
مسلم نے بھی، یہ حال تو خط میں نہیں لکھا اُس نے کہا کہ اور ہے کچھ واں کا ماجرا

سب شہر پھر گیا ہے شہر خاص و عام سے
کہنا ہے جو کہوں گا مفصل امام سے

پہنچا وہ جب قریب شہنشاہ سرفراز ۱۹ تسلیم کر کے پاؤں پہ رکھا سہ نیاز
ہاتھ اس کا لے کے ہاتھ میں اٹھے شہر حجاز بولا کنارے جا کے وہ اُمت کا کار ساز

مگر نیک ہو سفر، تو وسیلہ ظفر کا ہے
آنا ہوا کہ مرے، ارادہ کہ مر کا ہے

کی عرض اس نے اسے پرستید البشر ۲۰ کوفے کے شہر شوم سے آتا ہوں میں دھر
فرمایا شہ نے ہے تجھے مسلم کی کچھ خبر رونے لگا وہ مرد مسافر جھکا کے سر

شہر بولے وجہ کیا جو ترا حال غیر ہے
جلدی بتا کہ میرے مسافر کی خیر ہے

گھبرا کے حال پوچھتے تھے شاہ نامدار ۲۱ مگر مگر کے وہ قدم پہ یہ کہتا تھا بار بار
پھر چلیے اب وطن کی طرف، بہر کردگار کوفے میں سب ہیں، عہد شکن اور ستم شعار

آلِ رسولِ پاک پہ کیا کیا جفا نہ کی
یہ ہیں وہی جنہوں نے علیؑ سے دفا نہ کی

ہاتھوں کو جوڑتا ہوں میں شاہانہ جائے ۲۲ بہر علیؑ و احمدؑ و زہراؑ نہ جائے
اُس جا دعا ہے سید والا نہ جائے آقاؑ نہ جائے مرے مولا نہ جائے

کیا دور ہے جو آ کے عدو سدا راہ ہوں
ایسا نہ ہو کہ آلِ محمدؐ تباہ ہوں

بچوں پہ رحم بھیجے یا شاہِ انس و جاں ۲۳ پہنچے نہ ان گلوں کو کہیں صدمہ خزاں
بچھڑے نہ اس ضعیفی میں اکبر سائو جوان رکھے خدا جہاں میں، ید اللہ کا نشان

پھولا پھولا رسولِ خدا کا چمن رہے
روشن سدا چراغِ مزارِ حسن رہے

یہ فکر ہے، جو آپ کو لکھے میں سب سے خط ۲۴ مطلب یہ ہے کہ یاں تلک آویں کسی خط
مضمون بھی سب غلط ہیں، بجز ابھی سب غلط یہ خط نہیں ہیں قتل کی تدبیر ہے فقط

حاکم کا مدعا ہے کہ ظلم و ستم کروں
گر جھوٹ ہو تو ہاتھوں کو اپنے قلم کروں

کوئی تمام مایہ جور و فساد ہیں ۲۵ مفسد ہیں، بدطریق ہیں، بد اعتقاد ہیں
تربت میں فاطمہ کے رولانے پر شاد ہیں تیغیں ادھر ہیں، دل سوئے ابن زیاد ہیں

بے ہمتوں نے کون سا وعدہ وفا کیا

کیوں کر کہوں کہ مسلم بے کس سے کیا کیا

پھر بولا سر کو پیٹ کے با صد غم و محن ۲۶ آقا ہوا شہید وہ مظلوم بے وطن
نیزے پہ سر ہے، جسم ہے بے گور و بے کفن اور اب تلک بندھی ہوئی ہے پاؤں میں سن

تربت نہیں نصیب تن پاش پاش کو

گلیوں میں لوگ کھینچتے پھرتے ہیں لاش کو

باقی جو تھا حضور کا غم خوار و خیر خواہ ۲۷ مسلم نے لی تھی گھر میں اسی دوست کے پناہ
کوٹے لگے پر منہ سے نکلی اس جبری نے آہ مسلم کے ساتھ وہ بھی ہوا قتل بے گناہ

سادق جو تھے وفا میں تو کامل تھے عشق میں

دونوں کے سر روانہ ہوئے ہیں دمشق میں

شرہ نے سنا عرب سے جو سارا یہ ماجرا ۲۸ فرمایا باز گشت ہے سب کی سوئے خدا
جو مسلم غریب پہ ہونا تھا، ہو چکا بانی ہے کچھ جو ظلم، وہ اب ہم پہ ہوئے گا

خواہ ان مرگ سبط رسالت مآب ہے

ان کا جہاں سے کو پچ، مرا پا تراب ہے

یہ بات کہنے رونے لگے شاہ نامدار ۲۹ واسلما کہا کئی باری بحال زار
فرماتے تھے کہ اے مرے یار غم گسار بھائی، حسین تیری فریبی پہ ہوتا نار

میں جاتا تھا اب مرے لینے کو آؤ گے

ابن کی خبر نہ تھی کہ ہمیں جھوڑ جاؤ گے

دوڑے ہوئے جب آئے تم اس شہر کے قریب ۳۰ ارے گئے وہاں کوئی جس جادو تھا عیب
پر دس میں لحد بھی نہ تم کو ہوئی نصیب کیسا سفر تھا ہائے مرے قاصدِ غریب

تکتے تھے مجھ کو یاس سے منہ پھر پھر کے
کونے میں لے گئی تھی اہلِ تم کو گھیر کے

کوئی بدی کہیں گے، یہ مجھ کو نہ سخی خبر ۳۱ شرمندہ ہے حسین، تمہیں پہلے بھیج کر
دریش ہے ہمیں بھی اسی طرح کا سفر اب ہم بھی آن پہنچے ہیں وہاں تم گئے جدم
رہتے بڑے ہیں کشتہ اول کے واسطے
سبقت تو ہے ضرور، ہر اول کے واسطے

اتنے میں روتے روتے جو کچھ آگیا نیاں ۳۲ مسلم کے دونوں بیٹوں کا پوچھا عربِ حال
اس نے کہا کہ کیا کہوں لے شاہِ خوش فصال حارث کے ہاتھ آگئے وہ دونوں لونہال

بے رحم نے یتیموں پر کیا کیا ستم کیے
بازو بندھے تھے دونوں کے جب ستر قلم کیے

آتا تھا شہر کو ذرے جس دم میں لوہ گر ۳۳ حاکم کے آگے جاتے تھے وہ چھوٹے چھوٹے سر
آنکھیں کھلیں تھیں چاند سے چہرے تھے فوں ہیں بخ پر پڑی تھکتی تھیں زلفیں ادا حر ادا
ہاتھوں سے آشکار، نشانِ سجود تھے
بے رحم کے ملہانوں سے، عارضِ کبود تھے

فریاد کر کے کہنے لگے سرد و عسرب ۳۴ خاموش رہ کہ صبر کی طاقت نہیں ہے اب
بندوں کا اختیار ہے کیا، جو روائے رب دونوں یتیم بھی نہ بچے اس کے، ہے غضب
معلوم تھا کہسے کہ تب ہی یہ آئے گی
ماں اُن کی جب سنے گی تو کیا خاک اڑائے گی

رو رو کے پوچھا کھن کی قبروں کا جب پتا ۳۵ وہ شخص دونوں ہاتھوں سے سر پٹنے لگا
کی عرض کچھ نہ پوچھے اے ابنِ مرتضیٰ تجہیز کیسی، قبر کجا اور کھن کجا

یوں دفنِ کم ہوا ہے کوئی کائنات میں
غندقیں لاشِ باپ کی، بیٹے فرات میں

یہ سن کے اٹھ کھڑے ہوئے حضرت جیشم نم ۳۶ کہنے لگا وہ مرد عرب چوم کر قدم
اب کس طرف کا قصد ہے اے سرورِ اُمم شہر نے کہا کہ جاؤ گے مقتل پہ اپنے ہم
منہ کو سنان و تنغ سے موڑا نہ جائے گا
مجھ سے خدا کی راہ کو چھوڑا نہ جائے گا

رخصت ہوا وہ مرد مسافر بعد فغاں ۳۷ نہوڑائے سر کو گھریں گئے شاہ دو جہاں
انکھوں اشک ریش مبارک پتھے رواں حضرت کو روتے دیکھ کے گہرائیں سیبیاں
صدے سے رنگ بانوئے بیکیں کافی ہوا
زغبت زبیں پہ اٹھ کے گری، یہ قسطنق ہوا

کشم کشم سر کو پیٹ کے آئی بہن کے پاس ۳۸ قاسم کی والدہ میں نہ مطلق سبے حواس
کتنی تھی منہ کو شہر کے سکینہ جیشم یاس سب سے زیادہ زود بہرِ مسلم کو تھا ہراس
خیمے سے صحن تک جو گئی جا بجا گری
چہرے سے رنگ اڑ گیا سر سے بردا گری

رونے سے شہر کے ہوش کسی کے نہ تھے بجا ۳۹ سینوں میں دل دھڑکتے تھے لرزاں دست پا
کہتی تھی رو کے زو جہم عباس بادفا باہر سے یاں انھیں تو بلائے کوئی ذرا
پوچھوں تو حال کیوں شہر والا کا غیر ہے
کیا ہو گیا وطن میں تو لوگوں کی خیر ہے

کبریٰ پکارتی تھی کہ صفر کی خیر ہو ۴۰ یارب مریض بیکیں و تنہا کی خیر ہو
مسلم کی بیٹی کہتی تھی بابا کی خیر ہو غربت میں قاصدِ شہر والا کی خیر ہو
ہے ہے وطن سے آن کے وہ لٹ گئے نہ ہوں
جانی مرے پدر سے کہیں چھٹ گئے نہ ہوں

کہتی کبھی سکینہ سے رو کر وہ بے قرار ۴۱ ہے دل میں شہر کے رب زیادہ تمہارا پیارا
وہ بجا تو ہوا چھو بہن، تم پہ میں نثار حضرت مجھی کو دیکھ کے روتے ہیں بار بار
پڑتا ہے دل میں شک مری چھاتی دھڑکتی ہے
وہ رہ کے غم کی آگ جگر میں بھڑکتی ہے

اتنے میں بڑو کے شاہ سے منقب نہ یہ کہا ۲۲ بھینا مجھے بتاؤ تو رونے کی وجہ کیا
فرمایا شاہ نے کہ بہن قہر ہو گیا بیٹوں سمیت قتل ہوا اب جہنم مرا

مسلم سے کو فیوں نے بڑی بے وفائی کی

گھاڑی نہ لاش بھی مرے غلوم بھائی کی

پیٹو کو راہ ہو گئی عتاس کی بہن ۲۳ رٹ سال اس کو دو کہ نہ اس کو ملا کفن

مارا گیا مرے لیے ہے وہ صف شکن اب ہم نہ پھر کے جائیں گے ہم سے جھٹا وطن

آپہنجی فصل فاطمہ کے خاک اڑانے کی

زینب یہ ابتدا ہے مرے اے جانے کی

سمجھو تم اس خبر کو مرے قتل کی خبر ۲۴ بانو بھی ساتھ زوجہ مسلم کے کھولے سر

پُرے کو لے زوجہ عباس نامور بیکس متادہ شریک عزا ہو تمام گھر

رٹ سالہ بیبیاں اُسے جس دم پنہائیں گی

اماں بھل کے قبر سے پُرے کو آئیں گی

کہہ دو سکینہ دختر مسلم کے پاس جائے ۲۵ چھائی کو جب وہ پیٹے تو یہ سرہ خاک اڑائے

کبریٰ برابر اس کے زین پر چھاڑیں کھائے باپ اس کا مر گیا ہے گلے سے اسے لگائے

ہم بھی خدا کی راہ میں اب قتل ہوئیں گے

اک دن اسی طرح ہمیں سب لکے دیں گے

یمن کے چھاتیوں کو گلے پیٹنے حرم ۲۶ چٹائی رو کے زوجہ مسلم کہ ہے ستم

مارا گیا سفر میں غلام شہ اُمم فریاد ہے کہ رانہ ہوئی میں اسیر غم

صدے اجل کے تین دموں پر گزر گئے

وارث بھی مر گیا مرے بچے بھی مر گئے

غل یمن کے آئے خیر میں عباس نامو ۲۷ دیکھا بہن تڑپتی ہے سرنگے خاک پر

دل غم سے ٹکڑے ہو گیا، رٹے جھکا کے سر بولے قریب آ کے خدا پر کرو نظر

سمجھیں گے اُن سے قاتل مسلم نظر میں ہیں

پیٹو نہ سر، کہ سید والا سفر میں ہیں

دائستہ جس کے دم سے ہواؤں کا بے خیال ۴۸ لازم نہیں تھیں کہ بھرے گھر میں کھولو ہاں
ہم سب غلام ہیں گھر میں دیکھو تو ان کا حال مانگو دعا جہاں میں رہے فاطمہ کا لال
لازم ہے تم کو میر کہ دنیا میں نام ہو
اس کا رہے شرف کہ نثار امام ہو

مسلم ہوئے ہر اولیٰ فوج شہ ۴۹ دنیا میں تاقیام قیامت، سچا نام
کیا نیک کو حق تھا کہ ہوا خلد میں مقام مخدومہ جہاں انھیں دوسری صبح دشام
ماں سے سوا شفیق ہیں اور حق شناس ہیں
پتے تمہارے فاطمہ زہرا کے پاس ہیں

شوہر تمہارا صاحب عزت تھلائے بہن ۵۰ حلقے ملتے بہشت میں پایا نہ مگر کفن
زخموں کے بدلے ہاتھ لگا خلد کا چین ہم سایہ رسول ملا گو چٹا وطن
راضی علیؑ ہوں، شاد خدا کا حبیب ہو
مانگو دعا کہ ہم کو یہ دولت نصیب ہو

مسلم کاخوں جو راہ خدا میں ہوا بشیل ۵۱ پہنچا کنار کوثر و تسنیم و سلسبیل
تائید ذوالجلال سے رہے ہوا، جلیل عاقل کمال تھا پسر حضرت عقیل
سمجھو نہ یہ سفر کی تباہی میں مر گیا
زندہ ہے وہ جو راہ الہی میں مر گیا

سمجھاتے تھے بہن کو یہ عبت اس نامور ۵۲ روتے تھے سر جھکائے ہوئے شاہِ عروبر
مسلم کو یاد کر کے حرم پیٹتے تھے سر بیٹی پکارتی تھی کہ ہے ہے مرے پر
تم بن ہماری زیست کی صورت ہو گئی
بیٹوں کو ساتھ لے گئے بیٹی بچھڑ گئی

شوہر بکا ذرا نہ ہوا کم تمام رات ۵۳ سوزا نہ کوئی غم میں کہ تم تمام رات
تڑپا کیے امام دو عالم تمام رات گھر میں دہا حسین کے ماتم تمام رات
بس اے امیں اب نہیں لکھنے کی تاب ہے
اس آتشِ الم سے کلیجہ کباب ہے

مرثیہ (۵)

جب کربلا میں داخلہ شاہ دیں ہوا ۱ دشت بلا نمونہ خلد بریں ہوا
سر جھک گیا فلک کا یہ آوج زمیں ہوا خورشید مجوسن حسین حسین ہوا
پایا فردغ نیز دس کے ظہور سے
جنگل کو چاند لگ گئے چہرے کے نور سے

زیرا کے اختروں سے زمیں آسمان ہوئی ۲ غازی جہاں چلے وہ زمیں کبکشاں ہوئی
سب ارض پاک غیرت باغ جناں ہوئی ایسا کمیں ملا کہ رفیع المکان ہوئی
دامن جو پاک صاف تھا دشت مصاف کا
احرام باندھا کیسے نے اس کے طواف کا

باتق نے دی صدا کہ زہے شان کربلا ۳ مختار کائنات ہے مہمان کربلا
پھولوں سے آج بھر گیا دامن کربلا بس اب نواں بہشت ہے بتان کربلا
خورشید دیں کے فیض سے کیا کیا شرف لے
روشن ہے جس سے عرش وہ درجہ لے

یہ دشت ہوناک کہاں، یہ چمن کہاں ۴ جنگل کہاں، بتول کے گل پیر جن کہاں
کنبدہ کہاں نبی کا، یہ دارِ محن کہاں قبریں کہاں شکستہ دلوں کی، وطن کہاں
آئے ہیں ڈھونڈتے ہوئے اس ارض پاک کو
سچ ہے کہ خاک کھینچتی ہے اپنی خاک کو

غل تھا چمن چمن کہ بہار آئی اب قریب ۵ باغی جو چمن دیں تو یہ ہے موسم عجیب
بولی یہ آشیاں سے جدا ہو کے عندلیب آیا گل ریاض محسنت، خوش انصیب

فوس زمیں کا جس پہ شہانس و جن پھرے
دیکھو خدا کی شان کہ جنگل کے دن پھرے

خوشبو سے اُن گلوں کی بواہشت باغ باغ ۶ غنچے کھلے، ہرے ہوئے لمبے کس کے داغ
 پہنچا سر فلک پہ ہر اک کوہ کا دماغ دریا نے بھی جبابوں کے روشن کیے چراغ
 خورشید بن گئے، پلٹے ارض پاک کے
 تاروں کو گرد کر دیا آذروں نے خاک کے

جنگل میں بن گیا، شجرہ طور ہر درخت ۷ بالیدگی سے ہو گئے ٹکڑے گلوں کے رخت
 آئی صدا فلک سے کہ جاگے نہیں کے بخت اب اس زمیں پہ سونے کا تختہ تاج و تخت
 رفعت کا اس کی فرش سے غل عرش تک گیا
 لو آج خاک کا بھی، ستارہ ہمک گیا

کہتی تھی آسمان سے زمین فلک چشم ۸ کیوں آج مرتبے میں زیادہ ہے تو، کہ ہم
 مجھ پر ہیں وہ، جو مہر نبوت پہ تھے، قدم دُڑے سے بھج رہاں، ترے شمس قمر ہیں کم
 اب تو یہ خاکسار بھی ایواں آسماں ہے
 زیور جو عرش کا تھا وہ سب میرا پاس ہے

پھیلی جو بکھٹ چمن شاہِ محسوس دیر ۹ صحرائیں بلبلہا گیا سبزہ بھی سرسبز
 جلدی ہوا نے جا کے یہ دریا کو دی خبر آیا تری کجھار میں محنتِ خشک و تر
 جب تک وہ بحر فیض برائے دغ و بڑے
 بڑھ کر قدم تو لے تو تری آبر و بڑے

ساحل پہ ہوں گے جلوہ نما اب امام دہر ۱۰ دریا دلی کا ہوگا تری شور، شہر شہر
 یہ سن کے بے قرار، دنیٰ علقمہ کی نہر سر کو قدم کیے ہوئے دوڑی ہر ایک لہر
 آمدنی جو سبط رسالت مآب کی
 ساحل سے آنکھ لڑ گئی اک اک جباب کی

بولے فرس کو درک کے شاہِ فلک وقار ۱۱ منسل پہ ہم پہنچ گئے احسان کردگار
 آگے اب بڑھائے کوئی یاں ہے راہوار یہ وہ زمیں ہے، جس کے لیے دل تھا بیتدار
 قربان اس مکانِ سعادت نشان کے
 پایادہ مراد بڑی خاک چھان کے

امرو مسافر و کہ سفر ہو چکا تمام ۱۲ کوچ اب نہ ہو گا شتر ملک ہے یہیں مقام
مقتل یہی زمیں ہے یہی مشہد امام اونتوں سے بار آ کر کے برپا کرو خیام

بستر لگاؤ شوق سے اس ارض پاک پر

چھڑکا ہوا ہے آب بقا، یاں کی خاک پر

مثل زمینِ خلد، مصفا ہے یہ زمیں ۱۳ ساتوں فلک سے، اوج میں بالا ہے، یہ زمیں

رفئے زمیں پہ، عرشِ معلیٰ ہے یہ زمیں فردوس کا کھنچا ہوا نقشہ ہے یہ زمیں

اس کے مکین نہ ہوں گے پر آگندہ، نشر میں

بے سرا سی زمیں سے ہم اٹھیں گے، حشر میں

مرغوبِ طبع ہے یہ زمینِ فلک جناب ۱۴ سوئے گا اس کی خاک پہ فرزند یو تراب

ہے اس طرح یہ ساری زمینوں میں انتخاب جس طرح ذی شرف ہے ستاروں میں آفتاب

مرنا لکھا ہوا ہے یہیں، سرِ نوست میں

جائے گا ہاتھوں ہاتھ، یہ طبقہ بہشت میں

سجدے کریں گے جس پر ملک وہ زمیں یہ ہے ۱۵ جس پر کھدا ہے نقشِ شفا، وہ بھی یہ ہے

بطحا یہ ہے، مدینہ اربابِ دیں، یہ ہے کعبہ یہ ہے، نجف یہ ہے، خلدِ بریں یہ ہے

تمہی اس زمیں کی قدر رسولانِ پاک کو

آنکھوں سے سب لگا گئے ہیں یاں کی خاک کو

دڑوں سے اس کے اشرفی ہر زرد ہے ۱۶ مٹی طلا ہے، نسخہ، اکیر گرد ہے

کرنے ستر کی آگ کو پانی، یہ سرد ہے کھل بصر ہے، داروئے اندوہ و درد ہے

زندے الم سے بچتے ہیں، مڑے فشار سے

آنکھوں میں نور آتا ہے اس کے غبار سے

خاک اس کے دل میں ہو جیسے اس خاک سے غبار ۱۷ مجرم بھی اس کے فیض سے اٹھے گا رستگار

پڑ جائے جس کے جسم پہ خاک اس کی ایک بار سائے سے اس کے آتشِ دوزخ کرے فرار

یوں دودھ ہوں گناہ، سب اس نیکِ بخت سے

پتے خراب میں گرتے ہیں جیسے درخت سے

کام آئے گی لمحہ میں یہ ہنگام درد دیا س ۱۸ اس خاک سے بنے گا کفن، نور کا لباس
تسبیح اس کی قبر میں ہوئے گی جس کے پاس سو سو طرح کی پائے گا راحت و حق شناس
فرمائیں گے ملک ارم اس کا مقام ہے
سونے دو چہین سے، یہ مطیع امام ہے

دیں گے جو اس کی خاک سے لکھا ہوا کفن ۱۹ میت پہ پھر نہ ہو گا کوئی نسد مرد و محن
دُعائے گناہ کو چادر رحمت سے ذوالنن خوشبو سے ہو گا کچ لحد، خسلہ کا چمن
پھولوں میں خاک پاک کفن کو بسائے گی
ضرّوں سے کھبت گل فردوس آئے گی

توشہ مسافروں کا یہی ادویہ ہے زاد ۲۰ یہ خاک آبِ سنہرے رتبے میں ہے زیاد
طوفاں میں اس کو ڈالے گا جو مرد خوش نہاد لے آئے گی ہوائے موافق دُور مراد
دیکھے گا یا س میں کرم کار ساز کو
تھامے گا دست موج سے، دریا جہاز کو

اترا یہ کہ کے کشتی امت کا ناخدا ۲۱ جتنے سوار تھے وہ ہوئے سب پیادہ پا
حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا دیکھو تو کیا ترانی ہے کیا نہر کیا فضا
اکبر شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباس جمو منے لگے دریا کو دیکھ کر

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہِ سر بلند ۲۲ کیوں یہ مقام ہے تمہیں شاید بہت پسند
کی مسکرا کے عرض کر یا شاہِ ابجد بس یاں تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند
شیرابِ میل میں گئے غایتِ جورب کی ہے
میں کیا کہوں حضور ترانیِ غضب کی ہے

گرمی میں ایسی سرد ہوا یا شہِ اتمام ۲۳ ہے لیٹنے کی جا یہ زمینِ فلک مقام
مشہور نازریہ ہے شاید اسی کا نام جی چاہتا ہے یاں سے سر کیے نہ ایک گام
ایسی جگہ بس اب نہ ملے گی کسی جگہ
کیا لطف ہے جو قبر بھی ہوئے اسی جگہ

روتے ہوئے دہاں سے بڑھے آپ چند گام ۲۴ گویا زمیں کی سیر کو اتر اسبہ تمام
انجم کی طرح گرد تھے حیدر کے لالہ قام شکلیں دو نور کی۔ وہ تجمل وہ اتشام

زلفیں ہوائے اڑتی تھیں ہاتھوں میں تھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

تکٹے لگے پہاڑوں کو مسلم کے دونوں لال ۲۵ پھولوں سے کیلنے لگے زینب کے نونہال
سبز سے واں کے اب جن خوش بھے کمال کی غرض اس میں کا ہر اک گل ہے بے مثال
اے خسرو زمیں۔ یہ جگہ ہے جلوس کی
خوشبو ہے یاں کی خاک میں، عطر عروس کی

سحر سے آئے پھر سونے دریا شہم اُم ۲۶ الیاس شاد ہو کے، پکائے بر صد شہم
اُبھرتے درود پڑھتی ہوئی مچھلیاں بہم بولے جاب، آنکھوں پہ شام تر سے قدم
پانی میں روشنی ہوئی حُسن حضور سے
لے لیں بلائیں پنجہ مرجاں نے دور سے

ٹھہرے کنار نہر جو انان ماد رُو ۲۷ دعویا کسی نے رخت کسی نے کیا وضو
گھوٹے جو آئے، پیاس بجھانے کنار جو بھرانے اشک آنکھوں میں شیر نیک خو
کھینچی اک آؤ سرد ترائی کو دیکھ کر
ہاتھوں سے دل پکڑ لیا بجائی کو دیکھ کر

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباس بن نامور ۲۸ خیمہ کہاں بیا کریں، یا شاد، محرو بر
ایذا ہے محلوں میں، بہت اہل بیت پر پہنچے ہیں تازی میں، مگلوں سے زیادہ تر
کب سے عماریوں کے ہیں پردے چھٹے ہوئے
گرمی کے مکے دم ہیں سمجھوں کے گلے ہوئے

کچھ سوچ کر امام دو عالم نے یہ کہا ۲۹ زینب جہاں کہیں۔ وہیں خیمہ کرو بپا
پہنچے ہیں، یہ سنتے ہی عباس با وفا جا کر قریب محمل زینب پہ دی صدا
حاضر ہے جاں نثار، امام غیور کا
برہا کہاں ہو خیمہ اقدس حضور کا

بولی یہ سخن کے دستِ بختِ تون روزگار ۳۰ اس امر میں بھلا مجھے کیا دخل میں نثار
 خلی بویا ترائی، چمن ہو کہ، سبز و زار ہر جامِ سفروں کا گنجِ ساں ہے کہ نگار
 مختار کائنات کے تم نورِ عسین ہو
 اترو وہاں جہاں مرے بھائی کو چین ہو

عاقل ہو تم تو نامِ خدا، اسے علیؑ کے لال ۳۱ مجھ سے زیادہ بھائی کی راحت کا ہے خیال
 دریافت کرو پہلے کسی سے یہاں کا حال داری کسی طرح کا نہ آقا کو ہو ملال
 گوشہ ملے ہمیں، نہ فضا ہو نہ سیر ہو
 اب تو یہی پڑی ہے کہ جانولہا کی خیر ہو

آرام کو ترس گئے جبے چٹا ہے گھر ۳۲ کن آفتوں میں پانچ مہینے ہوئے بسر
 یہ آندھیاں یہ گرمی کے ایام یہ سفر دن بھر چلے ہیں دھوپیں، جاگے ہیں رات بھر
 گرمی سے کھیت خشک تھے جنگل اجاڑ تھا
 ایک ایک کوس راہِ جبل میں، پہاڑ تھا

آج اس زمین پر ہمیں لایا ہے آسماں ۳۳ اب دیکھیے دکھائی ہے تقدیر کیا یہاں
 آقا کی خیریت کی دعا مانگو، بھائی جاں یارب مسافروں کو مبارک ہو یہ مکاں
 دشمن بہت ہیں بادشاہِ خوش خصال کے
 بھائی! بہن نثار، ذرا دیکھ بھال کے

بھائی سے اس زمین کی کسی ہے بہت صفت ۳۴ ہے وہ امامِ واقعہ اسرارِ شجہت
 جو جو شمن ہیں ان سے بھی لازم ہے مصلحت صدقے گئی، جیب سے بھی کرو شور و ست
 ساحل پہ دشمنوں میں کسی کا عمل نہ ہو

بیتا مجھے یہ ڈر ہے کہ رد و بدل نہ ہو
 دستِ ادب کو جوڑ کے، اُس شیر نے کہا ۳۵ تشویش کچھ نہ کیجیے اے بنتِ مرتضا
 ہر چند مصلحت مری کیا اور عقل کیا لیکن کوئی ترائی سے بہتر نہیں ہے جا

جو نہرِ فاطمہ میں ہے یہ وہ فرات ہے
 غم میں قربِ نہر کا، آبِ حیات ہے

جس سرزمین پہ دلبر زہرا عمل کرے ۲۶ زہرہ کسی کا کیا ہے جو رد و بدل کرے
مانع وہ ہو، جو دیکھنا نبی میں خلل کرے کافر ہے جو حسینؑ سے جنگ و جدل کرے

وخل اس میں روم کا ہے ز سلطان شام کا

دنیا کی سب زمیں پہ ہے قبضہ امام کا

حضرت کے حکم کا مترصد ہے، جاں نثار ۳۷ ارشاد یہ ہوا کہ دیا تم کو اختیار
آیا حضور سبط پیغمبر وہ ذی وقار کی عرض خیمہ نہر پہ، کرتا ہے خاکسار

اتر میں یہیں یہ مرضی آل رسول ہے

بولادہ بحر فیض کہ اچھا قبول ہے

یہ سن کے خادموں کو پکارا، وہ مرجبیں ۳۸ فرشتے آ کے جلد مصفا کریں زمیں
حاضر ہوں آبِ پاش، محل دیر کا نہیں یاں ہو گا خیمہ حرمِ باشاہِ دین

جلدان کو بھیجو لوگ ہیں جو کاروبار کے

لے آؤ اشتروں سے قنائیں اتار کے

بولے زہرِ قین کہ حاضر ہیں سب غلام ۳۹ بڑھ کر حبیب بھی ہوئے مصروفِ اہتمام
کرسی منگا کے بیٹھ گئے اک طرف امام رتبے میں ہو گئی وہ زمیں مرشِ احتشام

پرتو فلک تھا، نور رسالت مآب کا

سر پر لگا تھا، چتر زری آفتاب کا

تھا فکر میں غموش دو عالم کا تاجدار ۴۰ کھلوا رہے تھے خیموں کو عباس ذی وقار
ناگہ اٹھا شمال کی جانب سے اک غبار رایت سیاہ و سرخ نظر آئے تین چار

مڑ کر کہا حبیب نے کچھ رنگ اور ہے

بولا کوئی یہ شام کے لشکر کا طور ہے

ایک جاہوئے یہ سن کے جواہر صف شکن ۴۱ نکلا ہر اک دلی کی زباں سے یہی سخن
آئے ہیں ملکِ غیر میں ہم پھوڑ کے وطن تو سب کی خیر کجیو، اے رتبہ ذوالفنن

اچھلے دیں کے شرے، حفاظت میں ہم رہیں

ہاں کوئی تلے بھی تو ثابت قدم رہیں

مجھے لگے پکار کے، عباس حق شناس ۴۲ ہاں ناصران قبلہ کونین باحواس
 دل میں نہ خوف ہو نہ زباں پر کلام یا س جیتے ہو تو حسینؑ سے ہو قدر و اس کے پاس
 گر مر گئے تو روضۂ رضواں کی سیر ہے
 دونوں طرفتہ ماں تمہارا بخیر ہے

کیا ڈر قشونِ روم ہے یہ یا جنودِ شام ۴۳ ہم اپنے کام میں ہیں ہمیں کیا کسی سے کام
 جو مرد ہیں ہر اس کے کرتے نہیں کلام جو نے دو گر ہیں، سرخ علم یا سیاد قلم
 سرسبز ہیں وہی جو عشی کے نشان ہیں
 خود جھک کے وہ بیس لگے کہ ہم میہمان ہیں

یہ ذکر تھا کہ بن میں سیاہی سی چھا گئی ۴۴ ڈنکے کی دشتِ ظلم سے کوسوں صد گئی
 گھوڑوں کے دوڑنے سے زمیں تھر تھرا گئی جنگی سپاہ، گھاٹ کے نزدیک آگئی
 اک ایک پر زور تہمتن شکوہ، تھا
 ابنِ رکاب سبز قدم، سرگردوہ تھا

بولے ملازموں سے یہ عباس با وفا ۴۵ دریافت تو کر دو کہ ارادہ ہے ان کا کیا
 آتے ہی سرکشی، یہ طریقہ ہے کون سا کہہ دو کہ اہل بیت کے خیمہ کی ہے یہ جا
 لازم رسول زاد یوں کا احترام ہے
 اتریں الگ کہیں یہ ادب کا مقام ہے

کرسی نشیں ہے نعتِ دل سید البشر ۴۶ آئینِ خسروی سے یہ واقف نہیں مگر
 آتی ہے اڑ کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے گردِ دھڑ کیا ہے جو روکتے نہیں باگیں یہ خیرہ شہر
 بھولے ہوئے ہیں اس پہ کہ ہم خاکسار ہیں
 شاید ہوا کے گھوڑوں پہ ظالم سوار ہیں

اس فوج کے رئیس نے بڑھ کر کیا کلام ۴۷ حکمِ امیر ہے یہیں اترے سپاہِ شام
 چھوڑیں گے ہم اسے کہ جو راحت کا ہے مقام دریا سے ہٹ کے آپ، بپا کیجیے غلام
 لشکر کشی ہے، بادشاہ کائنات پر
 کل مورچے سپاہ کے ہوں گے فرات پر

کھنے سے کل جواں ادھر آئے ہیں دس ہزار ۳۸ رستے میں شام کی ابھی فوج میں ہیں بے شمار
خالی ہیں منزلیں نہ بیاباں نہ کوہسار شہروں سے پرگنوں سے چلے آتے ہیں سوار

لاٹھوں میں کوئی قبل کوئی بعد آئے گا
گیتی بے گی جب پسر سعد آئے گا

فوجوں کا جائزہ تھا وہاں ہم چلے تھے جب ۳۹ گردے میں میں کوس کے لشکر پڑا حساب
دستوں کی روم و شام کے آمد ہے روز و شب اس ارض پر نہ ہو جو سمائی تو کیا عجب

یکے مقام گر کوئی گوشہ جدا ملے
ممکن نہیں کہ نہر پہ خیمے کی جا ملے

ہم گھاٹ روکنے کے لیے آئے ہیں ادھر ۵۰ ہے آج شب کو داخلہ شمر کی خبر
سننے ہی یہ ترائی میں گونجا وہ شیر نر تیوری چڑھا کے تیغ کے قبضے پہ کی نظر

کم تھا نہ ہمہ اسد گردگار سے
نکلا ڈکارتا ہوا ضیفم کھار سے

غصے میں رکھ کے دوش پشیمشیر برق دم ۵۱ نعرہ کیا اسد نے کہ تم سے نہیں گے ہم
گر فوج قاہرہ کی ہے آمد تو کیا ہے غم گرتا ہے کٹ کے سرو ہیں جس جاتے قدم

پھریں جوشیر سامنے آتا نہیں کوئی
یہ آنکھ وہ ہے جس میں سوتا نہیں کوئی

دنیا ہواک طرف تو نہ آئے خیال میں ۵۲ لاٹھوں پہ اپنی تیغ چلی ہے جدال میں
گیتی ہو بے نشان اگر آئیں جلال میں ہے سب طرح کا زور محمد کی آل میں

دریا ہے کیا۔ یشیر ریشیں جس کو چھوڑ کے
جب پل بنا دیا درخیمبر کو توڑ کے

تم کون ہو حسین ہیں مختار خشک و تر ۵۳ اُن کے سوا ہے کون شہنشاہ بحر و بر
دیکھو فساد ہوگا، بڑھو گے اگر ادھر شیروں کا یاں مل ہے تمہیں کیا نہیں خبر

سبقت کسی پہ ہم نہیں کرتے لڑائی میں
بس کہہ دیا کہ پاؤں نہ رکھنا ترائی میں

دریا تو ابتدا سے جارا ہے تم ہو کون ۵۲ اس کا منہ رسول کا پیارا ہے تم ہو کون
انہ نے زمیں کو سنوارا ہے تم ہو کون سائل پہ کچھ کسی کا اجارا ہے تم ہو کون

بہتات غصہ جتن سے بھرے آج تک نہیں

منزل مسافروں کی یہ ہے کچھ فلک نہیں

کیا ابن سعد شوم کی فوج اور کیا حشم ۵۵ سر لوٹتے پھر مل گئے، بڑھایا اگر قدم
اترے میں آکے فخر سیلاں کے ساتھ ہم کیا اُن کے موپے کہ جو ہوں چوٹیوں کے کم

کچھ ڈر نہیں، چھ لاکھ اگر بد خصال ہیں

ہم بھی کنندہ درخسیر کے لال ہیں

کیا سر پہ موت آئی ہے پس لہانے سے جاؤ ۵۶ فوجوں کا ذکر کر کے کسی اور کو ڈراؤ
دعویٰ ہے کچھ سپاہ گری کا، اگر تو آؤ بیٹا حسیم کا ہوں، مجھے غیظ میں نہ لاؤ

تلوار اور کھینچی کہ اُدھر کھیت پڑ گیا

پھر کچھ نہ بن پڑے گا اگر میں بگڑ گیا

ہم شیر ہیں، قسم اسد کردگار کی ۵۷ رکھتے ہیں ناخنوں میں برش ذوالفقار کی
سو کی نہ اصل یاں نہ حقیقت ہزار کی ٹوٹے یہ کیا مجال، کسی نابکار کی

گر جیں ابھی تو وعدہ ہیں، برسیں تو ابر ہیں

اک میں نہیں، بہت ابھی ایسے ہزر ہر ہیں

چھوڑیں نہ یہ زمیں جو گرے سر پہ آسماں ۵۸ بڑھ کر ہٹا نہیں کہیں اس فوج کا نشان
جب تک کہ دم میں دم ہے، نہ جائے گی آن بان رہتی یہ ہم بپا کریں خیمہ، خد کی شاں

مر جائیں وہ جو ساتھ، کئی شیر خوار ہیں

فی الواقعی، ہم ایسے ہی نقصیر دار ہیں

ہم پہلے آئے ہیں کہ تم آئے ہوتا بہ نہر ۵۹ کیوں غاصبو، یہ نہر نہیں فاطمہ کا مہر
چھوڑ آئے میں تمھارے بلانے پہ اپنا شہر کوئی مسافروں پہ، یہ کرتا ہے جبر و قہر

اُترے ابھی نہیں، کہ لڑائی ٹھہر گئی

وعدے وہ کیا ہوئے وہ محبت کہ ہر گئی

شر اس قدر زمیں پہ، تھمائے قوس پیکاک ۶۰ مٹی ہوئے لکھے تھے عزیزوں پر تپاک
ہے بو تر ایوں کی جگہ یہ زمین پاک بنیں گی تر تیں بھی نہیں مگر ہوئے خاک

ہم لوگ کس طرح یہ جگہ ہم کو بھائی ہے
مشہور ہے کہ شیروں کا مسکن ترائی ہے

سوچو تمہیں دلوں میں کہ حقدار کون ہے ۶۱ عالم میں بڑو بکسر کا مختار کون ہے
ہادی ہے کون، مسید ابرار کون ہے ہے بے قصور کون، گنہگار کون ہے

لازم ہے تم کو پاس کلام مجید کا
کلمہ نبی کا پڑھتے ہو تم یا یزید کا

یہ کس کے گھر سے دین کی دولت ملی تمہیں ۶۲ صدقہ ہے کس دلی کا جو عزت ملی تمہیں
خوان کرم سے کس کے یہ نعمت ملی تمہیں ہادی ہوئے جو ہم تو ہدایت ملی تمہیں

بھلتا نہیں نہ سال حسد بھولتا نہیں
محسن کو اس طرح سے کوئی بھولتا نہیں

ہم تو تمہیں سمجھتے ہیں سید کا خیر خواہ ۶۳ کیا خوب میہانوں کی دعوت ہے واہ واہ
الفت، نہ دلہی، نہ تعارف، نہ رسم و راہ معصوم سے وہ کونسا ایسا ہوا گناہ

چشمے پہ جنگ فاطمہ کے نور عین سے
ما منصفو! پھراتے ہو آنکھیں حید سے

ہر چند خاکسار ہیں فسر زندہ بو تر اب ۶۴ پر سرکشی کی ہم سے کسی کو نہیں ہے تاب
کہنئی تک آسٹیکو جو الٹیں دم عتاب گردوں میں تھر تھرا کے پچھے فسر آفتاب

آجائے انقلاب کی آفت جہان پر
ہوا آسمان زمیں پہ زمیں آسمان پر

ارض و سما کو ہم تہ و بالا کریں ابھی ۶۵ جو سرکشی کرے اُسے پاپا کریں ابھی
اس سرزمین کو خون کا دیا کریں ابھی ساحل تک آئے حوالے غنڈا کریں ابھی

لوگے کوئی تو تن سے سراس کا جدا کریں
خیمہ پانہ ہو تو قیامت بپا کریں

عالم بگڑ بگڑ کے بڑھے، ایک بار سب ۶۶ بلوہ جو ہو گیا، سمٹ آئے سوار سب
نیزے علم کیے ہوئے تھے، نیزہ دار سب باندھے تھے ایک غول اضلاع شارب

لیکن مانہ سکتے تھے آنکھ اس دلیر سے

ایک شور تھا کہ چھین لودریا کو شیر سے

بگڑے ابو تمامہ و سعد غلب سریر ۶۷ توتی زہیر قین نے شمشیر بے نظیر
جوڑا کماں میں ابن مظاہر نے ایک تیر بولے اسد کے زجر کے قابل ہیں یہ شیر

عابس کو غیظ لشکر بد خو پہ آگیا

غصے سے بل ہلال کے ابرو پہ آگیا

بولے اٹھا کے نیزہ کو ضرغامہ دلیر ۶۸ بس اب سزا میں ان کی مناسب نہیں چریر
بولے شیب ادھر سے جو بچے گا ایک شیر بھاگیں گے سب یہ گھوڑوں کی باگوں کو بچیر

آقا کا ہے یہ پاس کہ ہم دور دور ہیں

کثرت پہ اپنی بھولے ہیں کیا بے شعور ہیں

الٹی جناب قاسم ذی شاں نے استیں ۶۹ قبضے پہ ہاتھ رکھ کے بڑھے اکبر حسین
بولے کچڑ کے پیچھے زینب کے مہجیں شیروں سے کیا ترائی کو لیں گے یہ اہل کیں

کیسے تو نیزہ بازوں کو ہم دیکھ بھال لیں

تیوری کوئی چڑھائے تو آنکھیں نکال لیں

آگے تھے سب کے حضرت عباس ذی شرم ۷۰ بڑھ بڑھ کے روکتے تھے دلیروں کو دم بہ دم
تیغیں جو تولتے تھے ادھر بانی ستم کہتے تھے سر نہ ہوگا، بڑھایا اگر قدم

لرزہ تھا رعب حق سے ہر اک نابکار کو

روکے تھا ایک شیر جبری، دس ہزار کو

بڑھتا تھا جو متا بوا جس دم وہ شیر ۷۱ گر تا تھا کوئی ڈر کے ادھر اور کوئی ادھر
تیغیں جو کھینچ گئیں تو ہوا اور شور و شمر گہرائے اہل بیت شہنشاہ، بحسرو بر

آغوش میں پھوپھی کے سکینہ دہل گئی

غل پڑ گیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی

چلائی رو کے زینبؓ ناشاد و نامراد ۷۲ ہے خبر تو لو کہ یہ کس سے ہوا فساد
غربت زدوں سے کیا سبب کینہ و عناد دیکھے کوئی کہ مر ہیں شہنشاہ خوش نہاد

ہمشیر کو منشاد امام امم کرو
لوگو دھائیں اکبر مرہ روپہ دم کرو
محل سے منہ نکال کے فقہ نے یہ کہا ۷۳ بلوہ کنار نہر ہے اے بنت مرتضیٰ
نیزے بڑھا بڑھا کے ہٹاتے ہیں اشقیاء قبضہ پہ ہاتھ رکھے ہیں عباس با وفا
کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو
سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو

زینبؓ پکاریں پیٹ کے زانو بہ صد طال ۷۴ ہے ہے غضب ہوا، اگر آیا انھیں جلال
کہہ دے کوئی کہ اے اسد کبریا کے لال غربت پہ ابن فاطمہ کی تم کرو خیال
قربان ہو گئی نہ لڑائی کا نام لو
میں ہاتھ جوڑتی ہوں کہ غصے کو تمام لو
لڑنے کو تیغ میان سے کھینچو گے تم اگر ۷۵ محل سے گر پڑوں گی زمیں پر میں نکلے سر
عباس تم تو ساقی کوثر کے ہو پسر یہ نہر کیا ہے جس کے لیے رہنمائی قد
مراؤں گی سفر میں جو پھڑوں کی بھائی سے
جنگل مجھے پسند ہے گزری ترائی سے

دریا کو روکتے ہیں اگر بانی ستم ۷۶ جلتی زمیں پہ بچوں کو لے کر رہیں گے ہم
غربت زدوں پہ چاہیے اللہ کا کرم پھر آو، بس سیکینہ کی سر کی تمہیں قسم
ثابت ہوا کسی کو ہماری ولا نہیں
پانی بھی اب نہ دیں تو ہمیں کچھ بکلا نہیں

یہ بات کہہ کے رونے لگی خواہر امام ۷۷ عباس ادھر غضب میں بڑے سئے فوج شاہ
کرسی سے جلد اٹھ کے پکارے شہر انام بھٹیا ہمارے سر کی قسم روک لو صام
یکساں ہے برود بحسہ ہماری نگاہ میں
غیظ و غضب کو دخل نہ دو حق کی راہ میں

ہر چند اس میں کوئی تمہارا نہیں قصور ۷۸ تاحق فساد کرتے ہیں تم سے یہ ہے شعور
خیر استحاں کا دن بھی کچھ ایسا نہیں ہے دور جانے دو جاہلوں سے یہ بھگوار کیا ضرور

ادنیٰ سے بحث ننگ ہے، عالی مقام کا

بس خامشی جواب ہے ان کے کلام کا

لے سکتے ہیں ترائی کو تم سے یہ نابکار ۷۹ کس پر یہ خشم، اسے شہ مرداں کے یادگار
جرات میں تم نہ ایک، نہ یہ اہل کیں ہزار بخشا ہے ہر طرح کا تمہیں حق نے اختیار

بے آب تیغ دم میں یہ ناری ہلاک ہوں

گر منہ سے آف کرو تو ابھی جل کے خاک ہوں

ہے گرچہ اُن کی بے ادبی قابل سزا ۸۰ پر تم پسر رحیم کے ہو بخش دو خطا
جنگل ہوا ترائی ہو، ہے ہر جگہ خدا مظلوم کو غریب کو غصے سے کام کیا

کرتا ہے عاجزی وہی جو حق شناس ہے

ہم کو نبی کی روح مطہر کا پاس ہے

صدقے ترے جلال کے لیے مجھے آفتاب ۸۱ یاد آگیا مجھے، اسد اللہ کا خطاب
تم سے مقابلے کی جہاں میں کسے ہے تاب جعفر ہو دبدبے میں، شجاعت میں بو تراب

یہ کیا ہیں تم تو سہ سکندر کو توڑ دو

لو ہم کو چاہتے ہو تو دریا کو چھوڑ دو

لازم ہے ان پر رحم یہ امت ہے میں نثار ۸۲ کرتے تھے مصطفیٰ انھیں بیٹوں کی طرح پیار
ان کے لیے حسن لے کیا جب سے اختیار دشمن پہ بھی رہا کرم شیر کردگار

ہو نو جوان مزاج میں غصہ ہے آپ کے

بیٹا وہ ہے، قدم بہ قدم ہو جو باپ کے

بھتیہ پردے کے صبر پر اس دم کرو خیال ۸۳ ہم نے تو اپنی آنکھوں سے کیا سب ان کا حال
بلوہ تھا بعد رحلت محبوب ذوالجلال یاں تک کہ باندھ لے گئے رسی سے بد خصال

کیا صبر و حلم عقدہ کشائے جہاں میں تھا

گردن جھکی ہوئی تھی گلارِ سیمان میں تھا

آؤ تمہیں قسم ہے جناب امیر کی ۸۴ بگڑو نہ کشی پر سپاہ شری کی
ہمراہ بیٹیاں ہیں شہر قلعہ گیر کی سب سے جدا ہی چاہیے منزل فقیر کی

کیا دشت کم ہے صابر و شاکیہ کے واسطے

یہ اہتمام ایک مسافر کے واسطے

تھوڑے سے بستروں کی ہے درکار ہم کو جا ۸۵ جنگل ہو تو کیا، جو ترائی ہوئی تو کیا
ہے عمر بے ثبات زمانہ ہے بے وفا آرام کا محل نہیں، یہ عاریت سرا

اب وہ کہاں ہیں شہر جنھوں نے بسائے ہیں

سب اس زمیں پہ خاک میں لئے کوئے ہیں

آکلنے دی جو اپنے سراپا کی قسم ۸۶ بس تھر تھرا کے رہ گیا وہ صاحب کرم
پر تھی شکن جیس پہ نہ ہوتا تھا غیظ کم چپ ہو گئے قریب جب آئے شہر ام

گردن جھکا دی تانہ ادب میں غلٹ پڑے

قطرے لہو کے آنکھوں سے لیکن نکل پڑے

تیغ و سپر کو پھینک کے بولا وہ نامور ۸۷ کہہ دیجئے ان سے کاٹ کے لے جائیں میرا سر
حکم خدا ہے حکم شہنشاہ و جسرور اب کچھ کہوں زباں سے میں کیا تاب کیا جگر

میں ہوں غلام آپ کے ادنیٰ غلام کا

آقا مجھے خیال تھا بابا کے نام کا

اترے گی آکے نہر پہ اب شام کی سپاہ ۸۸ پانی بھی ہم پہ بند کریں گے، یہ روسیہ
اس دشت میں نہ اور ہے چشم کوئی نہ چاہ سب قافلہ حضور کا ہو جائے گا تباہ

اس فکر میں غلام کا دل آب آب ہے

پر عین مصلحت ہے جو حکم جناب ہے

گردن میں ہاتھ ڈال کے حضرت نے یہ کہا ۸۹ کیوں کا پنتے ہو غیظ سے، بھائی، یہ کیا یہ کیا
لوا ب اٹھا لو تیغ و سپر تم پہ میں فدا دریا کو تم تو لے چکے، اسے میرے مدد لقا

وہ شیر ہو کہ دھاگ ہے ساری خدا کی ہیں

دیکھو کوئی تمہارے سوا ہے ترائی میں

اس قوم سے نہ رد و بدل چاہیے تمہیں ۹۰ خفتہ نہ بروہی، نہ جدل، چاہیے تمہیں
 قربِ خدا سے عز و جل چاہیے تمہیں جو ہم کہیں، اسی پہ عمل چاہیے تمہیں

بھائی جگہ مزاروں کی پہچانتا ہوں میں
 جو ہوگا اس زمیں پہ وہ سب جانتا ہوں میں

ہے منکشف امام پہ، احوال و محروم ۹۱ حق نے کیا ہے واقعہ اسرارِ خشک و تر
 مدد ہے دل پہ کیا میں کہوں تم سے یہ خبر قبضہ تمہارا اتنا بہ قیامت ہے نہ سرمد
 دولت مٹے گی یاں اسدِ کردگار کی
 بھیتا یہی جگہ ہے تمہارے مزار کی

ہوتا ہے کیا ہزار کہیں ساکنانِ شام ۹۲ بخشا ہے تم کو خالقِ اکبر نے یہ مقام
 کہتے ہیں اس زمیں پہ لک آکے صبح و شام یاں ہوگی قبر حضرت عباس نیک نام
 دیندار گردِ قبر کے بستی بائیں گے
 شہروں سے لوگ یاں کی زیارت کو آئیں گے

پچھ ہے کہ ہاتھ آپ کے آئی ہے کیا جگہ ۹۳ پیارے ہمارے بھائی کو، بھائی ہے کیا جگہ
 شہنشاہی ہوا میں سونے کو پائی ہے کیا جگہ کیا سبزہ کیا نفیس، ترائی ہے کیا جگہ
 لنگر ہو تم نجات کی کشتی کے واسطے
 لازم ہے قربِ نہر بہشتی کے واسطے

آؤ اب اپنی قبر کی جا ہم تمہیں دکھائیں ۹۴ قتل میں غل بھی نہیں سایہ کہاں سے لائیں
 قسمت میں یلکھا ہے کہ جھل کی دھوپ کھائیں چالیس روز تک نہ کفن اور نہ غسل پائیں
 میدان ہو اور لاشِ حسینِ غریب ہو

بھائی قریب ہو نہ ترائی قریب ہو
 عباس آبِ دیدہ ہوئے سن کے یہ کلام ۹۵ بھائی کا ہاتھ ہاتھ میں لے کر چلے امام
 فرمایا داں پہنچ کے جو تھا قتل کا مقام دیکھو حسین ہوگا یہیں قتلِ تشنہ کام
 بھائی مقامِ خیمہ آلِ عباس ہے وہ
 باہر ہے جو شیبے تربت کی جا ہے وہ

رونے لگے پکار کے عباس نامدار ۹۶ شہ نے کہا کہ ضبط کرو تم پہ میں شاہ
سُن پائے گی جوزینب بیکس یہ حال زار مر جائے گی تڑپ کے ابھی وہ جگر نگار
مجھ کو بہت خیال ہے زہرا کی جائی کا

مرنا کوئی بہن نہ سنے اپنے بھائی کا
قدموں پہ سر جھکا کے یہ بولا وہ نیک نام ۹۷ ارشاد یہ تو کیجیے اے قبلہ انام
پہلے مرے گا آپ سے یہ با و فاطم رو کر کہا کہ ہاں یہی ہووے گا لا کلام
مجبوسی ہے کہ بھائی کو ہاتھوں کٹوں گے
روئے گے تم نہ ہم کو ہمیں تم کو روئیں گے

مردہ یہ سُن کے شاد ہوا وہ اسیر غم ۹۸ سجدہ کیا کہ بھائی سے پہلے مریں گے ہم
رستی پہ آ کے گاڑ دیا شیر نے علم برپا ہوئے خیام شہر آسماں حشم
ذرے نجوم بن گئے سائے زمین پر
اُترے خدا کے عرش کے سائے زمین پر

کینچا فلک پر خیمہ زنگار گوں نے سر ۹۹ روشن ہوئے، کلس کی تجلی بے رشتہ دور
سائے شعاع تھے کہ طنائیں تھیں جلوہ گر پردا حرم کا تھا کہ قنائیں ادھر ادھر
جنگل کا اوج ہو گیا، خیمہ کی شان سے
پتہ زمین کا اٹھ کے لا آسمان سے

تھا اس کے ارتقا میں کرسی کا سبجہ طور ۱۰۰ سُکّان عرش دیکھتے تھے فرش کو بغور
شمسے کا اوج تھا خیمے کا دور دور گویا کہ آسماں کے تلے آسماں تھا، اور
سر جاملا جو شمسہ کیواں جناب کا
سونا اُتر گیا درقِ آفتاب کا

خیمہ میں جا چکے جو سرم با صد احترام ۱۰۱ ڈیوڑھی پہ آکھڑے ہوئے عباس نیک نام
کمر بُل دھر کھلیں، ادھر اُتر می سپاہ شام بھائی کو لے کے خیمہ میں داخل ہوئے امام
اُمّ تھا دل جو سبط نبی کی جدائی سے
زینب لپٹ کے رونے لگی چھوٹے بھائی سے

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہ زمیں ۱۰۲ صدقہ آثار دیکھ، مرے بھائی پر اسے بہن
تھے دس ہزار مستعد جنگ، تیغ زن جیتا میں زخمی ہوتے جو عباس صفا شکن

آزردہ ہیں کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا

دیکھو ابھی تلک نہیں، ابرو سے بل گیا

لے کر بلائیں کہنے لگی وہ جگر فگار ۱۰۳ کیا جی میں آگئی تھی یہ بھیا بہن نثار
محل میں، میں تو سر کو پٹکتی تھی بار بار صدقے کروں، وہ نہر لڑیں جس پہ نابکار

پیارا ہے انھیں جنھیں پانی عزیز ہے

بھیا ہمیں تمھاری جوانی عزیز ہے

منہ رکھ کے منہ پہ بالی سکی نہ نے یہ کہا ۱۰۴ عاشق کو میرے پھیر کے لایا، مرا خدا
روتی تھی میں سنی بھی نہ تم نے مری صدا بس اب کہیں نہ جائیو اچھے مرے چچا

اس بے کسی میں دلبر زہرا کا کون تھا

آتے نہ تم تو پھر مرے بابا کا کون تھا

کہنے لگی یہ زوجہ عباس خوش بیان ۱۰۵ غصے میں ان کو کچھ نہیں رہتا کسی کا دھیان
ہر بات میں ہے شیر الہی کی آن بان یہ جان کو بھلا کبھی سمجھے ہیں اپنی جان

آتا ہے غیظ جب تو نہ کھاتے نہ پیتے ہیں

یہ تو فقط حسین کے صدقے میں جیتے ہیں

فریاد شہ نے بھائی سے اب کھولے کمر ۱۰۶ زینب نے لے لی ہاتھ سے شمشیر اور سپر
بیٹھے نہ تھے ابھی کہ یہ اکبر نے دی خبر فوج اور آئی شام سے یا شاہ بھر دبر

مجمع غضب سپاہ کا دریا کے پاس ہے

شہ نے کہا کہ ہوئے تمھیں کیا ہر اس ہے

آخر ہوا وہ دن تو ہوئی رات کو یہ دھوم ۱۰۷ آپہنچالے کے فوج گراں ابن سعد شوم
اک لاکھ سے سوا میں جوانان شام دروم آفت کی ہے یہ بھڑکیا مت کا ہے ہجوم

کیسا شمار، حصہ نہ تھا، انتہا نہ تھی

دیکھا جو صبح کو، کہیں ستر کی جا نہ تھی

آمد اسی طرح رجمی لشکر کی روز و شب ۱۰۸ نرغے میں آگیا پس سید العرب
گرمی میں ساتویں سے ہوا شدتِ تعب پانی مسافروں پہ ہوا جلد، ہے غضب

مرجھا گیا چمن شبہ گردوں جناب کا
شور آٹھویں سے ہونے لگا آب آب کا

غش تھے نہم کو پیاس سے اطفالِ شاہیں ۱۰۹ جز آبِ اشک، پانی کا قطرہ کہیں نہیں
تھا دودھ خشک، ہیتی تھی بانوئے حزیں دم توڑتا تھا جھولے میں اصفرا ناٹش
خندق میں گردِ خیمے کے آتش بھڑکتی تھی
باقر ترپ رہا تھا سکیڑہ بلکتی تھی

رونے میں وہ پہاڑ سادن جب ہوا تمام ۱۱۰ آئی سیہ بلا کی طرح، شام تیرہ فام
شب تھی مسافروں کے لیے، موت کا پیام غل تھا کہ ایک رات کے مہمان ہیں امام
مل جو جناب فاطمہؑ کے نور عین سے
خالی سحر کو ہوگا زمانہ حسینؑ سے

لکھوں سیاہی شبِ عاشور کا جو حال ۱۱۱ دفر سیاہ ہوں، شبِ دُجور کے مثال
چھایا ہوا تھا ابر غم و حسرت و ملال کھولے تھے اہل بیتِ محمدؐ سروں کے بال
پیاسوں سے پوچھو رات وہ کیونکر بسر ہوئی
بس مختصر یہ ہے کہ غضب کی سحر ہوئی

مگردوں پہ جب بیاضِ سحر کا ورق کھلا ۱۱۲ یعنی کتابِ ذکر خدا کا سبق کھلا
بزمِ جہاں میں دفرِ نظم و نسق کھلا مطلع دوم ظلمت نہاں ہوئی درِ بارِ شفق کھلا
پہنچا فلک پہ ماہ کو حکم انقلاب کا
موج ہوا سے پھول کھلا آفتاب کا

ہونے لگے چراغِ نجومِ آسمان پہ گل ۱۱۳ قرنا پھکی سپاہِ عدو میں بجا دہل
برپا حسینوں میں ہوا یاں ازاں کا غل پڑھنے لگے نماز شہنشاہِ جبر و کل
قدسی ہوئے نثار، جماعت کی شان پر
نعرے نازیلوں کے گئے آسمان پر

سجدوں میں یاں جھکے تھے ابھی عابد و کج سر ۱۱۴ فوجِ مستم میں ہو گئیں صفِ بندیاں اُدھر
دو چار تیر آکے گرے جب قریب در حضرت پہ آکے روک لی جاس نے سپر
کی مرض سرکشی پہ یہ سب فوجِ شام ہے

فرمایا آپ نے یہ اجس کا پیام ہے
پھر بیٹھے جا نماز پہ شاہِ فلک وقار ۱۱۵ شانہ کیا محاسنِ اقدس میں چند بار
بہرہ رکھا عمامہ محبوب کردگار پہنی قبائے خسرو عالم بہ افتخار
پیدا ہوئے تھے خلق میں رحمت کے واسطے
باندھی کمر شفاعت امت کے واسطے

رخصت کو اہل بیت نبی میں گئے امام ۱۱۶ قدموں پہ لوٹنے لگیں سیدانیاں تمام
وہ شور الفراق کا وہ یاس کے کلام بچے بھی سر پٹکتے تھے، لے لے کے شہ کا نام
روتے تھے یوں تو لپٹے ہوئے سب جیئں سے
لیکن کلیجہ پھٹتے تھے زینب کے بین سے

روتے تھے ماں کے پہلو میں زینب کے نو نہال ۱۱۷ پر غم میں بھائی کے اُسے مطلق نہ تھا خیال
گرنے میں تھا متے تھے جواں کو وہ خوشفصال کہتی تھی مرنے جاتا ہے خیر النساء کا لال
قربان جاؤں منہ نہ پھرانا لڑائی سے
ہشیار رہیو بہر خد امیرے بھائی سے

قاسم سے کوئی کہتی تھی اے میرے فوجوان ۱۱۸ چھپ جائے گی اب آنکھوں کے ہے عین کی شان
ایک سو تھا مادرِ مصلیٰ اکبر کا یہ بیاں اشار دیں برس میں پکھڑتے ہوئیری جان
رخصت کو ماں سے آئے ہوز لیں سنوار کے
چڑھنا جہاد پر مجھے صدقے اتار کے

دیکھا گیا نہ شاہ سے سیدانیوں کا حال ۱۱۹ بس الوداع کہہ کے چلا، فاطمہ کا لال
باہر جو آئے روتے ہوئے شاہِ خوشفصال دیکھا کہ فوجِ سب ہے مسلح اپنے جدال
جھک کر سلام غازیوں نے باادب کیا
گھوڑا سوارِ دوشِ نبی نے طلب کیا

ایا جب شکوہ سے مشدد یز تیز گام ۱۲۰ ملاؤں تک دکھتے تھے جلوہ خرام
دامن قبا کارکہ کے کمر میں بڑھے امام عباس نے رکاب کو تھاما بہ احترام
چھوٹی قدم سے میں یہ ہوا غم زمین کو
جھول جھارنے لگے شہر سے زمین کو

حاصل ہوا جو فیض قدسی جناب ۱۲۱ اللہ ری ضیا، مہ نو بن گئی رکاب
روشن تھے بدر سے، ثم اسپ ضیا شتاب ثابت تھا صدر زین سے کہ ہے برج آفتاب
انساں تو کیا ہیں دیدہ انجم بھی ندیں
تار شعاع موئے ایال سمند ہیں

کس اوج سے خدیو زمین و زماں چلا ۱۲۲ رہواریا زمین پر چلا آسمان چلا
لے کر نشان علی ولی کا نشان چلا دامن بھرے ہوئے علم زرفشاں چلا
اختر نشان بخشش سبط رسول تھے
زرے نہ تھے زمین پہ سونے کے پھول تھے

سادات کے وہ چہروں کی ضوہ علم کی شان ۱۲۳ نکلتا تھا اس زمین کے ستاروں کو آسمان
وہ برچھیاں بنھالے ہوئے ہاشمی جوان رن میں نہ مرتے مرتے گئی جن کی آن بان
داران کے معرکہ میں ہزاروں پہل گئے
قبضہ چھٹے نہ ہاتھوں سے اور دم نکل گئے

کھینچے جو اس شکوہ سے وہ غازیان دیں ۱۲۴ گاڑا سپاہ کفر کے آگے نشان دیں
اللہ رے جلوہ قسیر آسمان دیں روشن تھا جس کے نور سے سب خاندان دیں
افسردختہ تھا چہرہ اقدس جناب کا
شوکت تھی عرش کی توجہ لال آفتاب کا

پلوں میں جوڑنے لگے داں تیرا ہل شر ۱۲۵ سینے حسینیوں نے ادھر کر دیے سپر
لشکر سے چند گام بڑھے شاو بکسر دیر حجت تمام کی پر نہ سکے وہ بدگنہر
مطلق نہ کی تمیز خطا و صواب میں
تیرا کئے سرکھوں کی طرف سے جواب میں

جہاں نے کہا کہ ہوا پر ہیں یہ شیریں ۱۲۶ مولا کہاں کلام نصیحت، کہاں یہ تیسر
خاموش ہیں ادب سے جو اناں بے نظیر موقع بس اب ہے جنگ کالے آسمان سریر

کیا قدرتِ خدا ہے کہ رو باہ شیر ہوں

جب ان سے چین لے کوئی دیا تو زیر ہوں

لو لے حبیبِ رحم کی بھی انتہا ہے اب ۱۲۷ دیکھ رضا جہاد کی یا شاہِ تشنہ لب
گدھے ہیں سات روز کہ ہے رنج پر تعب بچوں کو بھوک پیاس میں یہ تیسری ہے شب

کٹ جائیں پیاسے طلق، ادا سرے دین ہو

اب سبیل پر کہیں پہنچیں تو چین ہو

فرایا واں کثیر ہے لشکر یہاں قلیل ۱۲۸ اچھا لڑو کہ خالق کو نین ہے کفیل
نزدیک اب ہے کوثر و تسنیم و سبیل دے گا مجاہدوں کو خدا ربہ جلیل

ہاں اشتیاقِ خنجر قاتل ہمیں بھی ہے

در پیشِ عصرتک یہی منزل ہمیں بھی ہے

یہ سن کے شاد شاد ہوئے وہ خوش اعتماد ۱۲۹ رخصت اُنھیں لی کہ ملا گوسہ مراد
تینفیں پھر پھر کے جو نکلے پئے جہاد میدان سے اٹھ گئے قدم لشکرِ عباد

کس آبرو سے فدیہ راہِ خدا ہوئے

سردے کے سب امام کے حق سے داغ ہوئے

نصفِ انہار تک تھا یہی شورِ کارزار ۱۳۰ مرنے کو یہ جلا، وہ تڑپ کر ہوا انہار
رخصت اسے کیا، تو اسے روئے زار زار جلتے تھے آپ لاشِ اٹھانے کو بار بار

ایک ایک نے سعادتِ عقیلی حصول کی

دمِ بھلے سب کے گود میں سبطِ رسول کی

لٹنے لگی علی کی بغامت دمِ زوال ۱۳۱ کام آئے رن میں جعفر و مسلم کے نونہال
زینب کے نور میں بھی جب کر چکے جدال حضرت کو داغ دے کے سدھارا حسنی کا لال

سترِ دلیر قتل ہوئے حق کی راہ میں

دو تشنہ کام رہ گئے ساری سپاہ میں

اس وقت تھا مجب شہر دیں پر هجوم یاس ۱۳۲ ڈھلنا وہ دو پہر کا وہ آندھی وہ لالہ پیاس
لاٹھے پڑے ہوئے تھے عزیزوں کے آس پاس رو کر فلک کو دیکھتے تھے شاہنشاہ شناس

اٹھنا تھا درودِ دل تو قدم لڑکھڑاتے تھے

فرار کے یا علی دلی بیٹھ جاتے تھے

بل من مبارز کی جواعد میں تھی پیکار ۱۳۳ بھائی کو دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
ڈیوڑھی پر تھا یہ شور کہ یا شاہ نامدار دوڑ و پھلی جہاں سے سکینہ جگر نگار

ہے ہے یہ کیسی آگ لگی ہے زمانے کو

قطرہ نہیں ہے پانی کا منہ میں چوانے کو

گردن جھکائے چپ تھے، شہنشاہ بحر و بر ۱۳۴ لب برگ گل سے خشک تھمرا رخ آنسوئیں سے تر
صدے سے ہاتھ ملتے تھے عباس نامور پانی تھا غم سے اکبر ذی جہاں کا جگر

تلخ ان کو زیست تھی، انھیں سراپا بدوش تھا

دونوں دلاوروں کو شجاعت کا جوش تھا

بطحہ کے چچاے کہتے تھے اکبر یہ دم بہ دم ۱۳۵ رخصت کو عرض کرتے ہیں اب شاہ دریں سہم
فرماتے تھے اشارے میں عباس ذی حشم کہیو نہ کچھ تمہیں سر شپیر کی قسم

پہلے فدا وہ ہو گا جو غرمت گزار ہے

مرے یہ جاں نثار تو پھر اختیار ہے

یہ کہہ کے رکھ دیا قدم شاہ دیں پر سر ۱۳۶ حضرت سمجھ گئے کہ اب ان کا بھی ہے سفر
صدے سے قلب بل گیا تھرا گیا جگر طاقت نے تن سے کوچ کیا، جھک گئی ٹھمر

کیا سنبھلے جس پنلم کا یوں آسماں گرے

دل تمام کے زمیں پہ امام زماں گرے

بھائی کے سر کو جھاتی سے پٹا کے یہ کبھا ۱۳۷ بتلاؤ کیا ارادہ ہے، اے میرے مر لقا
دستِ لوب کو جوڑ کے بولادہ با وفا پیاسی سکینہ مرنی ہے، یا شاہ کر بلا

گدھے ہیں تین دن یونہی اس خوش صفات پر

گرا زن ہو تو پانی کو جھاؤں فرات پر

لوے پہلے کے اشک امام فلک جناب ۱۳۸ یہ موت کا پیام ہے بچوں کا اضطراب
صابر ہر اک بلا میں ہے فرزند یو تراب اچھا یہ ہے علاج تو کیجئے تلاش آب

مشتاق آپ زیر سے جنگ و جدل کے ہیں

پانی کہاں کا سب یہ بہانے اجل کے ہیں

کیا اختیار خیر، دعا دیجیے ہمیں ۱۳۹ جینے کی کوئی مشکل بتا دیجیے ہمیں

ملے گا اب کہاں، یہ بتا دیجیے ہمیں روئیں پیٹ کے، اتنی رضا دیجیے ہمیں

بھائی کی زیست قوت بازو کے ہاتھ ہے

پوچھو ہمارے دل سے کہ برسوں کا ساتھ ہے

یہ کہہ کے اس طرح ہوئے شیر نوہ گر ۱۴۰ روئے جوان پسر کے لیے جس طرح پدر

دعوت کی اہل بیت کو بھی ہو گئی خبر گھر کے آئی بانی سکینہ قریب در

چلائی عمو جان ادھر آ کے جا پئے

دیدار آخری مجھے دکھلا کے جا پئے

یاں چڑھ چکے تھے گھوڑے پر عباس حق شناس ۱۴۱ آئے صدا بھتیجی کی سنتے ہی درد کے پاس

بولی یہ مشک لے کے سکینہ بہ درد دیاس قربان عمو جان بھھا دو ہماری پیاس

پھٹکتا ہے دل عطش سے کلیجہ کباب ہے

سقائی کیجیے کہ یہ کار ثواب ہے

عباس نے کہا کہ مرا غسر ہے یہ کام ۱۴۲ بی بی تمھارے باپ کا ادنیٰ ہوں میں غلام

دی تم نے آبرو مجھے اے دختر امام اب ہو گیا جہان میں بھشتی ہمارا نام

کوثر میں سمجھوں دوش پر گر مشک آب ہو

تم بھی دعا کرو کہ چھا کامیاب ہو

کہہ کر یہ بات ہاگ اشٹائی سمند کی ۱۴۳ صورت بدل گئی فرس سر بلند کی

چھل لہ برن کی، تیز پری تھی پرند کی سرعت ملا نہیں لیتی تھی ہر چوڑ بند کی

بجلی چمک کے چپ گئی، پارا تڑپ گیا

جھگ میں یوں اڑا کہ چکارا تڑپ گیا

مرکب قدم زمیں پہ نہ رکھتا تھا ناز سے ۱۴۳ بجلی کو خوف کیا ہے، نشیب و فراز سے
چالاکیاں دکھاتا تھا کس امتیاز سے اڑتا تھا پر صدائے نکلتی تھی ساز سے

راکب وہ ہیں جو فرق دو عالم کے تاج ہیں

گھوڑا بھی جانتا ہے کہ نازک مزاج ہیں

وہ تھوٹی وہ اہلی ہوئی انکھڑیاں وہ یال ۱۴۵ گویا کھلے تھے حور کے گیسو پری کے بال
وہ جلد، وہ دماغ، وہ سینہ، وہ دم، وہ چال دم میں کبھی ہوا، کبھی ضیغ، کبھی غزال

وہ قعر آسماں پہ بھی جانے میں طاق تھا

دو پر اگر خدا سے دیتا برائی تھا

گھوڑے کی پیشکودہ شوکت سوار کی ۱۴۶ تصویر تھی ہوا پر شہ ذوالفقار کی
وہ نور، وہ چمک، علم زرنگار کی خوشبو مہک رہی تھی نسیم بہار کی

پنچہ نہ تھا نشان شریا مآب کا

تھا فسق جبریل پہ تاج آفتاب کا

بڑھ کر صدایہ دیتا تھا اقبال دم بہ دم ۱۴۷ افروز تر اجمال، دو بالا ترا چشم
نصرت پکارتی تھی جلو میں، قدم قدم جب تک ہے آفتاب درخشاں ہے علم

مطلب منافقوں کے جو ہیں ملتومی رہیں

یارب ترے حسین کے بازو قوی رہیں

اتدے جلالت و شوکت حضور کی ۱۴۸ دہشت سے اٹھ نہ سکتی تھی گردن غور کی
ہر جا فرس شکوہ دکھاتا تھا طود کی بجلی قدم قدم پہ چمکتی تھی نور کی

ذروں کی ضوسے مہر جہاں تاب زرد تھا

مٹی میں یہ دمک تھی کہ کندن بھی گرد تھا

پہنچا جو اس جلال سے وہ آفتاب دیں ۱۴۹ دیکھا سپاہ کو صفت شیر خمگیں
گاڑا جو دبے سے علم ہل گئی زمیں ہٹ ہٹ کے مودوں سے چکر اہل کیں

غازی ہے، صف شکن ہے، بڑی ہے، دلیر ہے

ہٹنا نہ تھا ترائی سے جو یہ وہ شیر ہے

گرنے کے اپنے سر کی تم لے نہ جاتے شاہ ۱۵۰ دریا سے اس جبری کو ہٹا سکتی تھی سپاہ
گوراکھ پور تھے تیغ بہ کف ضیفم الا کیا قبر کی نگاہ تھی اللہ کی پناہ
پلکوں کی تیزیوں سے، کیلے نگار تھے
جنبش مجہدوں کی تھی کہ سردی کے دار تھے

خود اب تو دی ہے شہ نے اسے رخصت جلال ۱۵۱ دریا کو ایک حملے میں لے گا یہ خوش فہمال
اس کا جلال حیدر مفسد کا ہے جلال کش جولاکھ ہوں تو کرے دم میں پائمال
اس معرکے میں بس نہ چلا اس کا بھائی سے
دیکھو یہ شیر اب نہ ہٹے گا ترائی سے

یہ سن کے تہلکہ صف اعدا میں پڑ گیا ۱۵۲ ٹوٹا وہ مورچہ، وہ رسالہ بھڑ گیا
ہر غول میں علم سے علم جھک کے لڑ گیا جو رہ گیا ناش، وہ نجات سے گڑ گیا
ہل چل میں چٹکیوں سے جو چلے نکل گئے
اس صف کے تیر سہم کے اس صف میں چل گئے

تیغیں کھنچی لیے ہوئے بھاگے جواہل شر ۱۵۳ کٹ کر کسی کا ہاتھ گرا، اور کسی کا سر
تلواریاں پڑی تھی کسی کی تو داں سپر برچھی تھی اس شقی کی، تو اس غص کا جگر
یہ جنگ تھی کہ حشر کوئی جاننا نہ تھا
بیٹے کو باپ خوف سے پہچانتا نہ تھا

گہرا کے ابن سعد نے لشکر کو دی صدا ۱۵۴ چھوڑ آئے مورچوں کو، شجاعویہ کیا کیا
اتنا ہراس نام درد، ننگ کی ہے جا وہ کون تھے علی سے لڑے جو دم دغا
سب ل کے روکتے نہیں اس تشنہ کام کو
کھو تے ہو معرکے میں، بزرگوں کے نام کو

قاتل تھامے جد و پدر کا تھا جو دایسر ۱۵۵ ہاں غازیو! اسی کا جگر بند ہے یہ شیر
کرتے ہیں رستموں کو زبردستیوں سے زیر دشمن کو پا کے واہ یہ کم جراتی یہ دیر
بڑھ بڑھ کے یوں لڑو کہ تھمتن بھی گر دیو
لوکستان بدر کا بدلہ، جو مرد ہو

یہ سن کے سب کو جوش حمیت کا آگیا ۱۵۶ ابلیس آکے راہ ضلالت بتا گیا
پھر ابرو فوج شام، لب نہر چھا گیا شور دہل سے وعدہ کا دل تھر تھرا گیا

جو جوتے منتشر وہ پرے پھر ہم ہوئے

پھر سب نشان کھل گئے نینے علم ہوئے

پڑھ کر رجز علیؑ ولی کا پس بڑھا ۱۵۷ گویا شکار کھیلنے کو شیر نز، بڑھا
دریائے قہر خالق جن و بشر بڑھا بہر نبرد، مالک فوج و ظفر، بڑھا

ترنپا جو رخس، برق نگاہوں سے گر گئی

آمد خدا کے شیر کی آنکھوں میں پھر گئی

کا نچے طبق زمیں کے ہلا چرخ لاجورد ۱۵۸ مانند کبیرا ہوا، مٹی کا رنگ نلد
اٹھ کر زمیں سے بیٹھ گئی، زلزلے میں گرد تیغوں کی آہنج دیکھ کے بھاگی ہوئے مرد

گرمی سے دن کی ہوش اڑے وحش و طیر کے

شیر اس طرف اتر گئے دریا کو پیر کے

نکل ادھر غلاف سے وہ برق شعلا یز ۱۵۹ چلنے میں ذوالفقار تھی جس کی زبان تیز
چمکے شررا بھر کنے لگی آتش ستیز تمغیر اجل نے بند ہوئے کوچہ گریز

آیا خدا کا قہر ہر اک رد سیاہ پر

بجلی محیط ہو گئی ساری سپاہ پر

چمکی گرمی، ترپ کے کیلجے ہلا گئی ۱۶۰ جوتے ہوا پر، خاک میں ان کو دگئی
بھڑکی دلوں میں آگ وہ پانی پلا گئی جو ہر دکھا کے فوج کو ہیرا نکلا گئی

دعویٰ تھا خون قاسم یوسف جمال کا

یوں تیغ نے عوض لیا شیر کے لال کا

کھا کھا گئی صفوں کو برابر لڑائی میں ۱۶۱ ٹھہری نہ بے لہو پیے دم بھر لڑائی میں
ثابت ہے تھے جن کے قدم ہر لڑائی میں پہلے انھیں کے کاٹ گئی سر لڑائی میں

دو ٹکڑے ہو کے گرنا تھا جو راہوار سے

یہ اٹھ کے داد مانتی تھی ذوالفقار سے

جس غول پہ گری نہ رُکی نہ تھی کہیں ۱۶۲ اکے م بھی کی نہ اس کی برش نے کمی کہیں
ہنکی کہیں کسی پہ کسی جاد می کہیں فوجوں میں ابتری تھی کہیں، برہمی کہیں

کالے ہوئے نشان تھے زمیں پر پڑے ہوئے

ہر جاتے ضرب تیغ کے جھنڈے گلے ہوئے

جل جل کے آب تیغ سے کفار مر گئے ۱۶۳ پس پس کے بھاگنے میں جفا کار مر گئے
ہامی تھے جتنے سب وہ نمودار مر گئے دو ہاتھ جب ادھر سے چلے چار مر گئے

قل تھا کہ زلزلے میں زمیں آج رن کی ہے

کہتا تھا شیر، ہاں یہ مرد پنجستن کی ہے

جب وار چل گیا سپر آہنیں کٹی ۱۶۴ دستا نہ کٹ کے ہاتھ کٹا آستیں کٹی
مغفر کٹا، دو نیم ہوا سر، جبیں کٹی سینے کو لے کے زمیں سے جواڑی زمیں کٹی

چورنگ تھا فرس تو دوپار اسوار تھا

الشدرے منہ کر تیغ نے جانا چنار تھا

آئی جدھر لہو میں سراسر بھری ہوئی ۱۶۵ خالی صفوں میں اور سوا ابتری ہوئی
بے جاں تھا جس پہ سایہ نکلن وہ پری ہوئی پھرتی تھی ساتھ ساتھ اجل پر ڈی ہوئی

آئی اُس کی قبر تھی، کوئی کیونکر اگٹ جائے

چھپتی تھی برق بھی کہہ جو اس کی لگٹ جائے

بے سر تھا جس کے فرق پہ وہ جاں گزائی ۱۶۶ اک آگ تھی کہ چنبر گردوں میں جا لگی
چار آئینہ پہ حربت قہر خدا لگی کڑیاں کھلیں زرہ کی جب اس کی ہوا لگی

برپا تھا شور چار طرف بھاگ بھاگ کا

پانی اثر دکھاتا تھا لوہے کو آگ کا

پلٹی ادھر سے جب تو ادھر کا پرانہ تھا ۱۶۷ کالے تھے سر پہ فرق برش میں ذرانہ تھا
چمٹکا ہوا حاسم، بدن اس کا ہرانہ تھا خون سب کا پی گئی تھی مگر دم بھرا نہ تھا

سیل فٹا تھا جنگ میں کاٹ اس کی دھار کا

دم غم تھا کھاٹ باڑھ میں، سب ذوالفقار کا

گودا وہ ہاتھ اور وہ تلوار کی چمک ۱۶۸ تھی صاف تیغ حیدر کرار کی چمک
موجوں پکس ڈالتی تھی دھلک چمک اس پار تک پہنچتی تھی اس پار کی چمک

اک شور تھا کہ آگ لگی کائنات میں

خسلی میں زلزلہ تھا، تلاطم فرات میں

بڑھ بڑھ کے چل رہی تھی جو تلوار چار سو ۱۶۹ کشتوں کے بڑھتے جاتے تھے انبار چار سو

تھارن میں گرم موت کا بازار، چار سو پھرتا تھا جھوم جھوم کے رہوار، چار سو

تیغ آئی جس پہ اس کا بھی لڑا اس پہ چل گیا

وہ سر گر گئی، تو یہ لاسٹہ کچل گیا

ثابت ہو جس پہ زرد کوئی ایسی کہاں نہ تھی ۱۷۰ تیرا گنوں کی خوف سے خاطر نشان نہ تھی

گو میان تھا، تو تیغ دم اتھاں نہ تھی یہ طرف بات تھی کہ دہن تھا زباں نہ تھی

جزاں سر جھکائے تھے، تلوار کی طسرح

کشرش غموش تھے لب ہونار کی طسرح

جب ضرب کی زین کے طبق بل کے رہ گئے ۱۷۱ سر اڑ گئے گلوں سے گلے ل کے رہ گئے

زخموں کے کچھول چار طرف کھل کے رہ گئے بسل تیرپ کے سامنے بسل کے رہ گئے

بھوم مزاج لخت دل بو تراب تھا

لاٹھے الٹ گئے یہ نیا انقلاب تھا

مکن نہ تھا کہ ایک کو سو میں اماں ملے ۱۷۲ مارا وہیں چھپے ہوئے ظالم جہاں ملے

جو نام در بڑے تھے نہ ان کے نشان ملے ریتی پہ گر لے بھی تو لاشے تپاں لے

کیوں مہر کے میں تیغ دو دم سرخرو نہ ہو

ایسی جگہ نہ تھی کوئی جس جا لہو نہ ہو

زہرہ کسی کا آب تھا ڈرے کسی کا دل ۱۷۳ بھائی ٹھہر نہ سکتا تھا بھائی کے مشعل

آفت تھی قبر تھی برش تیغ جاں گسل کرتی تھی شکل گو وہ ہیوئی سے منتقل

جھکے تھے منہ زاتی یہ اعمال زشت کی

ہینت بدل گئی تھی ہر اک بد سرشت کی

ڈوبے لہو میں گھاٹ ستمگار روک کے ۱۴۳ دم بھرنے رک سکا کوئی اک وار روک کے
جب بجائے سپر کو ہسیہ کا روک کے عباس مسکراتے تھے تلوار روک کے
ٹھہرا جہاں لیا ڈوبیں گھوڑے کو پھیر کے
کوئی شکار نہ پختا ہے، پنجہ سے شیر کے

وہ تیغ شعلہ زاکِ چمک، وہ فرس کی جست ۱۴۵ رستے کھلے ہوئے، نہ صفیں وہ نہ بند و بست
بجلی گری، پھر اجوز را دستِ حق پرست غارت وہ مورچہ، ادھر آفت، ادھر شکست
افسر سے فوج، فوج سے افسر چٹے ہوئے
سب چھاؤنی اجاڑ محلے لئے ہوئے

ہر اک علم کی چوب ضلالت نشان کٹی ۱۴۶ منہ تیغ کا کٹا تو سناں کی زباں کٹی
ترکش کئے، قلم ہوئے نیزے سناں کٹی ٹکڑے ہوئے زرہ، کمر پہلوں کٹی
روحوں کے ساتھ تن تھے نہ روئیں توں کے ساتھ
تا نفس بھی کٹ گئے تھے گردنوں کے ساتھ

ناری صفوں میں جل گئے جب شعلہ در ہوئی ۱۴۷ چمکی ادھر یہ تیغ، تجبلی ادھر ہوئی
شب کو چمن کھلا، جو سپر خوں سے تر ہوئی سردھڑ سے گر پڑا، تو حمد کو خبر ہوئی
چلائی موت صدقے تری کج ادائی کے
بولی نکل کے روح نثار اس صفائی کے

جب سن سے فوج کفر پہ وہ جنگ جو چلی ۱۴۸ گویا سموم قہر خدا چار سو چلی
بس پھر اک کے رہ گئے یوں تند خو چلی ٹکڑے اڑائے، ذبح کیا، سرخ رو چلی
غل تھا برش ہے قہر کی جو ہر بلا کے ہیں
دم بھر میں فیصلہ یہ کرشمے قضا کے ہیں

جس کے گلے سے تل کے چلی مر کے رہ گیا ۱۴۹ بسل بھی تیغ تیز کا دم بھر کے رہ گیا
آگے بڑھا کوئی تو کوئی ڈر کے رہ گیا سکتے ہیں کوئی منہ پہ نظر کر کے رہ گیا

دو پتلیاں بھی بہر تماشا تلی رہی
سرکھ کے گر پڑا، مگر آنکھیں کھلی رہی

کہنی سے دونوں ہاتھ جدا تن سے سر جدا ۱۸۰ ہر نخل قد کی شاخ جدا اور ٹھہر جدا
اس ہاتھ سے جو تیغ تو اس سے سپر جدا بھائی سے بھائی اور پسر سے پدر جدا
وہ چٹکے بھی ہول قیامت سے کم نہ تھے

کیا تفرقہ پڑا تھا کہ اعضا بہم نہ تھے
اسوار کو گرا کے سنبھلنے نہ دیتی تھی ۱۸۱ لاکھوں میں ہاتھ ایک کا چلنے نہ دیتی تھی
برجھیت کو پرے سے بھٹکنے نہ دیتی تھی رستم بھی ہو تو ٹھٹھا بدلنے نہ دیتی تھی
جو اس کا کام تھا سو وہ پھرتی کے ساتھ تھا
جس کا قدم بڑھا نہ سپر تھی نہ ہاتھ تھا

اٹھی، چلی، سپاہ میں آئی، جدا ہوئی ۱۸۲ پنجہ جو بچ گیا تو کلائی جدا ہوئی
صف کی جدا، پرے کی صفائی جدا ہوئی پیری جگر میں، خون میں نہائی جدا ہوئی
دم توڑے یا مرے کوئی پروا درانہ تھی
نکلی جو خون میں پیر کے پھر آشنا نہ تھی

چھپتی تھی برق اس کی چمک دیکھ دیکھ کے ۱۸۳ رہ جاتی تھی سا کو، ہمک دیکھ دیکھ کے
تھڑا تھا زمیں کو فلک دیکھ دیکھ کے خورشید کا پتا تھا، جھلک دیکھ دیکھ کے
جوہر میں پیچ و تاب تھا زلفوں کے جال کا
بکلی کی زرق برق تھی جسم خرم ہلال کا

تنہی تھی سرتنوں سے جدا دیکھ دیکھ کے ۱۸۴ کرتی تھی ناز حشر بپا دیکھ دیکھ کے
بے خود تھی آپ اپنی ادا دیکھ دیکھ کے چشمک قضا کی تھی کہ ذرا دیکھ دیکھ کے
کہتی تھی تیغ گو کہ سر تو ہی کا ہاتھ ہوں
تو میرے دم کے ساتھ ہے میں تیرے ساتھ ہوں

سب سے جدا تھی تیغ کے چلنے کی قطع راہ ۱۸۵ اس صف کے ہاتھ پاؤں قلم، وہ پر اتباہ
خطا جا بجا تھے خاک پر مابین رزم گاہ کٹ کٹ کے تیغیں کہتی تھیں اللہ کی پناہ
کتر کے لو پھر آئی لہو چاٹتی ہوئی
چلتی ہے یہ تو راہ کو بھی کاٹتی ہوئی

گھیرا جو یک بہ یک غضب کر دگار نے ۱۸۶ گھوٹے بھگائے فوج ضلالت شعار نے
کھینچا سر آسماں پہ زمیں کے غبار نے سر پر اڑائی خاک سیاہ روزگار نے
دن چھپ گیا یہ گرد پڑی روئے مہر پر

مٹی کا پل بندھا تھا، محیط اسپہر پر
اللہ سے زلزلہ کہ لرزتے تھے دشت و در ۱۸۷ جنگل میں پچھتے پھرتے تھے ڈر ڈر کے جانور
جنات کانپ کانپ کے کہتے تھے الحذر دنیا میں خاک اڑتی ہے، اب جائیں ہم کدھر
اندھیر ہے اٹھی برکت اب جہان سے
لول گیا زمیں کا طبق آسمان سے

دریا کی فوج گھاٹ سے جب ہٹ گئی تمام ۱۸۸ ساحل تک آئے حضرت عباس نیک نام
نعرہ کیا ترائی تو شیروں کا ہے مقام وہ زور شور کیا ہوا اے ساکنانِ شام
تم سب کی کیا بساط ہے دامن کی گرد ہو
ہاں اب ہمیں ہٹاؤ تو جانیں کہ مرد ہو

دہ حکم اور تھا کہ نہ تھی بولنے کی تاب ۱۸۹ ریتی پہ کیا سپاہ کی مٹی ہوئی خراب
لاکھوں میں اب تو نے کوئی اس تیغ کا جواب یوں خاک میں ملاتے ہیں فرزند بو تراب
افسوس ابن سعد ستمگار مل گیا
پر خیر کچھ بخار تو دل کا نکل گیا

یہ بات کہہ کے ڈال دیا نہریں سمند ۱۹۰ طاؤس دُما اٹھا کے بنا اسپہر بلند
چمکا جو عکس روئے علمدار ازبمند پانی کی آب و تاب ہوئی چاند سے دو چند
دریا کے دل میں تھی جو کدورت وہ دھو گئی
آنکھوں میں مچھلیوں کے چکا چوند ہو گئی

جلوے جو نہر میں علم سبز نے دکھائے ۱۹۱ اک شور تھا کہ خضر علیہ السلام آئے
پانی میں جب کہ شرم سے خورشید ڈوب جائے پھر آنکھ میں جاباب کی کیا آسماں سمائے
ہر رنگ ریزہ نور سے دُر خوش آب تھا
لہریں جو تھیں کرن تو بھنورا آفتاب تھا

چھاتی تک اس نے پانی کو دیکھا تو ایک بار ۱۹۲ گھوڑے کا دل ہوا صفت موج بے قرار
حسرت سے منہ پھرا کے نظر کی سوئے سوار بولے یہ باگ چھوڑ کے عباس نامدار

تو پی لے لے فرس کہ بہت تشنہ کام ہے

ہم پر تو بے حسین یہ پانی حرام ہے

گردن ہلا کے کہنے لگا، اسپ تیز گام ۱۹۳ بے ذوالجناح مجھ پہ بھی پانی ہے یہ حرام
اس قوم میں نہیں کہ ڈوبو دو وفا کا نام آقا، ابھی حسین کے بچے ہیں، تشنہ کام

مطلب یہ ہے کہ ذکر وفا چار سو رہے

تر خشک لب نہ ہوں تو نہ ہوں آبرو رہے

ہر چند تین روز سے ہے پیاس کا وفور ۱۹۴ پیتا یہ خانہ زاد بھی، پیتے اگر حضور
پر ہے یہ امر آپ کی دریا دلی سے دور جانیں بچیں صغیروں کی فکر اس کی جو ضرور

ناموس مصطلے میں تلاطم ہے ذات سے

اب جلد مشک بھر کے بیکھے فرات سے

بچوں کا حال سن کے لگا دل پر تیسر غم ۱۹۵ روئے لہو کے اشکوں سے عباس باکرم
مشکیزہ بھر کے دوش پہ رکھا بہ چشم غم نکلا پلٹ کے نہر سے شہدیز خوش قدم

بڑھتے ہی بحر ظلم کی موجوں میں گھر گیا

سقا بنی کی آل کا فوجوں میں گھر گیا

ہاں راہ روک لو یہ ہوئی چار سو پکار ۱۹۶ برچھے اٹھا اٹھا کے بڑے سیکڑوں سوار
ڈھالیں بڑھیں بہم کہ اٹھا ابر کو ہمار تیغیں علم ہوئیں، کہ بندھا آہنی حصار

ہلتا تھا چرخ غفلت دار و گیر سے

حلقہ کسی کماں کا نہ خالی تھا تیر سے

کہتا تھا گرز تول کے ایک ایک پہلو ۱۹۷ رکھ دو بہ مشک لے اسد اللہ کے نشان
بڑھ کر جواب دیتے تھے عباس نوجوان چہرہ بگاڑ دوں گا سنبھالے رہو زباں

کیا منہ جو مشک لے کوئی جب تک یہ ہاتھ ہے

لے لے بے حقیقت، مری جاں اس کے ساتھ ہے

ظلی سے تھی ہمیں، انہیں عہدوں کی آزند ۱۹۸ دونوں امانتیں ہیں، یہ اے فوج کینہ جو
اک مشک، اک نشانِ شہنشاہ نیک خو اس سے جہاں میں نام ہے اور اس سے آبرو
گر مر گئے تو رنج و الم لے کے جائیں گے

مختار ان کا جو ہے اسے لے کے جائیں گے
چھٹے یہ کہہ کے تیغ دو دستی، علم کیے ۱۹۹ دونوں طرف کے نیزہ خلی قلم کیے
حملے صفوں پر صورت شیر و ژم کیے تیغ دو دم سے بند لعینوں کے دم کیے
سن سن پلٹ کے چلنے میں کریں جو کٹ گئیں
آدمی صغیر تو بچ گئیں، آدمی الٹ گئیں

بوجھاریک بیک ہوئی تیروں کی ہے غضب ۲۰۰ تیغیں چلیں عقب سے شہر یروں کی ہے غضب
یہ شکل دو جہاں کے امیروں کی ہے غضب بجھنے نہ پانی بیاس غریبوں کی ہے غضب

نیزے تھے اور چاند سے پہلو دیر کے
تیروں نے چھان ڈالا تھا سینے کو شیر کے
زخمی تھے پرفرس کو ڈپٹتے تھے بار بار ۲۰۱ چہرے پر زخم کھائے جھٹتے تھے بار بار
بڑھ بڑھ کے غول فوج کے بٹتے تھے بار بار تن سرے، پانچ سات کے، کٹتے تھے بار بار
دھلا رہے تھے رنگ علی کی لڑائی کا
اعدائے خون سے لال تھا سبزہ ترائی کا

بھٹکے علم کو، روک کے کہتے تھے بار بار ۲۰۲ قوت عطا کرو مجھے یا شیر کردگار
دیتے تھے دم بہ دم یہ صدا، شاہ ذوالفقار بیٹا ترے ٹھکے ہوئے بازو کے میں نشان
پانی کے واسطے یہ کبھی رن پڑا نہیں
کانڈے پر مشک لے کے کوئی یوں لڑا نہیں

داحسزادہ فوج کا بلوہ، وہ ایک جاں ۲۰۳ فاقہ وہ تین دن کا وہ سوکھی ہوئی زباں
لڑنے کی عمر، مشک کا دھڑکا، علم کا دھیاں جی سن سے ہو گیا، کہیں کڑکی اگر کہاں
بھکی سناں تو روح بدن سے رواں ہوئی
رو کا سپرہ تیر تو خفا سناں ہوئی

کھاتے تھے تن پر زخم، کچھ اپنا نہ تھا الم ۲۰۲ مضطر تھا مشک کے لیے وہ صاحبِ کرم
بہتا تھا خوں رکابوں میں تھمتے نہ تھے قدم قوت کو ضعف، ضعف کو قوت تھی دم بہ دم

اعدا ہدف بنائے تھے کیلئے سے مشک کو

پر یہ جہاد کرتے تھے سینے سے مشک کو

تلوار ہاتھ میں، علم شاہِ دوش پر ۲۰۵ ہرنے پہ گاہِ مشک رکھی، گاہِ دوش پر
اک تیغ تیز چسل گئی ناگاہِ دوش پر تلوار کیا پہاڑ گرا آہِ دوش پر

صدہ ادرہ تو مشک کا جانِ حزیں پہ تھا

دیکھا جو پھر کے دستِ مبارک زمیں پہ تھا

شانے سے یوں اہل کے بہانوں کہ الاماں ۲۰۶ تیور کے جھومنے لگے عباسِ نوجواں
بمچلی کی طرح ہاتھ تو رستی پہ تھا پتیاں لیکن جہاد نہ ہوتی تھیں قبضے سے انگلیاں

بے دست ہو گئی تھی، جو اس صفدی کے ساتھ

تلوار بھی تڑپتی تھی دستِ جری کے ساتھ

دہنا تھا ہاتھ تیغ اسی میں تھی، ہے ستم ۲۰۷ اب تھا بائیں ہاتھ میں مشکیزہ و علم
تلواریں دو چلیں جو کیس گاہ سے بہم الجھا ہوا وہ ہاتھ بھی بس ہو گیا قلم

کس سے ہٹائیں فوج کو کس سے دغا کریں

بتلاؤ اب کہ حضرت عباس کیا کریں

ڈر سے قریں تو آندہ سکا، کوئی نابکار ۲۰۸ پر تیر سب لگانے لگے باندھ کر قطار
اک تیر لگ کے مشک پہ گذرا جگر کے پار پانی کے ساتھ سینے سے چھوٹی لہو کی دھار

ہے یہ سکینہ کہہ کے فلک پر نگاہ کی

ہرنے پہ سر پٹک کے بہشتی نے آہ کی

گر رستم سے شق ہوا، ناگہ سر جناب ۲۰۹ تھمڑے ہونٹ چٹ گئی داتوں کے شکاب
فرمایا ہائے دیں گے سکینہ کو کیا جواب گھوٹے سے تھر تھرا کے گرے نشِ آفتاب

تو پئے اٹھے، کراہ کے خاموش ہو گئے

منہ رکھ کے خالی مشک پہ بیہوش ہو گئے

ان کا تو یاں ہے کوچ، سنو واں کی اب خبر ۲۱۰ ڈیوڑھی کے پاس بیٹھے ہیں حضرت برہنہ سر
پٹا ہوا ہے چھاتی سے، عباسی کا پسر روتی ہے سر جھکائے سکینہ قریب در

زینب کھڑی ہیں ڈیوڑھی پہ اور دل پہ ہاتھ دے

بکھڑے بال، زوہر عباس ساتھ ہو

زینب سے عرض کرتی ہے، رو کر وہ دل دکھار ۲۱۱ ہے ہے یہ شور نہر پہ، کیسا ہے میں نثار
کچھ دم الجھ رہا ہے، تیریں قلب کو قرار گرتی ہے کانپنے میں رداسر سے بار بار

خیر اب نہیں ہے، خیر کے انداز اور ہیں

بی بی یہ سب ہمارے زلزلے کے طور ہیں

کس سے کہوں جو دوڑ کے لائے کوئی خبر ۲۱۲ پردہ اٹھا کے اب میں نکلتی ہوں نکلے سر
یہ ذکر تھا کہ فتح کے بابے سبکے اوھر دوڑے زمیں سے اٹھ کے شہنشاہ بحر و بر

ماتم میں نوحاں کے دل اندوہناک تھا

تلوار ہاتھ میں تھی، گریبان چاک تھا

ستے میں لڑکھڑاتے تھے جب ضعف سے قدم ۲۱۳ اکبر سنبھال لیتے تھے بابا کو دم بہ دم
فرماتے تھے تڑپ کے پسر سے شہزادہ ام جو حال ہو بجا ہے کہ بھائی کا ہے الم

راز و پھڑکے دلہنسر زہرا کو لے چلو

بیٹا عجیب کی لاش پہ بابا کو لے چلو

اک اک قدم پر ضعف و تقاہت ہے ستورہ ۲۱۴ عباس کیا پھڑکے گھر ہو گیا تباہ
جیتے رہے تھے ٹھوکریں کھانے کو آہ آہ وہ کہتے ہوں گے لاش پہ ایک نہ آئے شاہ

شوق ہو جگر، جو صبر اور صبر سے جھلا نہ ہو

یارب کسی سے خلق میں بھائی جدا نہ ہو

ٹھہرو کہ پاؤں اب نہیں قابو میں لے پسر ۲۱۵ تم ہاتھ تھامتے ہو جھکی جاتی ہے کمر
سینہ لہو ہے دل پہ تپاں چاک ہے جگر اکبر بتاؤ ہاتھ میں رکھوں کہ حر کہ صر

لو اتنے بولنے میں بدن سر ہو گیا

کیا دکھ ہے یہ کہ میں ہمدن درد ہو گیا

اس مشکل سے ترائی میں پہنچے، جوشاہ دیں ۲۱۶ رو کر یہ شہ سے کہنے لگے اکبر حزیں
 بابا یہی ہے لاشِ علمدار مجہدیں گھوڑا کہیں ہے تیغ کہیں ہے علم کہیں
 رکھے ہوئے ہیں مشک پر منہ پیار دیکھیے
 شانے کٹے ہیں شانِ علمدار دیکھیے

حضرت پکائے جان بھی جسم زار میں ۲۱۷ یا مر گئے تڑپ کے مرے انتظار میں
 کی عرض دم تو ہے جسدِ زخم دار میں بر منہ سے بولتے نہیں کچھ اختصار میں
 کیجے ذرا ملاحظہ چہرے کے نور کو
 آنکھیں کھلی ہیں دیکھ رہے ہیں حضور کو

چلائے گر کے لاش پر شبیرِ نامدار ۲۱۸ بھیا تمھاری نرگسی آنکھوں کے میں نثار
 اس نزع میں بھی تھا تمھیں بجائی کا انتظار آنکھیں پیرا کے دھونڈتے ہو ہم کو بار بار
 شاید زباں ہے بند، جواب کھولتے نہیں
 روتے ہوئے ہم آئے تو اب بولتے نہیں

مر جائے گاحسین، برادرِ جواب دو ۲۱۹ اے میرے نوجواں مرے صفدرِ جواب دو
 اب جاں بلب ہے سبطِ پیغمبر، جواب دو اے نورِ چشم ساقی کوثر، جواب دو
 لکنت زبانِ شک کو ہے تشنہ کام ہیں
 بھیا تمھارے سر کی قسم ہم تمام ہیں

سن لو تمھیں دیا ہے سکینے کچھ پیام ۲۲۰ ایسا نہ ہو کہ یاں چلی آوے وہ تشنہ کام
 جنبش ہوئی لبوں کو، بیتیجی کاسن کے نام کی عرض اب غلام کی رخصت ہے یا امام
 قدموں پہ آنکھیں کٹنے کو دل بے قرار تھا
 مولا کے دیکھنے کا فقط انتظار تھا۔

منہ رک کے منہ پہ کہنے لگے شاہِ خوش خصال ۲۲۱ کیوں چپ ہوئے، کچھ اور کہو اپنے دل کا حال
 ان سوکے سوکے ہونٹوں پر صدقے ملی کا لال بھیا مد کو آئے ہیں، اب شیرِ ذوالجلال
 رخ کیوں ہے نزد کو نسی ادا گذرتی ہے
 کیوں دم بہ دم کراہتے ہو، کیا گذرتی ہے

گودی میں ہے مری، دم آخر تمہارا سر ۲۲۲ اور پائنتی، جوان بھیتا ہے نوحہ گر
 گڈے گی، ہم پہ جو تمہیں اس کی بھی ہے خبر سینہ پہ ہو گا تیغ لیے شمشیر بدگسر
 شمشیر حلق خشک پہ چلتی ہے کس طرح
 دیکھیں ہماری جان نکلتی ہے کس طرح
 یہ بات سن کے نزع میں عباسؑ تھر تھرائے ۲۲۳ قطرے لہو کے آنکھوں سے عارض پہ چپکے آئے
 دوبار سر ہٹک کے، پکائے کہ ہائے ہائے پر خون دہن حسین کے قدموں کے پاس لائے
 ہچکی کے ساتھ موت کا خنجر بھی چل گیا
 سراؤں پر دھرا رہا اور دم نکل گیا
 اکبر نے عرض کی کہ چچا جان مر گئے ۲۲۴ جھک کر پکارے شاہ کہ بھتیجا کدھر گئے
 منہ تو اٹھاؤ، خاک سے رخسار بھر گئے وحسرتا سیمیں کو بے آس کر گئے
 اب کون دے گا دکھ میں نبی کے سپر کا ساتھ
 دم بھر میں تم نے چھوڑ دیا عمر بھر کا ساتھ
 اے میرے شیر صف شکن لے میرے نوجوان ۲۲۵ پاؤں گا تم سا چاہنے والا میں اب کہاں
 شیر خدا کا آج: ہاں سے مٹا نشان تم کو حسینؑ جانتا تھا اپنے تن کی جاں
 تیغوں میں اب سپر نہیں بھائی کے ہوتے ہو
 بازو کٹائے شیر سے دیا پہ سوتے ہو
 آتے ہی بھاگتی تھی، ترائی کی جا تمہیں ۲۲۶ اللہ کیا پسند تھی یاں کی ہوا تمہیں
 بخشی خدا نے قبر بھی، سب سے جدا تمہیں آخر وہی ہوا کہ جو منظور تھا تمہیں
 اتنی جگہ کے واسطے پھرتے حسینؑ سے
 بھیتا ہوائے سرد میں اب سوؤ حسینؑ سے
 قسمت میں ہے کہ دھوپ ہو جنگل کی اور ہم ۲۲۷ کیا تفرقہ دکھایا ہے گردوں نے بے ستم
 کیا خوب ہو، اگر وہ ہیں نکلے ہمارا دم الفت یہ چاہتی ہے کہ قبر میں بھی ہوں بہم
 روئیں سر ہانے بیٹھ کے جو سو گوار ہوں
 ہم دونوں بھائیوں کے برابر مزار ہوں

آئی صدائے حضرت خاتون روزگار ۲۲۸ ہے ہے جہاں سے اٹھ گیا ایسا وفا شعار
اے میرے لال تیرے تڑپنے کے میں شمار میرا پس ہے آج سے عباس نامدار
بیٹا بلائیں لاش کی لینے کو آئی ہوں
پُرسا تمہارے بھائی کا لینے کو آئی ہوں

واری، تم اب یہ مشک وکلم لے کے جاؤ گھر ۲۲۹ ایسا نہ ہو، نکل پڑے زینب برہنہ سر
چلائے تب یہ رو کے شہنشاہ بجزوہر اماں کمر تو ٹوٹ گئی جائیں اب کدھر
ہم مر گئے کہ خلق سے بھائی گذر گیا
بازو ہمارا تمہارے والا تو، مر گیا

اکبر سے پھر کہا کہ علم خاک سے اٹھاؤ ۲۳۰ پُر خوں یہ مشک خیمہ عصمت میں لے کے آؤ
بیوہ ہوئی چچی اسے پُرسا دو خاک اڑاؤ بیٹا چما کے بچوں کو جا کر گلے لگاؤ
پوچھیں جو سب کہ سب بڑے کدھر گئے
کہ دیجیو کہ بھائی کے لاشے پہ مر گئے

اکبر یہ شہ سے سن کے جو روئے بہ صد بکا ۲۳۱ تڑپے اک آہ کر کے شہنشاہ کر بلا
ناگاہ آئی در سے سکینہ کی یہ صدا بابا میں اب نکلتی ہوں گھر سے برہنہ پا
روتے ہیں آپ کیوں مرے عم کو کدھر گئے
حضرت نے دی صدا کہ جہاں سے گذر گئے

فرما کے یہ زبیں سے اٹھے شاہ انس و جاں ۲۳۲ رو کر علم سے باندھ دی وہ مشک خونچکاں
پہنچے حرم سرا کے جو نزدیک ناگہاں سرپیٹ کے سکینہ نے تب یہ کیا بیاں
اندھیر ہے جہاں، مجھے کچھ سوچتا نہیں
ہے علم تو آیا ہے میسرا چچا نہیں

ڈھونڈوں کہاں میں لے مے عم کو کدھر گئے ۲۳۳ مجھ کو پتا دیا یہ وہاں کا، جدھر گئے
دیا سے مشک بیچ دی اور خود گذر گئے پانی بیاض تشنہ دہن کو پچ کر گئے
شانے کٹے تھے مشک بھی تیغوں سے کٹ گئی
وہ کیا کریں ہماری ہی قسمت الٹ گئی

فل پڑ گیا کہ شہ کے عطار ہائے ہائے ۲۳۲ اے نور چشم حیدر گزار ہائے ہائے
اے ابنِ فاطمہ کے مدگار ہائے ہائے اے فوجِ شہ کے جعفر طیار ہائے ہائے

چھوٹے سے ہاتھ رکھ کے دلِ دردناک پر

دے مارا سر کو بالی سکینہ نے خاک پر

حضرت نے لا کے گاڑ دیا صحن میں علم ۲۳۵ اور گر پڑے زمیں پر شہنشاہِ باکرم
سب سے کہا کہ جینے نہ دے گا ہمیں یہ غم جن سے جدا نہ ہوتے تھے کھولے ان کو ہم

پوچھو ہمارے دل سے مصیبتِ جدائی کی

بھائی ہی جانتا ہے محبت کو بھائی کی

بھائی سے ساتھ بھائی کا چھوٹا ہزار حیف ۲۳۶ چھوڑا پھل نہ پھول نہ بوٹا، ہزار حیف
بازو مرا قوی تھا سو ٹوٹا، ہزار حیف اتمت نے میرے باغ کو ٹوٹا، ہزار حیف

فریاد ہے لعینوں نے ہم پرستم کیا

تیغوں سے سرو باغِ علی کو قسم کیا

نیر علم تھا زوہرِ عباس کا یہ حال ۲۳۷ ماتھا بھرا تھا خاک سے بھرے ہوئے تھے بال
چلائی تھی یتیم ہوئے میرے دونوں لال دنیا سے کھو گئے مجھے عباسِ خوش خصال

ہے ہے علی کا نور نظر مجھ سے چھٹ گیا

میں رائیڈ ہو گئی مرا اقبال لٹ گیا

ناگاہ صدا علی کی یہ آئی کہ اے بہو ۲۳۸ زانو پہ تھا مرے سر جاس نیک خو
آئی ہے تیرے پڑ سے کوزہٴ کشادہ مٹو بنی بس اب حسین کو رو کر رُلا نہ تو

بھائی کے غم میں لال مرادِ درد مند ہے

اب صبر کر کہ صبرِ خدا کو پسند ہے

ہاں روؤ مومنو یہ بکا کا مقام ہے ۲۳۹ تم میں شریکِ روح رسولِ انام ہے
اب رخصتِ حسینِ علیؑ السلام ہے چہلم کی مجلسوں کا بھی، آج اختتام ہے

موت آئی تو شریکِ عدا کوں ہوئے گا

جو سالِ بھر بچے گا وہ پھر شہ کو روئے گا

آگے تمھارے مرتے جو عباس باوفا ۲۴۰ پُرسانہ دیتے سبط رسول خدا کو کیا
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہ کر بلا زہرا بھی ننگے سر ہے، قیامت کروڑ بپا

سمجھو شریک بزم شہر قین کو

دے لو جوان بھائی کا پُرسا حسین کو

یہ کہہ کے ہائے حضرت عباس خاک اڑاؤ ۲۴۱ پیٹو سروں کو ہاتھوں سے اور انگ خوں بہاؤ
ہے حسین کہہ کے زمیں پہ پچھاڑیں کھاؤ پُرسا پسر کا فاطمہ زہرا کو دے کے جھاؤ

کل خاک میں ملائیں گے اس تشنہ کام کو

رخصت کرو حسین علیہ السلام کو

اے بے دیا ربے سرو سامان الوداع ۲۴۲ اے بنتِ مصطفیٰ کے دل و جان الوداع

اے دو جہاں کے سید و سلطان الوداع اے شیعہ یان ہند کے مہمان الوداع

آہ و بکا سے ہم کبھی غافل نہ ہوئیں گے

جب تک جییں گے آپ کی غربت پر نہیں گے

مولا ضریح پاک پہ بلو ایسے مشتاب ۲۴۳ اب، بھر کی انیس کے دل کو نہیں ہے تاب

رہ جائے گی ہوس جو دیا زلیست نے جواب خاکِ شفا ملے مجھے یا ابنِ بو ترابؑ

اچھی نہیں مریض کو دوری مسیح سے

حسرت یہ ہے کہ روؤں لپٹ کر ضریح سے

مرثیہ (۶)

بغداد فارسل میدان تہور تھا خر ۱ ایک دو لاکھ سوا لکھ میں بہادر تھا خر
نار دوزخ سے ابوزر کی طرح خر تھا خر گو ہر تاج سر عرش ہو وہ خر تھا خر

ڈھونڈھلی رام خدا کام بھی کیا نیک ہوا

پاک طینت تھی تو انجام بھی کیا نیک ہوا

واہ رے طالع میدار، رہے عزت و ماہ ۲ خر پر کیا فضل خدا ہو گیا، اللہ اللہ

پیشوائی کو گئے آپ، مشہ عرش پناہ خضر قسمت نے بتادی اسے فردوس کی راہ

مذوق دور رہے جو وہ قریب ایسا ہو

بخت ایسے ہوں، اگر ہو تو نصیب ایسا ہو

نار سے نور کی جانب اُسے لائی تقدیر ۳ ابھی ذرہ تھا ابھی ہو گیا خورشید منیر

شائع حشر نے خوش ہو کے بھل کی تقصیر تکیہ زانوئے شہید ملا دقت و خیر

ادج و اقبال و حشم فوج خدا میں پایا

جب ہوا خاک تو گھر خاک شفا میں پایا

اللہ اللہ جرم صفر و غازی کا نصیب ۴ جان محبوب الہی جسے فرمائے حبیب

ہجر میں تلف ملاقات کا دوری میں قریب وہی کام آتے ہیں محسن کے جو ہوتے ہیں نجیب

صدقے ہو جائے اسے عشق دلی کہتے ہیں

اس کو دنیا میں سمیڈ ازی کہتے ہیں

آیا کس شوق سے کہنے کی طرف چھوڑ کے دیر ۵ کوئی حضرت کا لگانہ بھی نہ سمجھا اسے غیر

حق نے لکھ دی تھی جو تقدیر میں فردوس کی میر فقہ و شرع سے بچا، ہو گیا انجام بخیر

ذکر خیر اس کے موسم بر بھی ہوئے جاتے ہیں

عل نیک ہر اک وقت میں کام آتے ہیں

کفر کی راہ سے کاڑھ تھا جو وہ نیک طریق ۶ کس بشارت سے ہوا رہبرایاں کا رفیق
تھے تو لاکھوں پہ کسی کو بھی ہوئی یہ توفیق غلط طینت میں ہے جس کے وہی ہوتے ہیں غلط
آج دین دار کو بے دین کو سدِ راستی ہے
اصل جس تیغ کی اچھی ہے وہی کستی ہے

کہیں نہ بالیدہ ہو اس کا چمن جاہ و جلال ۷ جس کو سرسبز کرے خود اسد اللہ کا لال
ہو گیا فاطمہ کے باغ میں آتے ہی نہال وہ خربائے کبر ہو بچے نہ جہاں دستِ خیال
کھل گیا بچہ دل عذر جو منظور ہوئے
صورتِ برگِ نرزاں دیدہ، گندہ دور ہوئے

خُر کہاں، اور کہاں احمقِ مرسل کا خلف ۸ بخت نے دیر سے پہونچا دیا کیمیا کی حرک
دل صفا ہو گیا سینے میں تو بوائے یہ شرف جبکہ آنکھیں ہوئی حق بین تو ملا قدیر بخت
نیک جو امر ہیں، دل پر وہی ٹھن جاتے ہیں
جب خدا چاہے تو بگڑے ہوئے بن جاتے ہیں

وصفِ حرم میں چمنوں متروکِ عجز و تصور ۹ آمد آمد کی بہادر کا اسٹِ خواب نہ کور
جب ہوئی مستعدِ جنگ، سپاہِ مقہور مہرِ فلکِ امامت نے کیا رن میں ظہور
فل ہوا جنگ کو، اللہ کے پیارے نکلے
لے فلک دیکھو زمین پر بھی ستارے نکلے

کیا کہوں شاہِ جوانِ جسنور اللہ ۱۰ کوئی ہم طلعتِ خورشید کوئی غیرتِ ماہ
باندھی شیروں نے صفِ جنگِ میانِ جنگاہ چمنِ خلد سے کرنے لگیں حوریں بھی نگاہ
وہاں لعینوں نے درِ ظلم و ستم کھول دیا
بڑھ کے عباسؑ نے یاں سبز علم کھول دیا

ہو گئے سرخ شہامت سے رُبِ آلِ نبی ۱۱ آئی ٹھنڈی جو ہوا بھول گئے قشعہ لبی
رن میں کڑکا ہوا، بجنے لگے باجے عربی یکہ تازوں نے کیا خودِ مہارِ مہرِ ظہبی
اک ٹکٹا چھا گئی ڈھالوں سے یہ کاروں کی
برق ہر صف میں چمکنے لگی تلواروں کی

برجیاں تول کے ہر غول سے خون خوار بڑھے ۱۲ نیزے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے سوار بڑھے
تیر جڑے ہوئے چلوں میں کہاں دار بڑھے بولے شہایاں سے ابھی کوئی نہ زہار بڑھے

اسد حق کے گھرانے کا یہ دستور نہیں
میں نبی زادہ ہوں سبقت مجھے منظور نہیں

یہ سخن سن کے مخاطب ہوئے امداد سے امام ۱۳ اے پادشہ عرب و روم دے و کو قد و شام
تم پہ کرتا ہے حسین آخری جنت کو تمام پسر مصحف ناطق ہوں سنو میرا کلام
سخن حق کی طرف کانوں کو مصروف کرو
خور باجوں کا مناسب ہو تو موقوف کرو

یہ صدائے ہی خود رک گیا، قربا کا خروش ۱۴ تم گویا طبل دغا کی بھی وہ آواز کا جوش
ہو گیا جوڑے کے ہاتھوں کو، بلا جل خاموش کیا بجاتے کہ بجالتے نہ کسی شخص کے ہوش
پھیڑ ناؤں کو سردوں کا بھی ناساز ہوا
رعب فرزند نبی مستور آواز ہوا

کہ ہوا غلفا فوج ستر جب اکٹا بار ۱۵ یوں گہر بار ہوئے شر کے لب گوہر بار
صف کشی کس پہ ہے یہ اے سپہ ناسجار قتل سادات کی، لشکر میں یہ کیسی ہے پکار
وطن آواروں پر یہ فرق ہے کیوں پانی کا
کیا زمانے میں یہی طور ہے مہمانی کا

مجھ کو لانا نہیں منظور یہ کیسا کرتے ہو ۱۶ تیر جڑے ہیں جو مجھ پر تو خطا کرتے ہو
کیوں نبی زادے پہ غربت میں جفا کرتے ہو دیکھو اچھا نہیں یہ ظلم، بُرا کرتے ہو
شمع ایماں ہوں، اگر سر مرا کٹ جائے گا
یہ مرقع ابھی اک دم میں اُلٹ جائے گا

میں ہوں سردارِ شبابِ چمنِ فلکِ بریں ۱۷ میں ہوں خالق کی قسم دوشِ محمد کا مکین
میں ہوں انگشتِ پیغمبرِ حق تم کا نگین مجھ سے روشن ہے فلک مجھ سے منور ہرگز میں
ابھی نظروں سے نہاں نور جو میرا ہو جائے
مخلفِ عالم امکاں میں اندھیرا ہو جائے

قلزم عز و شرف کا دُرِ شہوار ہوں میں ۱۸ سب جہاں زیرِ نگیں ہے وہ جہاندار ہوں میں
آج گرو مصلحتا، یکس و ناچار ہوں میں درِ شہِ احمدِ مختار کا، مختار ہوں میں

بمخدا دولتِ ایماں اسی دربار میں ہے

سب بزرگوں کا تبرک مری سرکار میں ہے

یہ قباس کی ہے بتاؤ یہ کس کی دستار ۱۹ یہ زرہ کس کی ہے پہنے ہوں جو میں سینہ نگار
بریں کس کا ہے یہ چار آئینہ جو ہر دار کس کا رہوار ہے یہ آج میں جس پر ہوں سوار

کس کا یہ خود ہے، یہ تیغ دوسرے کس کی ہے

کس جری کی یہ کہاں ہے، یہ سپر کس کی ہے

تنگ آئے گا تو رکے کا نہیں پھر سپر ۲۰ ایک حلقے میں فنا ہوں گے یہ دولاکھ شیر
چل سکیں گے نہ تبرمجو پہ، نہ تلوار نہ تیسر کاٹ جائے گی گلے رب کے یہ بُراں شمشیر

شیر ہوں تختِ دل غالب ہر غالب ہوں

میں مگر بند علیٰ ابنِ ابی طالب ہوں

مجھ کو ہوتا نہ اگر بخشش امت کا خیال ۲۱ روک لیتا مجھے رستہ میں، یہ حرکی تھی مجال
تمام سکتا تھا لبامِ فرس برقِ مثال پوچھ لو دیکھا ہے اس نے مرے شیریں کا جلال

گفتگو میں سپر اس کی جو نہ ہم، ہو جاتے

ہاتھ اک دار میں، بہرِ نچوں سے قلم ہو جاتے

غیظ سے ہاتھ جباتے تھے علیٰ کے دلدار ۲۲ نیچے تو لٹے تھے عون و محمد ہر بار
اگلی پڑتی تھی جگر بند حسن کی تلوار میں نے جب سر کی قسم دی تو رکے وہ جزار

چلتی تلوار تو جنگل سے و بالا ہوتا

پھر نہ مخرِ خلق میں ہوتا نہ رسالہ ہوتا

تھایہ پھرا ہوا عباسی مرا شیرِ جوان ۲۳ سینہ خربہ رکھ دیتا تھا نیزے کی سناں
میں یہ کرتا تھا اشارہ کہ نہ لے بھائی جان رحم لازم ہے ہمیں ہم ہیں امامِ دو جہاں

کچھ تر و نہیں، مرتن سے آتا جا جائے

کوئی بندہ نہ مرے ہاتھ سے مارا جائے

گرچہ یہ امر نہیں اہل سخا کے شایاں ۲۴ کسی شخص کو کچھ دے کے کہے سب عیاں
پوچھ لو حر تو ہے موجود عیاں راہ بیاں اسی جنگل میں مع فوج تھا، یہ ترشہ دہاں

شور تھا آج، چلیں جسم سے جانیں سب کی

منہ کے باہر نکل آئی تھیں زبانیں سب کی

زیت ہر خے کی ہے پانی سے، شجر ہو کہ بشر ۲۵ مجھ سے دیکھا نہ گیا میں تو سخی کا ہوں پسر
ہیں نے عباسؑ دلا دے کہا، گھبرا کر مشکوں والے ہیں کہاں، اونٹ ہیں پانی کے گھر

کرم سآئی کو فر کو دکھا دو بھائی

جتنا پانی ہے وہ پیاسوں کو پلا دو بھائی

رہ نہ جائے کوئی گھوڑا کوئی ناقہ بے آب ۳۶ چھا گئیں جلد منگاو، مراد ہے بے تاب
ستے مشکیزوں کا منہ کھول کے آپہنچے شتاب متوجہ ہوا میں خود کہ، وہ تھا، کارِ ثواب

جین آیا نہ مجھے، بے انھیں آرام دیے

تھا جو ایک جام کا پیسا، اُسے دو جام دیے

تھی یہی فصل یہی دھوپ یہی گرم ہوا ۲۷ ٹھنڈے پانی پر گرے پڑتے تھے، حر کے رنقا
ترشہ کاموں کا یہ مجمع تھا کہ ملتی نہ تھی جا ستے بھر بھر کے کٹوروں کو یہ دیتے تھے صدا

بھائیو آؤ، جو پانی کی طلب گاری ہے

چشمہ فیض حسینؑ ابن علیؑ جاری ہے

آب شیریں کا جو دریا ہوا جنگل میں رواں ۲۸ فرس و اختر کو فتا طر نہ رہے ترشہ دہاں
شکر کرنے لگے تر ہو گئی، ہر خشک نہاں پانی پی پی کے دُعا میں مجھے دیتے تھے جواں

شور تھا ابنِ ید اللہ نے جاں بخشی کی

دین و دنیا کے فہنشاہ نے جاں بخشی کی

ایک دن وہ تھا اور ایک دن یہ ہے اظہار ۲۹ کسی طرح نہیں پیاس میں، پانی کی ہے سچا
چشم امید ہو کیا، سب نے پھرائی ہے نگاہ کوئی ایک جام بھی بھر کر ہیں دیتا نہیں آہ

ہر مسلمان پر نبیؐ زادے کا حق ہوتا ہے

نیچے نعتے ہیں تو سینہ مراثی ہوتا ہے

کئی مضمون ہیں کس جو مومے جاتے ہیں ۲۰ دم اکھڑتا ہے مرا جب نہیں غش آتے ہیں
پانی پانی جو وہ کہتے ہیں تو شر جاتے ہیں پاس دریا ہے پہ اک بوند نہیں پاتے ہیں
نکاحِ غربت کی عجب شام دھڑکتی ہے

تیسرا دن ہے، کرفاقوں میں بسر ہوتی ہے
شر کی مظلومی پہ گریاں ہوئی ظالم کی سپاہ ۳۱ غمِ سدا نے کی، مڑ کے سبغِ حُر پہ نگاہ
بولادہ اشہد باللہ، سجا کہتے ہیں شاہ محسن و منعم واقسا ہے مرا یہ ذی جاہ
ان کے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہو جائے
سخنِ حق میں جو شک لائے وہ کافر ہو جائے

ایک میں کیا ہوں، زلنے پہ ہے احسان ان کا ۳۲ ابرِ رحمت میں خطا پوش ہے داماں ان کا
خشک و تر پر ہے کرمِ خلق میں، یکساں ان کا ہے خوشا حال جو غربت میں نہ بہاں ان کا
جنتی ہے جسے حاصل یہ شرف ہوئے گا
جو ادھر ہو گا خدا اس کی طرف ہوئے گا

یہ ابھی ہاتھ اٹھا کر جو دعا فرمائیں ۳۳ جتنے عالم کے گنہگار ہیں بخشے جائیں
حق سے جس شے کے طلب گار ہوں فوڑا پائیں باہم کو فوڑے ہیں فردوس سے حوریں لائیں
مثلِ خورشید ہے روشن وہ شرف ان کا ہے
یہ وہ بندے ہیں کرا اللہ پہ حق جن کا ہے

ان سے تلو کوئی مانگے تو گھر دیتے ہیں ۳۴ میں سخی ابنِ سخی بات پہ سر دیتے ہیں
پیٹ سائل کا یہ فاقوں میں بھی بھر دیتے ہیں یاں تو زور دیتے ہیں فردوس میں گھر دیتے ہیں
آس مجرم کی، گنہگار کی آسید ہیں یہ
ذرا پرور نہیں کہتے ہیں وہ خورشید ہیں یہ

خُرسے گہرا کے یہ بولا عمر سعدِ شہید ۳۵ یہ تو ہے صاف طرفداریِ شہ کی تقریر
اپنے مالک کا نہ کچھ ذکر نہ تعریفِ امیر اللہ اللہ یہ اوصاف، یہ مدحِ شہید
سن چکا ہوں میں کہ معطر ہے کئی راتوں سے
اکلفِ شاہ چمکتی ہے تری باتوں سے

زود آنکھیں، زود چتون، زود تیور، نہ مزاج ۳۶ سیدھی باتوں میں بگڑنا یہ نیا طود ہے آج
تحت بخشا ہے مہر کے نواسے نے کہ تاج جن کو سمجھا ہے غنی دل میں وہ خود ہیں محتاج

کون سا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے

کہیں کوثر کے تو جھینٹوں میں نہیں آیا ہے

کیا کسی حور کا دکھلا دیا حضرت نے جمال ۳۷ مل گیا سایہ طوبی کو جو ایسا ہے نہال

قصر یا قوت میں بہو بچا، جو ترانگ ہے لال کون سے میوہ شیریں پیٹکتی ہے رال

دفعہ حق نمک کو بھی فراموش کیا

کیا تجھے بادۂ تسنیم نے بیہوش کیا

میں جہاں دیدہ ہوں سب مجکو خبر ہے تیری ۳۸ قرۃ العینؑ محسّند پہ نظر ہے تیری

ہونٹ بھی خشک ہیں اور حشیم بھی تر ہے تیری جسم خاکی ہے ادھر، جان ادھر ہے تیری

ماہ میں کچھ جو سلوک اور نوازش کی ہے

تو نے فرزندِ یدائندہ سے سائش کی ہے

خیر حنفی نہ رہے گا یہ قصور اور قصور ۳۹ لکھیں گے عہدہ اخبار پہ جو ہیں مامور

حاکم شام ہے جابر، وہ سزا دے گا ضرور گر تجھے دار یہ کھینچے تو کچھ اس سے نہیں دور

سب تری قوم کے سرتن سے جدا ہوئیں گے

نن و فرزند، گزشتہ بار بلا ہوئیں گے

نفع اس امر میں کیا جس میں ہو مردم کا ضرر ۴۰ آنکھیں نکلیں گی، محبت سے جو دیکھے گا ادھر

شجر قامتِ سرور پہ، جو ڈالے کا نظر سر چڑھے گا ترابری پہ، یہ ہے اس کا ثمر

الفت زلف سے بھی بیچ میں تو آئے گا

خال رخ دیکھا، تو گھر خال سے لگ جائے گا

بدرِ پیشانی سرور کا ہے جو سر میں خیال ۴۱ تو اسی ماہ میں نقصاں ترا ہوئے گا کمال

سب میں ہو جائے گا انگشتِ ناشکل ہلال تیر و شمشیر ہے، ابرو کی محبت کا مال

عشقِ منہ سار میں، رتبہ ترا گھٹ جائے گا

منہ پہ کہتا ہوں کہ چہرہ ابھی کٹ جائے گا

خوف کس بات کو پیاسوں سے یہ تھرا تا کیا ۴۲ لب پہ ہر مرتبہ، بکیں کی شفا لانا کیا
 تنگ کی بلعہ ہے دھن کی طرف جانا کیا ہوئی یا کہ وحی جنگ میں شہرانا کیا
 ابھی نے جانیں جو شیر کا سر ہاتھ لگے
 خلد ہم اس کو سمجھتے ہیں کہ زربا تھ لگے

خُرپکارا کہ زبان بند کرادنا ہمار ۴۳ قابلِ امن ہے تو اور وہ تیسرا سردار
 ابن زہرا ہے جسگر بند رسولِ مختار میرا کیا منہ جو کروں درجِ امام ابرار
 ایک زمانہ صفتِ آلِ عب کرتا ہے
 آپ قرآن میں خدا اُن کی ثنا کرتا ہے

وصف ایسوں کا ناپا پر کوئی کیونکر لائے ۴۴ تین سو آئے ہوں، تعریف میں جن کی، آئے
 کسی الہاں نے یہ دنیا میں ہیں رتبے پائے اپنا محبوبِ ولی جس کو خدا فرمائے
 آلفِ آل میں مرئے تو خوش اقبال ہے
 سنگ ہے اُن کی محبت سے جو دل ٹالی ہے

اسفلوں سے ہے محبت تجھے اور سفند مزاج ۴۵ خاک پاس کی ہوں میں ہے جو سرِ عرض کا تاج
 جس کو کاندھے پہ محمدؐ کے، ٹی ہے معراج میرے آقا سا سخی کون ہے کونین میں آج
 کیوں ترے سامنے مکروں کو نہیں بخشا ہے
 ہاں، مجھے شاہ نے، فردوس بریں بخشا ہے

باغِ جو محمدؐ کو دکھایا اسے کیا جانے تو ۴۶ راحتِ روح ہے جس بلغ کے ہر پھول کی بو
 مجھ کو اللہ نے بخشیں ہیں وہ حوریں خوش و کز جنہیں تیرے فرشتوں نے نہ دیکھا ہو کبھو
 نام کو فرکانہ لے تو مجھے خوش آتا ہے
 انھیں چینیٹوں سے تو یہ ہوش کو ہوش آتا ہے

قرت دیں شرف کون دسکاں ہیں شیر ۴۷ جانِ زہرا ہیں محمدؐ کی زباں ہیں شیر
 سنگ پانی ہوزہ اعجازِ بیاں ہیں شیر جانِ کیوں ہو نہ ادھر جانِ جہاں ہیں شیر
 مہرباں ہوں تو ابھی عقدہ کشائی ہووے
 وہ نہ بخشیں تو نہ ملک نہ رسائی ہووے

کیا میں اور کیا وہ بیات مری، کیا میرے خیال ۴۸ جبکہ آفت میں پہنچے اُمیدِ نجات کی آل
 دانا کی اُطاک و زراعت کا ہو کیا مجھ کو خیال یاں ہوئی جاتی ہے سادات کی گیتی پامال
 گھر کا اب دیمان نہ بچوں کا الم ہے مجھ کو
 خانہ بربادیِ شیر کا غم ہے مجھ کو

دولتِ حاکمِ دوں بڑ ہے ترادار و مدار ۴۹ دارِ دنیا سے تعلق نہیں رکھتے، دیں دار
 کیا مجھے دار پہ کھینچے گا، وہ ظالمِ قدار خوابِ غفلت ہے اُسے، اور مے طالعِ بیدار
 کسی سردار نے یہ آؤج نہ پایا ہو گا
 دارِ طوبیٰ کا، مے فرق پہ سایا ہو گا

ہے سرفرازِ سدا عاشقِ پیشانیِ شاہ ۵۰ سجدے کیجے کہے بیتِ ابروؤں کی بیتِ لاشہ
 عشقِ آنکھوں کا ہے مردم کے لئے نورِ نگاہ ہے وہ یوسف جسے ہو مصحفِ خُدا کی چاہ
 عاشقِ لب کو خدا صل و گہر دیتا ہے
 وہ دہن، چشمہ کوثر کی خبر دیتا ہے

خالِ رخسار نہیں، گوئے سعادت ہے یہ ۵۱ مجھ سے مجرم کے لئے مہرِ شفاعت ہے یہ
 ہوں جو آشفقہ گیسو تو عبادت ہے یہ بخدا سلسلہ بخششِ اُمت ہے یہ
 شبِ معراجِ رسولِ دو جہاں سمجھا ہوں
 اس کے ہر تار کو میں رشتہ جاں سمجھا ہوں

وصفِ دندان میں زبان جس کی لپکتے گوہر بار ۵۲ موتیوں سے دہن اُس شخص کا بھر دے غفار
 شوق میں سیبِ ذوق کے جسے آئے نہ قرار خوریں غرنے سے دکھائیں اسے رنگِ رخسار
 دم بہ دم چاہنے والوں کے لہو گھٹتے ہیں
 یہ گلاہ ہے گلے جس کے لئے کنتے ہیں

سدقے اُس سینے پہ ہیں، عاشقِ صافی، سینا ۵۳ خاک اس دل پہ جو اس سینے سے رکھے کینا
 حقِ نا ہے تو جہاں میں ہے ہی آئینا اس کا عاشق ہو تو، ہوں کور کی آنکھیں بیٹا
 فیضِ پاتا ہے وہ دل جس میں دلا ہوتی ہے
 چشم کوئل کی زیارت سے جلا ہوتی ہے

پاؤں یہ وہ ہیں کزان پاؤں کو جو ہاتھ لگائے ۵۴ تو سرِ دست سرفرازی کو نین وہ پائے
مگر دُسلین سب مالک جواثر اپنا دکھائے تو تیشا ہوئے نخل، کھل جواہر شرائے

صدقے کر دیں گے سران پاؤں پہ ہم ایسے ہیں

دو شبِ احمد پہ سب جو یہ قدم ایسے ہیں

عملِ خیر سے بہکا نہ مجھے ادا بلیس ۵۵ یہی کو نین کا مالک ہے یہی راسِ درِ نین
کیا مجھے دے گا ترا حاکم طعون و خیس کچھ تردد نہیں کہہ دے کہ کھٹے پرچہ نویس

ہاں سوئے ابنِ شہنشاہِ عرب جاتا ہوں

لے سٹگر جود جاتا تھا تو اب جاتا ہوں

کہہ کے یہ ڈاٹ سے غازی نے نکالی تلوار ۵۶ سرخ آنکھیں ہوئیں ابرو پہلے آئے اک بار
تن کے دیکھ طرفِ فوجِ امام ابرار پاؤں رکھنے لگا بن بن کے زمیں پر رہوار

نخل جو استید والا کا ولی جاتا ہے

لو طرف دار حسین ابنِ علی جاتا ہے

حُرنے نعرہ کیا، یا حیدرِ صفدر مددے ۵۷ وقتِ امداد ہے، یا فاتحِ خیر مددے
نعبِ زہر امدے، نفسِ بیمبر مددے بندۂ آل ہوں، یا خواجہ قنبر مددے

تن تنہا ہے غلام اور بہتِ اعظم ہیں

آئی آواز کر اے حُرنے حامی ہم ہیں

مل گئی راہِ خدا واہ رے اقبال ترا ۵۸ پاک عیساں سے ہوا نامہ اعمال ترا
جرمِ باضی ہوئے سب غفورِ غشا حال ترا جلد جا جلد کہ شائق ہے مرالال ترا

مرد ہے جس کی یہ ہمت یہ ارادہ ہووے

ہاں بہادر تری توفیق زیادہ ہووے

منتظر ہیں ترے سب فوجِ حسینی کے جواں ۵۹ درِ فردوس پہ مشتاق کھڑا ہے رضوان
راہِ کمتی ہیں تری دیر سے حورانِ جنان شور کوثر پہ ہے شپیر کا مہاں ہے کہاں

فوجِ قدسی تری ہمت کی ثنا کرتی ہے

فاطمہ آج ترے حق میں دعا کرتی ہے

تو بہشتی ہے، یہ کافر ہیں کشتی، اے حر ۶۰ مٹ گئی سب ترے اعمال کی رشتی اے حر
 دیکھ اب صورتِ حملانِ بہشتی اے حر کس تلام میں بھی ہے تری کشتی اے حر
 غضب اللہ کا شیر کی ناراضی ہے
 پنجتن تجھ سے ہیں راضی تو خدا راضی ہے

اور بالیدہ ہوا من کے یہ مژدہ وہ جزیر ۶۱ دل بیتاب بکارا کہ نہیں طاقتِ صبر
 اب تو اس فرح میں اک دم کی بھی توفیق ہے جبر قمرِ دوزخ ہے مسلمان کے لئے صحبتِ گبر
 ہاں اٹھا باگ، جو شیدائے خیرِ عالی ہے
 فرح اللہ و نبی میں تری جاغالی ہے

مٹی کے یہ باگ جوں اسبک تانازا ۶۲ ڈر سے رنگِ عمرِ شعبہ پرواز اڑا
 کیا اڑا رخس، کہ ملاؤں بھدنازا اڑا دی پرندوں نے یہ آواز کہ شہباز اڑا
 بلغ زہرا میں نسیم سحری جاتی ہے
 غل تھا دربارِ سلیمان میں پری جاتی ہے

کیا دو تین رسالوں نے تعاقب ہر چند ۶۳ حر کا ہاتھ آنا تو کیسا نہ ملی گردِ سمند
 کہتے تھے شرم سے نہ لے کے جوڑے تھکند یہ پھلاوا تھا کہ آندھی، یہ فرس تھا کہ پرند
 کیا سبک سوئے جن بادِ بہاری پہونچی
 ہم یہیں رہ گئے واں حر کی سواری پہونچی

یاں ہوئے علمِ امامت سے شبہ دیں آگاہ ۶۴ ہنس کے عباس سے فرمایا کہ اے غیرتِ ماہ
 میرے لشکر کی طرف ہے رخِ مژدہ جاہ سبے کہدو کہ نہ رو کے کوئی اس شخص کی راہ
 جاؤ لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے

میرا مہاں مرا عاشق مرے پاس آتا ہے
 ذلیر تھا کہ صد اڈوسے آئی اک بار ۶۵ انبیاء اے جگر و جانِ رسولِ مختار
 بھرم ایسا ہوں کہ عھیل کا نہیں جس کے شمار عفو کر عفو کر اے چشمہ فیضِ غفار
 پار دریا نے خطا سے مری کشتی ہو جائے
 دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہو جائے

کئی روزوں سے تلام میں ہوں اے شاہنشاہ ۳۳ مڑاے نوج غرباں، ملا بیڑا ہے تباہ
دستِ پاگم ہیں کچھ ایسے کہ نہیں سوچتی راہ خور کرتا ہوں کہ بستاے کوئی جائے پناہ
ابر رحمت کی طرف جا یہ صدا دیتے ہیں

سب ترے دامنِ دولت کا پتا دیتے ہیں
ترے دامن کے نثار اے مرے آقائے جلیل ۶۷ رحم کر رحم کر شرم نہ ہے یہ عبدِ ذلیل
دل خنک ہوئے جو نکلے کوئی کوثر کی بسیل جان آجائے جو مولائے دو عالم ہوں کفیل
نہ دزیروں میں یہ ہمت نہ شہنشاہ میں ہے

سب مرے درد کا درماں تری درگاہ میں ہے
خلق میں آپ کے والد کا کرم ہے مشہور ۶۸ بات میں بخشدیئے سینکڑوں بندوں کے قصور
مجھ سے ہیں باگ بکڑ لینے پہ آزرہ حضور بخشدیئے تو کرم سے نہیں کچھ آپ کے درد
یہ تو کیونکر کہوں میں لائقِ تعزیر نہیں
مگر اسوؤ سے زیادہ مری تقصیر نہیں

اے مددگارِ معین 'الغصفا' ۱ درکنی ۶۹ اے خبر گیرِ گروہِ غسریا، ادرکنی
پاؤں لغزش میں ہیں اے دستِ خدا درکنی ہاتھ باندھے ہوں میں اے عقدہ کشا، ادرکنی
دیجئے حر کو سندان سے آزادی کی
آئیے جلد خبر لیجئے فریادی کی

مرے اعمال میں ہر چند سراسر ہے بدی ۷۰ ہوں گنہگارِ خدائے ازلی و ابدی
آپ ہیں مالکِ سرکارِ جنابِ احدی لے خداوندِ جہاں خُذ بیدی خُذ بیدی
جو تھی دست ہیں تکتے ہیں شہنشاہ کا ہاتھ

آپ کا ہاتھ زمانے میں ہے اللہ کا ہاتھ
ایک یہ خستہ تن اور ورپے جاں لاکھ حریف ۷۱ اے سلیمان کہیں پامال نہ ہو موثرِ ضعیف
چھوڑ کر آپ کی سرکار کہاں جائے نحیف کیجئے اب نظرِ نطف کہ ہوتا ہے خفیف
ہوں سرفرازِ جواشنِ ہی کرم ہو جائے
تامِ قبر کے غلاموں میں رقم ہو جائے

استغاثہ یہ کیا کرنے جو بادیدہ نم ۲، اٹکيا خوش میں اللہ کا دریائے کرم
خود بڑھا ہاتھوں کو پھیلائے فہنشاؤ امم حر کو یہ ہاتھ فہمی نے صدا دی اس دم
شکر کر سبط رسول الثقلین آتے ہیں

مے بہادر ترے لینے کو حسین آتے ہیں

خمر نے دیکھا کہ چلے آتے ہیں پیدل شبیر ۳، دوڑ کر جوم لئے پائے شرعش سریر
شر نے چھاتی سے لگا کر کہا لے باتوقیر میں نے بخش، مرے اللہ نے بخش تقصیر
میں رضامند ہوں کس واسطے مضطر ہے تو

مجھ کو عباس دلاور کے برابر ہے تو

کس کے کیوں باندھا ہے ہاتھوں کو میں تاہوں خج ۴، سہل کر دیں اسے گراور کوئی ہو مشکل
بھائی آ، مجھ سے بھل گیر تو ہو کھول کے دل غافر د راحم و تواب ہے رب عادل
جرم سب محو کئے حق نے ترے دفتر سے

آج پیدا ہوا گویا شکم مادر سے

خمر پکارا بائی آنسٹ و امنی یا شاہ ۵، قابل عفو نہ تھے بندہ آثم کے گناہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن میں مل جائے یہ راہ سب سے صدقہ انھیں قدموں کا خدا ہے آگاہ

مہر نرے پہ جو ہونیت رہا ہوں چلے

آپ جس مور کو چاہیں وہ سیدیاں ہو جائے

کون تھا تو تھے سلمان و اباؤ تھے کون ۶، آپ فرمائیں کہ عمار دلاور تھے کون
نور عالم میں جو ہے مالک اکثر تھے کون اے خداوند جہاں حضرت قبر تھے کون
انھیں قدموں کا تعشق تھا کہ تمار چو

اسی سرکار کے غلامت سے سرفراز ہو

شر نے فرمایا کہ خالق کی عنایت ہے یہ سب ۷، دے کسی شخص کو بندے میں یہ تقدیر ہے کب
اس سبب کی عنایت کے یہ سب ہیں سب دہی منعم، دہی محسن، دہی رازق، دہی رب

اپنے کیسے سے نہ دامن اور درم دیتے ہیں

جب وہ خالق ہیں دیتا ہے تو ہم دیتے ہیں

لاکھ ہاتھ اس کے ہیں دینے کے وہ ایسا ہے جواد ۸، ہم لے بھولیں تو بھولیں وہ نہیں رکھتا ہے یاد
 بزرگ وہ حوصلہ حرص سے دیتا ہے زیادہ شکر کرتے نہیں معبود کا اس پر بھی عباد
 وہ غنی ہے کہ ہے محتاج زمانہ اس کا
 کبھی خالی نہیں ہوتا ہے خواہ اس کا

جس قدر اس سے طلب کیجئے خوشنود ہے وہ ۹، صاحب جو ہے داب ہے محمود ہے وہ
 ہاتھ پھیلائے جو سوار تو، موجود ہے وہ بخش دیتا ہے کہ ہم عبد ہیں معبود ہے وہ
 پرورش جزم پہ بھی، صبح و شام ہوتی ہے
 یاں سے ہوتی ہے خطا ماں سے عطا ہوتی ہے

کہہ کرے یہ ساتھ لئے خر کو چلے شاہِ اُمم ۱۰ ہاتھ میں ہاتھ تھا مہمان کا اللہ سے کرم
 اس درجہ تا ستم و اکبر تھے، زہے شان و شہم سر پہ کھولے ہوئے تھے حضرت عباسؓ علم
 دُور سے اہل خطا تیر جو برساتے تھے
 رنقا سائے میں دھالوں کے لئے آتے تھے

لئے اس عزت و حرمت سے جو مہمان کو امام ۱۱ بولے عباسؓ کمر کھول اب لے نیک انجام
 شے نے نہ دیا مناسب ہے کوئی دمِ اُلام عرض کی خرنے کمرِ خلد میں کھولے گا غلام
 فاتحہ پڑھ کے، یہ شمشیر و سپر باندھی ہے
 آج اس عزم پہ غلام نے کمر باندھی ہے

ہے بہت شہر و عمر سے مجھے لڑنے کی اُمگ ۱۲ ایک ہی دار میں دلوں کا کروں گا چرنگ
 شکرِ اُلام سے ہم چیلے آتے ہیں صدنگ شاہزادوں کی سپر ہوں کہ عبادت ہے جنگ
 لیکن ایسا نہ ہو بچہ کوئی بے جاں ہو جائے
 پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قرباں ہو جائے

شے نے فرمایا، دشوار ہے فرقت تیری ۱۳ مجھ کو مر کر بھی نہ بھولے گی محبت تیری
 دا دینا، ہوئی کچھ ہم سے نہ خدمت تیری خیر فردوس میں ہو جائے گی دعوت تیری
 آج رتبہ ترا خیلِ شہدائیں ہوگا
 شب کو تو محبت مجبُوبِ خدا میں ہوگا

تجھ پہ مخفی نہیں بغتم سے جو کچھ ہے مرا حال ۸۳ راہیں ہر سمت کی نیک کے ہوئے ہیں اہل ضلالت
 قحط پانی کا ہے اس دشت میں گندم کا بے کال نان جو کا بھی ہے ٹٹا کسی قریے میں حال

سب کو ایذا عرضِ آب و غدا ملتی ہے

دودھ اصفہ کو نہ عابد کو دوا ملتی ہے

خُرنے زد کر سر تسلیم جھکا یا بہ ادب ۸۵ شہ نے روال رکھا آنکھوں پہ رونے لگے سب
 جب چڑھا گھوڑے پہ وہ عاشق سلطانِ عرب شاہ بولے کہ عجب دوست چمکا ائے غضب

دم بہ دم یاں سے جو آواز بکا جاتی تھی

گریہ آلِ محبت کی صدا آتی تھی

خُرجا فوج مخالف پہ اڑا کے توسن ۸۶ چوڑی بھول گئے جس کی تنکا پوسے ہرن
 وہ جلال اور وہ شوکت وہ غضب کی چتون ہاتھ میں تیغ، کماش دوش پہ بریں جوشن

دوسرے دوش پہ شیلے کے جوہل کھاتے تھے

کاکن خور کے سب بیچ کھلے جاتے تھے

زور بازو کا نمایاں تھا بھرے شانوں سے ۸۷ دستِ فولاد دبا جاتا تھا داستانوں سے
 برج پیلوں اڑتا تھا دب کے فرس رانوں سے آنکھ لڑ جاتی تھی، دیا کے نگہبانوں سے

خود رومی کی، جوضو، تا بہ فلک جاتی تھی

چشمِ غور شہید میں بجلی سی چمک جاتی تھی

نیزہ خُرجی سناں پر نہ ٹھہرتی تھی نگاہ ۸۸ تھا یہ ظاہر کہ نکالے ہے زباں مارِ سیاہ
 قبضہ تیغ پہ رکھے تھی سرِ عجز پناہ آفتابی وہ سپر جس سے تجسِ گردہ ماہ

قدر اندازوں کو جانوں کے ادھر لائے تھے

تیر ترکش میں نہ تھے آگ کے پر کالے تھے

رن میں جب شکی طرف سے خُردیں مار آیا ۸۹ کس بشارت سے اڑاتا ہوا رہوار آیا
 فل ہوا سیدِ مظلوم کا، غم حوار آیا مطلقِ دم جاں نثارِ خلفِ حیدر گراڑ آیا

حقیقی کورسِ راہ نظر آتا ہے

جلوۂ قدرتِ اللہ نظر آتا ہے

آنے جانے کا بہادر کے کروں کیا مذکور ۹۰ پہلے کچھ اوری جلوہ تھا پر اب اور ظہور
اے خوشتر تیر فیض قدم پاک حضور غل تھا آتا ہے نلک پہنے ہوئے خلعت نور

محبت اہل ولا، دل کو جلا کرتی ہے
بس کو اک آن میں اکیر طلا کرتی ہے

واہ کیا فیض ہے، سرکارِ شہ عالم میں ۹۱ ذرہ خاک کو خوشید کیا، اک دم میں
نور یہ حر میں دیکھا، نہ بنی آدم میں یہ وہی حیرت جری ہے جوابی تھا ہم میں
تن ہے خوش بو، رخ گل رنگ تر و تازہ ہے
خاک فلیں، لب رک کی محب خانہ ہے

مہر و قہ ہے جہاں، چہرہ روشن ایسا ۹۲ چاند بختی جس سے کرے کب فیاتن ایسا
حرز ہو، بازوئے داؤد کا، جو شش ایسا ہوش پر یوں کے اڑے جاتے ہیں تو سن ایسا
گلشن دہر میں لوبا و بہاری آئی
قاف میں غل ہے سیلماں کی سواری آئی

حُر پکارا کربا کہتے ہو بے شک، لاریب ۹۳ دامن حضرت فہر نے ڈھانپے مرے عیب
دولت دیں سے نہ دامن مرا خالی ہے نجیب بانک اللہ کی دیرتا ہے صدا ہا تع غیب
فیض پا کر پئے شمشیر زنی آیا ہوں
یاں سے محتاج گیا، واں سے غنی آیا ہوں

مجلو خورشید کیا نور خدا کی منونے ۹۴ نور بخشا قمرِ فاطمہ کے پر تو نے
بخت پائے میں سکندر کے غلام نو نے گنج وہ لایا ہوں، دیکھا جو نہ تھا خسرو نے
دور دور آج سے میرا ہے، زمانہ میرا

کبھی خالی نہیں ہوئے کا خسرو نے میرا

نہ روشن کو مرے تکتے ہو کیا حسرت سے ۹۵ کل کے آیا ہوں منہ اپنا قدم حضرت سے
نور وہ ہے جسے دیکھیں، نظر رغبت سے والے و داؤگ، جو محروم ہیں اس دولت سے
مجلو بھی دیکھ کے بیدار نہیں ہوتے ہو
ہے غضب آنکھیں تو کھولے ہو، مگر سوتے ہو

ہاں سلطان رسالت کو غنیمت جانو ۹۶ پسر شاہِ ولایت کو غنیمت جانو
نورِ خالق کی زیارت کو غنیمت جانو قمر برجِ امامت کو غنیمت جانو
ساتھ اس کے برکتِ خلق سے اٹھ جائے گی
پھر جو دھونڈو گئے یہ دولت تو نہ ہاتھ آئے گی

ایک سید کے مٹا دینے میں ہے کونسا نام ۹۷ اس ہوا پر ہو کہ بچھ جائے چراغِ اسلام
گر ہو دانا تو کہو بد ہے کہ ہے نیک یہ کام خوش ناک ہے وہ تسبیح، نہ جو جس میں امام
شکرِ احسان جنابِ صمدی کہتے ہیں
پیشوا سے کہیں پیرو بھی بدی کرتے ہیں

یہ سخن سن کے پکارا پسر سعدِ شیر ۹۸ ہاں طرفِ دارِ شہ دیں پہ چلیں نیزہ و تیر
لئے حربوں کو بڑھا فوج کا انہوہ کھنجر فاتحہ بڑھ کے جواں مرد نے کھنچی شمشیر
خُرا کا منہ سرخ ہوا فوجِ ستم زد ہوئی
شعلہ تیغ سے بجلی کی چمک اُگڑ ہوئی

ردِ تھرا گیا نعرے جو سنے فیغم کے ۹۹ استخوان کا نپ گئے زیرِ زمین رستم کے
تدو بالا ہوئیں لشکر کی صفیں جم جم کے برتنِ شمشیر سے ڈر ڈر کے فرس بھی چمکے
نوبتِ جنگ نہ آئی تھی کو دل ٹوٹ گئے
بیرِ تہن گر گئیں باتوں سے نشان چھوٹ گئے

چیمڑ کر باگ، فرس کو جو ذرا گرمایا ۱۰۰ غیظ میں آن کے گھوڑا بھی غصہ کف لایا
شیرِ سا فوجِ مخالف پہ جھپٹ کر آیا روند والا اسے دم میں جسے سرکش پایا
اس کا قاتل تھا جو دشمنِ شہِ عالی کا تھا
کاٹ ہر نعل میں شمشیرِ ہلالی کا تھا

حشر برپا تھا کہ تیغِ حُر ذی جہاہ چلی ۱۰۱ آگ برسانے کو بجلی سوئے جنگاہ چلی
کس کریشے سے وہ یلِ ظفر، راہ چلی گرتھی گاہ بڑھی گاہ رُکی گاہ چلی
زخمِ سینوں کے گرہاں کی طرح پھٹتے تھے
چال کیساتھی کہ ہزاروں کے گلے کٹتے تھے

کہیں صفیں صاف مگر منہ کی صفائی نہ گئی ۱۰۲ کج آدائی کو نہ چھوڑا، وہ لڑائی نہ گئی
کاٹ بھانٹ اور وہ لگاؤ رکھائی نہ گئی سیکڑوں خون کئے اور کہیں آئی نہ گئی

شور تھا برق، پئے جلوہ گری نکلی ہے

جان لینے کو، اجسل بن کے بڑی نکلی ہے

جس طرف دیدہ جوہر سے نظر کرتی ہے ۱۰۳ پل نہ گزرے کہ صفیں، زیر و زبر کرتی ہے
چشم ہر چہند کہ بتلی کو، سپر کرتی ہے ہے وہ طراز کہ آنکھوں میں یہ گھر کرتی ہے

اس کے افسوں سے جو ساحر ہو تو بل جاتا ہے

سمہ پر یوں کا اسی طرح سے چل جاتا ہے

پھونکے بجلی کو یہ اس آگ کی ہے، پر کالا ۱۰۴ کاٹ جائے تو کبھی لہر نہ لے پھر کالا
برجیاں چل گئیں اس پر جسے دیکھا بھلا آگیا دام میں جس شخص پہ دورا ڈالا

اس کے پانی میں کف مار رہا گھولا ہے

بازہ ہے یا ملک الموت نے منہ کھولا ہے

آئی جس غول پہ لاشوں سے زمیں پاٹ گئی ۱۰۵ دست دیا صدر کو گزر گردن دسر کاٹ گئی
پاٹ ایسی تھی لہو کی، کہ صفیں پاٹ گئی دیکھی تیغوں کی جدر باڑا اسی گھاٹ گئی

جس پہ جاتی تھی، نہ بے جان لئے پھرتی تھی

ایک بجلی تھی، مگر لاکھ جگہ گرتی تھی

محل نئے پھولے جو رچی پہ لگا پھل اُس کا ۱۰۶ زور دکھاتا تھا، ہر ضرب میں کس بن، اس کا
ڈھیر تھا خاک پہ کاٹا ہوا جنگل، اُس کا جو بڑھا جنگ میں قصہ ہوا فیصل اس کا

شور تھا دیکھئے کیوں کر یہ بلا ملتی ہے

اس قدر جلد تو شیگفتی بھی نہیں چلتی ہے

جنگ میں تیغ کو دعویٰ تھا کہ کیتا ہوں میں ۱۰۷ سر اٹھایا تھا یہ گھوڑے نے کہ عتقا ہوں میں
چرخ کہتا تھا کہ یارب تہ بالا ہوں میں . برق کہتی تھی کہ تلوار ہے یہ، یا ہوں میں

کس میں ہے یہ جو ٹپ زیرِ فلک میری ہے

تیغ کرتی تھی اشارہ، یہ چمک میری ہے

نہی سنگ سے وہ اور نہ رُکی آہن سے ۱۰۸ ہاتھ اڑائے تھی یہ بونچوں سے تو سر گردن سے
 نہ اٹھی اس کی کڑی ضرب کسی جوشن سے چل گئی بادِ عافِ جدمہرائی، سن سے
 جوش طوفان کا دکھا کردہ خوش اسلوب گئی
 خوں کے دریا میں ہر ایک کشتی تن ڈوب گئی

کثرت جو ہر ذاتی سے گودہ جال میں تھی ۱۰۹ پر ترپ صورتِ ماہی وہی ہر حال میں تھی
 تھی جھک جانے میں بکلی تو بری چال میں تھی کہیں منف میں، کہیں سر میں، کہیں ڈھال میں تھی
 کہیں دم لینے کی مہلت تھی نہ بسل گئے
 تھی جگر کے لئے برہمی تو چھری دل کے لئے

مید کرنے کو جدمہر صورتِ شہباز آئی ۱۱۰ لاکھ ترپا پتہ نہ بے جان لئے باز آئی
 غل ہوا شہ پر شاہیں کے تلے، قاز آئی اڑ گیا طائرِ جاں، اور نہ آواز آئی
 گرچہ قبضے میں لئے تھی اسے پر جھوڑ دیا
 تھاز بس صید زہوں، کاٹ کے سر جھڑ دیا

آب نے آتش سوزاں کا اثر دکھلایا ۱۱۱ تاب نے مرگِ مغافات کا گھر دکھلایا
 باڑھ نے جادہ صحرائے سقر، دکھلایا گھاٹ نے آئینہ نست و نطفہ، دکھلایا
 تیغ کہتی تھی در فتح کی مفتاح ہوں میں
 قول قبضے کا یہ تھا قابضِ ارواح ہوں میں

ختم وہ پایا تھا کہ شر لائے ہلالِ مرید ۱۱۲ حُر کے ہاتھ آگئی تھی گلشنِ جنت کی کلید
 برش ایسی تھی کہ کٹ کٹ گئی سب فوجِ یزید جامہ کفر کے پُر زست تھے زہے قطع و برید
 نہ بچا تارِ نفس، خلق میں، جینے کے لئے
 چاک زخموں کے نقطہ رہ گئے سینے کے لئے

کئی حملے کئے پیہم جو کمانداروں پر ۱۱۳ چل گئے تیر طاقت کے خطا کاروں پر
 چٹکیاں سب کی دھری رہ گئیں سونواروں پر رُخ پھرا تھا کہ گرمی برق ستم گانوں پر
 جل کے خرمن ہوا یوں خاک کہ خوشہ نہ ملا
 کشمکش میں کہیں ٹھننے کو بھی گوشہ نہ ملا

نیزہ فوج بستمگارتھے دیکھے بھالے ۱۱۴ دم میں اس شیر نیٹاں نے قلم کڑوائے
 گرچہ تھے جان لڑائے ہوئے لڑنے والے آفت مرگ کو سر سے کوئی کیوں کرٹالے
 جب سواروں کے پرے جنگ پٹیل جاتے تھے
 بند سب ناخن شمشیر سے کھل جاتے تھے

الف گرز کو کر دیتی تھی ہر ضرب میں دال ۱۱۵ تھی نئی آمد و رفت اور نئی طرح کی چال
 کہیں برہمن کی آتی تھی تو کہیں تیر کی بھال کہیں تلوار کہیں خنجر براں کہیں ڈھال
 ضرب کو روک کے دشمن کو فنا کرتی تھی
 دم بہ دم فوج ستم گر بھی ٹٹا کرتی تھی

شور تھا آگ ہے تلوار میں یا پانی ہے ۱۱۶ جل بھی کشتی تن خون میں طوفانی ہے
 ضرب میں فرد ہے یا زور میں لاثانی ہے کہتا تھا حشر یہ نقط قوت ایامی ہے
 زور تھا مجھ میں نہ ایسا زوفا کی طاقت
 سب ہے یہ سبط پیمبر کی دعا کی طاقت

کہہ کے یہ فوج میں پھر تشنگ جگر ڈوب گیا ۱۱۷ وڑپہ قلم آفت میں گہر ڈوب گیا
 لشکرِ فام کے بادل میں قمر ڈوب گیا کشمکش تھی کہ غرق میں گل تر ڈوب گیا
 تھا کبھی شیر سا پھر اہوا شمشیروں میں
 کبھی نیزوں کے نیٹاں میں کبھی تیروں میں

گ چھپا اور کبھی نکلا وہ مہربن شرف ۱۱۸ کبھی اس صف میں در آیا کبھی روندی وصف
 کبھی دریا کے کنارے کبھی صحرا کی طرف کبھی نعرہ تھا کہ صدتے ترے یا شاہ نجف
 جتنے مجروح تھے دم اُن کے نکل جاتے تھے
 شیر بھی نام علی عسکن کے دہل جاتے تھے

نخل تھراتے تھے سب گونج رہا تھا جنگل ۱۱۹ سر کی جاتی تھی زمیں رن کی غضب تھی بل جلی
 کو ند جاتی تھی سردوں پر جوہ شمشیر اہل منہ کے بھل گرتا تھا کوئی تو کوئی سر کے بھل
 حشر برپا تھا سواروں پر فرس لوٹتے تھے
 دو پہ چار ایک پہ دو پانچ پہ دس لوٹتے تھے

بڑھ کے فرماتے تھے عباسؑ، زہے عزت و جاہ ۱۲۰ بارک اللہ کی دیت تمام دلوں پر شاہ
کہتے تھے ابن حسنؑ، واہ حر غازی، واہ شاہ ہر ضرب پر فرماتے تھے، ماشار اللہ

اپنی جاں بازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مُسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

جیف، جھکنے میں عینوں نے جو فرصت پائی ۱۲۱ سامنا چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
لاکھ خوں ریز اُدھر، اور اُدھر تنہائی باگ گھوٹ کی پھرانا تھا کہ برجی کھائی
آگیا موت کے پنجے میں نہ کچھ دیر لگی
فرق پر گزر دگا دوش پشیمیر لگی

سینہ غزاں ہوا، تیسرے چلے اعدا کے ۱۲۲ رکھ دیا شیر نے قریب پر سُر نہوڑا کے
علی اکبرؑ نے یہ حضرت سے کہا چلا کے گر ہوا رشا تو وہاں کو سبھاؤں جلا کے

خانہ زین سے عدم کا سفری گرتا ہے
خاک پر گھوڑے سے اب خبر جری گرتا ہے

شاہ رونے لگے یہ سنتے ہی، مہاں کی خبر ۱۲۳ ہو گئی آنسوؤں سے ریش مبارک بتر
علی اکبرؑ سے کہا تم ابھی ٹھہرو دلبر حر کی امداد کو ہم جائیں گے اے نورِ نظر
کس سے اس وقت کہوں میں جو خلق مجھ پر ہے
لاش مہاں کی اٹھاؤں گا کہ حق مجھ پر ہے

عرض کی حضرت عباسؑ نے جاتا ہے غلام ۱۲۴ جوشِ رقت میں کہا شرف نہیں اے گلِ غلام
میری آفت میں ہوا قتلِ حُر نیک انجام دوست کیسے جو بُرے وقت میں ہم آئیں گے کام
اس پہ جب سخت گھڑی ہوگی تو کام آئیں گے
لاش کیا قبر میں مہاں کی ہم جائیں گے

اس کے لاشے پہ نہ جائیں یہ مروت سے بے ڈور ۱۲۵ اُس سے ہم شاد ہوئے وہ بھی تو ہم کچھ مسرور
قصرِ قلداس کو دکھائیں کہ ہوئے غفورِ قصور مرنے رو جا کہے دنیا سے وہ خالق کے حضور

ایسا زُربہ کوئی خلق میں کم نہکے گا
میرے مہاں کا مری گود میں دم نہکے گا

یہ سخی کہہ کے چلے ری کو، جنابِ شہیر ۱۲۶
 دیکھ کر شاہ کو آتے ہوئے بھاگے بلے پیر
 چمن ہستی مہاں کو آجڑتے دیکھا
 ایڑیاں خاک پہ زخمی کو رگڑتے دیکھا

گر کے دھکے برابر یہ پیکارے سرد ۱۲۷
 ہائے طعنے میرے مددگار و معین و یاد در
 گرز کیا تجھ کو لگا ٹوٹ گئی میری کمر
 دوست کے ہجر میں کش و رشت کو معین آیا
 کھول دے آنکھوں کو بھائی کہ حسین آیا ہے

واہ رے تجر جری میں تری بہمت کے فلا ۱۲۸
 ہے یہ یکس ترا شرمندہ احساں بہ خدا
 حق تلے، چمنِ غلد میں گھر دے بھائی
 اس ریاضت کا خلا تجھ کو مٹ دے بھائی

خُروچو نکا کے جیب ابنِ مظاہر نے کہا ۱۲۹
 دیکھ دیدارِ جگر بندِ جناب زہرا
 دم ٹکا ہے تو اشارے سے دھیت کر لے
 نزع میں نورِ الہی کی زیارت کر لے

کسی آتھ نے کہی کی ہے یہ توقیرِ غلام ۱۳۰
 بھائی فرماتے ہیں شفقت سے شیرِ عرشِ نظام
 دیکھ تو رحم، ترے واسطے روتے ہیں امام
 اے خوشحالِ خدا سب کا کرے نیک انجام
 حشر تک خلق میں یہ ذکرِ غم انگیز را
 تو تو بچپن کے غلاموں سے بھی کچھ تیز را

نیمِ داچشم سے خُرنے، رُبِ مولا دیکھا ۱۳۱
 شکر اگر طرفِ عالم بالا دیکھا
 زبیرِ سر زانوئے شہیر کا تکیا دیکھا
 غرض کی حسنِ رُبِ حورِ نظر آتا ہے
 فرخس سے عرشِ تلک نورِ نظر آتا ہے

باغ فردوس دکھاتا ہے مجھے اپنی بہار ۱۳۲ صاف نہریں ہیں لعلایں جھوم رہے ہیں شہار
شاخوں سے میری طرف بڑھتے ہیں جیسے ہر بار خوریں لاتی ہیں جواہر کے طبق بہرِ نثار

ہے یہ رضواں کی صدا دمیان کدھر تیرا ہے
دیکھو اے شاہ کے مہمان یہ گھر تیرا ہے

مجھ کو لینے چلے آتے ہیں فرشتے یا شاہ ۱۳۳ ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ
خلد سے شیرِ خدا نکلتے ہیں اللہ اللہ لو برآمد ہوئے شہرِ تبر بھی پدر کے ہمراہ
نہنگے سراحمدِ مختار کی پیادری آئی
دیکھئے آپ کے انا کی سواری آئی

قبلہ رو کیجئے لاشہ مرا اے قبلہ دیں ۱۳۴ پڑھئے یسین کہ اب ہے یہ دم باز یسین
کوچِ نزدیک ہے اے بادِ شہِ عرش نشیں یسینے تن سے نکلتی ہے مری جانِ حزیں

بات بھی اب تو زباں سے نہیں کی جاتی ہے
کچھ اٹھا دیجئے مولا مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ گود میں پیئر کے لی انگڑائی ۱۳۵ آیا ماتھے پہ عرقِ چہرے پہ ندوی چھائی
شہ نے فرمایا ہمیں چھوڑ چلے کیوں بھائی جل بسے حرمِ جبری پھر نہ کچھ آواز آئی
طائرِ روح نے پرواز کی طوہنی کی طرف

پتلیاں رہ گئیں پھر کر شہِ دالا کی طرف

بس انیس اب یہ دھانگ کر لے رہے عباد ۱۳۶ لکھنؤ کے طبقے کو تو سدا رکھ آباد
رونے والے شہِ دالا کے رہیں خلق میں شاد اُن کے سائے میں برومند ہو اُن کی اولاد

عشرہ ماہِ عزنا ناکشی میں گزریے

سال بھر شہ کے غلاموں کو خوشی میں گزریے

مرثیہ (۷)

طے کر چکا جو منزلِ شب کا روانِ صبح ۱ ہونے لگا انق سے ہرید، نشانِ صبح
مگردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح ہر سو ہوئی بلند مدائے اذانِ صبح
پنہاں نظر سے روئے شب تار ہو گیا

عالم تمام، مطلعِ افوار ہو گیا
خوشید نے جو رخ سے اُٹھائی نقاشِ شب ۲ در کھل گیا سحر کا ہوا بند بابِ شب
انجم کی فرد فرد سے لے کر حسابِ شب دفتر کشائے صبح نے اُٹھی کتابِ شب

مگردوں پہ رنگِ چہرہ مہتابِ حق ہوا
سُطائیِ غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا
پہونچا جو مہرِ ہر سے فراتِ غزلِ شب ۳ مگردوں پہ عالمانِ سحر کا ہوا، نصب
منشیِ آسمانِ مع دستِ ہوا طلب بس جا بہ جا سے اُٹھ گئی انجم کی فوجِ آبِ

تاصبح، فرد فرد میں بیگانگی ہوئی
برخاست کی چراغوں کو بردا لگی ہوئی
یوں گلشنِ فلک سے تباہ ہوئے رواں ۴ بچن لے جہیں سے بچولوں کو جس طرح باغیاں
آئی بہار میں گلِ بہتاب پر خزاں مُرجا کے گر گئے، مُرد شاخِ کہکشاں
دکھلائے طور بادِ سحر نے سموم کے
پڑمردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھینا وہ ماہِ تاب کا وہ صبح کا ظہور یادِ خدا میں زمزمہ پر دازیِ طیور
وہ رونق اور وہ سر و ہوا وہ فضا وہ نور خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سُرد
الساں زمیں پہ محو، ملکِ آسمان پر
جاری تھا ذکرِ تہذیبِ حق ہر زبان پر

وہ سُرخِ شفق کی اُدھر چرخ پر ہمار ۶ وہ بار در درخت، وہ صحرا، وہ سبز زار
 شبنم کے، وہ مگلوں پہ، نگہرائے آبدار پھولوں سے سب بھرا ہوا، دامن کو ہمار
 نانے کھلے ہوئے وہ مگلوں کی فیم کے
 آتے تھے سرد سرد وہ جمع کئے فیم کے

تھی دشتِ کر بلا کی، زمین ز شکِ آسمان ، تھا دُور دُور تک، شبِ مبتلا گل سہاں
 چٹکے ہوئے ستاروں کا ذروقِ تھاگماں نہرِ فراتِ نیچ میں تھی، مثلِ کہکشاں
 سر سبز جو درخت تھا وہ غسلِ طور تھا
 صحرا کے ہر نہال کا، سایہ بھی، نور تھا

وہ سر بلند خیمہ ز نگاریِ امام ۸ جس میں خدا کے عرش کے تلامذوں کا تھا مقام
 کم تھا نہ اس کا، خانہ کعبہ سے احترام قدسی طواف کرنے کو آتے تھے صبح و شام
 جلوہ تھا اس میں برجِ امامت کے ماہ کا
 دریاں گھما جب سبیل اسی بارگاہ کا

گیٹوئے حورِ غلد کی، ہمسر ہر اک طناب ۹ دیا تھا وہ، تو گنبدِ گردوں تھا، اک جاب
 وہ شان، وہ شکوہ، وہ رفعت، وہ آبِ تاب شمس سے جس کے، آنکھ چراتا تھا آفتاب
 پڑھنا درود آ کے ملائک کا ورد تھا
 سائے کے بدلے نورِ قاتوں کے گرد تھا

وہ ادج اور وہ قتبہ پر نور کی جھلک ۱۰ منور کی، زمین سے تھی، آسمان تک
 دب دب کے سر جھکا تا بے چوڑے ملک اٹھ اٹھ کے دیکھتے تھے اسے عرش سے ملک
 خوشبو سے ہر بشر کا مسطر دماغ تھا
 دست سے اس کی صحن کا دل، باغِ باغ تھا

تھا وہ پہر دیں، تو ہر ایک چب رکن دیں ۱۱ چکر میں اس کے دورے تھا چرخ ہفتیں
 تھا وہ پہ بابِ گلشنِ فردوس کا یقیں پردے تھے رشکِ پردہ چشمانِ حور میں
 جلوے سے سخن روئے شبِ کائنات کے
 آئینہ دئے نور تھے، افقے کائنات کے

اس کی زمین پاک کو تھا آسماں پہ ناز ۱۲ ساقوں فلک جھکائے ہوئے تھے سر نیاز
طوبی سے سر بلند تو کیا اُس سے سرفراز اور پنج میں وہ مسند شاہنشہ مجاز

کمری میں یہ صف "ذمبات" یہ عرش پر
دل عرش کا بھی لوٹ گیا اُس کے فرش پر

حاضر در حضور پہ ، وہ خامسگانِ رب ۱۳ ایک ایک جن میں فخرِ عجم زینتِ عرب
غربت زدہ ، اگر سزا و مظلوم و تشنہ لب سن کر سحر کا شورا اُٹھے بسترِوں سے ب
کہتے تھے اے جل کے کدھر جستجو کریں

پانی نہیں کہ قبلہ عالم وضو کریں

نیکے حرم سے کر کے تیمم امامِ پاک ۱۴ سجادے سب نے لاکے بچھائے بڑے خاک
اکبر نے دی اذان جو آوازِ دردِ ناک آتو بھرائے ہو گیا دل غم سے چاک چاک

آگے بسوں کے شاہِ مجازی کھڑے ہوئے

پیچھے صفیں جمائے نمازی کھڑے ہوئے

آراستہ صفیں تھیں کہ تر آں گھلا ہوا ۱۵ بسم اللہ اُٹھے پیسے ہو یوں تھا وہ مقتدا
اور مقتدی تھے سب عقب شاہِ کربلا معصم کی جس طرح سے ہوں سطرینِ جلال

جیسا امام دینے ہی برابر فوج تھی

ہر صف خدا کے نور کے دیدار کی موج تھی

سیدھے کبھی الف کی طرح تھے وہ خوش حال ۱۶ جھک جاتے تھے رکوع میں گہے بشکلِ مال
ختم ہو گئے سمجھ میں گر صورتِ ہلال پیشانیوں سے صاف عیاں نورِ نوا لجلال

حق سے دُعا توت میں کوثر کے جام کی

طاعتِ خدا کی تھی ، تو اطاعتِ امام کی

وہ چاند سے سفید عملائے رخوں پہ نور ۱۷ دیکھے سے جن کے سیر کبھی ہو نہ چشمِ حمد
دیں دار و حق پرستِ دل آگاہ و باشعور کمری کے جہاد پہ راحتِ دلوں سے دُور

لب پر درود اشکوں سے آنکھیں بھری ہوئی

تلواریں سجدہ گاہوں کے آگے دھری ہوئی

حُبِّ حسینِ دل میں زباؤں پہ ذکرِ حق ۱۸ نہ فکر کچھ میاں کی نہ مرگ کا قلق
دیں دارا ایسے بھر نہ ہوئے زیرِ مذہبِ حق حقا کہ سب صیغۂ ایمان کے تھے صدق

کس آنستِ عظیم میں ثابت قدم ہے

آقا کا دم بھرا کئے جب تک کہ دم ہے

اللہ نے دل اُن کے دُعا سے بنائے تھے ۱۹ اور جسمِ پاک خاکِ شفا سے بنائے تھے
سینےِ خمیرِ صدق و صفا سے بنائے تھے دستِ کرمِ سنا و عطا سے بنائے تھے

اور لکھ دیا تھا روزِ ازل سرِ نوشت میں

پہونچیں گے یہ حسین سے پہلے بہشت میں

یاں تھیں صفیں نمازِ جماعت کی اور ادھر ۲۰ باندھی تھی فوجِ کیں نے صفِ آرائی پر کمر
شکلِ ہلالِ چڑھتی تھیں تلواریں چرخِ بر نیزے بھی تیز ہوتے تھے اور خنجر و تبر

غل تھا کہ آج خون کا دریا بہتا نہیں گے

پیاسے نمازیوں کے گلے کاٹنے جائیں گے

نیروں کی نوکیں آج ہیں، اور آلِ مصطفیٰ ۲۱ تلواروں سے کریں گے قلم، باغِ مرتضیٰ
تیروں سے چھان ڈالیں گے سیدِ حسین کا خنجر ہے اور سیدِ لب لباب کا گلا

مٹی تلک نہ دیں گے جن پاش پاش کو

گھوڑے سے روزِ ذوالیں گے سید کی لاش کو

یہ ذکر تھا کہ شاہ نے پیرا ادھر سلام ۲۲ وہ آخری نمازِ جماعت ہوئی تمام
تسبیحِ فاطمہ کو ابھی پڑھتے تھے امام بڑھ بڑھ کے جو لگانے لگے تیرا ہلِ شام

اُٹھے دُشمن، یہ محو تھے یادِ اکہ میں

یاں تک کہ آئے تیر کئی خیمہ گاہ میں

گرمی کے دن تھے، مٹی میں تھے اہل بیت ۲۳ دیکھے جو تیر آئے، تو حالت ہوئی عجب
چٹائیں بیسیاں کہ کدھر جائیں ہے غضب چھپنے کو کوئی امن کا گوشہ نہیں ہے اب

گھبرا کے نچے بچوں کو سب نے اٹھایا

اصغر کو ماں نے چھاتی کے نیچے چھپایا

بچوں کو لے کے چھپنے لگے سب باہر اُدھر ۳۳ چھپوں کے تنگ آؤ گئے، تھرا گئے جگر
گھبرا کے آئیں ڈیوڑھی پہ زینٹ برہنہ سر جلائی تھی، کوئی مرے بھائی کی خوشبر

شاید مسافروں پہ قسم بے سبب ہوا

کس پمپے یہ تیرارے کیا غلب ہوا

لوگوں خبر تو لاؤ کدھر ہیں مشہر حجاز ۲۵ دیکھو تو پڑھ چکے کہ نہیں پڑھ چکے نماز
ان تیروں سے بچائے انھیں رہنے کی نیاز اللہ مثلِ حضرت کرے عمر کو دراز

چیتے رہیں وہ میری تھا کا بہانہ ہو

بھائی کے بدلے سینہ زینٹ نشانہ ہو

جلکے کہے کوئی کہ سیکڑ ہے، بے قرار ۲۶ اور چونک چڑنگ پڑ تل ہے اصفہ بھی بابل
آتے ہیں تیز شکر اعدا سے بے شمار گھر میں وظیفہ آ کے پڑھو تم پہ میں نشاد

آئے زگر، تو دھیان نہ رہے کالاؤں کی

خیسے سے میں نکل کے سپر ہونے آؤں گی

یاں اہل بیت میں یہ تلاطم تھا اور وہاں ۲۷ مصروف ذکر حق تھے شہنشاہِ دو جہاں
اٹھ کر صفِ نماز سے عباسؑ نوجواں بس ہا کھڑے ہوئے عقب شاہِ انسؑ جاں

بھائی بھی تھے، پناہ مشہر بھر دہری تھے

تھوڑا بھی حسینؑ کی تھے اور سپر بھی تھے

مڑ کر اشارہ شاہ نے عباسؑ سے کیا ۲۸ پیچھے کھڑے ہو کس لئے کیوں کیا ہے اجرا
دست ادب کو جوٹکے اس شیر نے کہا ہے غیریت، حضور کریں طاعتِ خدا

خیسے میں تھلک ہے، حرمِ فل چلاتے ہیں

پیاسوں پہ تیر شکر اعدا چلاتے ہیں

عباسؑ سے یہ سن کے اٹھے قبلِ امام ۲۹ تسبیح جا نماز پہ رکھ دی بہ چشمِ نم
رواقِ فضا ہوئے، طرفِ خیمہ حرم ڈیوڑھی تک آئے ساتھ رفیقانِ ذی شرم

سب سے کہا کہ بہنوں سے خدمت کو جائے میں

باندھو کمرِ جہاد پہ تم، ہم بھی آتے ہیں

داخل ہوئے حرم میں جو حضرت بہ چشم تو ۳۰ زینبؓ نے لیں بلائیں برادر کی دادر کر
 رو کر کہا سکینہؓ نے تمہارے زلیٰ خبر تیروں سے یاں خدا نے بچا یہیں پدر
 لے جلے ہم کو کون سی جاگہ چھاؤ گے
 قربان ہو گئی کہیں آپ تو نہ جاؤ گے
 سینے میں مائے درد کے دھڑکتا ہے دل مرا ۳۱ یہ کس خطا پہ تیر لگاتے ہیں اشقیا
 بیٹی سے روکے کہنے لگے شاہِ کر بلا بی بی میں بے تصور ہوں آگاہ ہے خدا
 دشمن تمہارے باپ کے سب اہلِ شام ہیں
 قربان ہو پدر، یہ اجل کے پیام ہیں
 بھاتی سے تب لپٹ کے یہ بولی وہ دلیرا ۳۲ میں مدتے جاؤں مجھ کو تمہاری لگے بلا
 اب پھر چلو وطن کی طرف، تم پہ میں فدا خشنے کہا کہیں نہیں، امن و امان کی جا
 مظلوم ہیں، غریب ہیں، اور دردمند ہیں
 پانی بھی ہم پہ بند ہے، رستے بھی بند ہیں
 شیرِ دمہ گاہ سے، کس سمت بھر کے جانے ۳۳ دیکھیں گے مبرد شکر سے جو کچھ خدا دکھائے
 عاشق وہ ہے، جوداؤں میں گھر ٹٹائے کٹ جانے تن سے سڑو نہ دیکھیں فرق کئے
 خواہاں مرگ، زینت کی کیا آرزو کرے
 تاتا کے منہ سے مجھ کو خدا، شریخ رو کیے
 یہ سن کے اہل بیت میں مشہر ہوا بچا ۳۴ بانو کے سر سے گرنے لگی خاک پر پودا
 زینبؓ پکاری بیٹ کے سر داعیِ خدا دنیا سے آج کوچ ہے بھائی حسینؑ کا
 فرزندِ فاطمہؓ کی بلاؤں کو رد کرو
 زینبؓ تباہ ہوئی ہے، تاتا مدد کرو
 یہ کہ کے سر پہ لگنے لگی، وہ اسیرِ غم ۳۵ بھاتی سے سر لگائے، یہ بولے شبِ اُمم
 چوہِ دسر، تھیں سرِ شیر کی قسم یہ کیا غضب ہے جیتے ہیں زینبؓ ابھی تو ہم
 لاشے یہ میرے آہ و بکا کر کے دھند
 مر جانے جنتِ حسینؑ تری بھر کے دھند

مر جانگی جو بھائی سے پہلے پٹک کے سر ۳۶ لے گا بتاؤ کون جیتوں کی پھر خبر
بھائی پہ ہاتھ مار کے بولی وہ زحمر گر مجھ کو نہ موت آئے گی یا شاہ بحر و بر

ہر ایک عزیز گنج شہیدان میں سمئے گا

بھیتا کوئی جنازے پہ میرے نہ رٹے گا

زندہ رہوں گی آپ کے بعد اے شہرِ زن ۳۷ کیا بازوؤں میں کس کے بندھے گی مے زن
ہے کہیں گی بیبیاں جاؤ گی جب وطن بھائی تو قتل ہو گیا جیتی رہی بہن
بھائی کو کھوکے آئی ہے آجڑے مکان میں

ایسا نہ سخت جاں کوئی ہو گا جہان میں

بھائی میں ماں کے واسطے روئی بچھا کے صف ۳۸ بیٹی پس جنازہ شاہنشہ نجف
زہرِ ستم سے ایک برادر ہوا تلف تیروں سے ایک بھائی کا سینہ ہوا برف

دشتِ بلا سے شام تلک نکلے سرِ مگنی

کیا کیا جوان مر گئے اور یہ نہ مر گئی

شمنے کہا کہ اس میں بہن اختیار کیا ۳۹ جو مصلحت کریم کی، جو مرضی خدا
بھائی بہن کے سامنے مرتے نہیں ہیں کیا ہو جاتے ہیں جوان پسرِ باپ سے جدا
ہم کب گئے جہاں سے نبیِ دہلی کے ساتھ

دنیا میں کون مڑا ہے بی بی کسی کے ساتھ

توڑا ہماری گود میں بھائی حسن نے دم ۴۰ مڑنا کچھ ان کا، باپ کے مرنے سے تھا زکم
ان کی مفارقت کا نہیں آج تک ہے غم ہوتا جوا اختیار تو کیا مر نہ جلتے ہم

تڑپے بہت لحد پہ گریبان بھاڑ کے

آخر پھر آئے ان کو بقیعہ میں گاڑ کے

نسرہ کے یہ امام پہنٹے لگے لباس ۴۱ پٹکے کے ساتھ پھرتی تھی زینب بھی اس پاس
تھے اہل بیت مضطرب حیران و بے حواس لب خشک رنگ زر و دلوں پر جو غم اس

شہر دیکھتے تھے ان کو جو غم کی نگاہ سے

چنے پلک پلک کے لپٹے تھے شاہ سے

سُف بانہ بھائی بند کھڑے تھے، جھکائے سر ۳۷ کوئی تو رشک مہر، کوئی غیرت قمر
تن پر بجے سلاح، کسے جنگ پر کمر گیسوئے بیچہ دار، شکستے تھے دوش پر
منہ پھیر پھیر کر، جو وہ میدان کو تکتے تھے
جن کے پسرتھے ان کے کیچھے دھڑکتے تھے

اکبر کی شان دیکھ کے، بانوئے نامدار ۳۸ خوش ہوتی تھی کبھی، کبھی روتی تھی زار زار
لے کر بلائیں دُور سے کبھی تھی بار بار صدے میں تیرے اور تری شان کے ثمار
شان آخری شہاب کی ماں کو دکھاتے ہو
دولہ بنے، جوانی میں مرنے کو جاتے ہو

سب سے جدا تھی شوکت عباسی لوجاں ۳۹ قبض میں تیغ، بریں زہ، دوش پر کماں
حمزہ کا رعب، شوکت جعفر علی کی شان رہ رہ کے دیتے تھے شہنشاہِ دو جہاں
شان دشکوہ ختم تھی اس خوش نہاد پر
گویا کمر علیؑ نے کسی تھی جہاد پر

زینب سے روکے کہنے لگے سرورِ زمیں ۴۰ لاؤ تیر کات کا صندوق، اے بہن
قاسم کو تم پہناتو قبائے تن حسن اکبر کو دو عمامہ محبوبِ دوا لسن
ہم کو علیؑ کی تیغ دو دم لاکے دو بہن
عباسؑ نامور کو علم لاکے دو بہن

اس منصب بزرگ کا مختار ہے یہی ۴۱ جعفرؑ کے مرتبہ کا سزاوار ہے یہی
آلِ نبی کا تونس و نمخوار ہے یہی روزِ ازل سے میرا علمدار ہے یہی
بھائی بھی ہے، جری بھی ہے، اہلِ فدا بھی ہے
حکیم علیؑ بھی ہے، یہی، حکیم خدا بھی ہے

مزاں کا دیکھنے لگے زینب کے گلفزار ۴۲ یعنی کہ ہم ہیں جعفر و حیوٰں کے درخشاں
ماں نے کیا اشارہ کا اس عزم کے ثمار حکیم امام دیں میں مجھے کیا ہے اختیار
چپکے کھڑے رجو نہیں جاگہ سلام کی
واجب ہر امر میں ہے اطاعتِ امام کی

قابل علم اٹھانے کے، کب ہیں تمہارے سن ۴۸ دور و ز سے ضعیف ہو آب و طعام بہن
ظاہر ہے تم پہ 'رتبہ سلطان انس و جن' صدقے گئی نہ پاؤ گے پھر اس طرح کا دن
جعفرؑ کے ورثہ داروں میں تم لا کلام ہو

بر کیا شرف یہ کم ہے کرش کے غلام ہو
میں آپ کہتی بھائی سے، ہوتا جو کوئی اور ۴۹ عباسؑ کوئی اور ہے پیار و کرد تو غور
ہے تین دن سے بھائی پنہل و جفا و جور شاید انہیں سے صلح کا بن جائے کوئی طور
بچے ہو تم کو فکر ہے نام و نشان کی
مجھ کو پڑی ہے بسطِ پیسہ کی جان کی

بھلا کے دونوں بیٹوں کو اپنے بچشمِ نم ۵۰ لے آئیں ذوالفقارِ یدائندہ اور علم
قبضہ کو اس کے شاہ نے چڑا بہ درد و غم شانِ علم کو دیکھ کے روئے شرہ اُمم
بتجہ کی تا بہ چرخِ چہارم ضیا گئی
بوئے علیؑ، علم کے پھریرے سے آگئی

عباسؑ کو امام نے آگے کیا طلب ۵۱ نہوڑائے سرِ حضور میں آئے بعد ادب
بھائی سے روکے کہنے لگے شاہِ تشناب اس عہدہ جلیل کے تھے آرزو میں سب
یہ مرتبہ کسی کو مقدر نے کم دیا
لوہم نے اپنی فوج کا تم کو علم دیا

کی عرض اس جری نے قدم پر چمکا کے سر ۵۲ بندے پہ بیچنے سے غنایت کی ہے نظر
مشہور ہوں غلامِ شہنشاہِ بکسرِ دہر میں اور، حاملِ علمِ ستیلا بشہ
ذرے پہ کی یہ مہر کہ خود شہید کرو یا
دامن کو میرے دولتِ ایلان سے بھرنا

کس منہ سے شکرِ بندہ نوازی کروں ادا ۵۳ تہ نظر رہی ہے مری پرورشِ سدا
سب بادشاہ اس درِ دولت کے ہیں گدا اے اتقارِ خلق، دو عالم کے مقتدا
طوبی سے اس نشان کا سایہ بلند ہے
اس وقت عرش سے مرا پایہ بلند ہے

فردِ خوشی سے سر کو اٹھا کر وہ ذی وقار ۵۴ ہمشیر کے قدم پہ گرا، با صد اقتدار
زینبؑ بکائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار بھیت خدا کے واسطے بھائی سے ہوشیار

ایذا ہو دھوپ سے، ز شہ خوش نصال کو
رکھو علم کے سائے میں زہرا کے لال کو

گھر میں سلامت آئیں گے جب سرورِ ام ۵۵ تب دوں گی تم کو تہنیتِ عہدِ علم
اتھلی کو عڑتی ہے یہ بھینا اسیرِ غم کیجو صلاحِ صلح، کر شکرادھر ہے کم
تم سے بڑی اُمید ہے زہرا کی جانی کو
بھیت انھیں سے لے گی بہن اپنے بھائی کو

جہاں بولے، بھائی نہیں میں تو ہوں غلام ۵۶ سن لیجئے گا، جنگ میں جو کچھ کروں گا نام
بھر جائے دشمنوں سے جو دقے زمیں تمام کیا منہ کوئی، جو دیکھو کے جانبِ امام
بچے فدا ہیں جان فدا گھر نثار ہے

ہر مونے تن پہ مشر کے، مرا سر نثار ہے

اتنے میں پاس آ کے سکی نہ نے یہ کہا ۵۷ چہرے کی لوں بلائیں میں صدقے جمل کو ذرا
عہدِ علم کا تم کو مبارک ہو اے چچا میں نے دُمائیں کی ہیں کہو مجھ کو روگے کیا
میدان کا رخ کرو گے کہ دریا پہ جاؤ گے
کیا اب بھی تم نہ پیاس ہماری بجھاؤ گے

بن پانی اینٹھی جاتی ہے اب تو مری نیاں ۵۸ ہوتوں پہ دم ہے، ہوں کوئی ساعت کی یہاں
مراؤں گی اگر، تو مجھے پاؤ گے کہاں صدقہ علم کا آج بچا لو ہماری جان
سوئے فرات جاتے ہوشاؤ اُم کے ساتھ
چھوٹی سی ایک مشک بھی لے لو علم کے ساتھ

عباسؑ نے کہا کہ مجھے خود ہے آرزو ۵۹ عزت ہوئی ملا علمِ شاہِ نیک خو
سقا تمھارا ہوں تو بڑھے اندِ آبرو جب تک ہے دم، کروں گا میں پانی کی جستجو
مشکیزہ خالی نہر سے لے کر نہ آؤں گا
پانی نہیاں لے گا تو کوثر کو جاؤں گا

ناگہنا جو زوہ عباسؑ نے یہ حال ۶۰ مارے غشی کے ہو گیا بھرے کا رنگ لال
 ہمراہ لے کے بیٹے کو اپنے وہ خوش خصال آئی حضور سرورِ ذیقدر و ذی کمال
 پہلے تو بڑھ کے شاہِ اُمم کی بلائیں لیں
 پھر دونوں ہاتھ اٹھ کے علم کی بلائیں لیں
 جھک کر قدم پر خدے یہ بولی وہ خوش سیر ۶۱ کو کین میں کیا مرے والی کو نامور
 رکعتی نہیں کچھ اور میں یا شاہِ بحسہ دبر آقا کینز نذر کو لائی ہے یہ پسر
 تائم رکھے کریم محمدؐ کی آل کو
 بچوں پہ صدقے کیجئے اس نو نہال کو
 خالق سے صبح و شام یہی ہے مری دُعا ۶۲ وارث مرا، حضور کے قدموں پر ہوفدا
 ہوں مانند ہم سی لاکھ کینزیں اگر تو کیا بانوئے دو جہاں کو سہاگن رکھے خدا
 دعویٰ برابری کا نہیں گو عنیزہ زہوں
 یہ آپ کے غلام، میں ان کی کینز ہوں
 بولے پسر سے جھک کے یہ عباسؑ نیک نام ۶۳ تم بھی تو کچھ حضور میں بیٹا کرو کلام
 ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ لالہ نام لے چلے ہم کو، ہم علیؑ اصغر کے ہیں غلام
 چھوٹی سی ایک تیغ منگا دیجئے مجھے
 پہلے سمجھوں سے دن کی رضا دیجئے مجھے
 حضرت کے آگے فوجِ ستم سے کریں گے جنگ ۶۴ مردوں کا بیٹھنا ہے بڑا عورتوں میں ننگ
 پیریں گے خوں میں، بحرِ شجاعت کے ہیں نہنگ ہم کو بھی آج لاکھوں سے لڑنے کی ہے آنگ
 رشتہ تو رکھتے ہیں خدِ خیبر شکن سے ہم
 بندھو انیں ہاتھ جان بچا کر رسی سے ہم
 بولے گلے لگا کے اسے شاہِ نامدار ۶۵ کس نے تجھے سکھائیں یہ باتیں چچا اشار
 آئی صدائے حضرت زہراؑ یہ ایک بار ہوتا ہے لال اہلِ دف کا دف اشار
 بچپن میں کس طرح نہ وہ بچہ دلیر ہو
 دادا بھی جس کا شیر ہو بابا بھی شیر ہو

اتنے میں طبل جنگ کی آنے لگی صدا ۶۶ رخصت حرم سے ہو کے چلے شاہِ کرلا
 بجائے علم لئے ہوئے عباسؑ باوفا تسلیم ساری فوج نے کی باندھ کر پرا
 غل تھا کہ ہوں گے حشر میں اس کی پناہ میں
 یہ حیدری نشان ہے حسینی پناہ میں

تھارینت سپاہِ پیماہ یہی علم ۶۷ حمزہؑ جہاد کرتے تھے لے کر یہی علم
 ہے افتخارِ حضرت جعفرؑ، یہی علم خود دوش پر اٹھاتے تھے حیدرؑ، یہی علم
 صدقے سے شہ کے ہم کو یہ عزت نصیب ہو
 سائے میں اس علم کے شہادت نصیب ہو

صل علیٰ زہے علم و حاملِ علم ۶۸ ذرے سے آفتاب فلک ہے نظر میں کم
 آتی ہے بوئے غلذ پھر یے سے دم بدم یہ شان یہ شکوہ یہ اقبال یہ حشم
 ایسا علم ہو دوش پہ، ایسے جوان کے
 عباسؑ کے نشانِ تصدق نشان کے

کھلے حرمِ سرا سے امامِ فلک جناب ۶۹ بروجِ شرف سے جیسے نمایاں ہوا آفتاب
 گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا، فرزندِ بو تراب در پر بلکتی رہ گئی زینتِ جگر کباب
 آنکھوں کے سامنے سے سواری نکل گئی
 گویا چمن سے بادِ بہاری نکل گئی

یاں تھے کسی جگہ پہ پیادے، کہیں سوار ۷۰ خادم کسی مقام پہ باندھے ہوئے قطار
 یکسو پڑا جمائے رفیقانِ گلفزار پھولے ہوئے چمن پہ، خزاں آئی ایکبار
 خالی بہادروں سے جلوخانہ ہو گیا
 ڈیوڑھی اداس ہو گئی ویرانہ ہو گیا

شب ۲۳ دیز طبع کا یہ اشارہ ہے اب کہ ہاں ۷۱ مولا کا کچھ جلوس سواری کروں بیاں
 یکہے شمار کر، تو اکاسی، ہیں سب جواں ایک ایک جن میں فخرِ عربِ نرست جہاں
 چہروں کی روشنی سے نجلِ شمع طوس ہے
 لشکر نہیں حسینؑ کا دریائے ندر ہے

باتی تھی یوں سواری سلطان بحر و بر ۷۲، انجم کی فوج لے کے چلے جس طرح قمر
کھولے علم کو حضرت عباسؓ نامور گھوڑوں پر قاسم دہلی اکبر ادھر ادھر

مرکب پہ بیچ میں غلبہ بو تراب ہے

دو چودھویں کے چاند میں اک آفتاب ہے

آہن میں مثل جو ہر مشیر سب میں غرق ۷۳، شعلے ہیں زریب دوشا عمامے میں زریب فرق
نعرے جو مثل رعد، تو گھوڑے مثال برق جن کے قدم تلے ہے سدا سیر غرب و شرق
آہو کا اُن کی چال سے کیا نور چل سکے
جن سے سمنہ وہم نہ آگئے نکل سکے

اک اک دلیر شیر نیستان کارزار ۷۴، رستم کی روح خوف سے جن کے کیے فرار
دیں داز سر فروش، نمودار، نامدار رانوں میں کوندتے ہوئے بجلی سے راہوار

لکھاریں جو فوج کو نیزے سنبھال کے

بھاگیں مدد زمین پہ ہتھیار ڈال کے

آگے پکارتے ہوئے جاتے تھے یوں نقیب ۷۵، ہاں غازیو حسینؑ محمد کا ہے حبیب
فدیہ ہو، فاطمہ کے پسر کے نہ ہے نصیب جنت بھی اب قریب، قتل بھی اب قریب

آفتاب و قاعدے سے دلیر و بڑے چلو

تلواریں تولتے ہوئے خیر و بڑے چلو

تھاکس مشکوہ دشان سے وہ لشکر خدا ۷۶، آگے پراجمائے رفیقانِ با وفا
باندھے سلاح ادب سے ادھر خوش اقربا بیچھے تمام فوج کے وہ کل کا پیشوا

حلقے میں تھے امام کو قدسی لئے ہوئے

تھے جبرئیل فرق پہ سایہ کئے ہوئے

تھازیب سر عمامہ محبوب کسریا ۷۷، مہتاب سے سفید تھی کاندھے پہ اک عبا
پہنے قمیص حضرت یوسف بربقا باندھے ہوئے کمر میں کمر بند مرتضیٰ

داؤد کی زرہ، شہر والا کے بر میں تھی

وہ خدا تھا رحمت و صفا، کمر میں تھی

بالائے دوش، حضرت حمزہ کی تمہی سپر ۷۸، ہو جس طرح سے، ابر کا ٹکڑا، پس مگر
چار آئینہ پہ جا کے ٹھہرتی نہ تمہی نظر تھے دو غلام خاص، گیس راں، ادھر ادھر
چہرہ عرق سے تر تھا جو سبط رسول کا

رو مال ہاتھ میں تھا، جناب بتوں کا

بھیلا ہوا تھا دشت میں شاہِ زمیں کا نور ۷۹، حبیبِ رکا، فاطمہ کا نبی کا، حسن کا نور
بک چہرہ حسین میں تھا، پنجتن کا نور چہرے کی صفو، جس کی فیا اور بدن کا نور

گردوں پہ کس طرح نہ داختر نہ ماند ہوں

اک چاند کے شریک جہاں چار چاند ہوں

پہنچے نہ تھے امام ابھی تا بہ قتل گاہ ۸۰، جا سوس نے یہ آ کے خبر دی، میانِ راہ

تاکم رہے شکوہ شہنشاہ دیں پناہ آمادہ نبرد ہے، سب شام کی سپاہ

نادک ننگن کہیں ہیں، کہیں نیلہ دار ہیں

میدان سے تا بہ نہر، ہزاروں سوار ہیں

دڑوں کی طرح فوج کا ممکن نہیں شمار ۸۱، اس گھاٹ پر نقطہ ہیں، کماندار دس ہزار

ان سے ادھر کو، برہمپوں والوں کی ہے غلط نیرے لارے ہیں سواران، ہرزہ کار

پانی سپاہِ شام سے پانا محال ہے

دریا تلک نگاہ کا جانا محال ہے

اس دم فساد، لشکرِ اعدا میں ہے مگر ۸۲، مولا، کمال نگر میں ہے، شمر خیر و سر

سرور فوج جمع ہیں باندھے ہوئے کمر تاکید جنگ کرتا ہے ایک ایک کو عمر

اک فوجاں ہے میں اُسے پہچانتا نہیں

سب مانتے ہیں پر دو جری مانتا نہیں

سرور ہے ہزار سواروں کا وہ دلیر ۸۳، زور آوران فوج ہیں سب اگلے ڈرے زیر

گڑا ہوا کھڑا ہے، الگ وہ زبان شیر ہر بار دیکھتا ہے، ادھر منہ کو پھیر پھیر

آہوں کے ساتھ آنکھوں میں سو بھرتے تھے

مانند بید، عضب بدن تھر تھرتے تھے

کیا کیا خطا شاموں کو اس نے دیا جواب ۸۴ ہے یہ یقین کر اس سے نہ چھوٹے روِ ثواب
تلواریں کھینچ گئی ہیں ادھر سے فلک جناب یاں کی بُرائی سُنے کی اس کو نہیں ہے تاب

جو ہے اُسے کسی کو یہ پاس ادب نہیں

آپس میں جنگ ہو تو کچھ اس کا عجب نہیں

سُنستا تھا میں کہ یہ عُمر سعد نے کہا ۸۵ آتا ہے بہرِ جنگ، محنت رکا لاؤ لا
شہر و عرب میں تیری شجاعت کا ہے بڑا جا پہلے لڑ حسین سے تو سوچتا ہے کیا
سر سبز ہونے دے نہ محمدؐ کے باغ کو

جلدی، بجھ مزارِ علیؑ کے چراغ کو

قبضے پہ ہاتھ رکھو کے یہ برلاؤ نیک نام ۸۶ مظلوم کو ستاؤں یہ میرا نہیں ہے کام
سید، عیالدار، غریب الوطن، امام فاتے سے تین روز کے دودن سے تشنہ کام

واجب ہے احترام، محمدؐ کی آل کا

ہے کیا قصور، فاطمہؑ زہرا کے لال کا

پیاسے سے تشنہ کام سے، بلے پر سے میں لڑوں ۸۷ محنت کارخانہ داور سے میں لڑوں
کافر نہیں، جو دین کے زہب سے میں لڑوں کھینچوں علیؑ پہ تیغِ پیمبر سے میں لڑوں

اُنت کو چاہیے، مدد آلِ رسولؐ کی

پاؤں لگا کیا، آجائے کھیتی بتوں کی

فرمایا شہ نے اس کو خدا سے جزائے خیر ۸۸ بیٹوں سے ہے عزیز، مجھے گو کہ ہے وہ غیر
روئیں گے اس جری کو جن دافس جش و طیر نکھی ہے اس کے بخت میں باغِ ارم کی سیر

اعدا میں تو ہماری محنت کی بو نہیں

وہ ہے تو خربے اور کی یہ گفتگو نہیں

یہ کہہ کے قتل گاہ میں آئے امام دیں ۸۹ کوسوں فروغِ حسن سے روشن ہوئی زمیں
غرقِ سلابِ حرب، جوانانِ مرجبیں نعروں سے غازیوں کے لڑتی تھی فوج کیس

تلواریں تول تول کے امدا کو تکتے تھے

شملے پھٹے تھے دوش پہ گیسو تکتے تھے

عباسؑ آئے نبیؐ نے کھوئے ہوئے علم ۹۰ آنکھوں کو مل رہے تھے پھر پوسے دم دم
پیدا تھی شانِ شیعہؑ خدا سے تا قدم حمزہؑ کا رب جعفرؑ طیار کا شمش
دیا تو کھنے لگتے تھے بھائی کو دیکھ کر
بڑھتے تھے مثلِ شیعہؑ ترائی کو دیکھ کر

آمدۂ نبرد تھی دونوں طرف کی فوج ۹۱ نرغے میں بے حرار تھا شاؤنائل کا زوج
اہرا تا تھا ہوا سے پھریرا جو مشنِ موج تھا تا جا چنے رایتِ فوج خدا کا اوج
کثرت پہ اپنی فوجِ عسکرو کو غور تھا
ظلمتِ اُدھر تھی کفر کی یاں حق کا نور تھا

چلا یا ابنِ معصومؑ پیش و شریر ۹۲ ہاں ابنِ فاطمہؑ پہ چلیں ہر طرف سے تیر
کھینچے ہوئے کمائیں بڑھا لشکرِ شریہ بولایہ خُحر کہ قہرِ خدا سے ڈراے امیر
خوں کس کا ہر گنا تیر یہ کس کو لگائے گا
کیا سینہ نبیؐ کو نشاد بنائے گا

اس نے کہا کہ ہاں یہی ہوئے گا لا کلام ۹۳ ہم سے تجھے علاف ہے یادِ شمنوں سے کام
نُرنے کہا کہ اوستم آراز ہاں کو تھام سبطِ رسولؐ بنے مرا محسن مرا امام
تو دشمنِ نبیؐ ہے تیرا کیا شریک ہوں
جن کی طرف خدا بنے انھیں کا شریک ہوں

بولا عمرِ یزیدؑ سے کرتا ہے انحراف ۹۴ پکڑی تھی باگِ دال بھی نہ ہوگی خطا معاف
اس نے کہا یہ باتیں ہیں سب عقل کے خلاف واللہ ہے حسینؑ کا دل آئینہ سے صاف
ایسے نہیں کہ دوست کو اپنے جمل کر دیں
تو بھی اگر چیلے تو خطائیں بھل کر دیں

اس نے کہا خلافِ شجاعت ہے یہ کلام ۹۵ تجھ کو بُرا کہیں گے شجاعانِ روم و شام
خُرنے کب رہے گا ابزنک ہمالا نام عاتق ہیں جتنے مدح کریں گے مری مدام
اس کثرتِ سپاہ پہ تو دُور سے زرد ہے
تھوڑوں کا جو شریک ہو جا کر دُور مرد ہے

محکوم ہوا کہ تو کہنے حاکم چہوں ۹۶ من قبول آگ میں جلتا نہیں قبول
اب سر مرا ہے اور قدم نائب رسول بے دیں کی بے یقین کی اطاعت کیا حاصل
ذوال سے غرض ہے ناب زدے کام ہے
خوشنودی خدا و پیغمبر سے کام ہے

دوزخ سے میں تو جاتا ہوں نے جانب ارم ۹۷ روکے تو مجھ کو آگے تراش کر ستم
چھیڑا فرس کو کہد کے جویا سید اُمم طاؤس کی طرح سے اڑا اپ خوش قدم
ہاں ہاں کیا کئے پہ وہ سن سے نکل گیا
آئی صدا کہ چاند گمن سے نکل گیا

جب آدمی راہ کر چکا ہے حس نامور ۹۸ بیٹے سے تمھ کے کہنے لگا وہ نکوسیر
میں دستگیر تعلق کا مجرم ہوں اے پسر تو کاٹ ڈال ہاتھ مرے تیغ کھنچ کر
دستِ خلا پد ہے شبہ کائنات کا
ہاتھ آئے گا اسی میں وسیلہ نجات کا

رو کر کہا پڑنے ابھی سے یہ کیا ضرور ۹۹ پہلے چلو تو ابنِ پیدائند کے حضور
آقا و ختم سے دور ہیں از تم ہوا سے خدا تب کا یہو یہ ہاتھ زنجبیں گے جب قصور
چل کر امامِ پاک کے دامن کو تھام لو
خردوس ہاتھ آئے وہ ہاتھوں سے کام لو

اس نے کہا پسر سے کہ خیر اے نکوشعار ۱۰۰ رومال سے تو باندھ دے دستِ گناہ نگار
باندھے پسر نے دستِ پد ہو کہ بے قرار ہاتھ نے دی صدا کہ ہوا اب یہ رستگار
میت زانِ منفعت میں گناہوں کو تول دو
باندھے ہیں اس نے ہاتھ درِ علقہ لھول دو

وہ سے چلا غلام ادھر سے بڑے امام ۱۰۱ دیکھا جو حُر نے آئے میں شاہِ فلک مقام
گھوڑے سے کہہ کر یہ پکارا وہ نیک نام صدقے ترے کرم کے میں اے قبلہ امام
محب ہوں بہت شہِ والا صفات سے
بندے کے ہاتھ قطع کر داپنے ہاتھ سے

پھیلا کے ہاتھ کہنے لگے، شاہ دیں پناہ ۱۰۲ لگ جا گلے سے، روکی تو روکی ہماری راہ
 ہے تو تو دوست ہم تو ہیں دشمن کے خیر خواہ تیری نہ کچھ خطا ہے نہ ہاتھوں کا ہے گناہ
 تجھ کو نہ بخش دیں، یہ جیسی سے دور ہے
 روکا تھا ہم کو موت نے تو بے قصور ہے

احسان مند بلکہ ہوں تیرا میں ترش ز لب ۱۰۳ پھر جانے کی صلاح مجھے دی تھی وقت شب
 سوتی تھی تیری فوج کیا میں نے کوچ جب لیکن مسافروں پہ تب ہی پڑی عجب
 جنگل میں رات پھرتے ہی پھرتے بسر ہوئی
 مرنا تھا جس جگہ وہیں آکر سحر ہوئی

یہ کہہ کے ہاتھ کھول دیئے اس کے شاہ نے ۱۰۴ پٹا سا گلے سے رسالت پناہ نے
 پونچھا غبار چہرے کا، شیر آڈنے فزے کو مہر کر دیا زہر کے ماہ نے
 حر کے قدم کی آکے ملک خاک لے گئے
 مہاں کو اپنے بیعتن پاک لے گئے

جب سب سے مل چکا تو یہ حُر نے کیا کلام ۱۰۵ امیدوار حرب کی رخصت کا ہے غلام
 رو کر یہ اس سے کہنے لگے، شاہ نشہ کام اک دم تو گھر میں، فائدہ کشوں کے بھی کر مقام
 ہم پہلے داغ خویش و برادر کو دیکھ لیں
 تو ہم کو دیکھ، ہم تجھے جی بھر کے دیکھ لیں

حُر نے کہا بہشت میں ہے آپ کا تو گھر ۱۰۶ ہو گا وہیں مقام کیا یاں سے جب سفر
 خادم کو اب نہ روکے یا شاہ، بحر و بر شہ نے کمر کو ہاتھوں سے تھا جھکا کے سر
 پچھڑے جب ایسا درست تو کیا دل کو کل پڑا
 رخصت تو دی پرا نکھوں سے آنسو کل پڑا

چڑھنے لگا فرس پہ جو بادیدہ پُر آب ۱۰۷ عباسؑ نامدار بڑھے تھا منے رکاب
 کی عرض حُر نے تب کہ یہ کیا لے فلک جناب عباسؑ نے کہا تری خدمت تو ہے ثواب
 شہیدائے جاں نثارِ امامؑ ہوں
 تو جن کا مہاں ہے میں، ان کا غلام ہوں

چڑھ کر سمندر پر جہلا وہ بعد شمس ۱۰۸ پیچھے پیادہ روتے چلے سید اُم
گھبرا کر تو کہنے لگے شاہِ باکرم مجھ کو مشایعت کو تو چلنے دے دو قدم

زہرا بھی تیرے ساتھ ہیں جیڈر بھی ساتھ ہیں

تنہا نہیں حسینِ پیسبر بھی ساتھ ہیں

حُرنے کہا کہ ہوتا ہے خسام گناہگار ۱۰۹ کیونکر بڑھوں حضور پیادہ ہیں میں سوار
یہ سن کے اُس سے روتے پھرے شادِ نادر میدان میں خُریہوئی گئی چمکاکے راہدار

بازارِ حرب گرم جو تھا سرد ہو گیا

دہشت سے ابنِ سعد کا منہ زرد ہو گیا

دیکھا سیاہ کاروں نے جب روئے حُرکا نور ۱۱۰ غل پڑ گیا یہ حور ہے یارِ دشمنی طُور
حُرنے کہا کہ عقل کا تم سب کے ہے قصور حُرہوں غلامِ شرکا فرشتہ ہوں میں نہ خور

ہے روشنی جو رخ پہ فزوں مہرِ راہ سے

خلعتِ بلا ہے نور کا سرکارِ شاہ سے

واں کُٹ رہا ہے خلد جسے ہو طلب وہ جائے ۱۱۱ ممکن نہیں کُذرت پھرایا جہاں میں پائے
لے جائے جانِ نیک کے جو جس کے ہاتھ آئے ایسا بھی نہیں جو کسی سے وہ منہ پھرائے

ہے دوست پر حلالِ عدو پر حرام ہے

سرکارِ ابنِ فاطمہ میں فیضِ عام ہے

بھولے ہو راہِ راست تو رہبر کے پاس جاؤ ۱۱۲ دنیا محلِ فریب کا ہے دام میں نہ آؤ
دوزخ کی راہ چھوڑ کے گھرِ خلد میں بناؤ بھوکے ہو نعمتوں کے تو پھل برہمیوں کے کھاؤ

زہرا کا نور عین تمہارا کفیل ہے

پیا سو چلو کہ چشمہ کوثرِ سبیل ہے

کعبے سے منہ پھرا کے نہ ہوسا کن کنشت ۱۱۳ لازم ہے عاقلوں کے لئے ترکِ فعلِ زشت
سرسبزیاں نہ ہو گی کبھی عاقبت کی کشت دوڑو کہ کُٹ رہے ہیں اُدھر حلدِ بہشت

دینِ نبی میں آؤ نہ کافر کا ساتھ دو

دستِ خدا کے لال کے ہاتھوں میں ہاتھ دو

دیکھو مری طرف میں دی ہوں جو تھا ادھر ۱۱۴ یوں نور تھا کبھی مرے چہرے پہ جلوہ گر
یہ وہ دبہ، یہ افوج، یہ حشمت، یہ کز و در، مولا کی اک نگاہ عنایت کا ہے اثر
پڑھتے ہوئے درود ملک ساتھ آئے ہیں

یہ سب شرف حسین کے صدقے سے پائے ہیں
اس گفتگو سے خُرکی ہوئے اہل کین نجمل ۱۱۵ کا اپنے بدن لرزنے لگے، جماعتوں میں دل
کتے جواں تو رونے لگے ہو کے منفصل چلایا بشعر آن کے ہر صف کے متصل
مارو اسے، کچھ اس کے نہ ہونے کا غم نہیں
دشمن کا ہو جو دوست، وہ دشمن سے کہ نہیں

یہ من کے خُمر پہ چلنے لگے تیرے شمار ۱۱۶ نیزہ بلا بلا کے منھوں سے بڑے سوار
تینفیں ہوئے بلند چلے برہمیوں کے وار لشکر میں مثل شیر در آیا وہ ناسدار
پہلے ہی جن کے وار چلے تھے سو چل گئے
دیکھی جو تیغ خُمر کی چمک دم نکل گئے

چہرے بچائے پشت سے ڈھالوں کو کھول کے ۱۱۷ پیچھے ہٹے، بڑے تھے جو تیغوں کو تول کے
بھاگے سوار پھسر تو پیادوں کو ردل کے پہونچا وہ شیر پنج میں ادا کے فول کے
غل تھا کہ آج خانہ لشکر کا ہو گیا
اک اک قدم پڑھیر تن دسر کا ہو گیا

ہر دم تھی جنگ میں برش تیغ خُمر دو چند ۱۱۸ خوں گھٹ گئے تنوں کے بڑھا جس طرف بوند
دست اماں کیے تھے ادھر کے علم بلند تھرا رہے تھے بر جھیل والوں کے بوند
تینفوں کی کچھ خبر تھی، نہ ڈھالوں کا ہوش تھا
نیزہ ہر اک سوار کو اک بار دوش تھا

دہشت سے سہم کرتا، انداز مر گئے ۱۱۹ رُخ پھر گئے، کمانوں کے پلے اتر گئے
ترکش سے تیر گر کے زمیں پر بکھر گئے ہرگز بلا نہ گوشہ راحت، بدر گئے
دانتہ سرکشوں نے جو کارِ خطا کیا
تقدیر نے نہ تیر قضا کیا

گھوڑا وہ برق تھا کہ جراکب اُسے چلائے ۱۱۰ افلاک پر سمندِ نظر کی طرح سے جاے
اُس کے قدم کی گرد کو زعفران بھی نہ پائے پیکِ خیال و دہم یہ نہ سرت کہاں سے لائے
جس غول پر گرا، تو اڑا اس شکوہ سے

پر دانا کبک کرتا ہے جس طرن کوہ سے
بجلی سی تیغ شعلہ نشان چار سو پھری ۱۱۱ میدان میں بھاگتی ہوئی فوقِ عدد پھری
دم میں ستنگروں کا بہا کہ نہو پھری سر کاٹ کر بدرِ عمر سے پھری سُرخِ رو پھری
یہ اوج تیغِ قدرتِ حق سے عیاں ہوا
گویا بلالِ حبیبِ شفیع سے عیاں ہوا

غلطان تھے تنِ زمیں پہ جدا اور سر جدا ۱۱۲ زخمی اُدھر پڑے تھے جدا اور اُدھر جدا
گردن جدا تھی، سینہ جدا اور کمر جدا شانے سے باتو، باتو سے تیغ و سپر جدا
پستی پہ جب چمک کے ہندی سے آتی تھی
گاؤ زمیں، زمیں کے تلے، تھر تھرتی تھی

رو کا سپر پہ جب تو، سپر سے بجلی گئی ۱۱۳ دو کر کے ٹخرو، کاسے سر سے بجلی گئی
آئی اُدھر سے گرا، تو اُدھر سے بجلی گئی بیٹے کو چاک کر کے، کمر سے بجلی گئی
ضربت سے چار آئینہ والے بھی رنگ تھے
کہنے کو تھی وہ تیغ، پہ بجلی کے رنگ تھے

تن سیکڑوں زمین پہ بے سر دکھائیے ۱۱۴ اجزائے جسم خاک پہ ابست دکھائیے
چشمِ غضب نے سفیر کے تیور دکھائیے باتھوں نے زوہِ تیغ نے جوہر دکھائیے
یوں جست کی سمندر نے لاشوں کو روند کر
بجلی ناک سے گرتی ہے جس طرح کووند کر

دہنی طرف گیا تو رمالے قلم ہوئے ۱۱۵ ترکش سے جس نے تیر نکالے قلم ہوئے
آیا اُدھر تو برہمیوں والے قلم ہوئے حمل کیا پلٹ کے تو بھالے قلم ہوئے
امدا کے ہوشِ برقِ اہل نے اڑا دیئے
دُعاؤں کے پھول تیغ کے پھل نے اڑا دیئے

یوں تن سے سرگراتی تھی شمشیرِ آبدار ۱۲۶ جیسے رگِ سحابت کبھی ہو مگر گت ۳ بار
دو ہو گیا وہ صاف کیا جس پہ ایک وار غلطاں لہو میں تھے کہیں پیدل کہیں سوار
ہر صف میں اس جری کی لڑائی کا شور تھا
ہر غول میں نبی کی دہائی کا شور تھا

چلائے تب حسین کر بس ۱۲۷ دلیر بس ۱۲۷ مقتل میں ہر طرف ہوئے لاشوں کے ڈھیر بس
اعداؤ بانی دیتے ہیں گھوڑے کو پھیر بس اُمت ہے یہ نبی کی، بس اے میرے شیر بس
شاہش حق دوستی پنجتن ہے یہ
غربت بھی اب دکھا کہ ہمارا چلن ہے یہ

یسن کے ہاتھ روک لیا اس جری نے جب ۱۲۸ بولا یہ شمر ٹوٹ پڑا اس پہل کے سب
یاں غم سے بے قرار ہوئے شاہِ تشد لب تیغوں کے وار چلنے لگے، حر پہ ہے غضب
کاری جو زخمِ تن پہ لگے اس دلیر کے
تکئے لگا حسین کو مُنہ پھیر پھیر کے

سینے سے جبکہ ہو گئی برہمی ستم کی پار ۱۲۹ گھوڑے پہ ڈگمگانے لگا حُسنِ نامدار
رکھ کر جگر پہ ہاتھ، پکارا وہ دلفگار اے فاطمہ کے لال، یہ خادم ہوا نثار
اب شفقتِ امامِ مجازی کا وقت ہے
آتا یہی غلامِ نوازی کا وقت ہے

جس دم سنی امامِ اُمم نے صدائے حر ۱۳۰ چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولے کہ ہائے حر
رد کر کہا رفیقوں سے دیکھی دفائے حر خیمے میں پسینے لگی زینب برائے حر
کھینچی جوشہ نے آہ دلِ بقرار سے،
نکلی تڑپ کے فاطمہ زہرا سے

دوڑے اُدھر سے نک کی طرف سیدِ اُمم ۱۳۱ آئے نجف سے حیدرِ صفدر کچشمِ نم
آواز دی نبی نے کہ حر کو لئے ہیں ہم اس وقت پہنچے شاہ کہ وہ توڑتا تھا دم
سر کاٹنے کی فکر میں جو تھے وہ ہٹ گئے
مہاں سے اپنے دوڑ کے حضرت پٹ گئے

زانو پہ رکھ لیا مبرمحر اور یہ کہا ۱۳۲ بھائی حسین آیا ہے، آہوش میں ذرا
 آنکھیں قدم پہ پل کے، یہ بولادہ بادف مولا ہزار جان سے میں آپ پر فدا
 جنگ کے لئے زمیں، پہ فلک سر جھٹکے ہیں
 وہ لوگ خلد سے مرے لینے کو آئے ہیں

زانو پہ سر ہے آپ کے یا شاہ بحر و بر ۱۳۳ محبوب کبریا ہیں ادھر شیر حق ادھر
 یہ کون بی بی ہیں مرے پہلو میں نوحہ مگر شہ نے کہا کہ روتی ہیں اماں برہنہ سر
 تو حشر تک ۱۰ امام دو عالم کے ساتھ ہے
 ماتم ترا حسین کے ماتم کے ساتھ ہے

یہ سنتے سنتے غیر ہوا اُس جری کا حال ۱۳۴ زانوئے شاہ میں پہ، کیا حُر نے انتقال
 نیچے کئے در پہ لاش کو لایا علیؑ کا لال سب بیسیوں نے کھول دیئے اپنے سر کے بال
 زینبؑ یہ روتی شہ کے فدائی کے واسطے
 جیسے بہن تڑپتی ہے بھائی کے واسطے

بس اے ایس مریہ ہوتا ہے اب طویل ۱۳۵ مصرعے ہیں لاجواب تو مضمون بے عدیل
 اس نظم کو قبول کریں سیدِ جلیل مداح جن کا تو ہے وہی ہیں ترے کفیل
 مقبول بارگاہِ خدائے قدیر ہیں
 شاہانِ خلق سب اُسی در کے نقیر ہیں

مرثیہ (۸)

کیا فرجِ حسینی کے جوانانِ حسین تھے ۱ کیا زاہد و ابرار تھے کیا صاحبِ دیں تھے
آگاہِ دل و اہلِ وفا، اہلِ یقیں تھے غنچہٴ دہن و مہرِ قہارِ جہیں تھے

ایک ایک کے مرقد پہ فدا ہوتی ہے زہرا

ماشور سے بس آج تک ردتی ہے زہرا

وہ عاشقِ صادق تھے، وہ تھے مومنِ کامل ۲ دی تھی انھیں خالق نے تیزِ حق و باطل
کیا ہوش تھا کیا نعم تھی کیا عقل تھی کیا دل کیا حسن سے طے کر گئے وہ عشق کی منزل

محرابِ عبادتِ نعم شمشیر کو سمجھے

جادو، وہ مسافر، دمِ شمشیر کو سمجھے

دنیا کی نہ خواہش تھی نہ کچھ فکرِ زردیاں ۳ تھی دولتِ فقر ان کے لئے شہادتِ ابطال
نہ یادِ وطن تھی نہ انھیں اُلفتِ اطفال شہید کے عاشق تھے، رہے بختِ خوشا مال

منظورِ تہا جی سے گزر جائیں گے پہلے

اس بات پہ مرتے تھے کہ مر جائیں گے پہلے

کلمہ کوئی پڑھتا تھا، کوئی کہتا تھا کبیر ۴ تھی کوئی قرآن کا، کوئی ماہرِ تفسیر
تھی پیشِ نظر گلشنِ فردوس کی تعمیر تھا شوقِ کربابِ حوزوں سے ہو دیئے بغلیں

نہ پیاس کا صدمہ تھا نہ جانوں کی پڑی تھی

ایک ایک کی کوثر کی طرف آنکھ لڑی تھی

مقبولِ فدائے دو جہاں تھے وہ جوانمرد ۵ مرنے پہ سرگرم تھے، اور زیستِ دلِ سرور
ایک ایک جری، دفترِ کونین میں تھا، فرد تابندہ تھے خورشید کی صدمت، رُبِ پُر گرد

ایسے کسی تسبیح کو کب دانے ملے ہیں

کس شمع کو اس طرح کے پروانے ملے ہیں

مست مئے غمناں تھے وہ سب قاتل دی بوش ۶ تھی غیر خدا سب کی انھیں یاد فراموش
دنیا سے بڑی، بارِ علایتی سے، سبکدوش دل یادِ الہی میں جریوں دیکھو تو غاموش

ہر دم تسلیم تھا ختم راہِ خدا میں

بڑھتے چلے جاتے تھے قدم راہِ خدا میں

وہ صوّتِ حسن، اور وہ اثر دارِ دعا میں ۷ وہ چاند سے رخ، اور وہ نورانی عبا میں

وہ ان کی عبادت کے تلے تنگ قبا میں وہ دوش پہ شملے، وہ عمامے، وہ بردا میں

نہ خور میں یہ حسن، نہ انساں، نہ پری میں

گویا ملک اترے تھے باسِ بشری میں

بخت سے توانا، پر ریافت سے بنِ ناز ۸ مرنے پہ کمر باندھنے شہادت کے طلبگار

غربت، الم، فاقہ کشی، زردی، زرخار سوکھے ہوئے بوٹوں پہ عیاں پیاس کے آثار

تسبیحِ ندائے دو جہاں و دروِ زباں تھی

بیداری شب، زنگی آنکھوں سے عیاں تھی

مقبولِ خدا، صاحبِ دین، زاہد و بار ۹ ایسے نہجِ سب کو ملے، یاد و انہماک

برسوں جو رہے چرخ میں، یہ گنبدِ دثار پیدا نہ ہوں، اس طرح کے، اصحابِ رفا دار

حقِ ہم سے غلامی کے ادا ہو نہیں سکتے

کھوئے سرانِ لوگوں نے ہم مذہبیں سکتے

کیا کیا نہ اذیت تھی، پہ تھے صابر و شاکر ۱۰ مولا کی محبت تھی، ہر اک بات میں ظاہر

سر دیئے، پتہ موجود، فدا ہونے کو حاضر اس بھوک میں، بات قدم اس پیاس میں صابر

کھائے تبر و تیر، یہ غمخواری کا حق تھا

وہ کر گئے غازی، جود و فدائی کا حق تھا

مرقوم ہیں قرآن میں، تہجہ شہدا کے ۱۱ بے جاں ہوئے پردیس میں، کیا رخ اٹھا کے

وہ چاہنے والے تھے، امامِ دوسرا کے طالبِ تحائف، ان کا، وہ طالب تھے خدا کے

دنیا میں یہ تحصیلِ سادت کا صلہ تھا

آقا بھی انھیں سب بڑے پیر سا ملا تھا

حقاکو عجب فوج تھی، فوج شہر ابرار ۱۲ جن لوگوں کا قباسی دلا دے ساعلمدار
بمشکل پیسہ سا جواں، فوج کا سالار مختار وہ اللہ کے جو گھر کا ہے مختار

ایسا کسی سردار نے لشکر نہیں پایا

لشکر نے بھی اس طرح کا افسر نہیں پایا

چہرے تھے خدا نے یہ قدرت سے سنوائے ۱۳ زندہ تھے اس چاند کو ایسے ہی تواسے
کس ہسرے آفت میں کئی روز گندائے شیر کے شیدا تھے، وہ اللہ کے پیارے

بڑے بڑے کے گلا رکھتے تھے شمشیر و دم پر

سُرکٹ کے جو گرتے تھے تواقا کے قدم پر

تلواریں تو تھیں ہاتھوں میں اور کاندھوں پہ ۱۴ نیزوں کی ستاروں سے چمکتی ہوئی بھالیں
یہ قصہ کہ قبضے پہ عسرو ہاتھ نہ ڈالیں ہم بھی ابھی رہواروں کو چمکا کے نکالیں

تلواریں علم کر کے جو لشکر پہ جھکیں گے

نیزوں سے، نہ تیروں سے، نہ خنجر سے، کریں گے

کبت تھا کوئی آج کا مزا ہے سعادت ۱۵ سزا بقدم، خون میں، بھنا ہے سعادت
خنجر کے تلے طلق کو دھنا ہے سعادت سر سے رو خالق میں گندنا ہے سعادت

پانی میں وہ لذت نہ وہ کھانے میں مزا ہے

جو آج کے دن طلق کٹانے میں مزا ہے

تھے دہنی طرف جمع عزیز شہر ذیشان ۱۶ جن کے رُخ روشن سے منور تھا وہ میدان
زہرا کے جسگر بند، محمد کے دل و جاں تلواروں کو تولے ہوئے سب جنگ کے خلیاں

میدان میں عجب رنگ سے مرنے پہ تلے تھے

جید کے مرقع کے درق زن میں کھلے تھے

اٹھارہ تھے سرزید محمد کے یگانے ۱۷ اک رفتے میں جس طرح ہوں تبیع کے دانے
پالا تھا انہیں گود میں شاو شہر دانے غاخور کو ہاتھ آن پہ کیا صاف قضا نے

وہ فاطمہ کے نعل جو پھولے نہ پھلے تھے

مقتل میں بستہ گاروں کی تیغوں کے تلے تھے

کچھ طفل تھے اور تازہ جواں تھے کئی خوش رو ۱۸ خوش ملا بر خوش باطن ز خوش قامت و خوش خو
 وہ چاند سے رُخ اور وہ گوند سے ہوئے گیسو قہی کو سوں تک ان فاطمہ کے پھولوں کی خوشبو
 مرا میں گے فاقے میں قسم کھائے ہوئے تھے
 پانی کا جو تھا قوط تو مڑ جملے ہوئے تھے
 لڑکے جو کئی پہلے پہل نکلے تھے گھر سے ۱۹ ہر طرف کی طرف تکتے تھے شیریں کی نظر سے
 چھوٹے سے لٹکائے ہوئے ہتھیار کمر سے کہتے تھے نکلت نہیں اب کوئی ادھر سے
 یہ دیر ہے کیوں اس سے بھلا فائدہ کیا ہے
 میدان میں چمکنے لگیں تینیں تو مزاج ہے
 چلنے لگے تلوار، کھلیں تینوں کے جوہر ۲۰ دیکھیں تو بھلا کس نے کسے کر دیا بے سر
 میدان سے پھر اکون ہزاروں کو بھگا کر ہاں دیکھیں تو کس نے نہ دہا کیا لشکر
 رہوار کو چمکا کے ہزاروں پہ گرا کون
 فوجِ ستم آرا کے نشان لے کے پھر اکون
 دو لاکھ میں کس نے پسرِ سعد کو مارا ۲۱ کس نے سرِ شہر ستم ایجا د امارا
 تلوار سے کس نے کیا خولی کو، دوپارا خالی کیا کس شیر نے دریا کا کنار
 لوفت ہوئی کون خبر دیتا ہے آکر
 گردتا ہے نشان کس کا در کونہ پہ جا کر
 بلا کوئی حضرت جہیں پہلے جرحا دیں ۲۲ لڑکے ہیں، پہ نورِ اسد اشد و کھا دیں
 دعویٰ یہ نہیں کرتے کہ لشکر کو بھگا دیں اک حملے میں دو چار صفوں کو توڑ دیا دیں
 ناچار ہیں، اگر پیاس سے غش کھا کے گریں گے
 اس کی بھی قسم لے لو کہ بیٹے نہ پھر میں گے
 کیا حضرتِ سلم کے یتیموں کا کہوں ماں ۲۳ نہ سالہ وہ سالہ تھے وہ صاحبِ اقبال
 منہ چاند سے اور اچھے ہوئے گیسوؤں کے بال پوشاکِ سیہ جسم میں اور دھڑپے منہ لال
 وہ چاند سے رُخ گردِ تیشی سے آئے تھے
 اور ماتمی کپڑوں کے گریبان پٹے تھے

نوٹا تھا ملک غم کا جو ایدائے سفر میں ۲۳ تھے داغ غم بے پردی اُن کے جگر میں
لب خشک تھے اندھیر زانہ تھا لعل میں دنیا تھی فراموش انھیں یادِ پدر میں
کہتے تھے کہ بابا تو زاب آ کے ملیں گے

آفت کے ہر ازل نے ہمیں جا کے ملیں گے
چھوٹے کا سخن تھا کہ بڑا غم ہے یہ بھائی ۲۵ بابا کی سُنائی تو رفتہ رفتہ سُنائی
کہنے سے نہ دو بھائیوں کی کچھ خوب آئی کیا جانے ہیں قیدِ کپائی ہے رہائی
وہ کہتا تھا سر اُن کے اُنارے گئے ہو گئے

اقلیم میں دشمن کے ہیں مارے گئے ہو گئے
ہمیں کے قریں زینب دُلیسر کے دلدار ۲۶ اک حیدرِ کرا تھا اک جعفر طیار
اچھڑائیاں لے لے کر بھی کہتے تھے ہر بار کچھ دھیان پہ چڑھنا نہیں یہ لشکرِ کفار
اک دم میں فنا ہو گئے جولا کھوں ہیں کیا ہیں

رُتو باہ ہیں وہ ہم پر شیرِ خدا ہیں
اور تین تھے محبت جگرِ شیرِ زیاہ ۲۷ عبداللہ و زیدِ حسن و قاسمِ نور شاہ
دول کے بن و مال کا کیا حال لکھوں آہ لڑنے تیرہ برس کا تھا پہ تھا چار دھویں کا ماہ
دن گنتی تھی ماں بیٹے کی شادی کی ہوں میں
دول بھی بنے مر بھی گئے تیرہ برس میں

وہ جن دو بن اور وہ پر شاہِ شہبانی ۲۸ قدسِ رسا ہے پر یہ کہاں اُس میں ندانی
خلقِ حسنی، کمِ حسنی، غنی، دانی وہ رُعب کہ ہو جائے جگرِ شیر کا پانی
تلوار تو کا ندھے پہ، زرہ باپ کی بریں
تصویرِ حسنِ پھرتی تھی حضرت کی نظر میں

تھی صبحِ شبِ عقد کہ پیشِ کب اجل آیا ۲۹ دیکھا بھی نہ تھا ماں لے کر سہرے کو بڑھایا
اُزلے سے شامِ دلہن جس کو بنایا قسمت نے سحر کو اُسے زندہ سالہ پنچایا

دولہا کی لُٹائی تو کیجیے پہ دھری تھی
اور ناگ میں مندل کے عوض خاکِ بھری تھی

عباسؑ سوا پانچ تھے نہ رزیدادہ ۲۰ ششدر تھا جنیں دیکھ کے سب شکرگراہ
ایک ایک دلاور تھا، ہزبرِ مصفِ جنگاہ خیروں کو دمِ حرب سمجھتے تھے وہ روباہ
نازی تھے، بہادر تھے، ولی ابن ولی تھے
سب قوت بازوئے حسینؑ ابن علیؑ تھے

عباسؑ علیؑ مصفؑ رکانِ شاہ تھا ۲۱ بس لشکرِ اسلام میں وہ شہرِ نیاں تھا
لکھا ہے کہ بتیس برس کا وہ جوان تھا چہرے سے جلالِ اسرارؑ عیاں تھا
اعلیٰ نہ ہو کیوں ایسے علمدار کا رتبہ
خالق جسے دے جعفرؑ طیار کا رتبہ

کیا دمفِ جنابِ علیؑ اکبر کیوں تمسیر ۲۲ حسنؑ نبویؑ خلقِ حسنؑ، فریتِ شبیرؑ
اٹھارہ برس کا تو بن اور صاحبِ توقیر تھا شور کہ انساں ہے کہ ہے، فور کی تصویر
شوکت ہے سراپا میں رسولؑ دوسرا کی
ایسے بھی بشر ہوتے ہیں قدرت ہے خدا کی

تھے بچہ میں اس غول کے شاہنشاہ عالم ۲۳ گردوں پر ستاروں میں ہو جڑیں نیرِ اعظم
دیرائے کرم رحمتِ حق نورِ مجسم فخرِ دو جہاں قبلہ دیں سیدِ اکرم
غل تھا کہ عجب شوکت و شانِ شہرِ دیں ہے
زرے سب اسی کے ہیں یہ خورشیدِ زمین ہے

ناگاہ بجا فوجِ عدو میں دہلِ جنگ ۲۴ ٹپکنے لگے ہر مصف کے علمائے یرنگ
طرک کے زور پوشوں نے گھوڑوں کے کسے تنگ جاغالی نہ تھی فوجِ ستم میں کئی فرسنگ
بے دینوں کے رُخ قبلہٴ ایماں سے پھرے تھے
ہنفتاد و دتن لاکھ سواروں میں گھرے تھے

امڈا تھا سمندر کی طرح لشکرِ کفتار ۲۵ جوں موجِ نظرِ آتی تھی تلوار پہ تلوار
کیا دغا نظر جائے جس پار سے اُس پار بے خوں میں ہوئے غرقِ عبور اس سے تھا دشوار
پانی تھے جسگر پیاس سے اولادِ علیؑ کے
مٹشکی میں تباہی تھی سینے پہ نبیؑ کے

تھے گھاٹ پہ دریا کے صف آرا قد رانداز ۳۶ قالب سے کرے رُوح جنہیں دیکھ کے پرواز
پیغام اجل ان کے ہر اک تیسرے کی آواز ایک ایک کو اپنی قدر و تمازی پہ تھا ناز
جوڑے ہوئے تیروں کڑ جہاں ہوئے صف کے

رُخ سب کے، جگر گوشہ زہرا کی طرف کو
بدیش کوئی دیکھتا تھا تیسرے کا پتلا ۳۷ کہتا تھا کوئی کرتے ہیں اب پیاسوں پہ ہلا
آفت ہے نہ حیرت سے نہ احمق سے تو لا کر دیتے ہیں برباد قریشوں کا محلہ
دنیا سے مٹا دیں گے نشاں آج نبی کا

پتہ بھی نہ چھوڑیں گے حسین ابن علی کا
داں ہوتی تھی قتل شدہ مظلوم کی تدبیر ۳۸ تھیاں کے بھی تھوڑے سے جواں دستِ نبیر
غل خیمے میں تھا ہائے غضب گھر گئے شبیر بیت اب تھی سر کھوئے ہوئے شاہ کی ہمشیر
گر پڑتی تھی غش کھا کے جوغل ہوتا تھا ان میں

چادر نہ سنہلتی تھی یہ رُخشہ تھا بدن میں
کہتی تھی سکینہ سے گر آؤ مری پیاری ۳۹ سُن لیتا ہے بچوں کی دُعا ایزد باری
خالق سے یہ رور و کے دعا مانگوں داری پھر خیر سے آئے مرے بابا کی سواری
اس بن میں یتیمی کا مجھے داغ نہ ہوئے

بابا! خزاں فاطمہ کا باغ نہ ہوئے
یاں تھا یہ تلاطم کہ چلے تیر اُدھر سے ۴۰ عباس بچنے لگے حضرت کو سپرے
تلواریں نکلنے لگیں اشیروں کی کرے لڑنے کا یا اذن شدہ جن و بشر سے
کہتے تھے کہ زن میں کہیں تلوار نہ چل جائے
دھڑکا تھا کہ ہم سے کوئی پہلے نہ نکل جائے

پہلے جرّ فازی نے صفیں کیں تو بالا ۴۱ پھر بھائی گیارن میں ہلاتا ہوا بھالا
فرزند نے رہوار کو چپکا کے لکالا تینوں جو ہوئے قتل تو روئے شد والا
کہرام تھا جہاں کے لئے اہل حرم میں
روئے کو بتول آئی تھی میدانِ ستم میں

میدان میں مسلم پسر عرجہ آیا ۴۲ تلوار جو کھینچی تو ہزاروں کو بھگایا
جس دم وہ گرا مشہ نے بڑا رنج اٹھایا بھاتی سے کئی مرتبہ زخمی کو لگایا
لاٹھے سے گلے مل کے جدا ہوتے تھے فہیر

عورات میں غل بڑتا تھا جب لڑتے تھے فہیر
فرقائد و دہب و انس و مالک دیندار ۴۳ حجاز در ہیر و استی عاقر و عتار
عمران و شیب و عمرو و شوب و آبرار قربان مسیئ ابن علی ہو گئے اکبار
جس سمت یہ جاننا تھے خالی وہ پڑا تھا

اور دود تلک دشت ستم نوں سے بھرا تھا
باقی جو رفیق مشہ دیں رہ گئے دو چار ۴۴ حسرت سے انھیں دیکھتے تھے سید ابرار
کہ بڑھ کے حبیب ابن مظاہر نے یہ گفتار یہ پیر غلام اب ہے اجانت کا طلبگار
بندے کو بھی مرنے کی رضا کیجئے آقا

فردوس کے رستے پہ لگا دیجئے آقا
اوروں نے تو سروے کے بڑا مرتبہ پایا ۴۵ زیر دم غمشیر ہر اک خوں میں نہایا
بھاتی سے انھیں احمد مرسل نے لگایا میں بھی اسی دولت کی ہوں امید پہ آیا
وہ کیجئے کہ شرمندہ نہ ہوں آپ کے بندے
جنت میں پہنچ جائوں گا آقا کی مدد سے

حقاکہ سخی ابن سخی کا ہے یہ دربار ۴۶ محروم یہاں سے کوئی جانا نہیں زہر بار
آقا مرادہ ہے جو خدا کی کا ہے مختار خر کو ابھی پہونچا دیا کس رتبے کو اکبار
بیقدر ہوں افلاک جو نظروں سے گزرا
جس قدرے کو چاہو اسے غور شید بنا د

پہونچا ہے ہر اک شخص کو حضرت کی بدولت ۴۷ پاتا ہے کوئی خور کوئی حسد جنت
رہنے کو مکہ، خلد میں ہوتے ہیں عنایت محبوب خدا بانٹتے ہیں خلعت رحمت
اب دیر جو ہوتی ہے سر عدل کو قلع ہے
بچپن کا جو غلام ہے کچھ اس کا بھی تو حق ہے

حضرت نے سداورد دل اس دوست کا جس دم ۴۸ اک آہ بھری سداور آنکھیں ہوئیں پر کم
فرمایا کہ اے یار قدیم اے مرے بہم اس وقت مجھے اپنی جدائی کا نہ دے غم
ہے کون رفیقوں میں بجز پاس ہمارے

اک چاہنے والا تو رہے پاس ہمارے
منظور نہیں مجھ کو کہ تو مجھ سے جدا ہو ۴۹ باقی ہے جو کچھ زلیت بس ایک ہی ماہو
یہ ساتھ غنیمت ہے ستم ہو کہ جفا ہو تنہائی میں پھر مجھ پر خدا جانے کیا ہو
جودوست ہے میرا اسے پہچانتا ہوں میں

بھائی تجھے بھائی سے سنا جاتا ہوں میں
اس عالم پیری میں نہ کر جنگ کی تدبیر ۵۰ رعشہ ہے بہت ہاتھوں میں اٹھے گی دشمنیر
مانند کماں خم ہے کمر حال ہے تغیر چلے سے طایا بھی تو کھینچنے کا نہیں تیر
پیا سا ہے دم حرب غش آبا گنگن میں
پانی بھی نہیں ہے جو جواؤں کا دہن میں

ہے عالم طفل سے تجھے جس سے محبت ۵۱ وہ آج ہے دنیا میں گرفتار مصیبت
ہے یاں سے قرین قبر شہنشاہ ولایت جا بیٹھ نجف میں کہ لے گی تجھے راحت
مشہور وہ دربار شہر عقدہ کشا ہے
دنیا میں غریبوں کے لئے امن کی جا ہے

جاری اسی دربار سے ہے امن کا دستور ۵۲ ہے پرورد شہنشاہ و گدا ایک ہی منظور
افسانہ شہباز دو کوتر تو ہے مشہور پشہ کو ستائے یہ کسی کا نہیں مقدور
اک ضرب کو فرما دیا پرول سے نہ چا
خون کا عوض اپنے بھی تو قاتل سے نہ چا

ہم اذن اگر قہر کو نین سے پاتے ۵۳ آپ دم شمشیر سے خون اس کا بہانے
حضرت کا یہ تحارم کہ جب کھانے کو کھاتے کہتے تھے حنّ سے کچھ اے بھی ہو کھلانے
بھکانہ رکھو دم اسیر طپ رہا ہے
بالہمی نہ بانہ ہو کہ طپ مقدہ کشا ہے

جس وقت کہ دیارِ یثرب میں جاتا ۵۴ اس مرقبہ پر فرد کو آنکھوں سے لگاتا
 آدابِ ببالاکہ یہ بابا کو سنانا بیٹے کی خبر لو کہ ہے برگشتہ رہا
 تم ساقی کو فرہونانے پہ عیاں ہے
 یہ قیسراں ہے کہ پسر تشہ دہاں ہے
 بیٹے ہیں لب نہرِ ستکاروں کے دستے ۵۵ بچے مے گرمی میں ہیں پانی کو ترستے
 جاؤں تو کہہ جاؤں کہ سب بند ہیں رستے پانی کا جوں نام تو ہیں تیر برستے
 حضرت سے بھی ہوں دُور وطن سے بھی جدا ہوں
 امداد کو پہنچو کہ مصیبت میں پھنسا ہوں
 یاشاہ کہیں امن کی جا میں نہیں پاتا ۵۶ دشمن کو بھی غربت میں نہیں کوئی ستاتا
 سب بہل تھاپوں کو اگر ستا تو نہ لاتا ہے سخت مصیبت، مجھ کو کھن بن نہیں آتا
 جب سہرا خنجر سے جدا ہوئے گا بابا
 کیا جانئے ناموس پہ کیا ہوئے گا بابا
 اے گل کے مددگار مدد کرنے کو آؤ ۵۷ تم صاحبِ اجماز ہو، اجماز دکھاؤ
 میں شاد ہوں، کچھ غم مے مرنے کا نہ دکھاؤ پر زینب بیکس کو اسیری سے بچاؤ
 پاؤں نہ کفن میں تو کچھ اس کا نہیں غم ہے
 بلے پردہ جو ہو دستِ زہرا تو تم ہے
 رویا یہ سخن سنسن کے حبیبِ جگر افکار ۵۸ گر کہ قدیم شہ پہ، یہ کی عرض بہ تکرار
 ترہان ترے اے غلبہ حیدر گزار اس وقت کہاں جائے یہ بچن کا نمک خوار
 فردوس میں جانا مجھے منظور ہے آقا
 جنت تو ہے نزدیک، نجفِ ثانی ہے آقا
 کس منہ سے میں دیارِ یثرب میں جاؤں ۵۹ نواہل کو کس طرح سے شکل اپنی دکھاؤں
 کیا کہے میں اس قبر کو آنکھوں سے لگاؤں حیدر کو خبر آپ کے مرنے کی سناناؤں
 فرمائیں گے شہید سے منہ موڑ کے آیا
 تلواروں میں بچے کو مے پھوڑ کے آیا

میں یاں سے کہاں جاؤں کہ جید بھی نہیں ہیں ۶۰ عزت بھی نہیں آئے ہیں، حضرت بھی نہیں ہیں
دل تھامے جوئے حضرت شہزاد بھی نہیں ہیں زہر نہیں روٹی ہیں، پیغمبر بھی نہیں ہیں
حضرت پر جو ظلم و ستم و جبر و جفا ہے
دور سے یاں بائے حینا کی صدا ہے

بچپن سے ترسائے کی طرح ساتھ رہا ہوں ۶۱ آیا جو بڑا وقت تو حضرت سے جدا ہوں
سر دوں گا کہیں ناشق نقش کعبہ پا ہوں اس نام پر قربان ہوں اس گھر پر فدا ہوں
جیتا ہے سدا جو یہ شرف پاتا ہے مولا
اس طرح کا مرنا کسے ہاتھ آتا ہے مولا

حضرت کے ظالموں کے لئے عید کا ہے روز ۶۲ دولت سے شہادت کے ہوئے شب بھلا
راحت ہے جو سینے پر لگے تیر جگر دوز گراگ ہو تو کو دپڑیں آپ کے دل سے
مجرور ہوں، نیروں سے جو میدان ستم میں
ہاتھ آئے فیضی کا عصا را و عدم میں

ہر چند کہ ہے عالم پیری سے نقابت ۶۳ باقی ہے مگر جسم میں ایساں کی حرارت
جب دیکھتا ہوں آپ کو، آجاتی ہے طاقت ہوتا ہے جواںوں کی طمع جو شہادت
بے سر دیئے مولا مجھے آرام کہاں ہے
گو پیر ہوں پر دل مرا مرنے پر جواں ہے

احوال ہر اک دوست کا ہے آپ کو معلوم ۶۴ مرنے سے وہ ہیں شاذ جو ہیں عاشقِ قیوم
روشنے فقط اس خوف سے ہے لے شہرِ مظلوم وہ جے بدلی زخمِ شہادت سے نہ محروم
کچھ نصف نہیں آپ کے قدوں کی قسم ہے
سرا ہے تن پر کمر اس طے قسم ہے

بچپن کی ترافت سے مری آپ ہیں آگاہ ۶۵ کچھ یا ہے اس روز کا مال لے شہرِ زیبا
ہم سن کئی لڑکے بھی تھے اور میں بھی تھا مگر یوں تک میں تھے آپ تاملوں میں ہو جوں
کیا دن تھے سوا کھیل کے کچھ غم نہ تھا
گیس تھے آئے خاک سے کرتا بھی پش تھا

لوگوں کو بھاکسٹل کے کچھ اور درتھا دیان ۳۳ اور پیار سے میں آپ کا منہ لگا تھا ہر آن
ساتھ ان کے ہمدرد ہونے آپ لے شریز شاں نقش قدم پاک پہ میں ہوتا تھا قرباں

ذکریل پر رغبت نہ تائے نہ نظر تھی

خاک کلب پاسیرے لئے کھل بصر تھی

باگاہ زمیں واں کی ہوئی مطلق انوار ۳۴ اور چاروں طرف نور لگا پھیلنے اک بار
نوشہ بو سے یہ عالم تھا کہ پھولوں کا ہے انبار تسلیم کو بھگنے لگے بام و درو دیوار

تھا شور کہ آمد ہے یہ محبوب خدا کی

ہر زرد سے آتی تھی صدا مصل عطا کی

اتنے میں قریب آئے شہر یثرب دھما ۳۵ اور آپ کو بھولوں میں کیسے دیکھا
پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو دھڑے بہرتا ہنس ہنس کے لگے بھاگنے آپ لے سرعہ ولا

کہتے تھے کہ ہم دھڑتے ہیں آئیے ۳۶

جب جانیں کہ اس وقت ہمیں پائیے ۳۷

فرماتے تھے احمد کہ میں قربان تھا سے ۳۸ ہم تم کو بکڑتے ہیں کہاں جاتے ہر پیارے
ہاتھ آئے نہ جب آپ تو بکڑ کر یہ پکڑاے لڑاؤ لگو چھاتی سے اچھا ہیں ہمارے

ڈر ہے مرے آرام کا نقشہ نہ بگڑ جائے

لاٹا کوئی ان پھولوں سے تلوٹا میں گرد جائے

پھر دھڑ کے آغوش میں حضرت نے اٹھایا ۴۰ چھاتی سے دھڑکتی ہوئی چھاتی کو لگایا
اور پاؤں کو ہاتھوں سے کٹی بار دیا ان سوکے ہوئے ہنٹوں سے ہنٹوں کو لگایا

اُس پیار میں رونے کے بھی پہلو نکل آئے

بور جھگے کا لب آلو نکل آئے

محمد زکریا فیض آخر پڑ گئی اک بار ۴۱ خادم کو بھی حضرت کی طرح کرنے لگے پیار
اُس دم حجت ہوئے اصحاب مظلوم اُن سب سے یہ فرمانے لگے اہم حجت ار

بے جا نہیں اس فعل پہ الطاف نبی کا

یہ چاہنے والا ہے حسین ابھی مثل کا

تم لوگوں نے دیکھے نہیں اس غفل کے جوہر ۱۲، جس خاک پر رکنا خاف دم یہ مراد بس
 آنکھوں سے لگا تھا یہ اس خاک کو لے کر فطیر کے عاشق پہ تصدق ہے ہمیں
 مرقوم ہے نام اس کا ازل سے شہدائیں
 دیوے کا خدا قبر سے خاکِ شفا میں

فرمائیں یہ جب حق میں مرے اُحد مختار ۱۳، کس طرح نہ صدقے ہو غلامِ شہ ابرار
 مشتاقِ شہادت ہے جوانی سے یہ غمخوار کفار سے جب لڑنے چلے حیدرِ کرار
 خدمت میں ہر اک تیغ و سپر اندھ کے آیا

سرینے کو بہت دہ بھی کمر اندھ کے آیا
 دیکھا جو مسلح بچے رو کر یہ سنا یا ۱۴، اختیار لگا کر تو ابھی کس نے آیا
 مرنا تو اس دن کا ہے اللہ کو بھایا جس روز لڑائی پہ چڑھے گا مرا جایا
 ہے صاحبِ قسمت تیری کیا بات ہے بھائی

دامادِ حسین اور ترا تھا ہے بھائی
 جب شہ نے سنی اپنی مظاہر کی یہ تقریر ۱۵، بچپن کا خیال آیا تو رونے لگے پتیر
 فرمایا کہ مجبور ہوں جو خواہشِ تقدیر دکھلاتا ہے اجاب کی فرقتِ فلکِ پیر
 چُختا ہے تو پھر یارِ موافق نہیں ملتا
 سب ملتے ہیں پر عاشقِ صادق نہیں ملتا

خاطر شکنی دوست کی مجھ کو نہیں منظور ۱۶، کچھ بن نہ پڑا روک چکے اپنے بہ مقدور
 منظورِ نظریہ تھا کہ آنکھوں سے نہ ہودد تقدیر کی تحریر سے سشتیر ہے مجبور
 گویے رہے جاتے ہیں پھر آئیں گے ہم بھی

مزل پر سرِ شاہِ پہنچ جائیں گے ہم بھی
 فرا کے یہ چھاتی سے لگا یا کتنی باری ۱۷، رخصت ہو گیا آنکھوں سے آنسو ہونے مای
 گھر کے دیو خیمہ سے زینب یہ پیکاری لوگو کہو میاں میں بلی کس کی سواری
 اب کون بچائے گا شہ جن و بشر کو

سب چوڑے چلے جاتے ہیں زہر کے پیر کو

منفی ہوں اور فروغ پہ فروغ آتی ہے ہر دم ۷۸ یاں کم ہوئے جاتے ہیں رفیقِ شہِ عالم
سب روتے ہیں یہ کس کے جدا ہونے کا ہے غم جلدی کہو اب تن سے نکلتا ہے مرا دم

حضرت نے کہا کیا کہوں کیا ہوتا ہے بھینا

بچپن کا مراد دست، جدا ہوتا ہے بھینا

یہ سنتے ہی کبیرام ہوا اہل حرم میں ۷۹ پہونچا وہ جری شیریں میدانِ ستم میں
کال تھا زبس عشقِ شہنشاہِ اُمم میں بیتاب تھا مولا کی جدائی کے الم میں

سینہ تھا جری کا تبر و تیر کی جانب

پھر پھر کے نظر کرتا تھا شبیر کی جانب

پیری میں عجب شان تھی اس شیرِ زباں کی ۸۰ پڑتی تھی سراپے پہ نظریہِ روجواں کی
تھی جلوہ گری نورِ عبادتِ دو جہاں کی گردوں پہ چمک باقی تھی سجدے کے نشاں کی

پیشانی پر نور پہ عالم تھا قمر کا

یہ چاند تھا شب کا نور تھا سحر کا

باہم صفت تیر و کماں ابرو و خراگاہ ۸۱ سرزد نہ کبھی جس سے خطا ہو کسی عنوان
آنکھیں وہ غزالاں حرم جن پہ بول قرباں نظروں سے ہو مینی رخِ شپیر نہ پنہاں

رخساروں کو تر کرتے ہیں اشکِ کھوکھل کر

رہ جاتی ہیں پلکیں کفِ افسوس کوئل کر

خورشید سے افزوں ہے صفائے رخِ نیکو ۸۲ مہتاب میں یہ رنگ نہ یہ حسن نہ یہ رو
چشمے سے زیادہ وہیں تنگ میں خوشبو اور درو زباں ذکرِ صفاتِ شیرِ خوش خور

لب ایسے کی یا قوت بھی گر جائے نظر سے

بن پانی مگر خشک ہیں چرمیں پہرے

بے خبر لڑی موتیوں کی ہیں دُر و دنداں ۸۳ یا گوہرِ شبنم ہیں کہ غنچے میں ہیں پنہاں
وہ ریشِ سپید اور وہ اُس کا رخِ تاباں آغوشِ مہ نو میں ہے خورشیدِ درخشاں

گہتی ہے اہل منزلِ ہستی سے سفر ہے

شب گذری جوانی کی یہ پیری کی سحر ہے

گردن جو جھکی جاتی ہے ستر تن پہ گراں ہے ۸۳ افسوس بہارِ چمن عمر خنداں ہے
جو تیرا قد تھا سونہ نم مثل گماں ہے جانے کا یہی گوشہ مرقد کے شاں ہے
ہے تیغوں کی دھاروں سے گزنا کوئی دم کو

ہر دم یہ رہا ہے کہ نہ لغزش ہو قدم کو
سر پر عوضِ خود ہے 'اللہ کا سنا ۸۵ زخموں کے لئے، تن کو زور سے نہ بچایا
دھتانے پہننا بھی نہ غازی کو خوش آیا کیا فائدہ ہے، جینے سے جب ہاتھ اٹھایا
اک ہاتھ میں وہ تیغ جو لاکھوں پہ چلی ہے
اک ہاتھ میں دامانِ حسین ابن علیؑ ہے

بستے میں رجز پڑھ کے پکارا وہ خوش انجام ۸۶ اے قومِ حبیب ابنِ مظلوم ہے ہر نام
ہشیار کا اب میان سے کھینچتی ہے یہ مقام دار اس کا ہے دشمن کے لئے موت کا پیغام
یہ تیغ نہیں وہ جو دمِ حارب کے گی
میں تم سے رکوں گا نہ مری ضربِ رُکے گی

یہ سس کے پکارا عمر سعدِ جفا کار ۸۷ آتا ہے بڑا سبطِ پیر کا مددگار
اس پیر کو مہلت نہ دیا چاہیے زہر ہار بڑھ کر کہا غازی نے کہ اوٹا لم فدار
میں تیری طرح دشمنِ شہپر نہیں ہوں
ہوں پیر تو واللہ پہ بے پیر نہیں ہوں

گو ہاتھوں میں دھ ہے، پہ اوٹا لم گراہ ۸۸ گر کوہ کو چاہوں تو اکھاٹوںِ صفت کاہ
ان ہاتھوں کی قوت سے ابھی تو نہیں آگاہ ہے قد شناس ان کا جگر بندید اللہ
پیری سے جو ہے پشتِ خمیدہ تو بجا ہے
جس خاک میں جاتا ہے اُدھر سر بھی جھکے ہے

میں وہ ہوں کہ جو فخر کروں ہے وہ سزاوار ۸۹ دیکھا ہے محمدؐ کا انھیں آنکھوں سے صبار
جُٹا کیا اکثر قدمِ حیدر کے زار زہر کی نوازش رہی، سفتہ نے کیا پیار
بچپن سے مجھے عشقِ امامِ دہ جہاں ہے
اب ساتھ ہے شہپر کا اور سیرِ خاں ہے

پیری سے ہے روشن کہ چراغِ سحری ہوں ۹۰ دنیا سے کوئی دم میں عدم کا سفری ہوں
آقا مرا شاہد ہے کہ عصیاں سے بری ہوں دیندار ہوں، غازی ہوں مجاہد ہوں جری ہوں

بے خوف چلا جاتا ہوں میں شیر کے منہ پر

دعویٰ ہے تو آؤ مری قمشیر کے منہ پر

مشہور ہے دنیا میں کہ یکسیرِ نوحِ صعب ۹۱ جرأت میں کسی کا نہ شباب اور نہ مرثیب

ہر دم ہے غنایاتِ خدا سے مدوغب شک اس میں نہیں بندۂ شبیر ہوں لاریب

تلواروں سے سوٹکڑے اگر ہو کے گروں گا

اس قبلہ دیں سے نہ پھر اہوں نہ پھر لوں گا

آقا مرا وہ ہے جو امامِ ازل ہے ۹۲ مظلوم ہے سید ہے ولی ابنِ ولی ہے

ہر جنگ میں اکثر مری تلوار چلی ہے اُس خیر کے بیٹے میں پلا ہوں، جرنلی ہے

طلتا نہیں مر کر اسی میدان میں گروں گا

تلوار نہ ہوے گی تو ہاتھوں سے لڑوں گا

میں نہ تیروں کا برے تو کبھی منہ کو نہ موڑوں ۹۳ نیزوں کا ہر اک بند انھیں ہاتھوں سے توڑوں

ہاتھ آؤ تو ٹکڑا کے سر ایک ایک کا پھوڑوں جیتا شبہ مظلوم کے دشمن کو نہ چھوڑوں

کچھ ڈھال کی حاجت نہیں خستاقِ اہل کو

دانتوں سے چبا جاؤں گا تلوار کے پھل کو

ہے کانپتے ہاتھوں میں مرے زورِ خدا داد ۹۴ ہے جنگِ ید اللہ کا انداز مجھے یاد

پکڑوں جو کلائی کو تو فیضِ مکرے فریاد پھر جاتا ہے پنجے سے مرے پنجہ فریاد

کھا سکتے نہیں دیو، دیروں کا طانچہ

ہے ضربِ مرے ہاتھ کی شیروں کا طانچہ

فیر سے بیکس پہ یہ شکر کی چڑھائی ۹۵ اے خالو کرتے ہو یہ کس گھر کی صفائی

کرتے ہو غضب اُس کے نما سے بڑائی پیدا ہوئی ہے جس کے لئے ساری خدائی

فرزندِ نبیؐ پر جفا کرتے ہو یا رو

گھر نشا ہے زہرا کا یہ کیا کرتے ہو یا رو

بدعت نہ کرو، ہاتھ نہ سید پڑا تھا ۹۶ بقی ہے زمیں عرشِ خدا کو نہ ہلاؤ
 کبہ ہے بنیاد نہ اس گھر کی مشاؤ طبعِ حسرت لم یزلی کو نہ بجھاؤ
 کون اس کے سوا دوشِ محمد کا میں ہے
 شیرِ سآت کوئی دنیا میں نہیں ہے

سمجھانے لگا آن کے تب ایک سنگر ۹۷ ہر چند بہادر ہے تو اے رستم شکر
 تیرے زلّ و ف زلّ بھی ہووین گے مقرر لازم ہے وہ تدبیر کہ برباد نہ ہو گھر
 گوشتِ دلی صاحبِ مزاج ہے شیر
 حاصل تجھے کیا ہوگا کہ محتاج ہے شیر

کیوں آپ کو تیروں کا بنانا ہے نشانہ ۹۸ ساتھ اس کا نہ دے جس سے ہے برگشتہ زمانہ
 قہقہے میں نہ دولت نہ ریاست نہ خزانہ دروزے پانی نہ میسر ہے نہ دانہ
 لازم ہے کناہ پیر شیر خدا سے
 ہو اس کا لازم جو پیر بھر دے بلا سے

تھڑا گیا یہ سن کے حبیبِ جگر انگار ۹۹ چلا کے کہا دور ہو، اے ظالم و غدار
 فرزند نہ کام آئیں گے مرقد میں نہ گھر بار نہ ملک سے مطلب کا نہ دولت سے سروکار
 شیر کے کام آؤں تو دل شاد ہو میرا
 وہ گھر توٹے اور گھر آباد ہو میرا

ممکن ہے کہ سردار پھر اس طرح کا پاؤں ۱۰۰ فاسق کی طرف دولت دیں چھوٹے جاؤں
 خاکِ قہم شاہ کو آنکھوں سے اٹھاؤں گر کوہِ جلا ہووے تو ٹھوکر نہ لگاؤں
 کیا دے گا مجھے کوئی جو آقا نے دیا ہے
 شیر سے فردوس میں گھر میں نے دیا ہے

یہ کہتے ہی جولاں کیا شہیدِ شہباز ۱۰۱ آؤ کر صفِ اعدا پہ گیا صدمتِ شہباز
 رنگِ رُخ افواجِ رستم کر گیا پرہاز گھوڑا تھا مگر جست میں تھا شیر کا انداز
 اک دم میں گیا پار سواروں کے پروں سے
 مڑ کر ادھر آیا تو گرے خود سواروں سے

جکی عجب انداز سے اس شیر کی تلوار ۱۰۲ گویا سہرا عدا پر گری برقی شہدار
 ڈھالوں سے بدن اپنے چمپاتے تھے یہ کار اُس دست زبردست کار کتا تھا کوئی وار
 کچھ امن نہ تھا خود زور سے تن دسر کو

سینے سے گزیر جاتی تھی دو کر کے سپر کو
 کاٹے ہوئے پھل برہمیوں کے دن میں بڑھے ۱۰۳ سبھے ہوئے گوشوں میں کماندار کھڑے تھے
 چھایا تھا ہر اس آن پڑا ہمیشہ جوڑے تھے آنکھیں وہ چراتے تھے بہادر جوڑے تھے

دہشت سے زور پوشوں نے جی چھوڑ دیا تھا
 اس تیغ نے تیغوں کا بھی منہ موڑ دیا تھا
 تھے برہمیوں والوں کے پرے بے سرو بے پا ۱۰۴ برجھی تھی کہیں ہاتھ کہیں اور کہیں پہونچا
 تھا نہر تلک موج زن اک خون کا دریا بہتے تھے حسابوں کی طرح سے سہرا عدا

دہشت سے تلاطم تھا ہر اک فوج عدویں
 پھل سے ترپتے تھے زور پوش لہو میں
 چلاتے تھے اعدا کوئی بنتی نہیں تدبیر ۱۰۵ دم بندیں ماریں کسے تلوار کسے تیر
 جس وقت علم ہو کے چمکتی ہے یہ شمشیر پھر جاتی ہے آنکھوں کے تلے موت کی تصویر

کیا ہوتا ہے ڈھالوں کی جوہلی سی جھکی ہے
 بجلی بھی کہیں ابر کے روکے سے رُکی ہے

بیچارے جلاوطن کے نیزے دم پر کار ۱۰۶ تلوار سے ملتی تھی نہ مہلت کہ چلے وار
 حلقے کئے اُس شیر کے درپے تھے کماندار چلے مگر جس نے ملایا لب سو فار

شہباز سار پر فرس تیز قدم تھا
 نکلا ہی نہ تھا تیر کماں سے کہ قلم تھا
 پیری میں جو دکھلائی جانوں کی شجاعت ۱۰۷ تھرانے لگے عضو بدن گھٹ گئی طاقت
 دم چڑھ گیا گرمی سے ہوئی پیاس کی شدت دل سے کہا اب عالم فانی سے بے رخصت

نے لشکر اعدا کو، نہ شمشیر کو دیکھا
 کس یاس سے مڑ کر رُخِ خیر کو دیکھا

پھر آٹھا کہ بس بٹنے لگی تیروں کی بوجھار ۱۰۸ دیکھا جوا دھر پٹت پہ نیرے کا لگا کر
 چا اٹسے ماریں کر لگی فسق پہ تلوار اہل ظلم کی برہمی بھی کیجے کے ہوئی پار
 کہتے تھے تن دہاں شبہ دیگر کے مدے
 ہر زخم پہ نعرہ تھا کہ شیر کے مدے
 بھائی بھی یعنی تیروں سے اور فرق دو پارا ۱۰۹ رنگ رنگ جو کئی پھر نہ رہا ضبط کا یا را
 شیرازہ اجوائے بدی گھل گیا سارا گرتے ہوئے گھوڑے سے یہ آقا کو پکارا
 یاں آپ کا آنا مری بخشش کی سند ہے
 اے شیر الہی کے پسروقت مد ہے
 ناگہ صفیں چیر کے آئے شبہ فیشاں ۱۱۰ دیکھا کہ وہ مظلوم کوئی دم کا ہے مہاں
 لاشے سے لپٹ کر یہ پکاسے بعد افتاں اے دوست مئے تیری محبت کے میں قراں
 دکھلا دو مجھے زخم کہاں کھائے ہیں بھائی
 بھائی سے لپٹ جاؤ کہ ہم آئے ہیں بھائی
 اس عالم پیری میں نہ منہ جگ سے موڑا ۱۱۱ کس طرح نہ رفتوں ترا احساں نہیں تھوڑا
 میرے لئے تو نے زن و سرزند کو چھوڑا فرقت نے تری آہ کر کر مری تھوڑا
 تنہا کوئی لاکھوں سے ڈرائی نہیں کرتا
 وہ تو نے کیا مجھ سے کہ بھائی نہیں کرتا
 آٹھا کی صدا سن کے اے ہوش جو آیا ۱۱۲ گردن کے تلے زانوئے مسخیر کو لایا
 آنکھوں سے کعب پائے مبارک کو لگایا اکبر کی طرف جڑ کے ہاتھوں کو سنایا
 کھجائے نمک خوار پہ احساں نہیں کرتے
 حضرت پہ اٹھائے مجھے قراں نہیں کرتے
 ریشہ مرے واسطے آنسو نہ بہاؤ ۱۱۳ شہزاد عالم مرے کام اس غمزی آؤ
 محبوب خدا آئے ہیں خادم کو اٹھاؤ حیدر یہ کھڑے ہیں، مجھے قہر پہ گواؤ
 بونے حسن سبز قہا آتی ہے مجھ کو
 فریاد کی زہرا کی صدا آتی ہے مجھ کو
 یہ چند لکھ کے لئے میں نہیں ہے۔

یہ کہتے ہی بس گھٹن دینا سے سہلے ۱۱۳ نکلی رہی ہونٹوں پہ نیاں پچاس کے اسے
انہو کو ہلا کر، ستر مظلوم پچاس کے چھوڑا ہیں اے یار دُعا دار، ہمارے

ہم نہ گئے تم ہم سے دُعا کر گئے بھائی
صدتے ابھی جوتے تھے ابھی مر گئے بھائی

ہے ہے مرے عاشق مرے شیدا مرے یارو ۱۱۵ ہے ہے مرے سلاٹ مرے مقداد و اباد
ہے ہے مرے رستم مرے فیغم مرے معبود ہے ہے مرے عاثر مرے مالک اشتر
تازیت ترے ہجر میں فریاد کروں گا
خبر کے تلے بھی میں تجھے یاد کروں گا

پھر لاش درخیمہ پہ لائے شہرِ عالم ۱۱۶ سر پہٹ کے نسرا یا اگر اے عزیز پہنچم
میدان میں جیب ابنِ مظاہر ہوئے بیدم اتم کرو بیکس کا پچھا کر مصفب اتم

یاں رونے کو اس کے زن و فرزند نہیں ہیں
مظلوم مسافر کے اگر ہیں تو ہیں ہیں

خاموش انیس آگے نہ کہہ لاش کا جانا ۱۱۷ چہو بچائے گا کوثر پہ یہ رونا یہ رونا
انسوس کہ فرصت نہیں دیتا ہے زمانا اے ذاتِ خدا قادر و قسیم و توانا
رکھاس پہ نظر تنگ نہ ہو کثرتِ غم سے
مطلب ترے بر لائے گا اپنے کرم سے

مرثیہ (۹)

جب حشر کو ملا خلمت پر خونِ شہادت ۱ جنت میں گیا رالغی گنگلونِ شہادت
مستوجبِ رحمت تھا وہ مفتونِ شہادت جہاں بیچ کے پایا دُرِ مکنونِ شہادت

بے سردیے ہرگز یہ ہم سر نہیں ہوتی
ہاتھ آئی وہ دولت جو میسر نہیں ہوتی

یہ مرتبہ بے شکر گزاری، نہیں ہوتا ۲ یہ اوجِ بجز رحمتِ باری، نہیں ہوتا
بے فیض، یہ چشمہ کبھی جاری نہیں ہوتا کم قدر کا پلہ، کبھی بھاری نہیں ہوتا
راحت بھی اٹھائی ہے جب آزار ملے ہیں
غواص کو اکشر درِ شہوار ملے ہیں

غل تھا کہ یہ اچھوں کی رفاقت کا ثمر ہے ۳ جنت، گلِ زہرا کی محبت کا ثمر ہے
ایمان، فقط نخلِ ولایت کا ثمر ہے سرسبزیِ ثمر باغِ ریاضت کا ثمر ہے
مولا جے چاہیں وہ گناہوں سے بری ہو
کھیتی یہ ہراول کی ہے، کیوں کرنہ ہری ہو

اک جاتھے تھرو فخر، یہ عالم میں ہے مشہور ۴ کیا شانِ خدا ہے کہ، یہ مغفور، وہ مقہور
وہ ہوتا ہے جو ہوتا ہے، اللہ کو منظور انسان رہے حق کی طرف اپنے بہ مقدور
دولت کو نہ حشمت کو نہ آرام کو دیکھے
آنکھیں وہی رکھتا ہے جو انجام کو دیکھے

اللہ کے محبوب کے دربار میں پہونچا ۵ سردے کے ید اللہ کی سرکار میں پہونچا
بے رنج و غلش گلشنِ بے خار میں پہونچا وہ نار میں، یہ غلہ کے گلزار میں پہونچا
مالک نے، لیا اس کو اُسے شاہِ عرب نے
رحمت نے اسے گھیر لیا، اُس کو غضب نے

رویا سے زہرا کا پسرواہ ری قسمت ۶ نافوئے حسین اور وہ مسرواہ ری قسمت
طوبی کے تلے غلہ میں گھڑواہ ری قسمت دنیا سے یہ راحت کا مسرواہ ری قسمت
کیا جلد گیا سونے ارم دار فنا سے
سوکھا جو پسینہ بھی تو جنت کی ہوا سے

خواہش یہ ہر گھوڑ کی تھی، مژدہر آئے ۷ یہ صاحبِ اقبال و تہوڑا دھر آئے
لہراتا تھا کوثر بھی کہ یہ دُور ادھر آئے فرماتے حیدر یہ بہادر، ادھر آئے
مشاق ملاقات کے سب چھوٹے بڑے تھے
محبوبِ خدا ہاتھوں کو پھیلائے کھڑے تھے

فرماتی تھی زہرا میرے غم خوار کو لاؤ ۸ جلدی میرے پیارے کے ہمدگار کو لاؤ
تعظیم سے ٹکریم سے حستار کو لاؤ لاؤ میرے آگے حستردین دار کو لاؤ
پایا نہ کفنِ واں تو یہاں شاد کروں گی
میں طرہ جنت اُسے امداد کروں گی

حوروں کا وہ میووں کے طبق سامنے لانا ۹ درپردہ اشارے کہ ہماری طرف آنا
کوثر ہے وہ، منظور ہے مگر پیاس بجھانا اس قہر جو اہرے کہیں اور نہ جہانا
جو کہہ وہ کریں خیر ہے خدمت شہدا کی
ہم سب ہیں کینڑی پسر شیر خدا کی

حقا کہ یہ رتبہ شہرِ ذی جہا نے بخشا ۱۰ ایمان کا شرف، فاطمہ کے ماہ نے بخشا
طالبِ تھا وہ جس کا وہی اللہ نے بخشا بخشا اُسے خالق نے، جسے شاہ نے بخشا
جنت ادھر آئی، جدھر آیا قدم اُن کا
کردیتا ہے انساں کو فرشتہ کرم اُن کا

اے خیرِ دلاور تیری تقدیر کے مدتے ۱۱ رتبے کے فدا، عزت و توقیر کے مدتے
مہاں کے تصدیق، شہرِ دل گیر کے مدتے اس صحبتِ ذی قدر کی تاثیر کے مدتے
ناکام کا یوں کام ملاقات میں بن جاتے
بیسوں کا جو گڑا ہو وہ اک بلت میں بن جاتے

اب یوں سے رقم کرتا ہے، یوں راوی صادق ۱۲ جب قتل ہوا حسرتا مددگار موافق
پھر فوج پہ برساتے لگے تیسرے شائق مر جانے پہ اک دل ہوتے سب شاہ کے عاشق

اک ایک سے پہلے تھا خسریدار اجل کا

سرکٹ رہے تھے گرم تھا بازار اجل کا

یوں جاتے تھے، میدان شہادت میں وہ جہاز ۱۳ جس طرح کہ بچھری ہوئی بلبل ٹوٹے گلزار
خود روکتے تھے فرق پہ جب آتی تھی تلوار باران کرم جانے تھے تیسروں کی بوجھار

برہمی جو لگی غفل شہادت میں پہل آیا

جاں آگئی جس وقت پیام اجل آیا

زخموں کو عطائے مہدی، جانتے تھے وہ ۱۴ آزار کو لطفِ احدی، جانتے تھے وہ

جیسے کو، مقتدر کی بدی، جانتے تھے وہ مرنے کو حیاتِ ابدی، جانتے تھے وہ

ٹوٹے ہوئے ہونٹوں پہ محمد کی شنا تھی

دور روز کی پیاس اُن کے لیے آبِ بقا تھی

قصر بان تو لائے حبیب ابنِ مظاہر ۱۵ یکساں صفتِ جہر میں باطن و ظاہر

عصیاں سے بڑی، طیب و پاکیزہ و طاہر جلاں باز جہاں دیدہ، فنِ جنگ سے ماہر

سر ملتا تھا پیری سے قدرِ راست میں خم تھا

اس پر بھی کچھ آگے ہی جوانوں سے قدم تھا

عرشہ تھا کہ قابو میں نہ تھے دستِ نکو کار ۱۶ ہر ایک میں حکم تھی سپہر ایک میں تلوار

جب شر کی طرف تیر لگاتے تھے ستمگار یہ بڑھ کے اُسے روکتے تھے سینہ پہ ہر بار

بھائی مرے پاس آؤ یہ فرماتے تھے حضرت

جب تیر انھیں لگتا تھا، ٹپ جاتے تھے حضرت

جب ایسے رفیقوں کا پڑا ہو گیا خالی ۱۷ بھرتا تھا دمِ سرور وہ کونین کا والی

پھر تھا کوئی مولا کا نہ ہم نہ موالی لاشوں کو لگاتے تھے گلے سرورِ عالی

میتاب تھے اس طرح ہر اک دوست کے غم میں

جیسے کوئی روتا ہے برادر کے الم میں

لاشوں کے اٹھانے سے نہ پانی تھی فراغت ۱۸ جوتول کے نیزوں کو بڑھے اہل شقاوت
 مولا کے یگانوں نے کیا عزم شہادت لٹنے لگی زہرا و محمد کی بضاعت
 سیدانیوں کا دودھ جو پی کے پلے تھے
 جلا دوں کی تلواریں تھیں اور اُن کے گلے تھے

لاکھوں سے لڑے حضرت عباس کے بھائی ۱۹ حملوں میں دکھائی شہ مرداں کی لڑائی
 سب شان پدریوں نے جعفر کے دکھائی مسلم کی جو میراث تھی، فرزندوں نے پائی
 لاکھوں میں پھر اس شان سے شاہ دو جہاں تھے
 دو طفل جلتوں میں فقط اور تین جواں تھے

دو طفل وہ، جو تین شب و روز کے پیاسے ۲۰ زینب کے پسر شیر الہی کے نواسے
 خود اپنی شہادت کے طلب گار، خدا سے بے تاب کہ کیوں رہ گئے پیچھے شہدائے
 جینے کی ہماری، جو خبر پائیں گی اماں
 لاشے بھی یقین ہے کہ نہ ملگوائیں گی اماں

قاسم حسن سبز قبا کا مر تاباں ۲۱ عباس علی چشم و چراغ شہ مرداں
 ہم شکل نبی نور نگاہ شہ مرداں زینب کے پسر، جعفر و زہرا کے دل و جاں
 تاباں نظر آتا تھا قریب پاس قمر کے
 پانچوں یہ جری چاند تھے شبیر کے گھر کے

ایک ایک جری ملک شجاعت کا شہنشاہ ۲۲ بچپن میں الو العزم کہ العظمت لشد
 ذی قدر، سرافراز، و فاکیش، دل آگاہ شیر اُن کی نظر دیکھ کے بن جلتے تھے روباہ
 پیدا یہ تہور سے کہ لاکھوں ہیں تو کیا ہیں
 دعویٰ تھا ہر اک کو کہ ہمیں شیر خدا ہیں

کھولے ہوئے رات، کوئی تو لے ہوئے شمشیر ۲۳ بے تاب کہ تلوار کے چلنے میں ہے کیوں دیر
 فاتوں میں زہر دست کہ لاکھوں سے نہ ہوں زیر بیٹے میں پلے جو اسد اللہ کے، وہ شیر
 جز سجدہ حق نہ سمجھی اُن کے نہ جھکے تھے
 یہ قبلہ عالم کا ادب تھا جو رُکے تھے

اس وقت عجب غم تھا شہرِ جن و بشر کو ۲۴ نہ رُوح کو راحت تھی، نہ آرامِ جسگر کو
کھو سکتے تھے بھائی کو، نہ اکبر سے پسر کو نہ عوٹ و محمد کو، نہ شہر کے قسمر کو

میوے تھے سب ایک باغ کے پھول ایک چمن کے

وہ بھائی کا بیٹا تھا، یہ بیٹے تھے بہن کے

فرماتے تھے موت آئے تو چھٹ جاؤں الم سے ۲۵ یارب مرا گھر ہے انھیں جہازوں کے دم سے
بچھڑیں ہمیں ان سے یہ جدا ہوتیں نہ ہم سے کٹ جائے گلا جلد کہیں تیغِ دودم سے

ہاتھوں سے یہ محبوب گنوائے نہیں جاتے

داغ اب ترے بندے سے اٹھلے نہیں جاتے

ناگاہ ہوا شور، مبارزِ طلبی کا ۲۶ پھر قصدِ لعینوں نے کیا بے ادبی کا
منہ سرخ ہوا غیظ سے ہم شکلِ نبی کا رایت بھی بڑھا فوجِ رسولِ عربی کا

حیدر کے نواسوں کی بھی ابرو پہ بل آیا

چھوٹا تو یہ بچہ کہ پرے سے نکل آیا

گھبرا کے پکارے جو اسے سیدِ ابرار ۲۷ بس پھر کے گرے پاؤں پہ آقا کے وہ جہاز
کی غرض بسدِ عجز کہ اسے کل کے مددگار ہم دونوں غلام اب میں اجازت کے طلبگار

بے تاب ہیں دل جان لڑائی میں پڑی ہے

اسے نورِ خداؤں نوازی کی گھڑی ہے

مرنے کو اگر پہلے گئے قاسم و اکبر ۲۸ یا شاہ ہمیں دودھ نہ پھر بخشیں گی مادر
شہر کی وہ تصویر یہ ہم شکلِ پیمبر توقیر اسی میں ہے کہ ہم صدقہ ہوں ان پر

مالک ہیں، خداوند ہیں، سردار ہیں دونوں

ہم ان کے بزرگوں کے تنگ خوار ہیں دونوں

بے مل جو ہوئے مسلمِ مظلوم کے پیارے ۲۹ ہم نیچے میں جاسکتے نہیں نرم کے مارے
اتانے کہا ہو گا کہ اب تک نہ ہمارے جانوں کو بچاتے ہیں، جگر بند ہمارے

قاصر ہیں، جو توقیرِ شہادت نہیں ملتی

کیا جانیں اسے وہ کہ اجازت نہیں ملتی

حضرت پہ ہے روشن، جو ہمارا ہے ارادہ ۳۰ سن کم ہیں، بہت ہے جوانوں سے زیادہ
نانا تو علیؑ، جعفر طیار سے دادا ہم ڈھونڈتے ہیں صبح سے فردوس کا جادہ

شیروں کی طرح بیشہ حیدر میں پلے ہیں

تلواروں سے ہم کھیل کے اس گھر میں پلے ہیں

وہ تیغ کے مالک ہیں، تو مختار ہیں ہم بھی ۳۱ دادا کی طرح، مرنے پہ تیار ہیں ہم بھی
نانا تھے جو کرتار، تو حبتار ہیں ہم بھی سردے کے شہادت کے طلبگار ہیں ہم بھی

ہے جوش و فدا، عمر کے پیلانے بھرے ہیں

ہم صبح سے سرزندہ کو ہاتھوں پہ دھرے ہیں

ہم آپ سے مرنے کے لئے جا نہیں سکتے ۳۲ زخمِ تبر و تیر و سناں کھا نہیں سکتے
بے حکم، جو مطلب ہے اُسے پا نہیں سکتے آداب سے، کچھ لب پہ سخن لا نہیں سکتے

پہچے رہے اوروں سے یہ تقدیر ہماری

ہاتھ آپ کے ہے، عزت و توقیر ہماری

ہم دونوں غلامِ اکبر و اصغر کے ہیں یا شاہ ۳۳ الفت کو بس اب دل سے اٹھا لیجئے، اللہ
اماں کا تو نازک ہے مزاج، آپ ہیں آگاہ بنتِ اسد حضرت باری ہیں وہ ذی جاہ

پوچھیں گی خفا ہو کے تو کیا ان سے کہیں گے

آزرہ ہوئیں وہ، تو کہیں کے نہ رہیں گے

عورت ہیں پہ خوبوشہ مڑاں کی ہے ساری ۳۴ شب کو بھی فرمایا تھا ہم سے کئی باری
تم یہ نہ سمجھو کہ میں عاشق ہوں تمہاری بھائی سے تجھے جان نہ اولاد ہے پیاری

کس کام کے پھر سر جو تصدق نہ کرو گے

تب دودھ میں بخشوں گی جو عزت سے مرو گے

یہ کہہ کے جو رونے لگے زینب کے جگر بند ۳۵ حضرت نے کہا میں ہوں بہر حال رضا مند
کھوئے ہیں کسی بھائی نے ہمیشہ کے فرزند کس منہ سے کہوں آہ کہ ہو خاک کے پیوند

تنہائی کا دکھ فاطمہ کا لال ہے گا

لاٹھے کے اٹھانے کو بھی کوئی نہ رہے گا

اکبیر کو تو ہم شیر نے، میں نے تمہیں پالا ۳۶ ماموں سے جدا ہوتے ہو جب ہوش سنبھالا
اب کون ہے غربت میں مرا تھانے والا دل کا کوئی ارمان بھی تم سے نہ نکالا

دس سال بھی پورے نہیں دونوں کے بیٹوں میں

دُنیا سے اجل لے چلی شادی کے دنوں میں

دونوں سے یہ فرما کے اُدھر روتے تھے شبیر ۳۷ چُپ بیٹھی تھی رانڈوں میں اُدھر شاہ کی ہمیشہ
سرزانو پہ ہتھافکر میں اور لب پہ ہتھی تقریر محبوب کیا بیٹوں نے ہے ہے ہری تقدیر

میں جانتی تھی پہلے اجازت وہی لیں گے

اس کی نہ خبر تھی کہ دغا وقت پر دیں گے

آتا ہے دم صبح سے یا لاشے پہ لاشا ۳۸ اُن کے لیے اوروں کی لڑائی ہے تماشا
پانی نہ اجازت، یہ سخن خوب تراشا باتیں ہیں یہ ساری مجھے باور نہیں حاشا

رُکتے ہیں دلاور کہیں روکے سے کسی کے

وہ سب بھی تو پائے تھے حسین ابن علی کے

بانو نے کہا دونوں کی عمریں ہیں ابھی کیا ۳۹ نہ گھر سے وہ نکلے نہ کوئی معرکہ دیکھا
میدان کی رضا دیتے نہ ہوں گے شر والا آزرده نہ ہوں آپ یہ غفٹے کی نہیں جا

شن بیجے گا رن میں جو کچھ کام کریں گے

حیدر کے نواسے ہیں، بڑا نام کریں گے

فرمایا کے ہاں، جو مجھے تقدیر دکھائے ۴۰ جی جاؤں گی، مرکز جو وہ میدان سے آئے
کیوں شاہ سے نصرت کا سخن لب پہ نہ لاتے کیا جلتے کس فکر میں ہیں وہ مرے جاتے

جو چاہیں کریں بیٹوں کے قابل میں کہاں ہوں

اب وہ مرے فرزند نہ میں دونوں کی ماں ہوں

یہ ذکر تھا فتنہ جو خضرے کے یہ کئی ۴۱ فریاد کہ اب لٹی ہے زینب کی کمانی
لو میرے خوزادوں نے رضا جنگ کی پائی اے بنت علی رو رہے ہیں آپ کے بھائی

بچے بھی شریک شہدا ہوتے ہیں لوگو

دو سہانچے ماموں پہ فدا ہوتے ہیں لوگو

فضہ سے یہ سنا تھا کہ میں رونے لگے سب ۴۲ اور خاک پہ سجدے کو جھکیں حضرت زینب
 فرمایا کہ حدیث کبریا برا مطلب عزت مرے بچوں کی ترے ہاتھ ہے یا رب
 بہتر ہے جو لڑنے کو وہ پیارے گئے دونوں

یہ خوش خبری آئے کہ مارے گئے دونوں
 بچے ہیں، لڑائی کے نہیں رنگ سے واقعہ ۴۳ نیزے کے نہ تلوار کے ہیں دھنگ سے واقعہ
 فوجوں سے نہ آگ، نہ فوج جنگ سے واقعہ دونوں میں نہیں ایک بھی چورنگ سے واقعہ
 بونا سے ہیں قد بھی نہیں کچھ ایسے بڑے ہیں
 گھوڑوں پہ تو وہ پہلے پہل آج چڑھے ہیں

دہ سالہ و نو سالہ تھے، نکلے جو وطن سے ۴۴ بُود دھکی آتی ہے ابھی اُن کے دہن سے
 بچے مرے کمزور ہیں فاقوں کے مہن سے دھڑکا ہے کہ گھبرا کے چلے آئیں نہ رن سے
 مسوٰب ہوں فدیوں میں دلی ابن دلی کے
 تُو ان کی مدد کر کہ نواسے ہیں علی کے

بانو نے کہا دیکھ لو پسران کو بلا کر ۴۵ فرمایا نہیں آئیں گے خود بر چھیاں کھا کر
 اصرار کیا سب نے، تو گردن کو ٹھکا کر فرمایا کہ اچھا کوئی کہہ آئے یہ جفا کر
 مدد تھی کچھ کام ہے یاں آکے سدھارو
 جلتے ہو تو شکلیں مجھے دکھلا کے سدھارو

فضہ گئی اور خیمے میں لائی انھیں ہمراہ ۴۶ آئے صفت مہر لرزتے ہوئے دو ماہ
 قدموں پہ گرے ہاتھوں کو جوڑے جوہر ذی جاہ لپٹا کے گلے کہنے لگی بنتِ یلٰہ
 ماموں پہ فدا ہوتے ہو، میں تم پہ فدا ہوں
 لو آؤ کہ میں اب تو ز غصے نہ خفا ہوں

چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کہ مادر ۴۷ ہر دم تھے اسی فکر میں ہم دونوں برادر
 جاتا تھا وہاں ایک کے بعد ایک دلاور ہر دوست سے بل بل کے گلے روتے تھے، سرور
 کس سے کہیں آقا پہ جو کچھ رنج و تعب تھا
 اس وقت میں نصیحت طلبی ترک ادب تھا

لاشوں کا وہ آنا وہ هجومِ آلم و یاس ۴۸ جزا ت نہ پڑی عرض کی تھے گرچ بہت پاس
آزردہ نہ ہوں آپ ہمیں تھا یہی دسوا س جب بڑھتے تھے ہم روکتے تھے حضرت عباس
جوڑے ہیں کبھی ہاتھ کبھی گرد پھرے ہیں
راضی ہوتے جب پاؤں پہ اس وقت گرے ہیں

خوش ہو کے کہا ماں نے کہ شا باش دلیرو ۴۹ اب دیر نہیں خوب آمد ہار و مرے شیر و
ہاں چاہتے منہ نیزہ و خنجر سے نہ پھیر و دو شیر ہو بل کر عمر و شمر کو گھیر و
توقیر تمھاری ہو، مری نام وری ہو
مرد و نون کے لاؤ تو میں جانوں کہ جری ہو

دادا کو جو پوچھو تو علمدار پیسبر ۵۰ ہاتھوں کے عوض جن کو خدا نے دیے دوا پر
نانا سا تو عالم میں نہ تھا کوئی دلاور کزار کی حیرات تو سنی ہو گی مکرر
یوں سب ہیں یہ سرتاج دلیروں کے تھیں ہو
ماں مدد تے گئی شیر تو شیروں کے تھیں ہو

اس گھر کے بزرگوں کا چلن تیغ زنی ہے ۵۱ جو فقر میں کرتا ہے سخاوت وہ غنی ہے
کیا شہرہ خیر شکنی، بت شکنی ہے جو بات پر سر دے وہ سخاوت کا دھنی ہے
بودے کی کہاں آنکھ کہاں مرد کے تیور
مجھتے نہیں لاکھوں میں جواں مرد کے تیور

ہمراہ کوئی واں سے نہیں لاتا ہے رتبہ ۵۲ جو نام پہ مڑتا ہے وہی پاتا ہے رتبہ
سرینج کے ذی قدر کو ہاتھ آتا ہے رتبہ ہنسا ہے قدم بڑھ کے تو گھٹ جاتا ہے رتبہ
مرکز نہ ہئے قابلِ احسانت وہی ہے

جو کھیلت میں سر سبز ہو ساونت وہی ہے
دریا کی طرف پیاس میں تکتے نہیں غازی ۵۳ گو شیر بھی چھپے تو سرکتے نہیں غازی
تلواروں میں آنکھوں کو جھپکتے نہیں غازی بجلی بھی گرے گر تو، جھپکتے نہیں غازی
آفت میں حواس اٹکے بجا ہوتے ہیں پیار و
جزاروں کے تیور ہی جدا ہوتے ہیں پیار و

تیروں کی مہم بلت میں سر کرتے ہیں صفدر ۵۴ آقا کے دل پاک میں گھر کرتے ہیں صفدر
تلواروں میں سینوں کو سپر کرتے ہیں صفدر عزت پہ بزرگوں کی نظر کرتے ہیں صفدر

دم ہونٹوں پہ آگے تو شجاعت نہیں جاتی

مرنے پہ بھی چہرہ کی بشاشت نہیں جاتی

نانا نے تمھارے درخسیر کو جو توڑا ۵۵ مانند سپر ہاتھ سے اس در کو نہ چھوڑا

ہروار میں بخت استقامت اسوار نہ گھوڑا خالی ہوا جب قلعہ تو منہ جنگ سے موڑا

تھرتے کفار، تزلزل میں زمیں تھی

تھما زور تو یہ اور غذا نان جو میں تھی

جب دست ید اللہ میں تیغ دوسرا آئی ۵۶ بس قبضہ قدرت میں یکا یک ظفر آئی

چھپے یہ ادھر فوج پہ نصرت اُدھر آئی بعد آپ پھرے فتح کی پہلے خبر آئی

پڑھتے ہیں وہ کلمہ جو مسلمان ہوئے (دب) کے

اب تک تو سر اٹھتے نہیں، کفار عرب کے

خندق کی دغا، غر و سیہ کار کی وہ دھوم ۵۷ تھرتا تھا تلوار سے جس کی عرب و روم

رد کر کے جو حربوں کو بڑھا خامہ قیوم جھپٹا اسد آہو پہ یہ سب کو ہوا معلوم

اک ضرب میں نہ گمزد نہ مغر تھا، نہ سر تھا

خندق کے اُدھر لاش، سرِ شمس اُدھر تھا

جس وقت ظفر باب ہوئے حمید رکرا ۵۸ ایک ہاتھ میں سرِ عمرو کا، اور ایک میں تلوار

فرمایا نبی نے یہ بے اعلان و بہ تکرار افضل ہے دو عالم کی عبادت کے یہ اک وار

سرفرخ کا تھا پاؤں پہ خالق کے ولی کے

جبریل میں چومتے تھے ہاتھ علی کے

واری یوں ہی تم بھی ہرے کام آؤ تو جانوں ۵۹ آقا کی اطاعت کو بجا لاؤ تو جانوں

ان چھاتیوں پہ زخم سنان کھاؤ تو جانوں لڑ بھڑ کے جب اس فوج سے مر جاؤ تو جانوں

جزار ہو سب حال سے محرم ہیں تمھارے

مجھ کو بھی یہ دھڑکا ہے کہ سن کم ہیں تمھارے

ماں صدقے گئی گھاٹ پہ دریا کے نہ جانا ۶۰ پانی کی طرف پیاس میں گھبرا کے نہ جانا
ساحل پہ کبھی سرد ہوا پا کے نہ جانا صابر ہو تو رہو اوروں کو گرما کے نہ جانا
ایسے تو نہیں جو مجھے محبوب کرو گے

میں دو دھنہ بخشوں گی، جو پیاسے نہ مرو گے

جس پانی کو ترے اسد اللہ کا پیارا ۶۱ کیوں جاؤ ادھر نہر پہ کیا کام تھا
عساکر کے لیے کافی ودانی ہے، اشارا گر آب بقا ہو تو مناسب ہے کنار
وہ کام ہو جس کام میں کوثر پہ گذر ہو

دم بھر کے لیے کیوں عرق شرم میں تر ہو

بھائی کسی ہنگام میں بھائی کو نہ چھوڑے ۶۲ دونوں میں کوئی عقدہ کشائی کو نہ چھوڑے
جرات کو جلالت کو لڑائی کو نہ چھوڑے ہمت کو، مروت کو بھلائی کو نہ چھوڑے
جو امر کہ مشکل ہے، وہ دشوار نہ ہوگا

ایک دل ہوئے جب دو تو کوئی چار نہ ہوگا

ایک بھائی لڑے بڑے جو ہاتھ ایک کا تھک جائے ۶۳ بلوہ جو پھر اس پر ہو تو یہ بہر تک جائے
ہاتھوں میں صفائی ہو کہ سہل بھی پھر تک جائے گریص ہو تو لپا ہو پرا ہو تو سرک جائے
حملوں میں سب انداز ہوں خالق کے ولی کے

پہچان لیں وہ سب کہ نواسے ہیں علیؑ کے

نیزوں کی طرف چھاتیاں تانے ہوئے جانا ۶۴ ہاں تیروں کی بارش میں، سپر سہ پہ نہ لانا
ہنس ہنس کے میں قربان گئی برجیاں کھانا لازم ہے وہ ہمت، کہ معترف ہو زمانا
اس جنگ کا چرچا، سحر و شام رہے گا

دنیا میں اگر تم نہ رہے، نام رہے گا

دونوں نے کہا، ہوگا یہی فضل خدا سے ۶۵ کیا بات ہے، جیتے ہیں تو مرجاتیں گے پیاسے
ہم اور نہیں کوئی، علیؑ کے ہیں نواسے غافل نہ رہیں آپ، غلاموں کی دھاسے
کچھ ہم سے نہ تلوار سے نہ ڈھال سے ہوگا

جو ہوگا وہ سب آپ کے اقبال سے ہوگا

ارشاد نہ حضرت کا بجالاتیں تو مجرم ۶۶ بھولے سے بھی دریا کی طرف جائیں تو مجرم
بڑھ جائیں تو بے وقار جو ہٹ جائیں تو مجرم بڑھ بڑھ کے نہ شمشیر و سناں کھائیں تو مجرم

مر جائیں گے، دنیا میں سدا کون چلتا ہے

دودھ آپ کا ہم دونوں نے پیا ہے

بیتے ہیں تو بے صفت شکنی ہم نہ رہیں گے ۶۷ مجبور ہیں سینوں میں اگر دم نہ رہیں گے
سر کاٹے گا، پاؤں جو محکم نہ رہیں گے لڑکے ہی جوانوں سے مگر کم نہ رہیں گے

جینا کسی صورت ہمیں مطلوب نہیں ہے

اب کیا کہیں خود اپنی ثنا خوب نہیں ہے

چھوٹے تو ہیں کیا منہ سے بڑی بات نکالیں ۶۸ ان سینوں پر رکھ لے کوئی سونیزوں کی سجائیں
سیدائیاں ایسی جنھیں آغوش میں پالیں تلواروں میں روکیں گے وہی سینہ پہ ڈھالیں

ہم جینے پہ مرتے نہیں مرنے کو جتنے ہیں

سینے ہمیں کس واسطے خالق نے دیے ہیں

محشر ہیں یوں آپ سزا دیں کہ خفا ہوں ۶۹ ہوتے ہیں مکدر کہیں دل جن کے صفا ہوں
وہ نام پہ کیوں کر نہ مریں جو شرفا ہوں تب وقت ہے غصے کا جو وعدے نہ وفا ہوں

کیا زینت پھر ان کی جنھیں ماں باپ نہ بخشیں

تیور بھی جو میلے ہوں تو دودھ آپ نہ بخشیں

ایسے تو نہیں ہم جو شجاعت نہ دکھائیں ۷۰ سب نام کریں، اور ہمیں جرات نہ دکھائیں
نانا کی اگر شان و جلالت نہ دکھائیں مصحف کی قسم، آپ کو صورت نہ دکھائیں

خندق ہو تو لاشوں سے زین پاٹ کے مر جائیں

تینیں نہ چلیں مگر تو گلا کاٹ کے مر جائیں

جب کہہ چکے یہ جوش شجاعت میں وہ گلے رو ۷۱ آنکھوں سے ٹپکنے لگے رخساروں پہ آنسو
لپٹا کے گلے، کہنے لگی زینت خوش نحو اللہ یہ غصہ ہے کہ بل کھاتے ہیں گیسو

لڑنا ہے تمہیں فوج سے مطلوب، لڑو گے

لور و نہ معلوم ہوا، خوب لڑو گے

مدتے میں ارادوں کے مرے شیر جوانو ۷۲ اے بے وطن، فاقہ کش و تشنہ دہانو
اب غیظ سے تھراؤ نہ کہنا مرا مانو ماں کہتے تھے پر اب مجھے تم خادمہ جانو
یہ فصل لڑائی کی نہیں کھیل کے دن ہیں

میں اس لیے کہتی ہوں کہ چھوٹے ابھی سن ہیں
شیر اس کے ہوتے شیر ہے جو بنت اسد کا ۷۳ سر جس نے کیا معرکہ صفین و احد کا
دنیا میں بڑا نام ہے تم دونوں کے جد کا ماں مدتے گئی وقت ہے ماموں کی مدد کا
ایک ایک جبری دشت ستم لاشوں سے بھر دے
اللہ تمہیں لشکرِ اعدا پہ ظفر دے

لو بخش دیا دودھ سدا و مرے پیارو ۷۴ اُلجے ہوئے گیسو تو سنوارو، مرے پیارو
میلی ہے یہ پوشاک اُتارو، مرے پیارو دولھا تو بنالوں مرے پیارو، مرے پیارو
خوش ہوں گی میں تب گھوڑوں چیں آن چڑھو گے
شادی ہے بڑی آج کہ پروان چڑھو گے

فرما کے یہ لیں دونوں کے چہروں کی بٹائیں ۷۵ اور تھام کے بازو کو پڑھیں آپ دعائیں
فرمایا کہ رخصت جنھیں ہونا ہو وہ آئیں لوبیبو سب آؤ تو بچے مرے حبائیں
رن میں یہ برات اپنی دکھانے کو چلے ہیں
دونوں دلہنیں بیاہ کے لانے کو چلے ہیں

سب بیسیاں آئیں جو کلیجوں کو سنبھالے ۷۶ تسلیم کو جھک جھک گئے وہ نازوں کے پالے
جس وقت چلے غیمے سے وہ گیسوؤں والے در تک گئی ماں خاکِ عزا فرق پہ ڈالے
ڈیوڑھی سے جو دونوں دریکت بکھل آئے
نزدیک تھا یہ ماں کا کلیجہ بکھل آئے

غیمے سے برآمد ہوئے زینب کے جو دلبر ۷۷ دیکھا کہ حسین ابن علی روتے ہیں در پر
بس جھک گئے تسلیم کو حضرت کے وہ مہندر منہ کر کے سوتے چرخ پکارے شر بے پر
یہ وہ ہیں جو آغوش میں زینب کی پلے ہیں
بچے بھی تری راہ میں مرنے کو چلے ہیں

کہہ کر یہ سخن دونوں کو گھوڑوں پہ چڑھایا ۷۸ دونوں نے مشرف پایہ مسراج کا پایا
بجبل کا سب انداز سمندوں نے دکھایا دوڑے کہ دکھائی نہ دیا دھوپ میں سایا
ثابت نہ ہوا ایک پہ کیا ہو گئے دونوں
جنگل کو جو دیکھا ہوا ہو گئے دونوں
ایک ایک سے جاں دار گراں قدر سبک رو ۷۹ وہ جست وہ کاوئے وہ طرارے وہ دوا دو
کیلوں کی وہ تابش وہ ہر ایک نعل کا پرتو تاروں میں دکھاتے تھے چمک چار مہر نو
یک چاند تھا وہ جو ہم تو سن کا نشان تھا
بالائے زمین عالم بالا کا سماں تھا
شکلیں بھی پری جرات و سرعت کے علاوہ ۸۰ دو گام تھا جن کے لیے سو کوس کا دھاوا
قد ایک سے شکل ایک سے اور ایک سا کاوا یہ گشت میں بجلی وہ روارو میں چھلاوا
شوخی میں یہ آہو تھا اگر طیر تھا وہ بھی
یہ بادیا پیما تو فلک سے تھا وہ بھی
ہاں کبک تو یہ رنگ یہ انداز دکھائے ۸۱ قائل ہوں جو طاؤس یہ پرواز دکھائے
جہاں جو پری چال میں یہ ناز دکھائے آہو یہ طرارے یہ تگ و تاز دکھائے
ہوگا وہی لاریب تصور ہمیں جو ہے
دعویٰ ہے تو آئیں یہی میدان یہی گو ہے
تعم تم کے بھی چلنے میں سب انداز ہوا کا ۸۲ لڑنے میں سماں برق کا اڑنے میں مہما کا
پائے انیس مقدور یہ کب پیکٹ مہما کا نے وہم کا واں دخل نے فہم شعراء کا
یہ عجز ہے تعریف جو کرتا نہیں کوئی
باندھیں کئے مضمون ٹھہرتا نہیں کوئی
یوں ذہن میں آتے ہی نکل جاتے ہیں سن سے ۸۳ جس طرح نسیم آکے نکل جائے چمن سے
جرات میں فزوں شیر سے سرعت میں ہرن سے آگاہ ہیں وہ جرات و سرعت کے چلن سے
نعل ان کے سروی سے چلے فوج ستم پر
پڑتے تھے قدم دونوں کے ٹولڈل کے قدم پر

گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے پہنچے جو بہادر ۸۴ فوج رستم آراہوتی سب غرقِ تمسیر
اک شور ہوا کون سے دریا کے ہیں یہ دُر لڑکے ہیں یہ اللہ کے اقبال و شہور

کیا جانئے کیا نام ہیں ان کے آب و جہ کے

تیر سے یہ پیدا ہے کہ بچے ہیں اس کے

پیشانیوں خورشید جہاں تاب سے بہتر ۸۵ رخسارہ رنگیں گل شاداب سے بہتر
دانتوں کی صفائے گوہر نایاب سے بہتر چہروں کا عرق موتیوں کی آب سے بہتر

ابرو نہیں، پیشانی ذی قدر کے نیچے

ہیں دو مہر نو، بال سے اک بدر کے نیچے

جیراں ہیں عددِ حسن پہ اور دونوں کے سن پر ۸۶ ابرو وہ کمانیں ہیں کہ ترپاں ہیں سب ان پر
آنکھیں وہ کہ پریوں کی نظر پڑتی ہے جن پر گیسو ہیں کہ سایہ کیلے رات نے دن پر

یہ گیسو و رخ خوں میں بھرے رنج کی جا ہے

دو بدر و شبیں چار شمش و پنج کی جا ہے

آنکھوں کی سیاہی پہ فدا نرگس شہلا ۸۷ یہ عین شجاعت ہے کہ ہے معرکہ پہلا
ہیں پنجبتی، دل کبھی ان کا نہیں دھلا بے تیغوں کے کیلے کوئی بچہ نہیں بھلا

تلوار چل پھر گئی چتون جدھر اُن کی

غصے میں سرو ہی سے سوا ہے، نظر اُن کی

دلبر ہیں دلبروں کے، تینوں کے حسین ہیں ۸۸ گویا یہ دہن، خاتمِ قدرت کے نگین ہیں
شیریں سخن اس طرح کے عالم میں نہیں ہیں یہ طرفہ حلاوت ہے کہ باتیں نمکیں ہیں

جُملے ہیں وہی صاف، وہی شرط و جزا ہے

تقریر میں سب مصحفِ ناطق کا نرا ہے

شرمندہ ہے شمشاد بھی، قد معتدل ایسے ۸۹ رکھ دیتے ہیں سینوں کو ستانوں پہ دل ایسے
مختوم ہیں خطِ خال کے نقطے سحر ایسے دیکھے ہیں کسی چشم کی پستلی نے تل ایسے

سُطریں ہیں یہ سب گیسوؤں کے بال نہیں ہیں

مہر ہیں یہ خطِ حسن پہ ہیں، خال نہیں ہیں

دو چاند سے سینے کہ وفا کا ہے گہرا ان میں ۹۰ عدل و کرم و صنعت و علم و ہنر ان میں
 شیروں کا ہے بیشک کہ دل ان میں جگر ان میں اسرارِ جنابِ اُمیدی کے گہرا ان میں
 خود جن میں ہوں دریا یہ سینے نہیں دیکھے
 اس طرح کے سینے تو کسی نے نہیں دیکھے
 مضمون ہیں سرِ دست یہ ہاتھوں کی شنا کے ۹۱ ناخن میں ہیں دونوں کے ہنرِ عقدہ کشا کے
 قبضے پہ اگر ہاتھ رکھیں غصے میں آ کے دم بھر میں ملا دیں طبقے ارض و سما کے
 ہے کون سا کرشمہ جو یہاں پست نہیں ہے
 ان سے کوئی دنیا میں زبردست نہیں ہے
 بت گمبے جن سب نے نکالے یہ وہی ہیں ۹۲ رکے نہیں جن لوگوں کے بجائے یہ وہی ہیں
 ہے فتح و ظفر جن کے حوالے یہ وہی ہیں خیر کے ہیں جو توٹنے والے یہ وہی ہیں
 پروانے ہیں شمعِ حرام لم یزنی پر
 قبضہ انھیں لوگوں کا ہے شمشیرِ علی پر
 فوجیں نہیں ٹھہریں یہ جہاں ہم کے لئے ہیں ۹۳ ہاتھ ان کے تو فولاد کے پنجے سے کڑے ہیں
 چھوٹے ہیں جو اس گھر کے وہ جڑاڑ بڑے ہیں دیکھو یہ کہ پھرے ہوئے دو شیر کھڑے ہیں
 یہ پاؤں ہٹاتے نہیں ہیں جنگ پہ چڑھ کر
 سر کٹنے پہ بھی گرتے ہیں تو کمیت سے بڑھ کر
 ناگاہ یہ بڑھ کر پسر سعد پکارا ۹۴ اے شیرِ دل، نام و نسب کیا ہے تمھارا
 تلواریں پکڑ کر یہ پکارے وہ دل آرا خالق نے ہمارے لیے دنیا کو سنوارا
 خورشیدِ زمیں، تاجِ سرِ عرشِ بریں ہیں
 پہلایہ شرف ہے کہ غلامِ شہر دیں ہیں
 اسمِ بہترِ اعلیٰ ہے ابو طالب والا ۹۵ جس شیر نے احمد سے شہنشاہ کو پالا
 عزت میں فزوں سب سے شرافت میں دو بالا جس کا ہے علیؑ سا پسرِ اقدس و اعلا
 مہدر سے جو مشتق ہے تو اعلیٰ سے علیؑ ہے
 ایمان میں ان کے جسے شک ہو وہ شقی ہے

دادا ہے شہنشاہِ دوعالم کا مددگار ۹۶ سردارِ جہاں فخرِ عرب، جعفر طیار
وہ شفقہ طرازِ علم احمد مختار اکودہ رہی خون میں جس شیر کی تلوار
ہاتھوں کے عوض حق سے سروسٹ لیے ہیں

اللہ نے پران کو زمرہ کے دیے ہیں
نانا اسد اللہ مددگارِ دوعالم ۹۷ دیں وار، نمودارِ جہاں دارِ دوعالم
سلطانِ قضا، منظم کارِ دوعالم سرتاجِ فلک، جیفہ دستارِ دوعالم
سب امراہم عقل کی میزاں میں تلے تھے
عقدے وہ ہوئے حل جو کسی سے نہ کھلے تھے

بازوئے نبی، دستِ خدا، نفسِ پیہیز ۹۸ طیب وزکی، طاہر و پاکیزہ و اطہر
لشکرِ شکن و بُت شکن و فاتحِ خلیبر سرتاجِ عجم، میرِ عرب، حیدرِ صفدر
اصنام سے کیا خانہ حق پاک کیا ہے
گہوارے میں اژدر کا دہن چاک کیا ہے
وہ عب ک شیروں کو بھی عبرت ہوئی جس سے ۹۹ وہ حکم کہ خورشید کو رجعت ہوئی جس سے
وہ زور کہ ایمان کو قوت ہوئی جس سے وہ ضرب بنا کفر کی غارت ہوئی جس سے
دیکھے اسے آگاہ جو حیدر سے نہیں ہے
بہتر کوئی شاید درِ خیبر سے نہیں ہے

کانپا کیا روم و عرب اک تیغِ دوسرے ۱۰۰ گزری سرِ مرتجا سے تو غنتر کی کمر سے
دین داروں کو امن اس نے دیا فتنہ و شر سے ضرب اس کی نہ روکی گئی جبریل کے پر سے
کیا کیا نہ بدل جائے گا کیا کیا نہ جئے گا
پر حشر تک اس ضرب کا سبک نہ جئے گا

اللہ سے اوج و شرف و عزت و مقدار ۱۰۱ دشمن کو بھی تھا فضل میں جس کے نہیں انکار
خالق کا ولی، احمد مرسل کا مددگار خاک کعب پا سمرہ چشم اولوالابصار
پاتے ہیں اشارے میں شفا کو رو کر اس سے
بینا ہے وہی جس کو ہے چشمِ نظر اس سے

ہم دونوں نواسے ہیں اسی فیض رساں کے ۱۰۲ فرزند ہیں ہمشیرِ مشہ کون و مکاں کے
دکھلائیں گے جو ہر تھیں تیغِ دو زباں کے بڑے مڑھ کے اُٹ دیں گے پے فوجِ گراں کے
تم یہ نہ سمجھنا کہ ید اللہ نہیں ہیں

ہم شیر تو ہیں، مگر اسد اللہ نہیں ہیں
سن کر یہ رجزِ فوج کے سردارِ پکارے ۱۰۳ اے قوم یہ شہرِ کیم کے میں بھانجے پیارے
تابندہ ہیں، افلاکِ شرافت کے، ستارے ہاں بھر لے طلا سے وہ سپر جو انھیں مارے
حیدر کی طرح صاحبِ شمشیر ہیں دونوں

رؤکا انھیں سمجھے نہ کوئی مشیر ہیں دونوں
یہ سن کے کیا سب نے لڑائی کا سراغِ بام ۱۰۴ کھلنے لگے ہر صفت میں علم ہانے سیہ فام
برجھی کہیں چمکی، کہیں جھڑھ، کہیں مہم مہم بدلی کی طرح جھوم کے آئی سپرِ شام
یوں آتے تھے سب لوٹ کو فوج آتی ہے جیسے

بچوں پہ صفیں آتی تھیں، موج آتی ہے جیسے
اس شور میں، بشارت کھڑے تھے وہ دلاور ۱۰۵ پروا تھی نہ مطلق کہ یہ فوج آتی ہے کس پر
کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا، کہ برادر دیکھیں تو ذرا آپ، قریب آگیا شکر
وہ کہتا تھا تکیہ ہے عنایاتِ اُحد پر
آنے دو اجل ان کو لیے آتی ہے، زرد پر

آتا ہے شکار آپ سے، جس دم طرفِ شیر ۱۰۶ دانستہ وہ کرتا ہے جھپٹے ہیں ذرا دیر
جاتے ہیں کہناں اب تو یہ آئے تہِ شمشیر جس جاہیں صفیں لاشوں کے ہوتے ہیں وہاں ڈھیر
کھل جانے گا، جب نیچے کھینچیں گے، کمر سے
عرصہ فقط اتنا ہے کہ، سبقت ہو اُدھر سے

تھوڑے میں اُبل پڑتے ہیں وہ جو ہیں تنگ ظرف ۱۰۷ جب گرم ہو امہرِ درخشاں تو کہناں برف
سر جاتے، پہ آتے نہ شجاعت پہ کوئی حرف اس نحو سے، عمر اپنی بزرگوں کی ہوئی صرف
ہاتھ اپنا چلے گا، تو مہنگے پا کے چلے گا
ٹھوکر وہی کھائے گا جو گھبرا کے چلے گا

تقریر ادھر یہ تھی کہ تیسرا آئے ادھر سے ۱۰۸ پیغامِ دفاع کے سفیر آئے ادھر سے
 سب موت کے حلقے میں امیر آئے ادھر سے دو بچوں پر، دو لاکھ شریر آئے ادھر سے
 اس بھیڑ پہ بھی بند تھے دہشت سے دم ان کے
 بڑھ بڑھ کے ہٹے جلتے تھے چمچے قدم ان کے

برجی لیے انبوہ سواروں کا جب آیا ۱۰۹ شہزادوں نے رانوں میں سمندوں کو دبایا
 اک شور ہوا غیظِ رحیموں کو اب آیا دو نیچے بجلی سے جو چمکے، غضب آیا
 آنسو وہ جری نکتِ دلِ ضیفم دیں تھے
 سر تھے صفِ اول کے کہیں، جسم کہیں تھے

بس پھر تو دھنسے فوج میں وہ شیرِ درندہ ۱۱۰ تلواروں سے ڈر ڈر کے چمچے مُردوں میں زندہ
 اُٹھو سے بھی چالاک تھے اسپانِ دوندہ مڑنے میں جو بجلی تھے تو اُٹھنے میں پرندہ
 مانند براقِ نبوی، عرشِ سما تھے
 گھوڑے نہ کہو، آوجِ سعادت کے ہٹا تھے

مارا انھیں چُن چُن کے جو تھے فوج میں چیدہ ۱۱۱ رہواروں سے پامال تھے سر ہائے بریدہ
 باہم تھے کماں داروں سے، دولوں وہ کشیدہ بد کیش و خطا کار تھے سب زخم رسیدہ
 سہمے ہوئے تھے تیز کہ آفت تھی جہاں پر
 پیکان نہ سری پر تھا نہ چلہ تھا کساں پر

غالی تھی جو یہ صفت تو پریشاں وہ پرا تھا ۱۱۲ جنگلِ بستمِ ایجادوں کی لاشوں سے بھرا تھا
 رنگ اُٹھنے تھے چہروں سے لشکرِ ڈرا تھا تھرا تا تھا سادہ ہاتھ جو قبضہ پہ دھرا تھا
 ڈر سے نہ بڑھاتے تھے جو سرکش قدم اپنے
 تیغیں بھی نیا سوں میں چڑھتے تھیں دم اپنے

وہ مرگیا تلوار اٹھا کر جسے ڈانٹا ۱۱۳ اس نخل کو تلوار سے کاٹا اسے چھانٹا
 گلبائے حیرات کو عجب محسن سے بانٹا نکلی نہ کوئی شاخ، نہ اُلجھا کوئی کانٹا
 اب تک یہ ہوا، باغِ جہاں میں نہیں دیکھی
 غل تھا کہ ہنسا ایسی خزاں میں نہیں دیکھی

تلوار نے چھوٹنے کی نیسا رنگ دکھایا ۱۱۳ ضرب اسد اللہ کا سب ڈھنگ دکھایا
حسرت ہوئی وہ زور دم جنگ دکھایا راکب کو بھی مرکب کو بھی چورنگ دکھایا
ایسا کوئی طفل میں نمودار نہ ہوگا
ہاتھ ایسا توجھ کر کا بھی تیار نہ ہوگا

وہ نیمچہ اور پھول سی وہ نرم کلائی ۱۱۵ سب جس سے ہویدا یدر بیضا کی صفائی
وہ انگلیاں جن میں ہنسر عقدہ کشائی ضیغم کے بھی پنجنے یہ قوت نہیں پائی
زور ایسا جہاں کوہ ٹنک ہاتھ کے تل سے
ضرب ایسی کہ پوچھے کوئی جبریل کے دل سے

دوشیوں سے بچ کرستم ایجاد کدھر جائے ۱۱۶ گر منہ پہ چڑھے یہ تو سرخس اتر جائے
خالی بھی جو دے وار تو پھر خون میں بھر جائے بس زینت ہی میں ہے کہ تلوار سے مرجائے
بدل جو پئے کیوں کر وہ دلیروں سے بچے گا
بھاگے گا تو کیا صید یہ شیروں سے بچے گا

کس میں تھی ضیا نیچوں کی ضو کے برابر ۱۱۷ گویا کہ مسر نو تھا مسر نو کے برابر
بمبلی نہ چمک سکتی تھی پر تو کے برابر سر خاک پہ گر پڑتے تھے موسو کے برابر
بچتا تھا نہ وہ نوک بھی جا لگتی تھی جس کو
رہ جاتا تھا وہ جل کے ہوا لگتی تھی جس کو

کاٹی جو سپہ فرق جفا جو پہ نہ ٹھہری ۱۱۸ منہ پر نہ رکی سادہ و بازو پہ نہ ٹھہری
چٹار آئینہ ظالم بد نحو پہ نہ ٹھہری دشمن کی زرہ کاٹ کے پہلو پہ نہ ٹھہری
کیا زور تھا کیا ضربت شمشیر نکو تھی
گھوڑے کی بھی گردن اسی اک دہر میں دو تھی

بھالوں میں جو تیغوں کو سنبھالے نظر آئے ۱۱۹ افسر نظر آئے نہ رسالے نظر آئے
ریختہ پہ طپک برہمچوں والے نظر آئے ہر صحت کی جگہ خون کے تھالے نظر آئے
غل تھا کہ رن ایسا کبھی پڑتے ہیں دیکھتا
پتلیں کو اس حلقے سے لڑتے نہیں دیکھتا

چار آئے جو لڑنے کو تو اک دل ہوئے دونوں ۱۲۰ ٹھہرے نہ بیٹے، نہ متامل ہوئے دونوں
گرمائے فرس جنگ پر مائل ہوئے دونوں چاروں سے یہ فرما کے مقابل ہوئے دونوں

ششدر نہیں ہوئے، جو شجاعت کے دھنی ہیں

تم چار ہو ہم دو ہیں مگر، پختگی ہیں

یہ مٹنے ہی بچوں پہ جھپٹ کر وہ مل آئے ۱۲۱ غصے سے دلیروں کے بھی ابو پہ بل آئے
لشکر نے یہ مہا ناکہ وہ بچ کر نکل آئے آنا تھا کہ چاروں تر تیغ اجل آئے

احسن کا برپا ہوا غل چرخ بریں پر

دھوکے جو گئے چار کے تھے آٹھ زمیں پر

کیا ذکر مہلا آٹھ کا، یا چار سسروں کا ۱۲۲ کشتوں کے جو پٹتے تھے تو انبار سسروں کا
گفتا ہوا اب تو ہمیں دشوار سسروں کا اک سینہ سا برس جاتا تھا ہر بار سسروں کا

تم کہتے نہ تھے پاؤں کسی عربہ جو کے

کشتی تھی زمیں رن کی ڈیڑوں سے ہو کے

اعدائے دم جانزہ، ہر بار ندارد ۱۲۳ منشی کے قلم ہاتھ، علمدار ندارد
پیدل نظری، فوج کے اسوار ندارد دو آئے تو دو چار تھے پھر چار ندارد

یوں فوج کے دفتر کو آئے نہیں دیکھا

یوں چہرے پہ چہرہ کبھی کتنے نہیں دیکھا

یہ تنگ کے جو ٹھہرا تو وہ لشکر میں در آیا ۱۲۴ رستے کو، توپے ہوئے لاشوں سے بھر آیا
یہ ڈوب گیا جب وہ اُدھر سے اُدھر آیا اک چاند تر خاک چھپا، اک نظر آیا

ہٹ جانے کا لشکر تو یہ خود تڑپ کے لڑیں گے

چھوٹے ہیں مگر بھائی سے کچھ بڑے کے لڑیں گے

جاننا زیاں دکھلاتے تھے میدان میں وہ جانناز ۱۲۵ دل تھا سے ہوئے دیکھتے تھے مشا و سرافراز
قاسم کا سخن تھا اگر حال کا ہے سب انداز فرماتے تھے اکسیر یہ لڑائی ہے کہ اعباز

بڑھتے تھے کبھی گاہ سرک جاتے تھے عباس

جب داروہ کرتے تھے پھرک جاتے تھے عباس

ہر بار صد ادا دیتے تھے لے گیسوؤں والو ۱۳۶ کیا کہتا ہے، پھر بڑھ کے یہی ہاتھ بچھاؤ
رہو بار بڑھے جباتے ہیں، باگوں کو سنبھاؤ حلقہ ہے، کڑی آنکھ، زرہ پوشوں پہ ڈالو

اب بٹنے کی مہلت، مری جاں ان کو نہ دینا

برنت بھی کریں مگر تو اماں ان کو نہ دینا

ہاں شیروں کے شیروں کا، یہی کام ہے شیرو ۱۲۷ بس آج لڑائی میں بڑا نام ہے شیرو
پنہ میں تمہارے سپہر شام ہے شیرو تم دونوں کا جد صاحبِ مہم ہے شیرو

اک فمس تو اک برج شرافت کا قہر ہے

ماں کس کی ہے بیٹی، تو پدر کس کا پسر ہے

شرہ کہتے تھے، بچے ہیں لڑیں ہائے کہاں تک ۱۲۸ لاکھوں سے لڑے دونوں میں طاقت تھی جہان تک
دو روز سے پانی نہیں پہنچا ہے، کہاں تک اب پھیر کے کوئی انھیں لے آئے یہاں تک

سیر اب بھی یہ تشنہ وہاں ہونے نہ پائے

ہے ہے، مرے گھر میں یہ جواں ہونے نہ پائے

سیدانیاں دروازوں پر تھیں کھولے ہوئے سر ۱۲۹ ہنسر کو لے کا بنی تھی بانوئے بے پر
فضہ تھی پریشاں کیے، مو، خیمے کے باہر پر دے سے لگی کہتی تھی یہ شاہ کی خواہر

بتلا مجھ بچے مرے کیا کہتے ہیں، دونوں

وہ کہتی تھی، لاکھوں سے دغا کرتے ہیں دونوں

وہ رخ پر نظر آتے ہی، آؤتے ہوئے گیسو ۱۳۰ وہ نیچے بجبل کی طرح گرتے ہیں ہر سو
ڈھالیں لیے وہ بھاگتے پھرتے ہیں جھاڑو وہ ابر میں پھپھ چپ کے، بکل آتے ہیں مہر و

بہتا ہے لہو چھاتیوں سے چور ہیں دونوں

کس طرح پکاروں کہ بہت دور ہیں دونوں

زینب نے کہا دونوں ہیں یک جا کہ جبر ہیں ۱۳۱ کی عرض یہ رو کر کہ نہیں ایک ہی جا ہیں
لاکھوں ہیں مرد، اور وہ دو ماہ لقا ہیں منہ نہر سے پھرے ہوئے سر گرم دغا ہیں

دم خوف سے سینے میں سماتا نہیں، اب تو

ہے ہے مجھے چھوٹا نظر آتا نہیں اب تو

یہ مُسنے ہی ڈیوڑھی سے نہیں، حضرت زینبؓ ۱۳۲ فرمایا کہ بچوں کا مرے خاتمہ ہے اب
اب کچھ نہیں دسوا سبر آیا مرا مطلب لو بی بیو مل کر معصوم ماتم پر چلو اب
بچے مرے داخل ہوئے خیلِ شہدا میں

سجدہ تو کروں مشکِ کا درگاہِ خدا میں
یہ ذکر تھا جو طبلِ بجا فتح کا ناگاہ ۱۳۳ چلائے حرمِ لٹ گئی بہت اسد اللہ
سجدہ کو سوئے قبلہ جھکیں زینبؓ ذی جاہ دوڑے طرفِ دشتِ وفاروتے ہوئے شاہ
تلواریں علمِ قاسم و عباس لیے تھے
ہم شکلِ نبی چاکِ گریبان کیے تھے ۔

عباسؓ نے غصے میں لعینوں کو ہٹایا ۱۳۴ بجلی سے بھی کچھ بڑھ کے گرا، تیغ کا سایا
پسا ہوئے کفار کوئی تاب نہ لایا شبیرؓ نے لاشوں کو تڑپتا ہوا پایا
آلودہ خوں دومہ کامل نظر آئے
گودی کے پلے خاک پر بسمل نظر آئے

سرتابہ قدم چور تھے زخموں سے، تنِ زار ۱۳۵ انگڑائیاں لینے سے رگیں کھینچتی تھیں ہر بار
پیکانِ سہ پہلو تھے کئی چھاتیوں کے پار تلواریں تھیں قبضوں میں مگر ہاتھ تھے بیکار
لب پہ یہ سخن تھا شرع والا نہیں آئے
دم ہونٹوں پہ آئے مگر آقا نہیں آئے

لاشوں کے قریب آئے پکارے شرِ صفدر ۱۳۶ اے بھانجی، موجود ہے یہ بے کس و بے پر
یہ گرم زمیں، اور یہ گل سے تنِ انور ریتی سے اٹھا کر مرے زانو پہ رکھو سر
ماموں سے عجب وقت میں مُنہ موڑ رہے ہو

کین آنکھوں سے دیکھوں میں کہ دم توڑ رہے ہو
اے عون و محمد یہ جفا تم نے اٹھائی ۱۳۷ ایذا سے عطشِ سب سے سوا، تم نے اٹھائی
راحت مرے گھر میں نہ دلا تم نے اٹھائی کیا کیا نہ معصوبت بہ خدا، تم نے اٹھائی
مانع جو ہوئی ماں، سوئے تم پھر نہیں دیکھا
اس عمر میں تم سا کوئی حابر نہیں دیکھا

اے شیرِ جوانو! مجھے طاقت تھی تمہیں سے ۱۳۸ اے تیز زبانو! مجھے طاقت تھی تمہیں سے
اے مرتبہ دانو! مجھے طاقت تھی تمہیں سے اے تشنہ دہانو! مجھے طاقت تھی تمہیں سے

ساتھ اپنے جہاں سے مجھے لیتے نہ گئے تم

کاندھارے تاؤت کو دیتے نہ گئے تم

اکبر نے کہا عون کے بازو کو ہلا کر ۱۳۹ بھیتا تمہیں چلاتے ہیں شہِ اشک بہا کر
ماموں کو مچکارے بھی نہ تم برجیاں کھا کر باتیں شہِ والا سے کرو ہوش میں آ کر

لو گھر میں چلو بیبیاں سب غش میں پڑی ہیں

سرنگے پھوپھی خیمے کی ڈیوڑھی پہ کھڑی ہیں

غم ہو کے یہ چھوٹے کو علمدار مچکارے ۱۴۰ اے تشنہ دہن لے مرے جانی مرے پیارے
کیا تمہیں زبانِ اینٹھ گئی پیاس کے مارے چونکو کو عجب حال ہے ماموں کا تمہارے

ہاتھوں کو ذرا جوڑ کے کچھ بات تو کر لو

بیٹا شہِ والا سے ملاقات تو کر لو

شن کر یہ صدا ہوش میں آئے وہ دلاور ۱۴۱ سر رکھ دیے گھبرا کے شہِ دیں کے قدم پر
اٹکے تھے جو اکھڑے ہوئے دم سینو کے اندر دو ہچکیاں لیں دونوں صغیروں نے برابر

فردوسِ معلّے کے مسافر ہوئے دونوں

کر وٹ بھی نہ بدلی تھی کہ آخر ہوئے دونوں

گودی میں موئے وہ جنہیں آغوش میں پالا ۱۴۲ آنکھیں تمہیں لبو اور جگر تھا تہہ و بالا
بہسل کی طہرِ گر کے جو تڑپے شہِ والا عباس نے تھا ما علی اکبر نے سنبھالا

رقّت کا تھا یہ جوش کہ تھرتاتے تھے شبیر

ہر مرتبہ لاشوں سے لپٹ جاتے تھے شبیر

عباس نے کی عسری یہ بادیدہ خوں بار ۱۴۳ خیمے سے نکل آئیں نہ سیدانیاں یک بار
لے چلے انہیں خیمے میں اب یا شہِ ابرار بہتر ہے کہ ماں دیکھ لے فرزندوں کا دیدار

لاٹے جو نہ جاتیں گے تو غم کھائیں گی زینبؓ

یہ قبر میں سوئے تو کہناں پائیں گی زینبؓ

یہ مٹتے ہی لاشے شہر والے اٹھائے ۱۳۳۱ عجمے کے قریب دونوں کو روٹے ہوئے لائے
 گل تھا کوئی جلدی صحت ماتم کو بچھائے لو آئے شہنشاہ کی حمیر کے جہانے
 چھوٹے کو علی اکبر دل گیر لیے ہیں
 ایک لاش کو خود گود میں شیر لیے ہیں
 زینب نے کہا کیوں مجھے دوساں نہ آئے ۱۳۵۵ ہے علی اکبر کے کیوں گود میں لائے
 لوگو مرے پیارے نے بڑے رنج اٹھائے صدمے یہ بچو بھی لاش کے لے آنے کے، جائے
 دو روز سے وہ سرور وں تشنہ دہاں ہے
 اس بوجھ کی طاقت مرے بچے میں کہاں ہے
 ان دونوں نے گرجان گنوائی تو گنوائی ۱۳۶۱ بن بیا ہے مرے لال نے کیوں لاش اٹھائی
 میں ماں ہوں نہ صاحب مجھے یہ بات نہ بھائی اکبر مری اٹھارہ برس کی ہے کھائی
 دل سے نہ یہ داغ الم و یاس مٹے گا
 صدمہ اب آثاروں کی تو دوساں جسے گا
 بانو نے کہا کون سے دوساں کی ہے جا ۱۳۷۰ ہم شکل نبی لاشوں کو لائے تو ہوا کیا
 شوق ہوتا ہے مظلوموں کی غربت پہ کلیجا ہے ہے وہ کوئی غیر تھے اسے دختر زہرا
 گھر تک کوئی واماں دلوں کو پہنچا نہیں دیتا
 بھائی کوئی کیا بھائی کو، کاندھا نہیں دیتا
 ان دونوں کے عاشق تھے علی اکبر علیؑ ۱۳۸۰ چھوڑا انھوں نے بھی، کبھی بھائی کا پہلو
 ایسا یہ نہیں غم کہ تمہیں آکھ سے آنسو بس تلخ ہوئی زندگی اکبر خوش خوش
 کل تک تھے ہم آج کیلے ہوئے دونوں
 بھائی بھی وہ جو ساتھ کے کیلے ہوئے دونوں
 دونوں تھے اسی بھائی کے آرام کے طالب ۱۳۹۰ جانے وہی جس شخص پر گذریں یہ مصائب
 دوساں کا یہ کون سا ہنگام ہے صاحب ہے جہاں ہوتے ہے علی اکبر کے صاحب
 ساتھ اب نہ کوئی جھڑے ہوئے ہاتھ ہے گا
 شہزادہ کو نہیں اسے کون کہے گا

ناگاہ، شبِ مرش نشین لاشوں کو لائے ۱۵۰ گل چڑ گیا، لوسرور دیں لاشوں کو لائے
 قہم کر معنو ماتم کے قہیں لاشوں کو لائے ہمیشہ تھی جس معن میں وہیں لاشوں کو لائے
 دونوں کا ایشا نامتا کہ فحش کر گئی زینب

ہر بی بی پر ثابت یہ ہوا مر گئی زینب
 ہوش آیا تو اکبر سے کہا، رانڈوں کو سمجھاؤ ۱۵۱ ہے نہ کرو صاحب، ایک لحظہ ٹھہر جاؤ
 عباس کی زوجہ سے یہ بولیں، کہ ادھر آؤ کیا روتی ہو کپڑے علی اکبر کے بدلواؤ
 بانو ہیں کدھر، آہ یہ کیا بے خبری ہے
 سب خوں سے مرے لال کی پوشاک بھری ہے

حضرت سے کہا آپ کو ایذا ہوئی یا شاہ ۱۵۲ کس طرح لڑے دونوں غلامانِ ہوا خواہ
 حضرت نے کہا، مدح میں قاصر ہے زباں آہ زینب مجھے یاد آگئی جنگِ اسد اللہ
 نانا کی طرح دونوں نواسوں نے دوغاک
 بچوں کی نہ تھی جنگ، یہ قدرت تھی خدا کی

تیغوں میں یہ تیزی، یہ صفائی نہیں دیکھی ۱۵۳ یہ ضرب، یہ پھرتی، یہ لڑائی نہیں دیکھی
 شیروں کی یہ پُر زور کلائی نہیں دیکھی اعدائیں یہ ہلپل، یہ دہائی نہیں دیکھی
 صقین و جمل میں بھی رن ایسے نہ پڑے تھے
 تم پوچھ لو عباس تو نزدیک کھڑے تھے

عباس نے کی عرض زباں لاؤں کہاں سے ۱۵۴ جو کر گئے یہ لال، وہ باہر ہے بیاں سے
 لڑتے تھے اسی طرح علی فوج گراں سے افسوس کہ یوں اُٹھ گئے یہ شیر جہاں سے
 تلواریں جب ان کی مجھے یاد آتی ہیں بھینا
 دو بجلیاں آنکھوں میں چمک جاتی ہیں بھینا

کیا عرض کروں ہائے محمد کی، لڑائی ۱۵۵ گویا کہ یہ دیکھے ہوئے تھا، تھک کی لڑائی
 بس مات تھی صقین کی سرحد کی لڑائی گل تھا کہ یہ ہے بازوئے احمد کی لڑائی
 دن پر جو چڑھا ہو، وہی جانے کہ یہ کیا تھا
 دنیا میں علی آج جو ہوتے تو مرا تھا

یہ مُنٹتے ہی سُرخی سی، رُخِ زرد پہ آئی ۱۵۶ حضرت سے کہا آپ کا مدغم ہے یہ بھائی
کونین میں عزت مرے دل بندوں نے پائی اب ملا ہوئی ان سے ید اللہ کی جاتی
آقا مجھے پیارا آتا ہے اقبال پر ان کے

بیکس ہیں خدارحم کرے حال پر ان کے
فرما کے یہ ہیں ان کی بِلایں کئی باری ۱۵۷ شانوں کو ہلا کر کے یہ آہستہ پُکاری
مُرتے ہیں، امام دو جہاں، مدح تمہاری یہ کیا ہے، جو تسلیم کو اُٹھتے نہیں واری
مدھنے لگی یہ نیند ہے یا غش میں پڑے ہو
بیٹھے ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ، ہاتھ تو کھرے ہو

کچھ کج ہے غفلت عجب اے نیند کے ماتو ۱۵۸ باعث ہے یہ بچپن کا سب اے نیند کے ماتو
چونگو مری خاطر سے اب اے نیند کے ماتو پھر سو تو آتی ہے شب اے نیند کے ماتو
پھر کیا ہے، جو بچپن کے یہ انداز نہیں ہیں
گردن ہے کہیں ہاتھ کہیں پاؤں کہیں ہیں

اب ضبط کی طاقت نہیں اُٹاں کو سنبھالو ۱۵۹ انگڑائیاں لو، بات کرو، نیند کو ٹالو
بیٹے میں اُلجھتا ہے دم اے گیسوؤں والو واری، مجھے خدمت کے لیے پاس بلاو
میں ہوں گی تو راحت سے تمہیں یاس نہ ہوگی
کیا گذرے گی منزل پہ جو ماں پاس نہ ہوگی

پہلا تو سفر اور نئے لوگ نئی راہ ۱۶۰ کس طور سے گذریں گی یہ تاریک شبیں، آہ
صدے گئی رستے سے بھی تم تو نہیں آگاہ پہونچاتے تمہیں خیر سے فردوس میں اللہ
پُر ہول ہے رستہ، مجھے تشویش بڑی ہے
قربان ہواں، قبر کی منزل بھی کڑی ہے

لو کے کوئی رستے میں تو ڈیو نہ مری جہان ۱۶۱ ہاں کلمہ توحید پڑھے جہاں ہر آن
اقرارِ نجات میں فصاحت کا رہے دھیان دل بند ہو تم تین اماموں کے میں قسریان
کہنا کہ ملازم ہیں ولی ابنِ ہولی کے
ہم آتے ہیں اشکرے حسینؑ ابنِ علیؑ کے

اے عون خیر دلازمے چھوٹے پسرے ۱۶۲ شب کو یہ اکیلا کبھی نکلا نہیں گھر سے
رہتے سے نہ واقع ہے نہ غربت کے سفر سے محروم رہوں گی میں سدا خیر و خیر سے

وامندوں پہ ظاہر ہو یہ وہ بھید نہیں ہے

اے دوائے خط آنے کی بھی اُمید نہیں ہے

بچوں کے یہ سن ہائے غضب، اور سفر ایسا ۱۶۳ لائے گا خیر کون کہہاں نامہ بر ایسا
بر باد نہ ہو یوں کوئی آباد گھر ایسا نظروں سے نہ پوشیدہ ہو، شمس و قمر ایسا
کس ناز و نعم سے یہ خوش اقبال پہلے تھے
قبروں کے لیے ہاتے مرے لال پہلے تھے

اب کون مرے پہلوؤں میں سوتے گا بچو ۱۶۴ ترپے گا کلیمہ مرا دل روتے گا بچو
یہ داغ تو دنیا سے مجھے کھوٹے گا بچو دن جا کے شب آئے گی تو کیا ہوئے گا بچو
راحت کسی کروٹ کسی پہلو نہ ملے گی
مراؤں گی، زلفوں کی جو خوشبو نہ ملے گی

دنیا کو نہ دیکھا تھا کہ موت آگئی تم کو ۱۶۵ خیمہ سے نکلے ہو، اجل پاگئی تم کو
ماں مددے ہو، جنگل کی ہوا بھاگئی تم کو اے گلاب، کس کی نظر کھا گئی، تم کو
ہے مجھے پوشاک شہانی نہ دکھاؤ
صدے گئی اماں کو جوانی نہ دکھائی

مرتے ہوئے پانی بھی نہ مانگا مرے ڈر سے ۱۶۶ پیائے ٹوٹے فردوس بدھائے مرے گھر سے
بے آب تھے اس عمر میں چوبیس پسرے دیکھا بھی نہ دریا کو توحبہ کی نظر سے
سہوا چوڑی آنکھ تو منہ موڑ لیا ہے
ڈرتے تھے کہ اماں نے ہمیں منع کیا ہے

غصے ہوئی تھی تم پر میں واری مجھے بخشو ۱۶۷ ماں اب نہیں لونڈی ہوں تمہاری مجھے بخشو
لب پر سخنِ عذر ہیں جباری مجھے بخشو صدے سے غشی ہوتی ہے طاری، مجھے بخشو
میں بھی تو یہ جانوں کہ دل افسردہ نہیں ہیں
لو کہہ دو بس اتنا کہ ہم آزدہ نہیں ہیں

یہ کہہ کے جو چھاتی پہ دو ہستہ ڈکٹی مارے ۱۶۸ سینہ ہوا شق ہاتھ بھی نیلے ہوئے سارے
ہم کل نبی پاؤں پہ گر کر یہ پکارے بس والدہ اب رو تو لاشے پہ ہمارے
اب پیاس میں کب دم شمشیر پئیں گے
بھائی نہ رہے خلق میں ہم بھی نہ جیتیں گے

گھبرا کے وہ مخدومہ عالم یہ پکاری ۱۶۹ مرحباتے یہ ناشاد بھلا کے کے تمھاری
بہن بیٹھے ہو تم لاشوں کے پاس آؤ نہ واری تم روو گے اس ڈر سے میں کرتی نہیں زاری
باتوں میں بھی کچھ بن کے پہلو نہیں بٹکے
آنکھوں سے دہری دیکھ لو آنسو نہیں بٹکے

فرما کے یہ فحش ہو گئیں اور پھر ہوئیں ہشیار ۱۷۰ پوچھا کہ کدھر ہے علی اکبر مرا دلدار
بانو نے کہا شاہ سے بادیدہ خونبار اب فرق بصارت میں بھی ہے یا شہر ابرار
اب کی جو فحش آیا تو گزر جائیں گی زینب
لے جاتے لاشے نہیں مرجائیں گی زینب

یہ ماتم اولاد ہے کیوں کر اسے ٹالیں ۱۷۱ مرجائیں جنھیں دل کی طرح گود میں پالیں
اکبر کی سسئیں یا جگر و دل کو سنبھالیں در آئی میں اک قلب میں دو تیروں کی پھالیں
بالائے جگر خنجر بیداد پھرے ہیں
دو غم کے پہاڑ ایک ضعیفہ پہرے ہیں

یہ سنتے ہی لاشوں کو اٹھانے لگے سرور ۱۷۲ رائیں معن ماتم سے اٹھیں کھولے ہوئے سر
بانو نے کھڑے ہو کے ادھر روک لی چادر چلتی سمجھ کر شہر مظلوم کی خواہر
ٹھہرا بھی کیوں داغ دیے جاتے ہو لوگو
ہے ہے مرے بچوں کو لیے جاتے ہو لوگو

دیکھا نہیں جی بھر کے ابھی بیٹوں کا دیدار ۱۷۳ دونوں کی بھلائی مجھے لے لینے دو اک بار
چھوٹے کو بھی چھاتی سے لگائے یہ دل انگار مادر سے مکہ نہ رہوں یہ آئینہ زخار
گھر میں مرے کا ہے کو یہ پھر آئیں گے جنا کے
دینے دو کفن دونوں کو زہرا کی ردا کے

در تک گئیں لاشوں سے لپٹنے کو تھلے سر ۱۷۴ پر رانڈوں نے جہانے نہ دیا خیمے کے باہر
 چلتا تیں دہر خیمہ کے پردے کو اٹھا کر کھڑوئے کہاں بھائیوں کو اسے علی اکبر
 ڈر ہے کہ خفا تجھ سے مرے لال نہ ہو جائیں
 صدفے گئی لاشے کہیں پامال نہ ہو جائیں
 یہ وقت نہیں طول کا خاموش انتیں اب ۱۷۵ جتنے ہیں سخن فہم وہ عاشق ہیں ترے سب
 ہر دم ہے منایاتِ محمدؐ، کرم رب اب جلد وہ حاصل ہو، جو کچھ ہے ترا مطلب
 یہ حسن فصاحت ہے یہ شیریں سمنی ہے
 پیری میں جواں ہے تو، فقیری میں غنی ہے

مرثیہ (۱۰)

جب مُرُعت کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی ۱
پرویس میں سادات پر آفت عجب آئی
فسر یاد کن! رُوحِ امیرِ عرب آئی
غل تھا کہ شبِ قتلِ شہِ تشنہ لب آئی
سادات کو کیا کیا غم جانکاہ دکھائے

رات ایسی مصیبت کی نہ اللہ دکھائے
کاغذ پہ لکھے کیا قلم اس شب کی سیاہی ۲
ہے چار طرف جس کی سیاہی سے تباہی
مرغانِ ہوا بریں ہلپاں بکسر میں ماہی
فسر یاد کا تھا شورِ رسولانِ سلف میں

یثرب میں تزلزل تھا اُواسی تھی نجف میں
صدے سے ہوا رنگِ مرغِ ماہ کا کافور ۳
اختہ رکھی بنے مروکٹ دیدہ بے نور
غم چھا گیا راحتِ دل عالم سے ہوئی دُور
تصویرِ الم بنِ گمنی جنت میں ہر اک محور
کہتے تھے ملکِ رات نہ ہووے گی اب ایسی

تاروں نے بھی دیکھی نہ تھی تاریک شب ایسی
شمعِ طربِ مفصلِ عالم تھی جو خاموش ۴
تھی رات بھی شیش کے ماتم میں سیہ پوش
کیا غم تھا کہ شادی تھی ہر اک دل کو فراموش
ہر چشم کو تھا غم میں سمندر کی طرح جوش
مضطر تھے علی اشکوں سے مُنہ دھوئی تھی زہرا

مقل تھا جہاں شاہ کا، واں روتی تھی زہرا
تھا غارِ غمِ نیمہ شاہنشاہ والا ۵
آدمی یہ پریشاں تھی کہ دل تھکا نہ وبالا
مشعل نہ ٹھہرتی تھی نہ شمعوں کا اُجالا
نیمہ بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا
خاک اُڑتی تھی مُنہ پر حرمِ مشیرِ خدا کے

تھا چین بچیں فرش بھی جموں کوں سے ہوا کے

جنگل کی ہوا، اور درندوں کی صدائیں ۶ تھراتی تھیں بچوں کو چھپائے ہوئے مائیں
دھڑکا تھا کہ دہشت سے نہ جانے کہیں جائیں روتی تھی کوئی، اور کوئی پڑھتی تھی دعائیں
گودوں میں بھی راحت نہ ذرا پاتے تھے بچے

جب بولتے تھے شیر تو ڈر جاتے تھے بچے
بچوں کے پلکنے پر جسم کرتے تھے زاری ۷ غش ہو گئی تھی بالی سکینہ کئی باری
چلاتی تھی رورو کے وہ شبیر کی پیاری یا حضرت عباس جلی حبان ہماری
افسوس کہ پانی تو قطرہ نہیں گھڑیں
اور آگ لگی ہے برے نئے سے جگر میں

تھی سب سے سوا، بنت علی، مضطر ویتاب ۸ فق ہو گیا تھا شام سے منہ، صورت مہتاب
برنگاں سے رنج پاک پہ تھی، بارشِ خوں ناب تلوار کلیجے پر چلے جب، تو کہناں تاب
اک کرب تھا، اسل کی طرح جانِ حزین پر
اٹھتی تھی کبھی اور کبھی گرتی تھی زمیں پر

کہتی تھی کبھی، آج پیسبر نہیں ہے ہے ۹ حال اپنا دکھاؤں کے، جیدر نہیں ہے ہے
بیٹی پر فلک ٹوٹا ہے، مادر نہیں ہے ہے شبیر مصیبت میں ہے، شبر نہیں ہے ہے
دیکھا نہ سنایا جو ستم آج ہے لوگو
نازوں کا پلا پانی کو محتاج ہے لوگو

درپیش ہے کل فوجِ ستلگر سے لڑائی ۱۰ یاں تھوڑے سے پیائے ہیں، ادھر ساری خدائی
بے سر دیے رن سے نہ پھرے گا مرا بھائی ہو جائے گی حیدر کے بھرے گھر کی صفائی
اس غم سے سدا اشکوں سے منہ دھوتی تھیں اماں
کل دن وہ ہے جس دن کے لیے روتی تھیں اماں

تھے دوسرے نیمہ میں ادھر سبطِ پیغمبر ۱۱ دربار میں حاضر تھے رفیقانِ دلاور
اک پہلو میں قائم تھے، اور اک پہلو میں اکبر اکبر کے ادھر لختِ دلِ زینبِ مضطر
شبیرِ محبت سے سخن کرتے تھے سب سے
عباس علی سنائے بیٹھے تھے ادب سے

سرگرم تھے مرجانے پہ سب شلہ کے انصار ۱۲ عباس سے یہ کہتا تھا وہ شلہ کا مددگار
تم رہو ذرا نیت ناموس سے ہشیار ڈر ہے نہ کرے بے ادبی لشکرِ گفتار

بے دینوں کو راحت جری منظور نہیں ہے

شبِ جنوں جو اُدھر سے ہو تو کچھ دور نہیں ہے

یہ ذکر ابھی تھا کہ یکایک خبر آئی ۱۳ اے چاندِ یلہ اللہ کے شبِ دوپہر آئی
حضرت کو ستاروں کی جو گردش نظر آئی دلِ یارِ خدا کرنے لگا چشمِ بھر آئی
فرمایا بڑا احبر ہے بیداریِ شب کا
اے تشنہ لبِ وقت ہے یہ طاعتِ رب کا

اب عمر بھی آخِر ہے نمازیں بھی ہیں آخر ۱۴ بے توشہ پہنچتا نہیں منزل پہ مُسافر
ہر وقت ہے ربِ دو جہاں حاضر و ناظر ابران کے مضاعت ہیں جو ہیں صابر و شاکر
مشکل نہ کسی رنج کو سمجھے نہ بلا کو

بندہ وہی بندہ ہے جو بھولے نہ خدا کو

نام اس کا رہے دردِ سفر ہو کہ حضر ہو ۱۵ موجودِ سمجھ لے اُسے جنگل ہو کہ گھر ہو
سجدے ہی کرے دکھیں کہ راحت میں بسر ہو تسبیح میں شب ہو تو نمازوں میں بسر ہو
عشقِ محفلِ تر ظلم کے خاروں میں نہ بھولے
معتشوق کو تلواروں کی دھاروں میں نہ بھولے

چوے لبِ سوا با جو سینے پہ لگیں تیر ۱۶ دمِ عشق کا بھرتا رہے زیرِ دمِ شمشیر
زخموں کو یہ سمجھے کہ ملا گلشنِ توقیر تکبیر کا نسرہ ہو زبان پر دمِ تکبیر
کٹنے میں رگوں کے نہ صد آہ کی بٹکے
ہر رنگ میں بُو اُغت اللہ کی بٹکے

شہ نے سخنِ معرفتِ حق جو سنائے ۱۷ اشکِ آنکھوں میں ہر عاشقِ صادق کے بھرتے
کچھ پیاس کا شکوہ بھی زباں پر نہیں لائے سجادے وہیں لاکھ دلیروں نے بچھائے
تکبیریں ہوتیں لشکرِ اللہ و نبی میں
سب محو ہوئے یادِ جنابِ احمدی میں

قصیح کہیں تھی کہیں سجدے کہیں زاری ۱۸ تھا صوبتِ حسن سے کوئی قسراً آن کا قاری
کرتا تھا کوئی عرض کر یا حضرت باری اب صبح کو عزت ہے ترے ہاتھ ہماری

حسرت سے شریک شہدا کیجیو یا رب

تو جو صلہ صبر، عطا کیجیو یا رب

ہم ہیں ترے محبوب کے پیارے کے مددگار ۱۹ مرنے کے لیے آئے ہیں یاں جھوڑ کے گھر بار
یہ بندہ بیکس ہے مصیبت میں گرفتار کر رحم کہ ہے ذات تیری راحم و غفار
فاقوں کے سبب جہنم کی طاقت میں کمی ہے

تجربے سے طلبِ قوتِ ثابت قدمی ہے

بیکس ہیں، مسافر ہیں وطنِ دور ہے، گھر دور ۲۰ ہفتہ سے ہمیں گھیر ہے یہ لشکرِ مقہور
تیروں سے ہوں غریباں کہ تیغوں سے بدنِ خور احمد کے نواسے سے حبدانی نہیں منظور

پھر تھکے دکھلائیں جو سردار کو چھوڑیں

کیوں کر ترے مقبول کی سردکار کو چھوڑیں

مردوں کے لیے سنگ ہے تلواروں سے لڑنا ۲۱ راحت ہو کہ ایذا، ہیں جینا، ہیں مرنا
تو چلے تو مشکل نہیں کچھ سر سے گذرنا اے نکل کے مددگار، مدد جنگ میں کرنا

فاقوں میں ہزاروں سے دعا ہو تو مزاج ہے

کچھ حقِ منک ہم سے ادا ہو تو مزاج ہے

کرتے تھے مناجات ادھر یا در و انصار ۲۲ پڑھتے تھے نماز شب ادھر سید ابرار
تھی نیستِ تسبیح بتولِ جگر افکار آوازِ مہکاخیمے سے اُٹنے لگی یکسار

اکبر سے اشارہ کیا ٹوکرا کہ یہ کیا ہے

کی عرض پیو بھی جان کے رونے کی مدد ہے

یوں تو کئی راتوں سے وہ ہیں مضطرب و بیتاب ۲۳ راحت کی نہ صورت ہے نہ آرام کا اسباب
غش میں جو ذرا بند ہوئے دیدہ پُر آب روتی ہوئی چونکی ہیں ابھی دیکھ کے کچھ خواب

نفلیں کہیں چادر پڑ نور کہیں ہے

اُس وقت سے بسل کی طرح چین نہیں ہے

سب بیاباں ہیں دور ہیں بچوں کو لیے پاس ۲۴ ایک ایک کو اندیشہ ہے ایک ایک کو دوسواں
جو پوچھتا ہے وجہ کو کبھی ہیں بعد یا اس لوگو مجھے مشیر کے بچنے کی نہیں اس
مانگو یہ دعا غیب سے بیکس کی مدد ہو

مدد تے کرو مجھ کو کہ بلا بھائی کی رو ہو
ان کا تو یہ احوال ہے، اماں کا یہ عالم ۲۵ اشکوں کی جھڑی آنکھوں سے تھمتی نہ تھی اک دم
اصغر کی بھی ہے فکر، سکینہ کا بھی ہے غم شش ماہ کا بچہ بھی ہوا جاتا ہے بے دم
گودی میں اٹھائیں اُسے یا اس کو سنبھالیں
دور روز کے فاقے میں وہ کس کس کو سنبھالیں

رواقتی ہیں عابد کے سر ہلنے کبھی جا کر ۲۶ گھوارۂ اصفشر پہ کبھی گرتی ہیں اگر
قصر ان کی ہوا دیتی ہیں غش میں اُسے پاکر بہلاتی ہیں، بیٹی کو کبھی اشک بہتا کر
وہ کہتی ہے تا صبح یوں ہی روؤں گی اماں
بابا ہی جب آویں گے تو میں سوؤں گی اماں

بتلاؤ شہ جن و بشر کیوں نہیں آتے ۲۷ اب رات بہت کم ہے پدر کیوں نہیں آتے
آزادہ ہیں کچھ مجھ سے ادھر کیوں نہیں آتے کیا آج وہیں سوئے، تھر کیوں نہیں آتے
اب پیاسوں کی نسر یاد بھی بابا نہیں ٹھنٹے
حضرت مرے رونے کی صدا کیا نہیں ٹھنٹے

رو کر علی اکبر نے، جو کی شہ سے یہ تقریر ۲۸ پڑھتے ہوئے تسبیح گئے، حضرت مشیر
دیکھ مجھ نہ تھی دیر سے وہ چاند سی تصویر قدیموں پہ محبت سے گڑی دوڑ کے ہمشیر
یتاب جو پایا بہت اس تشنہ دہن کو
مشیر نے اپٹا لیا چاتی سے بہن کو

فرمایا بہن تم نے بنا یا ہے یہ کیا حال ۲۹ نہ سر پہ عبا ہے نہ چادر ہے، نہ زوال
ماتہ ہے ہر رنگ سے بھرے ہوئے ہیں بال بیٹو نہیں، جیتا ہے ابھی فاطمہ کا لال
دم تن سے عاتق کے نکل جانے کا زینٹ
رو کھو مجھ سے کا وقت آئے گا زینٹ

جیتا ہوں میں اور آہ ابھی سے یہ تلاطم ۳۰ یہ کرب، یہ دکھ درد، یہ زلزلہ، یہ تغلم ہوتے ہیں مرے ہوش و حواس آتے ہوئے گم خنجر کے تلے دیکھو گی کس طرح مجھے تم بس صبر کرو جی سے گذر جائیں گے بچے تڑپو گی تم اس طرح تو مر جائیں گے بچے

تلوار کسی نے ابھی تو لی نہیں مجھ پر ۳۱ سینہ ابھی تیروں سے مشبک نہیں خواہر گردن پہ کبھی نے ابھی پھیرا نہیں خنجر مر جائے گا سبائی تمہیں ثابت ہوا کیونکر ہر چند کہ ساعت نہیں ملتی ہے قضا کی بچ جاؤں تو کیا دور ہے قدرت سے خدا کی

زینب نے کہا خوش ہوں جو میری اجل آئے ۳۲ سبائی تمہیں اللہ اس آفت سے بچائے خالق مجھے عابد کی یتیمی نہ دکھائے سبائی کی بلالے کے بہن خلق سے جائے و سو اس طبیعت کو بھلنے نہیں دیتا

بے چین ہے دل مجھ کو سنبھلنے نہیں دیتا آسمان سکینہ کی یتیمی کا مجھے دھیان ۳۳ ہر وقت بھر اٹھ کر نظر آ جاتا ہے، ویران سمجھانے سے کچھ دل جو بہلتا ہے میں قربان پھر جاتا ہے آنکھوں کے تلے موت کا سامان بازو مرے کئے کو رسن لاتا ہے کوئی سر پر سے رد اٹھینچے لیے جاتا ہے کوئی

منہ دھانپ کے بستر پہ جو سو جاتی ہوں دم بھر ۳۴ تو چاکہ گریباں نظر آتے ہیں پیغمبر اماں کبھی چلاتی ہیں یوں کھولے ہوئے سر بیٹی نہ بچے گا ترا مظلوم برادر کیا لیٹی ہے بستر پہ کدھر دھیان ہے زینب

شیر اسی رات کا مہمان ہے زینب یہ ذکر ابھی تھا کہ سکینہ نے پکارا ۳۵ سونا تو گیا آپ کے ہمراہ ہمارا میں جاگتی ہوں اور جہاں سوتا ہے سارا گردوں پہ چمکنے نہ لگے صبح کا تارا نیند آتی ہے بیٹی کو سلا جائے بابا بس ہونگیں باتیں بادر آئے بابا

حضرت نے کہا میں تیری آواز کے قسرباں ۳۶ اللہ تم اب تک نہیں سوتی ہو مری جاں
عزبت میں کہتاں راحت و آرام کا سا ماں بن باپ کے تم کو تو نہیں چین کسی آن
اچھی نہیں عادت یہ نہ رویا کرو بی بی

پہلو میں کبھی ماں کے بھی سویا کرو بی بی
کیا ہوتے جو ہم گھر میں کسی شب کو نہ آئیں ۳۷ مجبور ہوں ایسے کہ تمہیں چھوڑ کے جاتیں
تم پاؤ نہ ہم کو، نہ تمہیں ہم کہیں پاتیں بی بی کہو پھر چاتی یہ کس طرح سلا تیں
جنگل میں بہت قافلے ٹٹ جاتے ہیں بی بی
برسوں جو رہے ساتھ وہ ٹھٹ جاتے ہیں بی بی

جب مری تم ہم بھی ٹھٹے تھے یونہی ماں سے ۳۸ سوتے تھے لیٹ کر یونہی خاتون جہاں سے
کوٹھ لٹن کا ہوا سنے آنکھوں کے جہاں سے ماتم سے ملیں وہ نہ بیکاسے نہ فغاں سے
یہ داغ یہ اندوہ و الم سب کے لیے ہیں
ماں باپ زلمے میں سدا کس کے جیسے ہیں

رستہ وہ اجل کا ہے کہ ہوتا ہی نہیں بند ۳۹ کوٹھ آج پھر کسبے توکل جائے گافرزند
ہوتا ہے قلعہ فسرتہ اولاد میں وہ چند کیا زور ہے بندے کا جو مرضی خداوند
جو آتے ہیں دنیا میں وہ سب کوٹھ کریں گے
اس زسیت کا انجام یہی ہے کہ مریں گے

یہ کہتے تھے حضرت کہ صدا آتی اذواں کی ۴۰ گلہ ستہ اسلام پہ بلبل نے فغاں کی
اک دم میں بہار اور ہوتی باغ جہاں کی تلوار چل گلشن انجم پہ خنداں کی
مہتاب ہوا گم فلک نیلو فری سے
پتھو لاٹھل خورشید نسیم سحری سے

گرجی کی سحر اور وہ پتھو لوں کا مہکتا ۴۱ مرفان چین کا وہ درختوں پہ چمکتا
انجم کا وہ ٹھپٹا کبھی اور گاہ چمکتا وہ سرو ہوا اور وہ ہنرے کا مہکتا

میں دھن دھن سے شبنم شہ دیں پر
ہاں مہکتا گلزار میں نہ تو کھڑا ہے

مبلوہ وہ دمِ صبح کا وہ نور کا عالم ۳۲ دلچسپ مدانویت و شہنائی، وہ باہم
سرخ و شفق کی، آفتِ چرخ پہ کلم وہ گل کے کُوروں پہ دُر افشانیِ شبنم
خُشکی میں بھی سردی سے ترائی کا سماں تھا

پر مالکِ گلزارِ جنان، تشنہ وہاں تھا
لشکر میں ادھر مورچے بندر کی ہوئی دھوم ۳۳ یاں فسران ادا کرنے لگے عاشقِ قیوم
پیچھے توجہ امت تھی اور آگے شرِ مظلوم صفت بستہ ملائک میں یہی ہوتا تھا معلوم
سب ماحد و راکع تھے شہنشاہ کے ہمراہ
تا باں تھے بہتر مہرِ نوماہ کے ہمراہ

خیمہ تھا فلک، آپ قر، دوستِ ستارے ۳۴ تائے بھی وہ ماروں کو فلک جن پہ اتارے
ختم ہو گیا تھا، پر فلکِ مشرق کے مارے کہتی تھی زمین، آج ہے طالع کو ہمارے

خورشید نہیں روشنی نیرِ دیں ہے
خودِ عش کو دھوکا تھا یہ میں ہوں کہ زیں ہے
جو صفت ہے وہ ایک سطر ہے قرآنِ میں کی ۳۵ دیوار ہے قبلہ کی طرف، کعبہ دیں کی
کیا خوب جماعت ہے یہ اربابِ یقیں کی افلاک کی زینت ہے تو رونق ہے زمین کی
کس طرح شہنشاہ سے وہ فوجِ حبدا ہو
مشکل ہے کہ دریائے کہیں موجِ حبدا ہو

اُس دم تھی یہ آوازِ پس پرودہ قدرت ۳۶ اے قدسیو دیکھو مرے بندوں کی عبادت
نہ پائیں کا مشکوہ ہے نہ فاقوں کی شکایت یہ زہد، یہ تقویٰ، یہ اطاعت، یہ ریاضت
کونین میں یہ ماحبِ اقبال و شرف ہیں
عالم ہوں کہ ان لوگوں کے دل میری طرف ہیں

کس بحر سے آگے مرے حاضر ہیں یہ بندے ۳۷ دیکھو مرے محبوب کے ناصر ہیں یہ بندے
مظلوم ہیں بیکس ہیں مسافر ہیں یہ بندے تھوڑے نہ ہوں کس طرح کے شاکر ہیں یہ بندے
مادق ہیں دل سے مرے ان سب کو دلا ہے
ان کا وہ میلہ ہے، جو رسولوں کو ملا ہے

پرسش نہ لحد میں نہ حساب ان کے لیے ہے ۴۸ یہ لائقِ رحمت ہیں، ثواب ان کے لیے ہے
موتی سے جو ہے ممان، وہ آب ان کے لیے ہے میں جس کا ہوں ساقی، وہ شراب ان کے لیے ہے
اس نخلِ ریاضت کے ثمر ان کو ملیں گے
جو عرض کے نیچے ہیں وہ گہراں کو ملیں گے

فارغ جو مملوۂ محسری سے ہوتے دیں دار ۴۹ پوشاک پہنے کو اٹھے سید ابرار
فرمانے لگے حضرت عباسؓ علمدار ہاں غازیو اب تم بھی جو جنگ کے ہتھیار
قصر باں تمہیں ہونا ہے محمدؐ کے پسر پر
کمروں کو کسو، گلشنِ جنت کے سفر پر

آبادہ شکر کُفار ہے کل سے ۵۰ ہونا ہے تمہیں آج، ہم آغوشِ اجل سے
درمیش ہے جنگ و جدل اس فوج کے دل سے آقا بھی کوئی دم میں نہکتے ہیں محل سے
ہاں صفتِ شگنو، وقت ہے نصرت کی دعا کا
کھلتا ہے پھر یہ اسلم فوجِ خدا کا

ہم لوگ اسی روز کے مشتاق ہیں، کب سے ۵۱ اب ہوگی ملاقات شہنشاہِ عرب سے
سیدانیاں تم سب کو دعا دیتی ہیں شب سے صفتِ باندھ کے آؤ، در دولت پہ ادب سے
فردوس میں نانا سے حضور آج ملیں گے
کوثر پہ تمہیں غلعت، نور آج ملیں گے

اس مژدہ کو سنتے ہی مسخ ہوئے غازی ۵۲ اصطل سے آنے لگے جباروں کے، تازی
شیرِ صفت، جنگاہ تھا، ایک ایک نمازی نعرے تھے کہ قصرِ بان شہنشاہِ محبازی
ڈیوڑھی پہ شگفتہ تھا چمنِ خلدِ بریں کا
خیمہ میں تلاطم تھا و داغِ مشہرِ دین کا

تھے گردِ محرمِ بیچ میں وہ عاشقِ حق تھا ۵۳ مانندِ سرِ رنگِ ہر اک بنی کا فوق تھا
بانو سے دو عالم کا جگر سینے میں شق تھا زینبؓ یہ تڑپتی تھی کہ حضرت کو قلعی تھا
شبیر کے پہلو سے نہ ہنسی تھی سکینہ
بڑھتے تھے تو دامن سے لپٹتی تھی سکینہ

شہر کہتے تھے بنی ہین اب جانے دو گھرے ۵۴ سینہ دراشت ہوتا ہے لپٹو نہ پد سے
وہ کہتی تھی سایہ جو یہ اٹھ جائے گا سرے ہے میں تمہیں ڈھونڈنے لاؤں گی کدھر سے
مینی کاروا آپ کے کوئی نہیں بابا
شب بھر میں ہی خوف سے سوئی نہیں بابا

بجاتے تھے حضرت کرمین مدتے درہی پیاری ۵۵ میدان سے ابھی آئیں گے ہم تو کئی باری
وہ کہتی تھی میں آپ کی مظلومی کی داری سماں نظر آتا ہے یتیمی کا ہساری
در پیش لڑائی نہیں گرفتار شقی سے
کیوں آپ سفارش درہی کرتے تھے پھوپھی سے

آپ کے جانے سے تو ثابت ہے نہ آنا ۵۶ کیوں کہتے تھے زینب اسے چھاتی پر سلاتا
بأنو مرے پیچھے نہ سکیئذ کو رلانا پانی جو میسر ہو تو پیاس اس کی بجھانا
بہلائیو جب رو کے مجھے یاد کرے گی
تڑپوں گا تمد میں جو یہ فسر یاد کرے گی

میں سننتی تھی عابد سے جو کچھ کی تھی وصیت ۵۷ اس گھر کی تباہی کی خبر دیتے تھے حضرت
ہے ہے یہ درہی عزیز یہ مصیبت لے لو مجھے ہسراہ گوارا نہیں فرقت
ساتھ آپ کے جاؤں گی جو اس دارِ عمر سے
کوئی درہی گردن تو باندھے گا رسن سے

نادان کی ان باتوں پر گھر روتا تھا سارا ۵۸ ماتم میں کسی دل کو نہ تھا، صبر کا یارا
حضرت کو بھی فرقت تھی نہ بیٹی کی گوارا ڈیوڑھی تک اُسے گود سے اپنی نہ اُتارا
جس دم وہ چٹنی جیتے ہی جی مر گئے شیپٹر
کس درد سے روتے ہوئے باہر گئے شیپٹر

جس دم در دولت پہ امیر اُم آیا ۵۹ پیٹے یہ حرم گھر میں کہ ہونٹوں پہ دم آیا
تسلیم کو اسلام کا، لشکر بہم آیا کس مولت و اقبال و حشم سے ظلم آیا
جاتی تھی لچکنے میں فیاض عرش تک اس کی
خورشید کو پنجہ میں لیے تھی چمک اس کی

اُپس میں یہ کہتے تھے رفیقانِ دلاور ۶۰ دیکھیں یہ ہما سائے فگن ہوتا ہے کس پر
کھجور کے تو ہے نام پُستِ الارضی لشکر عباس کو دیں گے شہر دیں منصبِ جعفرؓ

اک عشق ہے اس شیرے سلطانِ اُمم کو

بھائی کو کبھی دیکھتے ہیں آگاہِ عسلم کو

زینب کے پسر مشورہ یہ کرتے تھے باہم ۶۱ کیوں بھائی علم لینے کو ماموں سے کہیں ہم
ہاں خدا چاہے گوئیں میں ہیں کم عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم

واقعہ ہیں سبھی حیدر و جعفر کے شرف سے

حق پوچھو تو حقدار ہیں ہم دونوں طرف سے

دادا بھی علمدار ہے، نانا بھی علمدار ۶۲ ہم اپنے بزرگوں کے ہیں منصب کے طلبگار
کہتا تھا بڑا عرض کا موقع نہیں زہار ہیں بادشاہ کون و مکان مالک و مختار

عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہوں

چُپکے رہو، اُمم نہ کہیں سن کے خفا ہوں

مطلب نہ علم سے نہ چشم سے ہمیں کچھ کام ۶۳ مٹ جائیں نشان، بس یہی عہدہ ہے یہی نام
یہ سرچوں نثارِ قدم شاہِ خوش انجام عزت رہے بھائی، یہ دعا ہے سحر و شام

آقا جے چاہیں عسلم فوجِ خدا دیں

مشاقِ اجل ہیں ہمیں مرنے کی رضا دیں

روتی تھی جو پردے کے قرین زینبؓ دلگیر ۶۴ سب اُس نے مفصل یہ سنی، بیٹوں کی تقریر
فصہ سے یہ کہنے لگی وہ صاحبِ توقیر دونوں کو اشارے سے بلا لے کسی تدبیر

کچھ کہنا ہے سن لیں اے فرصت انھیں گر ہو

عباس نہ دیکھیں نہ شہر دیں کو خیر ہو

یہ کہتی تھی زینبؓ کہ خود آئے وہ نکو کار ۶۵ چھوٹے سے یہ فرمانے لگیں زینبؓ ناچار
کیا باتیں ابھی بھائی سے تھیں اے برے دلدار اس وقت میں ہو کون سے منصب کے طلبگار

سب سے نہ کہ مادرِ عقوبت پر وہ کھڑی ہے

گھر لٹا ہے میرا، تمہیں منصب کی پڑی ہے

اللہ بڑا عزم کیا، باندھ کے تلوار ۶۶ بکوا! تمہیں ایسا نہ سمجھتی تھی میں زہرا
دیکھو ابھی تم دونوں سے ہو جانوں گی بیزار کچھ کہو نہ ماہوں سے خبردار! حسبِ روار

کیا دُخل تمہیں امر میں سلطانِ اُمم کے
دیکھوں گی نہ پھر مُنہ جو گئے پاسِ علم کے

کچھ اور ہی تیور ہیں علمِ مظاہرے جب سے ۶۷ تم کون ہو جو آگے بڑھے جلتے ہو سب سے
استادہ ہو، جا کر عقبِ شاہ، ادب سے عہدہ ہے یہ جس کا مجھے معلوم ہے شب سے
اس امر میں خاطر نہ کریں اور کسی کی
میں خوش ہوں بجائیں وصیت کو علی کی

دور روزے بجاتی پر مرے ظلم و ستم ہے ۶۸ تم فکرِ علم میں ہو مجھے سخت اَلَم ہے
چھوٹے سے ہیں قدر بن بھی تمہارا ابھی کم ہے کفیل اس کو نہ سمجھو یہ محمد کا علم ہے
ہرگز نہ ابھی کچھ شر ذی حباہ سے کہنا
کہنا بھی تو زحمت کے لیے شاہ سے کہنا

مانا کہ پہونچتا ہے تمہیں منصبِ جعفر ۶۹ آقا کی غلامی سے ہے عہدہ کوئی بڑھ کر
چھوٹا مرا سببان بھی ہے بیٹوں کے برابر عاشق کا تو عاشق ہے برادر کا برادر
بگڑوں گی نگاہ گر کوئی اسلوب کرو گے
عباس سے کیا تم مجھے محبوب کرو گے

زینب نے عتابِ بانہ جو کی اُن سے یہ گفتار ۷۰ یوں کہنے لگے جوڑ کے ہاتھوں کو وہ دلدار
شاہوں سے غلاموں نے بھی کی ہے کبھی تکرار مالک ہیں جسے چاہیں علم دیں، شرِ ابرار
زحمت کے لیے تیغ و سپر باندھے ہوئے ہیں
ہم صبح سے مرنے پہ کمر باندھے ہوئے ہیں

زینب نے کہا لے کے بلائیں کہ سردھارو ۷۱ بس اب مراد دل شاد ہوا ہے مرے پیارو
ماں صدقے گئی سرد قدم شاہ پہ وارو ہو عید مجھے گر مسر و شکر کو مارو
یہ وقت ہے امدادِ احام ازلی کا
دے چھوٹے سے ہاتھوں میں خدا زور علی کا

مہلت گئی سٹن لو کہ میں کہتی ہوں جتا کر ۷۲ تم پہلے فدا کیجیو سر شہ کے قدم پر
میدان میں زخمی ہوئے گر قائم و اکسیر پھر تم بے فسر زندہ نہ میں دونوں کی مادر
جب دل ہوا ناراض تو فسر زندہ کہاں کے
کس کام کا وہ فعل جو کام آئے نہ ماں کے

ان میں سے اگر رن کی طرف ایک سدا ہارا ۷۳ زہرا کی قسم ٹھنڈے میں دیکھوں گی تمہارا
جس وقت سنوں گی نہ رن دونوں نے وارا اُس وقت تمہیں ہو گا مراد و دودھ گوارا
بے جاں ہوئے بعد ان کے تو ماتم نہ کروں گی
دیکھو جو مردوں کی بھی تو ناراض مردوں کی

ہیں دونوں بھتیجے بڑے پیارے بڑے محبوب ۷۴ تم ان پر تصدیق ہو، یہی ہے مجھے مطلوب
جینا نہیں بہت تر کسی صورت، کسی اسلوب بے سر دیے دودھ اپنا میں بخشوں تمہیں کیا خوب
ایذا جو اٹھاؤ گے تو راحت بھی ملے گی
جب آئیں گی لاشیں تو یہ دولت بھی ملے گی

دکھو کہے دیتی ہوں خبر دارا خبر دار ۷۵ جیتے جو بڑے دودھ نہ بخشوں گی میں زہرا
شیروں کے یہ ہیں کام کھینچے جس گھڑی تلوار رکھ دیوں گلا بڑھ کے، نہ خبر بخوں خوار
توڑی ہیں مغیں جنگ میں جب کھیت پڑے ہیں
جنت کے لشکر سے علی یوں ہی لڑے ہیں

اعدا کو بڑے دودھ کی تاشیر دکھاؤ ۷۶ اجمال حسن شوکت شبیر دکھاؤ
جعفر کی طرح جو ہر شمشیر دکھاؤ تن تن کے ید اللہ کی تصویر دکھاؤ
خوشیدرامت سے قربت میں قسریں ہو
تم شیر ہو شیروں کے، حسیں کے حسیں ہو

جعفر سے نمودار کے دلبر ہو دلبرو ۷۷ حیدر سے دلاور کے دلاور ہو دلبرو
خبردار ہو، گزار ہو، مفدر ہو دلبرو صرف نام ہو، غم ہو، غمخوار ہو دلبرو
تیروں سے جوانوں کے جگر توڑ کے آؤ
خبر کی طرح کوئے کا در توڑ کے آؤ

خستہ دق کی لڑائی کی طرح جنگ کو جھیلو ۷۸ بچے اسد اللہ کے ہو جان پہ کھیلو
 تیغوں میں دھنسا چھاتیوں سے نیروں کو ریلو کوٹنے کو تر تیغ کو دُشام کو لے لو
 دو اور جلا آئینہ تیغ عسرب کو
 لوروم کو قبضے میں تو کتا بویں حلب کو

خاقان کا رہا تخت ز قیصر کا رہا تاج ۷۹ ہاں غازیو! چین و حبش و زنگ سے لو باج
 چڑھنا ہے لڑائی پہ جواں مردوں کو معراج گیتی تہ و بالا ہو وہ تلوار چلے آج
 یوں آئیو چار آئینہ پہنے ہوئے بریں
 جس طرح علیؑ بعد ظفر آتے تھے گھر میں

میلے نہ ہوں ہوں تیور یہ سپاہی کے ہنر ہیں ۸۰ چمکے ہیں بس اُنکے ہیں جدھر ہیں بس اُدھر ہیں
 گہ عطر میں ڈوبے ہیں گہے خون میں تر ہیں صحبت میں مصاحب ہیں لڑائی میں سپر ہیں
 وہ اور کسی سے نہ جھکیں گے نہ جھکے ہیں
 عزت میں نہ فرق آئے کہ سر بیج چمکے ہیں

یہ سن کے جو نکلے وہ جری خیمے سے باہر ۸۱ کس پیارے مُنہ دونوں کا تکتے لگے سرور
 اکبیر نے یہ کی عرض اے سبطِ پیغمبر تیار ہے سب قبلہ کونین کا لشکر
 جلدی ہے لڑائی کی اُدھر فوجِ بستم کو
 ارشاد ہے ہو وہ بڑھے لے کے علم کو

شہ بولے کہ عباس دلاور کو بلاؤ ۸۲ پیارے مرے محبوب برادر کو بلاؤ
 عاشق کو، مددگار کو، یاد رکھو بلاؤ جلدی مرے حمزہ مرے جعفر کو بلاؤ
 یہ آوج، یہ مرتبہ، یہ چشم اس کے لیے ہے
 زیب اس سے علم کی ہے، علم اس کے لیے ہے

سب تکتے لگے صورتِ عباس فلکِ جہاں ۸۳ نازل ہوا خود آوج پہ اپنے علمِ مہا
 میں حاصل ہے نشانِ اسد اللہ البیدہ تھا پرچم، تو پھر رہا تھا ہوا خواہ
 جان اگنی تھی مُنتے ہی اس خوشخبری کو
 پنجہ بھی اشارے سے بلاتا تھا جری کو

خوش ہو کے یہ بتو کو چکارے علی اکبر ۸۴ جلد آئے یاد کپ کو فرماتے ہیں سرور
حافظ ہوا جوڑے ہوئے ہاتھوں کو وہ مخدر اوشا کو کیا شہ نے مسلم بھائی کو دے کر

رکھے اسے کاندھے پر یہ ہے آپ کا عہدہ

لو بھائی مبارک ہو تمہیں باپ کا عہدہ

بوسہ دیا عباس دلاور نے مسلم پر ۸۵ تسلیم کی اور رکھ دیا سرشہ کے قدم پر
کی عرض کہ قسربان اس الطاف و کرم پر نوسر ہوں تو صدقے ہیں شہنشاہ اُمم پر

ادنیٰ جو ابھی تھا اُسے اعلیٰ کیا مولا

قطرے کو ترے فیض نے دریا کیا مولا

اس چتر فلک قدر کا سایہ مرے سر پر ۸۶ اس دھوپ میں ہو گا یہ پھر پرامرے سر پر
یہ آبر مرے سر پر یہ طوبیٰ مرے سر پر قائم رہیں لاکھوں برس آقا مرے سر پر

سلطانِ دوعالم کی غلامی کے صلے میں

سب اوج یہ نعلین اٹھانے سے ملے ہیں

حضرت نے کہا روکے یہ کیا کہتے ہو پیارے ۸۷ حاضر ہے اگر حبان بھی کام آئے تمہارے
حق یہ تمہارا تھا سو پہونچا تمہیں بارے مالک ہو تمہیں ہم تو ہیں اب گورکنارے

مخادول میں جو کچھ وہ بخشا ہو نہیں سکتا

بھائی بڑا حق مجھ سے ادا ہو نہیں سکتا

یہ کہہ کے بڑھے سرور دیں جانبِ توسن ۸۸ ہتیار لگائے ہوئے پہنے ہوئے جو شن
اسوار ہوئے آپ جو گردان کے دامن اللہ سے غنیا، غناء زیں ہو گا روشن

وہ پاؤں رکابوں کے لیے باعش مشوئے

خورشید کے قدموں کے تلے دوسرے تو تھے

رانوں کے اشارے سے لگا کوند نے، شہزید ۸۹ اسوار کے دل کا تھا اشارہ اے مہمیز
گرما کے جو شہیر نے تازی کو کیا تیسرے اعدا پہ چلا غول سواروں کا، جٹو ریز

ایک ایک جوانِ عربی رشکِ ملک تھا

اللہ کے لشکر کا علم سر بہ فلک تھا

کیا فیضِ سوری تھا کہ زہرِ زہری سب راہ ۹۰ طالع تھا اور مہر اور ہر تھا علم شاہ
ابین دو خود رشید تھی، فوجِ شہِ ذی جہاہ پنچے پہ تجبلی تھی، کہ اللہ ہی اللہ

بالا تھی چمک، مہرِ متور کی چمک پر

جنو اس کی زمیں پر تھی، مہیا اس کی فلک پر

ایک ایک جواں، زیورِ جنگی کو سنوارے ۹۱ نیزوں کی چمک اور وہ سمدوں کے طرارے
جغشہ کے جگر بند، یاد اللہ کے پیارے رستم سے ہر اک جنگ کرے شیر کو مارے

سیات ہو مر حب سا، تو شمشیر سے ماریں

ارجن سے کماندار کو، اک تیر سے ماریں

کم رسن کئی لڑکوں کا جہدا غول تھا سب سے ۹۲ سوئے بھی نہ تھے، دلورہ جنگ میں، شب سے
رہے کے ہوئے باغوں کو شہِ دیں کے ادب سے اعدا کی طرف دیکھتے تھے، چشمِ غضب سے

ہتیار جو باندھے تھے تو کیا تن پہ کھلے تھے

سب نیچے تو لے ہوئے مرنے پہ ٹٹے تھے

وہ چاند سائنہ، اور وہ گودے بدن، اُن کے ۹۳ شرمندہ ہوں غنچے بوی وہ نازک دہن اُن کے
یوسف کی طرح عطرِ شاں پر ہن اُن کے مرکز دہی کپڑے ہوئے آخر کفن اُن کے

کیا حسنِ عقیدت تھا عجب دل کے جوں تھے

آقا پہ فدا ہوئے کو سب ایک زباں تھے

عمریں تو کم و بیش، پہ سب گیسوؤں والے ۹۴ اک غول میں تھے چاند کئی، اور کئی ہلے
ذی مرتبہ سیدانیوں کی گود کے پالے غنچہ تھا وہ سب، اک شہرِ محلِ رُو کے حوالے

ابن تازہ نہالوں میں نمودار یہی تھے

اس گلشنِ یک رنگ کے مختار یہی تھے

مقتل کو جو پُر نور کیا، عسکرِ دیں نے ۹۵ دیکھا طرفِ چرخِ محارت سے زمیں نے
اُونچا نہ کیا سرفک، ماہِ جبیں نے کی قرش پہ حسرت سے نظرِ قرش بریں نے

اٹھ اٹھ کے چمک اپنی دکھانے لگے ذرے

خورشید کے پہلو کو دبانے لگے ذرے

کھولا جو پھر پیسے کو علمدارِ حبسری نے ۹۶ ٹوٹے گلِ فردوس، نسیمِ سمسری نے
تاروں کو اُتارا، فلکِ نیلوفر نے پرچم جو ٹھٹھلا کھول دیے بالِ بڑی نے
عیشی نے پیکار کہ نثار اس کے چشم کے
خورشید نے مندر رکھ دیا پنچے پہ علم کے

ترتیبِ صفتِ فوج کا جس دم ہوا استلام ۹۷ باندھی علی اکبر نے صفتِ لشکرِ اسلام
ظاہر جو ہوئی شانِ جوانانِ گلِ اندام کوٹنے کے نشانِ جھک گئے، کانپی سپہِ شام
الذریعے شوکتِ شرفاؤِ نجبہ کی
اسلام کا لشکر تھا کہ قدرت تھی خدا کی

ناگاہ بجا طبل، بڑھا لشکرِ سفاک ۹۸ تاجِ پرخ گیا، غلغلہ کو سس شغبِ ناک
فسر یار سے قسرناسی ہلا گئیں اظلاک تھرا گیا آوازِ دہل سے کمرہِ خاک
نوبت تھی زبس قتلِ امامِ مدنی کی
صاف آتی تھی تاشوں سے صدا سینہ زنی کی

وہیں شور تھا باجوں کا ادھر نعرہٴ تکبیر ۹۹ ایک ایک جری جھومتا تھا قول کے شمشیر
ناگاہ ٹوٹے فوجِ خدا آنے لگے تیسر عباس علمدار نے دیکھا رخِ شبیر
کی عرض کہ لڑنے کو شہر آتے ہیں مولا
کیا حکم ہے اب پیاسوں پہ تیر آتے ہیں مولا

شہ نے کہا شرم آتی ہے کیا حکم میں دوں آہ ۱۰۰ ہفتاد دو تن یاں ہیں، ادھر سیکڑوں گمراہ
غازی نے یہ کی عرض کہ اے گل کے شہنشاہ یہ شیرِ نستانِ علی ہیں، تو وہ رو بہ
لاکھوں ہیں تو کیا ڈر ہے شجاعانِ عرب کو
اقبال سے آقا کے بھگا دیتے ہیں سب کو

فرمایا کے فاتح سے ہے سارا ہر لشکر ۱۰۱ پانی نہیں ملت کہ لبِ خشک گریں تر
بہتر ہے اگر پہلے کئے تن سے مرا سر غازی نے کہا شبیر گر سنہ ہیں، یہ صفر
حملوں سے اٹھ دیں گے پرے فوجِ عدو کے
بھوکے ہیں یہ زخموں کے پیا سے ہن لبو کے

حضرت نے کہا خیر! الزو فوجِ رستم سے ۱۰۲ معلوم ہے سب آج جُدا ہو دیں گے ہم سے
 دُنیا سے نہ مطلب ہے نہ کچھ جاہ و حشم سے کٹ جائے گا اپنا بھی گلا، تیغِ دو دم سے
 مقبول ہیں وہ جو مری امداد کریں گے

اس جنگ کو بھی لوگ بہت یاد کریں گے
 جس دم یثربی، قبلہ کونین کی گفتار ۱۰۳ جانباز بڑے فوج سے چلنے لگی تلوار
 تھے پیاسوں کے حملے غضبِ حضرت قتار چوٹی کے جواں بھاگ گئے پھینک کے تلوار
 کون آنکھ ملا سکتا تھا، شیروں سے عرب کے
 جب کرتے تھے نعرے قدم اٹھ جاتے تھے سب کے

لڑتا تھا غضب، ایک کے بعد ایک وفادار ۱۰۴ دن چڑھتا تھا یایاں گرم تھا واں موت کا بازار
 سر پیچھے تھے، جنسِ شہادت کے طلبگار بڑھ بڑھ کے خسریدار پہ گزرتا تھا خمیدہ
 پس پہلے ہم ایک ایک کی جاں اس کی پڑی تھی
 عقبی کا جو سودا تھا تو قیمت بھی گزری تھی

آیا جو عزیزوں کے لیے موت کا بیغام ۱۰۵ فرزندوں نے جھکے بڑے رن میں کیے نام
 اولادِ عقیل آپھی مشیر کے جب کام لڑنے کو گئے مُسلم بیکس کے ٹھگی اندام
 تھا حشرِ پُرا، ندیاں بہتی تھیں لہو کی
 بچوں نے الٹ دی تھیں صفیں فوجِ عدو کی

لشکر میں تلاطم تھا غضب چلتی تھی تلوار ۱۰۶ بیتاب تھیں یایاں زینبِ ناشاد کے دلدار
 منہ دیکھ کے حضرت کا یہی کہتے تھے ہر بار ہم جاتیں گے بعد ان کے سوتے لشکرِ گرفتار
 جی جاتیں جو مولا ہمیں مرنے کی رضا دیں

ایسا نہ ہو قاسم کو حضورِ اذن و غنا دیں
 کچھ ان سے کہا جاتے تھے سرورِ ذی شان ۱۰۷ جو غل ہوا مارے گئے مُسلم کے دل و جان
 لاشے بھی ادھر آچکے، جب خون میں غلطان پھر ہاتھوں کو جوڑا کر بیٹے رخصت میدان
 شہ نے کہا یہ داغ تو دشوار ہے ہم پر
 ان دونوں نے سر رکھ دیئے ماموں کے قدم پر

حضرت نے کہا ماں سے بھی ہو آئے ہو رخصت ۱۰۸ کیا کہتے ہو کٹوا دوں میں ہمیشہ کی دولت
ماہ ہو تمہیں اس کا، تمہیں اس کی بھانغت چھوٹے نے یہ حضرت سے کہا تمام کے رقت

چھوٹے نہیں ہوں آپ ابھی پوچھ لیں سب سے

آماں تو رضا دے چکی ہیں مرنے کی شب سے

بچوں نے جو کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ تقریر ۱۰۹ اُن دونوں کا منہ دیکھ کے رونے لگے شبیر
فسر دایا چھڑاتا ہے تمہیں بھی فلک پیر اچھائیں رضا مند ہوں جو مرمتی ہمیشہ

وہ سیدہ پاک تو اسی ہے نبی کی

فیاض کی ہمیشہ ہے، بیٹی ہے سخی کی

یہ من کے مچکے آخری تسلیم کو ذی حباہ ۱۱۰ خورشید کے آگے نہ تو بن گئے دو ماہ
کی سوتے فلک دیکھ کے شبیر نے اک آہ دوشیر چلے گھوڑوں پر چڑھ کر سوتے جنگاہ

ماں ڈیوڑھی سے چلائی گھر رخصت ہو مبارک

سما کر شہنشاہ سے، خلعت ہو مبارک

سلطانِ دوم عالم نے خلق کیا واری ۱۱۱ تم جلتے ہو یا حباتی ہے دوا لہا کی سواہی
پروان چڑھے، ختم ہوئیں شا دیاں ساری لو دور سے لیتی ہوں بلا تیں میں تمہاری

مدتے گئی نیزوں کو ہلاتے ہوئے حباؤ

شکلیں مجھے پھر پھر کے دکھاتے ہوئے حباؤ

تسلیم کو گھوڑوں سے مچکے دونوں وہ گلِ رُو ۱۱۲ دلِ ماں کا یہ اُمڈا کر پیگنے لگے آنسو
باگیں جو اٹھائیں تو فرس بن گئے، آہو پھر دیکھنے پائی نہ انھیں زینب خوش خُو

میدان کی طرف یاس سے ماں رہ گئی تک کر

پنہاں ہوئے بدلی میں ستارے سے چمک کر

میدان میں عجب شان سے وہ مشیر ز آئے ۱۱۳ گویا کہ بہم حیدر و جعفر نظر آئے
غل پر گیا حضرت کی بہن کے پسر آئے افلاک سے بالائے زمیں دو قمر آئے

یوسف سے فزون محسن گرا نما یہ ہے اُن کا

یہ محبوبِ بیاباں میں نہیں، سایہ ہے اُن کا

وہ چاند سے منہ اور وہ گیسوئے معتبر ۱۱۳ وہ بدر سے رخسار زہے قدر ستار اور
 سب شان ید اللہ کی سب شوکت حیدر چتون وہی، غنہ وہی، سہارے وہی تیور
 یہ وہ بدر کس صاحب شمشیر نے دیکھا
 دیکھا جسے معلوم ہوا شیر نے دیکھا

تن تن کے جوشان اپنی دکھاتے تھے وہ ذی جاہ ۱۱۵ چپائی سے لگا لیتے تھے دونوں کو ید اللہ
 شمشاد سے قامت و دراز اور نہ کوتاہ کھیلے ہوئے تیغوں میں فن جنگ سے آگاہ
 ناخن سے دلیروں کے سب انداز و فساتے
 بچے تھے مگر بچہ صرغام خدا تھے

تھے حسن میں ان دونوں کے آئینہ رُؤ ایک ۱۱۶ پیشانی و ابرو و سر و صدر و گلو ایک
 شان ایک، شکوہ ایک، جورنگ ایک، تو بُو ایک دل ایک، سگر ایک، جد ایک، لہو ایک
 اور ان سا کوئی غیب سے تاشرق نہیں ہے
 دو ٹکڑے ہیں اک سب کے کچھ فرق نہیں ہے

پڑھنے لگے اشعار جز جب وہ دلاور ۱۱۷ اللہ ری فصاحت فہما ہو گئے ششدر
 ہر بیت تھی دشمن کے لیے تیغ و دو سیکر ہر مصرعہ برجستہ میں تھی تیزی و خمبہ
 وہ کون جواب ان کا کہ دم بند تھا سب کا
 وہاں قافیہ تھا تنگ شجاعان عرب کا

غلام نسب میں جو محمد کا سنا نام ۱۱۸ سب پڑھنے لگے صل علی صاحب اسلام
 لگے جو بڑے نام صل کے کہ وہ کلفام دل ہل گئے تھرانے لگا روم سے تاشام
 جعفر کا جو کچھ ذکر کیا بعد علی کے
 مجھے کو علم چمک گئے سب فوج شقی کے

آغاز تھا ذکر شرف حضرت شبیر ۱۱۹ ڈنکے پڑا دھر چوٹ لگی چلنے لگے تیسر
 اس وقت بڑے بھائی نے کی جھوٹے سے تقریر تلوار علم کیجئے اب کس لیے تاعصیر
 کہتے توجہ ہوا کے ستمگاروں پہ جہاتیں
 ہزاروں میں ہم آپ کاندازوں پہ جہاتیں

فرمایا بڑے بھائی نے ہنس کر، سنہیں بھائی ۱۲۰ تم جان ہو، دشوار ہے دم بھر کی بھائی
ہو جاتی ہے اک آن میں ہر صفت کی صفائی کر دیتے ہیں سر، کون سی ایسی ہے لڑائی
بازو ہوں قوی ہاتھ سے گر ہاتھ نہ چھوٹے

سرتن سے اتر جائے، مگر ساتھ نہ چھوٹے

نانا کی طرح، فوج پہ حملے کریں، آؤ ۱۲۱ تلواروں میں تن تن کے چلو، برچیاں کھاؤ
ان چھوٹے سے ہاتھوں کا ہمیں، زور دکھاؤ ہم سینہ سپر تم پہ ہوں، تم ہم کو بچاؤ
ہم شیروں پر کسٹم کا بھی منہ پڑنے کے گا
جب دوہوئے اک دل تو کوئی لڑنے کے گا

چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو، کہ بہتر ۱۲۲ بس کھینچ لیے نیچے، دونوں نے برابر
دو بجلیاں کوندیں کہ لڑنے لگے لشکر نیزوں کے نیساں میں، در آتے وہ غضنفر

برباد کیا، رو میں سواروں کو دبا کے

رہو ابھی اسوار تھے گھوڑوں پہ ہوا کے

ان چھوٹی سی تلواروں کے تھے کاٹ بڑا لے ۱۲۳ تھیں کھنیاں پہونچوں سے بھلا، ہاتھوں سے بھالے
مثل اپنی جلتے تھے جو بے مثل رسالے تھے جہازہ ان سب کا یہی دیکھنے والے

نازا اپنے ہنسر پر تھا شجاعان عسرب کو

نیزوں کو قسلم کر کے ندارد کیا سب کو

موت آئی اُدھر نیچے دونوں جہدہر آئے ۱۲۴ جب ہاتھ بڑھا پاؤں پر کٹ کٹ کے سر آئے
گر سینے تک آئے تو کبھی تا کسر آئے خالی نہ پھرنے جس پہ گئے، خوں میں بھرا آئے

ہر نیچہ، بجلی تھا ستمگاراؤں کے حق میں

ڈوبے ہوئے تھے دومہ، تو خوں کی شفقت میں

اٹھتی تھی نہ ڈرے کسی خوں خوار کی گردن ۱۲۵ سر خود کا ٹھک جہا تا تھا، تلوار کی گردن
دو چار کے منہ کٹ گئے، دو چار کی گردن اسوار کا سر اڑ گیا، رہوار کی گردن

دو نیچے بجلی سے گزرتے تھے کمر سے

آدھے ہوئے جاتے تھے لعین جان کے ڈر سے

دو چوٹی سی تیغوں سے قیامت نظر آئی ۱۲۶ معصوموں کے ہاتھوں سے کرامت نظر آئی
سرکٹنے کی، اعدا کے ملامت نظر آئی وہ کی سپر بھی نہ سلامت نظر آئی

بے وجہ نہ پیر جاتے تھے منہ اہل جفا کے

دریا کے تھپڑے تھے، طمانچے تھے قضا کے

گردن سے بڑے کاٹ کے پسیر بھل آئے ۱۲۷ جوشن کو دکھاتے ہوئے جو ہر بھل آئے

چپا ر آئینہ میں تیر کے باہر بھل آئے مسابون سے دو تار برابر بھل آئے

مساب کے نیچے کبے جھکے نہیں دیکھا

مچلی کو بندھے پانی میں رکتے نہیں دیکھا

ہر غول میں غلطاں دتیاں تھے سرو پسیر ۱۲۸ دستانے نکھیں تھے، کہیں ڈھالیں، کہیں مغفر

جب نیچے ان دونوں کے اٹھتے تھے برابر منہ خوف سے ڈھالوں میں چھپاتے تھے رستمگر

رو کے انھیں طاقت یہ نہ تھی پسیر و جواں کی

صورت نظر آنے لگی تیغ دو زباں کی

غارت تھی وہ صحت جس سے دغا کر کے پھرے وہ ۱۲۹ دو ہاتھ میں سو سو کوفن کر کے پھرے وہ

سروا دیں کے سرتن سے جڈا کر کے پھرے وہ ہر غول میں اک حشر پنا کر کے پھرے وہ

غل تھا کہ پرے ٹوٹے ہوئے جم نہیں سکتے

سرکٹنے کی دہشت سے قدم تھم نہیں سکتے

گھوڑے تھے چلاؤ، کہی یان تھے کہی واں تھے ۱۳۰ مچلی میں تو پھرتے تھے پرائنگھوں سے نہیں تھے

یاں تھے جو شب بکڑو تو اُدھر گرم مٹاں تھے بجلی تھے کسی جا تو، کہیں آبِ رول تھے

ہو سکتی تھی بجلی سے یہ شریعت نہ ہرن سے

جھوٹے تھے ہوا کے کہ بھل جاتے تھے سن سے

بے آب تھے دو دن سے پر جاندار تھے گھوڑے ۱۳۱ ہر ترسب اڑ جانے پر تیار تھے گھوڑے

اس پار کہی تھے، کہی اُن پار تھے گھوڑے نقطہ تھے وہ سب فوج کو پُر کار تھے گھوڑے

دس بین جو مر جاتے تھے ٹاپوں سے ٹپل کے

بڑھ سکتا نہ تھا، اک بھی احاطہ سے اجل کے

ٲانے ہوئے سینوں کو جدھر جاتے تھے دونوں ۱۳۲ تلواروں کی موجوں سے گزر جاتے تھے، دونوں ہر غول میں بے خوف و خطر جاتے تھے، دونوں سب ہوتے تھے پسپا تو ٹھہر جاتے تھے، دونوں

اُسی ہوتی صفت دیکھ کے ہنس دیتا تھا بھائی
بھائی کی طرف دیکھ کے ہنس دیتا تھا بھائی

دَم لے کے جو گھوڑوں کو اڑاتے تھے وہ جرار ۱۳۳ اعدائے رستوں کو بھگاتے تھے وہ جرار
شیروں کی طرح فوج پہ جاتے تھے وہ جرار دو کرتے تھے یکساں پاتے تھے وہ جرار
شیروں نے جو مارا بھی تو رو داروں کو مارا
جب آنکھ ملی چن کے نموداروں کو مارا

جمعیت لشکر کو پریشاں کیا، دَم میں ۱۳۴ جو فوج کی جاں تھے، انھیں بے جاں کیا، دَم میں
تلواروں سے جنگل کو ٹکستاں کیا، دَم میں سرکٹ کے خونخواروں کو غلطاں کیا، دَم میں
بے دست تھے غلموں کو جو بے دین لیے تھے

بچوں نے جوانوں کے نشاں چھین لیے تھے

دولاکھ کو دونوں نے کیا تھسا، و بالا ۱۳۵ تیغ ایک کی چلتی تھی، تو اک بھائی کا بھالا
اک بڑھ گیا، گر ایک نے گھوڑے کو بھالا دَم اُس نے لیا، اُس نے لڑائی کو سنبھالا
یک جافر س تیز قدم ہو گئے دونوں
جب بھیڑ بڑھی کچھ تو بہم ہو گئے دونوں

وہ چھیڑ کے تازی کو سواروں میں در آیا ۱۳۶ دَم بھر میں پیادوں کو پامال کر آیا
جب شیر سا پہونچا وہ اُدھر، یہ اُدھر آیا جہاں آٹھی بھائی کو جو بھائی نظر آیا
بچ بچ کے بکھلتے تھے جو نیروں کے تلے سے
اک بھائی لپٹ جاتا تھا بھائی کے گلے سے

کچھ بھائی سے بڑھ کر جو دغا کرتا تھا بھائی ۱۳۷ بچ جانے کی بھائی کے دغا کرتا تھا بھائی
حق بھائی کی اُلفت کا ادا کرتا تھا بھائی ہر وار پہ بھائی کی ٹٹا کرتا تھا بھائی

تم سانہیں صفدر کوئی واللہ برادر
کیا خوب لڑے متلک اللہ برادر

کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا بعد آداب ۱۳۸ بھائی میں بھگادوں ابھی ان کو جو ملے آب
اب پیاس کی گرمی سے کلیجے کو نہیں تاب سینے میں چرا دل نہیں، آتش پہ ہے سیما
ہم لوگ حقیقی کیا نہیں اس آب رواں کے
تاں میں غلش ہوتی ہے کانٹوں سے زباں کے

کہتا تھا بڑا بھائی میں مدتے رہے گلفام ۱۳۹ ہم ششک زبانوں کو بھلا پانی سے کیا کام
اب جلد اجل آئے تو کوثر کا پتیں حجام غلش ہم کو بھی آجائے گا، پانی کا نہ لونا
آنکھیں تو ستمگاریوں کی تیغوں سے لڑی ہیں

چپکے رہو اماں درِ خیمے پہ کھڑی ہیں
اس نہر کا لینا تو کچھ ایسا نہیں مشکل ۱۴۰ روکیں ہمیں کیا تاب لعینوں کی ہے، کیا دل
پہل باندھ لیں لاشوں کے ابھی ہم سر ساجل بتلائیے، پھر نہر کے لے لینے سے حاصل
دیکھو نہ ادھر پیاس سے گولا کھ تعب ہے
اماں ہمیں گرد و دھندہ بخش تو غضب ہے

اتک انکھوں میں بھر کر کہا چھوٹے نے بہت خوب ۱۴۱ ہر دم ہے رضا مستدٰی مادر ہمیں مطلوب
ایسے تو نہیں ہم کہ بزرگوں سے ہوں محبوب منظور یہ تھا فسر کا، بیکے کوئی اسلوب
دریا کو بھی دیکھیں گے نہ اب آنکھ اٹھا کے
پیتے بھی تو پہلے شر والا کو پلا کے

جغفر کے جو پوتے ہیں تو حیدر کے نواسے ۱۴۲ کچھ ہم علی اکبر سے زیادہ نہیں پیاسے
یہ کہتے ہی رٹنے لگے، پھر اہل جفا سے فسر یاد کہ بچوں پہ گرمی فوج قفا سے
خون سر کا بہا سٹھ پہ تو گھبرا گئے دونوں
دولاکھ کی تیغوں کے تلے آ گئے دونوں

ڈوبے ہوئے تھے شام کے بادل میں وہ دو ماہ ۱۴۳ پر دے سے کھڑی تھی زینہ، ٹوٹے جنگاہ
عباس سے کہتے تھے تڑپ کر شر ذی جہا اب مجھ سے جدا ہوتے ہیں دو شیر مرے آہ
کیوں کر مقتل ہو دل اس رخ و محن کا
گھر لٹا ہے بھائی جری نادار بہن کا

اس بی بی کے فاقوں کے ہیں پلے ہوئے یہ دل ۱۳۳ دولت ہے یہی اور یہی حثمت و اقبال
سات آٹھ برس کے ہیں ابھی کیا ہے بس وصال سب ہاتھ ملیں گے جو یہ نکل ہو گئے پامال

تازہ یہی دو پھول ہیں جھٹکے کے چمن میں

مر جلتے گا باپ ان کی خبر سن کے وطن میں

رو کر دم رخصت وہ یہی کہتے تھے ہر بار ۱۳۵ میں شاہ کا ادم ہوں یہ دونوں ہیں نمک خوار
اگاہ معویات سفر سے نہیں زہر اے دختہ زہر مرے بیٹوں سے خبر دار

میں رکھ نہیں سکتا ہوں کہ ماموں پر فیدا ہیں

اب تو یہی دونوں مرے پیری کے عصا ہیں

شوہر کا تڑپنا اسے کچھ بھی نہ رہا یاد ۱۳۶ ہے ہر اُفت میں کئی زینب ناشاد
یوں بھائی پہ مدد توئی کرتا نہیں اولاد ہم دیکھتے ہیں اور بہن ہوتی ہے برباد

روئے گی وہ بیٹوں کو تو سمجھائیں گے کیوں کر

ٹنڈ زینب دلگیر کو دکھلائیں گے کیوں کر

عباس نے کی عرض، کلیبہ ہے دوپارا ۱۳۷ ان کو تو کسی کی نہیں، امداد گوارا
زخمی ہوئے نہ مجھ کو نہ اکسیر کو پکارا جاتے یہ غلام آپ جو فرمائیں اشارا

حضرت کی قسم دے کے میں سمجھاؤں گا ان کو

چلیں گے تو گودی میں اٹھا لاؤں گا ان کو

حضرت نے کہا صاحبِ غیرت ہیں وہ دونوں ۱۳۸ تختِ جگر شاہِ ولایت ہیں وہ دونوں
فرخامِ نستانِ شجاعت ہیں وہ دونوں والدِ بڑے صاحبِ ہمت ہیں وہ دونوں

دولاکھ تو کیا ہیں جو کہ دروں میں گھریں گے

بے جان دیئے وہ نہ پھرے ہیں نہ پھرے گے

بڑھنے لگے میدان کی طرف قائمِ ذی حجاب ۱۳۹ اکبر نے یہ کی عرض کہ میں جاتا ہوں یا شاہ
ہے دونوں کی فرقت کا، مجھے صد مرتبہ جانکاہ لاکھوں میں ہیں تنہا پوچھی اتلی کے پسر، آہ

ریتی پہ کہیں مگر نہ پڑیں برچیاں کھٹا کر

میں ساتھ انھیں لے آتا ہوں امداد کو بھیگا کر

گھبرا کے درخیمہ سے زینب یہ پکاری ۱۵۰ سرنگے میں بکلوں گی جو تم جاؤ گے واری
اولاد مجھ سے زیادہ نہیں پیاری بتلاؤ کہ میں ان کی ہوں عاشق کہ تمھاری

میدان کی طرف قائم بے پر بھی نہ جبا میں

تلواروں میں عباسی دلاور بھی نہ جبا میں

زہرا کی قسم کچھ نہیں بیٹوں کا مجھے دھیان ۱۵۱ بھائی پر تصدق ہوں یہی تھا مجھے ارمان
وہ آئے تو دوسو اس سے دل ہوگا پریشان صدقے کو نہیں پھر کے لاتے ہیں میں قربان

خود روؤں گی پر شاہ کو غم کھانے نہ دوں گی

لاٹے بھی اٹھانے کے لیے جانے نہ دوں گی

میدان میں ہے کیا اور بجز نیندہ و شبیر ۱۵۲ مرحباؤں کی زخمی ہوئے گرفتارم دلگیر
دل کس کا چھوٹے تم کو لگائے جو کوئی تیر سمجھاؤ میں صدقے کی کیوں روتے ہیں شبیر

باقی ہے اگر زینت تو پھر آئیں گے دونوں

غم کس لیے بکھا ہوگا جو مرجا میں گے دونوں

شہزادوں کو کھوتے ہیں غلاموں کے لیے آہ ۱۵۳ میں جوڑتی ہوں ہاتھ میں اب روئیں نہ رلند
ہے شرم کی کیا وجہ میں کو لندی وہ شہنشاہ سو ایسے ہوں بیٹے تو نثار شر ذی حباہ

مستاز ہے فدیہ ہے جو زہرا کے پسر کا

شان اس کی بڑے فخر ہو جو جد و پدر کا

باپ ان کا اگر ہوتا تو وہ سر نہ کٹاتا ۱۵۴ زہرا کے کلیجے کے عوض بر چھیاں کھاتا
بیٹوں کو یوں ہی میری طرح نذر کو لاتا اپنے کوئی محسن کو نہیں دل سے بھلاتا

جو پاس ہے جس کے وہ عطائے شر دیں ہے

کہہ دے جے ماں جائے کہ حق کس پر نہیں ہے

بیٹوں سے ہوتی مگر تو ہوتی آج حبداتی ۱۵۵ سر پر مرے دنیا میں سلامت رہیں بھائی
اک دولہا، اولاد، لٹائی تو لٹائی کیا لٹ گیا وہ کون سی ایسی مٹی کھائی

کیوں روؤں میں دنیا میں جو دل بند نہیں ہیں

کیا اکبر و امیر مرے فسر زند نہیں ہیں

یہ ذکر ابھی تھا کہ سہنگار پٹکارے ۱۵۶ لو شاہ کی ہشیر کے بیٹے گئے مارے
ٹکڑے کیا معصوموں کو تلواروں کے مارے وہ لوٹتے ہیں خاک پڑ دو عرض کے تلوارے

پامالی کو ان دونوں کی اسوار بڑھیں گے

بچوں کے سراب کٹ کے نشانوں پہ چڑھیں گے

یہ سنتے ہی تھترانے لگے حضرت عباسؑ ۱۵۷ گھبرا کے اٹھے خاک سے شبیر بعد یاس
مرکھوے ہوئے یہ بیان دیوڑھی کے جوتھیں پاس سب نے کہا لوشہ کی بہن ہو گئی بے اس

ٹوٹا ہے فلک بنت شہنشاہ نعمت پر

زینب کو چلوے کے بس اب ماتمی صفت پر

ہے کا جو اک شور ہوا راندوں میں برپا ۱۵۸ زینب بھی ہنسی چھوڑ کے دروازے کا پہ دا
چپقلی ارے چپکے رہو، غل ہے یہ کیسا بھائی ہیں سلامت، مجھے کیوں دیتے ہو پُرسا

ہے نہ گرد و مہاجو گھبراہیں گے شبیر

پھر کون ہے زینب کا جو مہاجیں گے شبیر

تم روتے ہو کس واسطے میں تو نہیں روتی ۱۵۹ دامان مرو بھی نہیں اشکوں سے بھگوتی
دل ہوتا جو ایسا ہی تو کیوں بیٹوں کو کھوتی دولت کوئی ماں جاتے سے پیاری نہیں ہوتی

قائم رہے اقبال محمد کے خلع کا

بس نام بھرے گھر میں نہ لوماتی صفت کا

سراپنے نہ کھولو کہ مجھے آتا ہے دسوا س ۱۶۰ اک شب کی دہن گھر میں ہے اس کا بھی نہیں پاس
شبیر تو سر پر ہیں جو بیٹوں سے ہوتی یاس اکسیر بری امید ہے قائم ہے بری اس

اب تھلدیں نانی کے قریں جاتیں گے دونوں

کیا پیٹنے رونے سے چلے آئیں گے دونوں

باتیں یہ کہیں سب سے پر سنبھلا نہ دل زار ۱۶۱ تڑپا یہ کلیبہ کہ گری خاک پہ اک بار
دل لاشوں پہ روتے ہوئے پہونچے شہر ابرار ہنساں کوئی سامت کے بٹے وہ جگر انگار

کس عمر میں ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے

گودی کے پٹے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

نُسخِ زرد تھے اور خاک میں اکودہ تھے گیسو ۱۶۲ جگ آئے تھے کٹ کٹ کے مرنے سے وہ ابرو
تلواروں سے ٹکڑے تھے، وہ تلوار سے بازو مہتاب سی وہ چاتیاں اور تیسرے پہلو
پھٹتا تھا جگر آنکھ نہ کھل سکتی تھی غش سے
ہونٹوں پر زبانیں نکل آئی تھیں عطش سے

ٹکڑے ہوا سینے میں دل سبطِ ہیمسبر ۱۶۳ ہے ہے کہا اور لاشوں سے لیے، شرِ مہدر
چھوٹے سے بڑے نے کہا یہ ہوش میں ہو کر بالیں پہ حضور آئے ہیں، چونکو تو برادر
مشتاق تھے تم، سیدِ ذی حباہ کو دیکھو
مرے ہوئے دیدارِ شہنشاہ کو دیکھو

نن کے یہ مداخلش سے جو چوہکا وہ دل انگار ۱۶۴ دونوں نے رکھا، سرِ قدم شاہ پہ اک بار
اکبر سے یہ کی عرض کہ اسے شاہ کے دلدار دشمن ہیں بہت قبلہ عالم کے خبردار
ہم دونوں غلاموں کا نہ غم کسائیو بھائی
سرِ پیش جو اماں انھیں سمجھائیو بھائی

یہ کہہ کے لگے ہچکیاں لینے جو وہ پیارے ۱۶۵ بس موت کے آثار نمایاں ہوئے سارے
سرِ پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شہرِ پیکارے ماموں سے بچرتے ہوئے قسربان تھارے
پھر کی نہ کوئی بات، سفر کر گئے دونوں
آنسو تھے رواں آنکھوں سے اور مر گئے دونوں

حضرت کے جو رونے کی مداخلی میں آئی ۱۶۶ لاندوں نے ادھر اتنی صفت گھر میں بھجائی
زینب نے کہا ہائے غضب، روتے ہیں بھائی ففسہ یہ پکاری کہ دہائی ہے دہائی
لو چاک گریبان کئے آتے ہیں شبیر
معصوموں کی لاشوں کو لیے آتے ہیں شبیر

بیٹی صفت ماتم پہ ادھر شاہ کی خواہر ۱۶۷ سیدانیوں نے اٹھ کے ادھر کھول دیے سر
لاشوں کو لیے آئے جو گھر میں شرِ مہدر زینب کے قریں بیٹھ گئے سر کو جھکا کر
فسر مایا کہ لو نعتِ جگر آئے تمہارے
لودودہ انھیں بخشو پسر آئے تمہارے

شیر نے جب دودھ کا زینب سے لیا نام ۱۶۸ ہر چند کیا ضبط، پہ تھرا گیا اندام
دل تھام کے کہنے لگی وہ بیکس و ناکام آپ ان سے رضانہ دنیا یا شاہ خوش انجام
فرمایا دل ان دونوں سے واللہ خوشی ہے

میں ان سے خوشی ہوں، مرا اللہ خوشی ہے
عاشق تھے مرے اور مرے غم خوار تھے دونوں ۱۶۹ بچے تھے مگر قتادق الاقربا تھے دونوں
اس وقت میں ماموں کے مددگار تھے دونوں حیدر کی طرح صفدر و جزار تھے دونوں
موت آئے کہ داغوں سے دل اب بھر گیا زینب

دونوں یہ نہیں مر گئے، میں مر گیا زینب
افسوس کہ ان دونوں کی، دیکھی نہ جوانی ۱۷۰ میں کیا کہوں کیا صاحب ہمت تھے یہ جانی
ہوتی ہے بہت زنجیوں کو تشنہ دہانی پر ہم سے دم مرگ بھی مانگا نہیں پانی
سجے کہ گرفتار رسم آج ہے ماموں
وہ جانتے تھے پانی کو محتاج ہے ماموں

ہم شیر سے یہ کہہ کے جو روئے مشہر ابرار ۱۷۱ بس آگیا فرزندوں کی ہمت پر اُسے پیار
تھرتا ہوئی خاک سے اٹھی وہ دل نگار پاس آن کے لاشوں کی بھلائی میں گئی بار
کانپے جو قدم گر کے سنبھلے لگی زینب
مٹھ خون بھرے چہروں سے تلنے لگی زینب

دیکھا جو لہو بچوں کا چھاتی اُسنڈ آئی ۱۷۲ نزدیک تھا مرحلے یہ اللہ کی حبائی
پر فاطمہ کے صبر کی شان اس نے دکھائی سب سے یہ کہانیاں لگی میری کماٹی
بچے مرے قسرباں ہوئے، احسان خدا کا
اے بیبیو مدد ہے یہ مشاہد شہدا کا

رو کر مشہر والا نے کہا ہمدت میں تم پر ۱۷۳ دم بھرا نہیں رولو کہ یہ مہمان ہیں خواہر
بانو نے اشارہ کیا، اے سبط پیہر قسربان گئی آپ بس اب جایئے باہر
گر ضبط اسی طرح سے فرمائیں گی زینب
یہ ماتم اولاد ہے، مر جائیں گی زینب

روتے ہوئے خیمے سے جو ڈیوڑھی پہ گئے شاہ ۱۷۳ فرزندوں کو چلاتے لگیں زینب ذی جاہ
یہ نیند ہے کیسی کہ خبر تم کو نہیں آہ صدتے گئی جاؤ شر کو نین کے ہمسراہ
زخمی ہوئے شبیر تو جان اپنی میں دوں گی

اچا میں تمہیں دونوں سے ماں جائے کو لوں گی
لو نیچے کا ندھوپ دھسوا لے مرے پیارو ۱۷۵ اتنے ہوئے شبیر کے ہمسراہ سداوارو
گو پیاسے ہو دو دن کے یہ ہمت کو نہ ہارو یہ خون میں ڈوبے ہوئے کپڑے تو اتارو
اتھ بیٹھو! میں صدتے گئی اتنا نہیں سوتے
اس طرح تو جا گئے ہوئے دولہا نہیں سوتے

سوتا ہے لڑائی کے دن ایسا کوئی غافل ۱۷۶ بچو! تمہیں کیا سن کے کہیں گے شر عادل
دیکھو کہ تڑپتی ہے یہ ماں، صورتِ رسل شہزاد یہ زلفیں کہ الجھتا ہے مرادل
کیا غش میں پھویر سونے کا نقشہ نہیں ہوتا
ایسا تو کوئی نمیند کا ماتا نہیں ہوتا

پھر دونوں کے سر زانو پہ رکھ کے یہ بیکاری ۱۷۷ لواب ہوا معلوم کہ تم مر گئے واری
بے ہوشی میں کچھ مجھ کو خبر تھی نہ تمہاری اب آنکھوں سے چپ جائیں گی یہ موتیں پیاری
دُنیہ کو نہ دیکھا کہ اجل آگئی بچو!
ہے یہ تمہیں کس کی نظر کھا گئی بچو!

بچو! تمہیں قسمت نے نہ پروان چڑھایا ۱۷۸ حسرت رہی ماں نے تمہیں دولہا نہ بنایا
پیدا ہوئے جس دن سے، تمہیں چین نہ پایا دیکھی نہ جوانی کہ پیام اجل آیا
ہے یہ چین دہریں بچو لے نہ چلے تم
جب فصل بہاری کے دن آئے تو چلے تم

میں روتی تھی در پر مجھے سمجھانہ گئے تم ۱۷۹ دروازے پر دم بھر کے لیے آنہ گئے تم
ہے یہ دولہنیں بھی مجھے دکھلانہ گئے تم پیلاسے تھے مگر جانبِ دریا نہ گئے تم
جیتی ہے وہ ماں جس کے گزر جانے کے دن تھے
یہ بیاہ کی راتیں تمہیں کہ مرجانے کے دن تھے

خاموش ایسے اب کہ تڑپتا ہے دل زار ۱۸۰ کافی ہے رُلانے کو تری درد کی گرفتار
 اس جنس کا گرجا آج نہیں کوئی خریدار فیتا ہے لیکن شرِ مظلوم کی سرکار
 افسردہ نہ ہو غمِ پیمہ اُمید کھلے گا
 نکل جائیں گی آنکھیں وہ ہلہ تجھ کو ملے گا

مرثیہ (۱۱)

جب حضرت زینبؓ کے پسر مر گئے دونوں ۱ تھا شور کہ پیاسے لب کو تر گئے دونوں
چھوٹے تھے مگر نام بڑا کر گئے دونوں دربار محمدؐ میں برابر گئے دونوں
زہرا کی طرح عاشقِ اولاد تھی زینبؓ
بیٹوں کا تو ماتم تھا مگر شاد تھی زینبؓ

دو بیٹوں کے مرنے کی یکایک خبر آئی ۲ نے روئی، نہ ماتم کیا، نہ خاک اُڑائی
منہ سے نہ کہتا یہ کہ کئی کس کی کائی پوچھا تو یہ پوچھا کہ سلامت تو ہیں بھائی
بھی نہ کہ مونیاسے یہ پیارے گئے کس کے
یہ بھی نہ کہنا لاؤ لے مارے گئے کس کے

فرزندوں سے ماں کو کوئی ہوتا نہیں پیارا ۳ جن بیٹوں کی عاشق تھی انہیں بھائی پہ وارا
بے دم ہوتے دو محل پہ دم اس نے نہ مارا پوچھا نہ کہ جنت کی طرف کون سدا ہارا
چادر نہ گری سرے نہ ہیں آئی جبیں پر
دو شکر کے سجدے کیے جھک جھک کے زمیں پر

پڑے کے لیے آئیں جو سب بیبیاں باہم ۴ فسر مایا بھرے گھر میں مناسب نہیں ماتم
ہے نہ کہ دھاجو کچھ مجھ کو نہیں غم مانگو یہ دماغ خلق میں بھائی کا رہے دم
کونین میں تہے جڑے پیاروں کے بڑھے ہیں
میں جانتی ہوں آج وہ پروان چڑھے ہیں

کچھ قائم و اکبر سے سوا ان کا نہ تھا پیلہ ۵ کیوں روؤں سلامت رہی دونوں بڑے دلدادہ
سوا ایسے پسر ہوں تو نثارِ شہرِ ابرار میں شاد ہوں رحم ان پر کہے ایندھ غدار
جب تک نہ وہ مارے گئے تھے مجھ کو قلع تھا
حق بھائی کا مجھ پر تھا تو ان پر برا حق تھا

تھی مجھ کو بڑی فکر کہ کیا ہوگا اہی ۶ پردونوں نے جوابات کہی تھی وہ نہا ہی
مرتے نہ پسر آج تو تھی ماں پہ تب ہی میں کہتی تھی جو ہوتا تھا میدان کو راہی
سردینے کورن میں نہ شہر جن و بشر جائیں

میں نے تو دعا کی تھی کہ پہلے ہی مر جائیں
مجھے ہیں بڑا نام کیا خوب وفا کی ۷ ہر ضرب پہ خود قبضہ عالم نے شملہ کی
سستی ہوں اُلٹ دی تھیں مغنی اہل جفا کی میں ایسی نہ تھی کچھ یہ عنایت ہے خدا کی
ہاں صاحب بہت تھے وف کر گئے دونوں
حق دودھ پلانے کا ادا کر گئے دونوں

مرنا مجھے دونوں کا مبارک کرے اللہ ۸ پائیں نظریں شکر کیں پر شہر ذی حباہ
کاشم کو تو قیمت نے دکھایا مجھے نوشاہ اب دھوم سے اپنے علی اکبر کا کروں بیاہ
تم روؤ نہ ماں ہو کے میں روئی نہیں لوگو
اکبر سے زیادہ مجھے کوئی نہیں لوگو

جب مر چکے زینب کے پسر فوج ستم میں مہم اور گلشن ہستی سے گئے باغ ارم میں
تاریک جہاں تھا نظر مشاہد اہم میں زینب نے بڑا حال کیا بیٹوں کے غم میں
چلائی تھی دولت بری سب لٹ گئی لوگو
پردیس میں فرزندوں سے میں چھٹ گئی لوگو

ان باتوں پہ زینب کی حسرم کرتے تھے ماتم ۱۰ میدان میں مبارز طلبی کرتے تھے اعظم
کچھ مشورہ تھا اکبر و عباس میں باہم قاسم کا ارادہ تھا کہ لیں رن کی رضا ہم
پر شدت گریرے نہ یارا تھا سخن کا
نشد ماں کا کبھی دیکھتے تھے نگاہ دلہن کا

مادر کا اشارہ تھا کہ کیا قصد ہے داری ۱۱ چپکے رہو گھو گھٹ میں دلہن کرتی ہے زاری
کہتا تھا پسر جان چپا سے نہیں پیاری کچھ آپ سفارش کریں اب ان سے ہماری
اکبر کو نہ مشیر کہیں ازل و فدا دیں
جی جیائیں اگر یہ ہمیں مرنے کی رضا دیں

زخمت کا سخن منہ سے نکلتا نہ ہمارے ۱۲ فرزند بھوپتی جان کے دنیا سے بدھارے
کچھ منہ سے نہیں بولتیں یہ شرم کے مارے خوریں ہمیں غزفوں سے یہ کرتی ہیں اشارے
کیا دیکھتے ہو پیار سے صورت کو دہن کی

اب سیر کرو اٹھ کے شہادت کے چمن کی
ہر چند نہیں دل کو فراق ان کا گوارا ۱۳ مجز خواہش تقدیر کچھ اس کا نہیں چارا
والشہ کہ مدد سے کلیجہ ہے دوپارا کس وقت میں افسوس ہوا بیاہ ہمارا
کیا راحت و آرام میں جلدی خلل آیا
باتیں بھی نہ کی تھیں کہ پیام اجل آیا

فق ہو گئی ماں، سن کے یہ فرزند کی تفسیر ۱۴ بانو نے کہا ہائے دری بچی کی تقدیر
ناہوش حق گھوٹ گھٹ میں دہن، صورت تصویر دولا کا سخن سن کے کلیجے پہ لگا تیر
چاہا کہ کہے کاش ہماری اجل آئے
کچھ منہ سے نہ نکلا مگر آنسو نکل آئے

جوں شمع ٹکی آتش غم فسق سے تا' پا ۱۵ رنگ اٹھنے لگا چا گیا چہرے پہ رنڈا پا
تصویر بنی غم کی دہن، بن کے سراپا پیشانی کا صندل بھی ہوا خاک کا چھاپا
پوشاک سے پیدا تھا کہ رنڈا سالہ ہے تن میں
کنگن سے یہ ثابت تھا کلائی ہے رسن میں

آنکھوں کو رنڈا پے کا نظر آ گیا سا ماں ۱۶ سینے پہ جلی وصل میں تیغ غم جبرائیل
خود ہو گئے سب ٹوندے ہوئے بال پریشاں ماتھے سے ستاروں کی طرح بکڑ گئی افشاں
وہ رشک جین غم سے جو سر گرم فعل تھی
ہر اکہ میں سہرے کے بھی پتھروں پہ خزل تھی

غم تھا کہ کوئی دم میں یہ مسند ہوئی خالی ۱۷ اب سر پہ رنڈا پے کی بلا چرخ نے ڈالی
کچھ منہ سے نہ کہہ سکتی تھی وہ ناز کی پالی یہ ہونٹ چبائے کہ اڑی پان کی لالی
پڑتے تھے شک آنکھوں سے غلوں پہ ڈھل کر
وہ جلتی تھی وہ مہندی لگے ہاتھوں کو نکل کر

زانو پہ جھکا جاتا تھا سر شرم کے مارے ۱۸ سینے سے نکل جاتے تھے آہوں کے شرارے
وہ کہتی تھی اب ناگ سے نہ کوئی آناکے روروں کے سکینے سے یہ کرتی تھی اشارے
ہیں تاش کے جوڑے کو بس اب آگ لگا دو

سادے ہوں جو کپڑے وہ مجھے لاکے پنہا دو
کھولو اے کنگن سے بس اب ہاتھ اٹھایا ۱۹ کیوں ہائے یہ کنگن، مجھے اماں نے پنہایا
بیٹی کو رنڈاپے کی مصیبت میں پنہایا کیا ان کا بچاڑا، جو دہن مجھ کو بنایا
مر جانے کی رخصت کے طلبگار ہیں مجھ سے

سو نیا تھا جنہیں وہ بھی تو بزار ہیں مجھ سے
اب ہوتی ہوں بیوہ مجھے کسا چاہئے زیور ۲۰ کالی کھنٹی بریں ہو، اور نیلی سی چپا در
مسند مجھے اور خاک کا بستر ہے برابر قیمت میں لکھا تھا کہ پھروں شہروں میں دور
کیا کہتے مقتدر تھا عجب واہ ہمارا
جنت کے مسافر سے ہوا بیاہ ہمارا

دو لعل نے جو دیکھا کہ دہن غم سے ہے مضطرب ۲۱ چلنے لگے سینے پہ غم و درد کے خنجر
اک آہ صبری، زرد ہوا چہرہ انور ٹھک کر کہا، زانو سے اٹھاؤ تو ذرا سر
للتد نہ رو تو تمہیں سمجھاتے ہیں صاحب
کچھ بات کرو مرنے کو ہم جاتے ہیں صاحب

اب پھر کے نہیں آنے کے ہوتی ہے جدائی ۲۲ حسرت ہے کہ آواز بھی تم نے نہ سنائی
تقدیر نے، آئینہ میں صورت تو دکھائی پھر شان نہ اس معصوم رخ کی نظر آنی
لب بندی رکھے، در گفتار نہ کھولا
ان نرگسی آنکھوں کو پھر اک بار نہ کھولا

کچھ بات کرو ہم سے کہ فرصت ہے بہت کم ۲۳ راحت سے، خوشی سے جو گذر جائے کوئی دم
اک آن میں صحبت یہ کہاں اور کہاں ہم ہو جائے گا شادی کا مکان، خانہ ماتم
نندان مصیبت تھیں رونے کو بٹے گا
اور گوشہ تربت ہمیں سونے کو بٹے گا

تولہ روئے سے دامن جسم مرا ہووے گا صد چاک ۲۴ ٹوٹیں گے مدد آن کے یاں بیاہ کی پوشاک
بھر جائے گی اس مانگ میں مندل کے عوض خاک کنگن نہ نکلے گا کہ رسن باندھیں گے سفاک
خنجر مری گردن سے کوئی دم کوٹے گا

رند سالہ نہ تم کو، نہ کفن ہم کوٹے گا
ہم چوڑے تنہا نہ تمہیں گھر سے نکلتے ۲۵ سایے کی طرح پاس سے اک آن نہ ملتے
اس گل سے کف پائے سدا انگھوں کو ملتے کیا کیجئے ہیں تیسر چپا جان پر چلتے
سو بار ہوں مدتے تو نہ حق اُن کے ادا ہوں

مظلوم کا پھر کون ہے گر ہم نہ فدا ہوں
انصاف کرو تم کہ عجب سخت گھڑی ہے ۲۶ عمو تو اکیلے ہیں ادھر فوج گھڑی ہے
دُنیا میں کسی پر بھی مصیبت یہ پڑی ہے دل پاس تمہارے ہے ادھر جان لڑی ہے
کیا جانئے کیا وقت اجل ہووے گی مشکل
رخصت ہیں اب دوگی تو صل ہووے گی مشکل

اک جان بستم کش پہ عجب رنج و تعب ہے ۲۷ سُنا ہوں میں عباس کو رخصت کی طلب ہے
یاں پاس محبت ہے تو واں جائے ادب ہے فُرت بھی قیامت ہے نہ جانا بھی غضب ہے
ہوں کس سے جدا کس پہ تصدیق کروں سر کو
الغبت تو ادھر کیسیتی ہے، موت ادھر کو

چلتی ہیں زہرا درے گل پسیر ہن آؤ ۲۸ سہرا مجھ دکھلانے کو ہیں حسن آؤ
بابا کی صدا ہے کہ مرے صفت مشکن آؤ اس بیاہ کی غلٹ کو، بنا کر کفن آؤ
بجھتا ہے سپراغ آج محمد کی لحد کا

اے لال یہی وقت ہے عمو کی مدد کا
جس وقت سنی درد کی تقریر یہ ساری ۲۹ تا دیر تو بولی نہ دہن شرم کی ماری
دو لہانے رکھا پاؤں پہ جب سرمئی باری آہستہ کہتا آہ یہ تقدیر ہن ساری
سبھی میں یہ بس عجب کو نہ سمجھائیے صاحب
کیا زور مرا اخیر چلے جائیے صاحب

ہے آپ کو منظور مرا راند بنانا ۳۰ راس آیا نہ صاحب کو مجھے بیاہ کے لانا
آتا مرا اور آپ کا سر دینے کو جانا روکوں تو کہو گے، مرے کہنے کو نہ ملتا
اتنا تو کہے جاؤ کہ کب ہوگی ملاقات

دو لہانے کہا، حشر میں اب ہوگی ملاقات
گنبد رانے کہا میں تمہیں وہاں پاؤں گی کیوں کر ۳۱ وہ بولے کہ آنا طسرت چشمہ کوثر
ہوگا وہیں پیاسا شہر مظلوم کا لشکر زہرا بھی وہیں ہوں گی، وہیں ہوں گے ویمیر
صفت ہو گئی فرشتوں کی دربار باغ ارم تک
خوریں تھیں پہنچا سکیں فردوس میں ہم تک

فرما کے یہ مسند سے جو اٹھا وہ خوش اقبال ۳۲ بولی نہ وہیں کچھ پہ ہوا ماں کا مجب حال
چٹائی کہ مرنے کو چلا ہائے مرا لال نسیا دے مجھ راند کی گھیتی ہوئی پامال
پردیس میں چھوٹے چلے جاتے ہیں دہن کو
اے بی بیو رو کو کوئی فسر زند حشر کو

وہاں پڑے کو زینب کے جو تھے جمع حرم سب ۳۳ غل پڑ گیا لو اور قیامت یہ ہوئی اب
گنبد را کو رنڈا پے سے بپا لیمبو، یارب بیشانہ گیا اٹھ کے لگی پیٹنے زینب
بہی کے لیے غم سے موی جاتی تھی بانو
بچے کو لیے گود میں تھرتاتی تھی بانو

سب خیمہ قاشم میں جو آئے ہر دل زار ۳۴ دو لہانہ نظر آیا انہیں باندھے ہوئے اختیار
رضعت ہوا مادر سے یہ کہہ کر وہ دل انگار اس وقت رہی آپ فدا میں سے خبر دلا
جو بات مناسب ہو وہ سمجھاؤ ان کو
لاش کتے جو میری تونہ دکھلاؤ ان کو

ڈیوڑھی پہ یہ تقریر کھڑے سنتے تھے سرور ۳۵ عباس سے فرمایا کہ اے حبیبی براہور
قاشم سے بھی لو ہم کو چھڑاتا ہے مقتدر رائد اب ہوئی ایک رات کی بیاہی بری دختر
اب میر ہو کیوں کر دل مضطر ہے ہمارے
بھائی کی بھی اولاد چلی گھر سے ہمارے

بس اتنے میں قدموں پر گرا اُن کے نوشاہ ۳۶ کی عرض کرنے کی رضا دیجئے اللہ
لپٹا کے گلے لے مشیر نے کی آہ فرمایا کہ رخصت ہے بڑا صدمہ جانکاہ

پر غمیز چچا بیکس و مجبور ہے میٹا

حبّاد یہی اللہ کو منظور ہے میٹا

میں دیکھتا تھام کو جو یاد آتے تھے بھائی ۳۷ گویا کہ ہوئی آج برادر سے جدائی
ماتم بھی دکھایا ہمیں شادی بھی دکھائی تم مرنے چلے اور نہ ہماری اجیل آئی

کیا جانتے تھے ہاتھ سے ہیں کھوئیں گے تم کو

تم ہم کو نہ روؤ گے ہمیں روئیں گے تم کو

مرنے چلے جب شان سے چلنے کے دن آئے ۳۸ ملتے میں پٹے دھوپ میں چلنے کے دن آئے
مڑھلتے کھجور سبزے کے چلنے کے دن آئے رُت پھر مٹی، جب پھوٹنے چلنے کے دن آئے

افسوس مزا عالم فانی کا نہ دیکھا

کچھ تم نے مٹا بارغِ جوانی کا نہ دیکھا

مدتے ہو چچا پاس تو آؤ مرے پیارے ۳۹ بیتاب ہے دل، گرد پھروں گامیں تمہارے
وہ پاؤں پہ حضرت کے مجھ کا شرم کے مارے لپٹا کے گلے سے شہر والا یہ پُکارے

دے مبرا لہی، کہ قسید آئے جگر کو

اُمت پہ فدا کرتا ہوں بھائی کے پسر کو

بیٹی کے رنڈاپے کا بھی کچھ مجھ کو نہیں غم ۴۰ خوشنود اگر تو ہے تو شادی ہے یہ ماتم
ہے لکھنؤ رزا، زخمِ جگر کا مرے مرہم مقبول مری نذر ہو اے خالقِ عالم

ہر چند کہ دہیہ ہے یہ کیا، اور میں کیسا ہوں

سو باریوں مر کے تو سو بار فدا ہوں

یہ کہہ کے کیا چاک بیتیجے گا گریباں فدا مایا کفن ہے یہی پوشاک مری جاں
ماں ڈیوڑھی سے چلاتی کہ اللہ نگہاں بس شان سے گھونٹے پہ چمے قائم دی شان

مقتل میں جو بیغم کی طرح نعرہ زن آئے

تھا شور کہ بھائی کی مدد کو حشرن آئے

دلی دن کی رضا شاہ نے جب اپنی محسن کو ۴۲ ایک عید ہوئی مرنے کی اس غنیمت وہی گو
شیراز چلا تیغ بہ کھنٹ نیچے سے دن کو اعدائے کہا دیکھ کے اس رشک چمن کو

نور حسن چہرہ زیبا سے عیاں ہے

بہم شوکت و شان اسد اللہ یہ جواں ہے

شمع حرم لم یزل تناسل بالہ ۴۳ پایا یہ کہناں ماہ و دو ہفتہ نے اُجلا
نشانے پر کماں بر میں زرد ہاتھ میں بھالا ایک محسن کی تصویر تیار وہ گیسوؤں والا
نقشہ کسی انساں کو اگر دے تو حق ایسا

عالم کے رقع میں نہیں ایک ورق ایسا

تھا مولت و شوکت سے عینوں کا جگر اب ۴۴ لڑنا تو گجا آنکھ نلانے کی نہ تھی تاب
چہرے کی لطافت پہ تعمد قی کل شاداب غیرت سے اڑا جاتا تھارنگ رخ مہتاب

حق نے رخ روشن کو جب نور دیا تھا

خورشید نے بھی شرم سے منہ پھیر لیا تھا

حیران تھا لشکرِ ملک ہے کہ بشر ہے ۴۵ گیسو ہے کہ ہالہ ہے جس میں ہے کہ قر ہے
یہ ابروؤں کی بیت ہے یا حسن کا گھر ہے پلکیں ہیں کہ سونبتہ شہبازِ نظر ہے

یاں دیدہ آہو بھی ٹکا ہوں سے گرے ہیں

انگلیں ہیں کہ دو شیر نیتاں میں گھرے ہیں

بولا کوئی بے درد کہ لڑاکا ہے یہ جانباز ۴۶ نکلا ہے نہ سبزا نہ میں ہیں ابھی آغاز
تیور میں مگر شیر کی چتون کا ہے انداز برگشتہ ہے اس سے فلک تفرقہ پرواز

آتی ہے مہک بیاہ کے پھولوں کی بدن سے

کس وقت میں دولا کو چھڑاتا ہے ٹولہن سے

گذری جو شبِ عقد تو قیمت نے ڈلایا ۴۷ جلتے تھے خوشی میں مگر آرام نہ پایا
قیمت نے اُسے سندِ شادی سے اٹھایا مرنے کے سوا اور ہے کو نہ بن آیا

دیجھا ہے ٹولہن کو جو محبت کی نظر سے

ب دیکھتے ہیں مجھے کو حسرت کی نظر سے

حسنِ حسن و شانِ حسین ہے نمودار ۴۸ کیا بیاہ کے جوئے پہ بھلے لگتے ہیں ہتھیار
ہے دستِ حنائی میں عجب شان سے تلوار کرتی ہے زرہ خوبی اندام کو اظہار
باندھا ہے کر بندہ شہرِ عقدہ کشا کا

عالم ہے سر پر حسنِ سبز قبا کا
فانوس میں ہے شمع کہ ہے رختِ بدن میں ۴۹ رخساروں پہ گیسو ہیں کہ ہے چاند گہن میں
ہر شخص کی آنکھوں کو چکا چوند ہے رن میں سہرے میں یہ چہرہ ہے کہ شمع ہے کرن میں
تڑپے گا وہ تربت میں جگر بند ہے جس کا

کیا گزرے گی اُس ماں پہ یہ فرزند ہے جس کا
رخسارِ روشن ہیں کہ دو آئینہ نور ۵۰ ٹھہرے نہ بھی جن کی مغا پر نظرِ محور
بینی کی ضیا پائے کہاں شمعِ سرِ طور گر لب کو کہیں لعل تو یہ عقل سے ہے دور
وہ سنگ ہے پھر سنگ میں گویائی کہاں سے
گویائی بھی یک سو یہ میسائی کہاں سے

غیموں کے کہاں پائے لب ایسے دہن ایسا ۵۱ باتوں میں غرہ قند کا مشیریں سخن ایسا
ہے عکس سے ملبوسِ گلانی بدن ایسا قل تھا کہیں دیکھا نہیں گلِ پیرہن ایسا
اندازِ سراپا ہے عجب لطفِ بلا ہے
جنت کا چین سامنے آنکھوں کے کھلا ہے

یوسف نے یہ ترکیب یہ صورت نہیں پائی ۵۲ یہ بو، یہ مباحث یہ ملاحظت نہیں پائی
ہے سر و بھی خوش قدم یہ یہ قامت نہیں پائی گل نے یہ لطافت یہ نزاکت نہیں پائی
گلدستہ عالم ہے کہ مجموعہ ہے تن کا
دولہا کا پسینہ ہے کہ ہے عطرِ دہن کا

آنکھیں وہ غزلانِ خن جن پہ تصدیق ۵۳ رخسار وہ نازک۔ کہ چین جن پہ تصدیق
لب ایسے کہ سو لعلِ بین جن پہ تصدیق دانت ایسے کہ درہائے عدن جن پہ تصدیق
دانتوں سے لڑائے کوئی موتی کی لڑی کو
ہو جاتیں گے یا قوت کے نگ، کوئی گھڑی کو

دیکھیں تو صفائی کو ذرا صاحب انصاف ۵۴ یہ شمع بجتی ہے کہ ہے گردنِ شغاف
شانوں کی ہے شوکتِ عیاں، شانِ حسنِ مہات ہاتھوں کے ید اللہ سے پوچھے کوئی ادھات

پنچے کے لیے ہیں، نہ کلاتی کے لیے ہیں

یہ انگلیاں سب عقدہ کشائی کے لیے ہیں

ہر چند کہ ملبوس میں مستور ہے سینہ ۵۵ روشن صفتِ روشنی طور ہے سینہ
ظاہر ہے کہ اک آئینہ نور ہے سینہ اللہ کے اسوار سے معمور ہے سینہ

نے بدر میں یہ نور، نہ یہ مہر میں منور ہے

تیکم تو ستارا ہے، گریباں مہ نور ہے

باریک ہے کیا ذہن میں، وصع کمر آئے ۵۶ سورنگ سے بلند ہیں اے جو شے نظر آئے
یہ فکرِ رسا جائے کہاں اور کدھر آئے ممکن ہی نہیں، یہ کہ عدم کی خبر آئے

واں پیکِ خسر و حکمِ رسانی نہیں دیتا

یاں تارِ نظر ہے کہ دکھائی نہیں دیتا

ثابت قدمی میں کوئی اس کا نہیں ہمسر ۵۷ تل جاتے زمین پر یہ نہیں ہٹنے کا، صغیر
ہے اس کے لیے کاغذ سے کم، کوہ کا لشکر جانباز ہے، نعتِ جگر حیدرِ صغیر

زور ان کا کسی جنگ میں گھٹنے نہیں دیکھا

پچھے قدم اس کا کبھی ہٹنے نہیں دیکھا

اتنے میں رجبِ پڑھنے لگے قاسمِ نوشاہ ۵۸ آگاہ ہو، آگاہ ہو، آگاہ ہو، آگاہ
داوا ہے ہمارا اسد اللہ ید اللہ عتوہیں حسین ابن علی سیدِ ذی جاہ

میں نعتِ دلِ فاطمہ کا نعتِ جگر ہوں

پانی میں جسے زہر دیا، اُس کا پسر ہوں

دادی شرفِ آشیہ و مریم و سارا ۵۹ خود نور سے اپنے جسے خالق نے سنوارا
میں ہوں فلکِ عز و شرافت کا ستارا روشن ہے نسب، صورتِ خورشید ہمارا

حیدر سے جدا ہیں نہ پیمبر سے جدا ہیں

قرآن سے ثابت ہے کہ ہم نورِ خدا ہیں

سب جانتے ہیں پیغمبر پاک کا رتبہ ۴۰ آدم سے کیا پہلے خدا نے انہیں پیدا
کی شیر خدا نے مدد حضرت موسیٰؑ تھا طور پر بھی، نور محمد ہی کا جلو
داخل سخن اپنا یہ تعلیٰ میں نہیں ہے
روشن ہے کہ تکرار تجلیٰ میں نہیں ہے

عالم میں بزرگ اپنے نمودار رہے ہیں ۴۱ اسلام کی رونق کے طلبگار رہے ہیں
ہر جنگ میں سر دیئے کوتاہ رہے ہیں مشکل میں رسولوں کے مددگار رہے ہیں
کام آتے ہیں ہر دکھ میں یہ ہے کام ہمارا
آفت سے چھٹا جس نے لیا نام ہمارا

ہم صاحبِ شمشیر ہیں ہم شیر جری ہیں ۴۲ ہم بندۂ مقبول ہیں عصیاں سے بری ہیں
دنیا سے کوئی دم میں عدم کو مفری ہیں کیا سمجھیں جو وہ مست نے بے خبری ہیں
دیوے گا خدا داد جو بیدا کر دے گئے
بھولے ہوا بھی تو یہ بہت یاد کر دے گئے

جان و دل زہرا کے عبث درپے جاں ہو ۴۳ کس سمت کو بیکہ ہوئے پھرتے ہو کہاں ہو
افسوس کہ جو مصعب ناطق کی زباں ہو سب پانی پیتیں اور وہی تشنہ دہاں ہو
ہیں سیکڑوں تنہاں علم اک جان کی خاطر
دنیا میں یہی ہوتی ہے ہمان کی خاطر

سید نے جو کی ہو کوئی تفسیر تو کہہ دو ۴۴ جوڑا ہو کہاں میں جو کوئی تیر تو کہہ دو
چیمینی ہو کسی شخص کی جاگیر تو کہہ دو اُمت پہ کبھی کھینچی ہو شمشیر تو کہہ دو
تم لوگوں نے کس روز نہیں جبر کیا ہے
اس مابرو شا کرنے سدا مبر کیا ہے

آباد تھے مرجانے پہ سب ہمد و یاور ۴۵ فرمایا کہ اُمت سے لڑائی نہیں بہتر
تا بوقت پہ بابا کے لگے تیر جو ستر لے جا کے انہیں دفن کیا ماں کے برابر
کیا مبر ہے دو بھانجے بے جان پڑے ہیں
اُس دن کی طرح آج بھی خاموش کھڑے ہیں

تم یہ نہ سمجھنا کہ وہ ہیں جنگ سے جاری ۶۶ باعث ہے فطاریہ کہ ہے آنت انہیں پیلی
ہے غیظ ہمارا، غضب ایزد باری جب شہرل سے رکتی نہیں تلوار ہماری
جن روزوں میں داؤد سے جنگ تھی تھی

دہشت سے بنی جان کی جانوں پر بنی تھی
وہ طاہر و اطہر ہوا اگر معسر کہ آرا ۶۷ معلوم ہو حملہ اسد اللہ کا سارا
آگاہ ہو، کس طرح کہو عسرو کو مارا مصہام کا ایک وار ہوا کس کو گوارا
واللہ اگر اک دم کو وہ مصہام عسلم ہو

ہر روح کو اس دم ہویں ملک عدم ہو
سردار ائم، محرم اسرار محمد ۶۸ مہر و اسد اللہ کا، دلدار محمد
دلدار و دل آرام مددگار محمد مدد و ملک مالک سرکار محمد
سرور کہو اسلام کا اس مالک نکل کو

آرام دو ایک دم دل سردار رسول کو
کس کا اسد اللہ سا ہوا والد مرحوم ۶۹ حلال ہم، مالک شکر طاہر و معصوم
صدر دوسرا، رحم دل و سردور مہوم آسودہ ہو ہر سالک و گمراہ و محسوم
معصوم کا دلدار ہو سارا ائم ہو
اولاد کا، اس عالم و عادل کو عالم ہو

اس طرح کا والا ہم اس طرح کا سردار ۷۰ اس طرح کا عالم کا محمد اور مددگار
وہ معذر الہام احد، محرم اسرار وہ اصل اصول کرم داویر و دار
جامیل، اگر اک مرد دل آگاہ کو مارا
مارا، اگر اس کو اسد اللہ کو مارا

قبضے پہ اگر ابن علی ہاتھ دھرے گا ۷۱ دیکھیں گے کہ سینے کو سپر کون کرے گا
اک دم میں یہ میدانِ ستم، خوں سے بھرے گا جو تیغ سے نکالے گا دہشت سے مرے گا
شکر کو آنت دس گے انہیں قیظ جب آیا
تیغ اسد اللہ کھینچی اور غضب آیا

اُن کا تو ہے کیا ذکر اگر حکم دیا دیں ۷۲ واللہ سلام تن کے ابھی تم کو پہنچا دیں
مہربان اللہ کا اندازہ دکھا دیں نونو کے سرگرم میں نہیں پہرے اڑا دیں
دکھن میں سے میں آیا ہوں جرأت مری دیکھو

سین دیکھو ہرا اور شہ جہاں مری دیکھو
کیا دیر ہے منہ پر مری شمشیر کے آؤ ۷۳ دیکھوں تو بھلا کچھ ہنس نہ جگ دکھاؤ
بولہا پر سعد سواروں سے کہ جباؤ ہاں قائم نوا کا سرکاش کے لاؤ

وامداد کا دو داغ امام مدنی کو
ٹھنڈا کر دینوں سے چراغِ حسن کو
باتوں پہ نہ جاؤ، سخن ان کے ہیں اثر دار ۷۴ پیچھے نہ بٹے پاؤں دم جنگ خبر دار
پہل پاتیں گے اس سرو کے کانٹے سے تبر دار سر لائے گا جو اس کا کر دیں گائے سروا

نیزوں سے جو بچ جائے تو شمشیر سے مارو
شمشیر نہ کھائے تو اسے تیسرے سے مارو

دریا کی طرح فوج کو جنبش ہوتی یک بار ۷۵ تیغوں کی اٹھی موج میان صفتا
ڈھالوں کا ہوا، ابر سیہ رن میں نمودار بدلی جو ہوا پڑنے لگی تیسروں کی بوجھار

بیٹھا وہ جسری تیغ پر کت اہل جنائیں
بھلی سی لگی کو ند نے ڈھالوں کی گھٹائیں

اک برق اجل فوج ستمگار پہ آئی ۷۶ تیغ آئی کہ آفت سرِ شہسوار پہ آئی
آئی گئی اس کو بھی جو تلوار پہ آئی دو ہو گیا اسوار تو رہوار پہ آئی

راکب نہ گرا تھا ابھی شہرنگ کے نیچے
یزین کے اوپر سے گئی تنگ کے نیچے

جو جنگ کے قابل تھے ہوئے وہ نہ مقابل ۷۷ تھراتے تھے سینوں میں جگڑا کپتے لٹھے دل
تلوار کا پانی تھا کہ تھا زہر ہلاہل کیا رتے کہ خود قتل ہوئے جاتے تھے قاتل

مہلت نہ ٹھہرنے کی نہ دم لینے کی مہلت
بل جاتی تھی ہاں راہِ دم لینے کی مہلت

نوشاہ نے پائی تھی عجب ہمتِ عالی ۷۸ حملہ کیا جس صفت پہ وہ صفت ہو گئی خالی
تلوار نے آفتِ سرِ مختار پہ ڈالی لڑنے کے لیے تیغ و سپر جس نے سنبھالی
تلوار کا آنا ہوا ثابت نہ معیں پر

دو ٹکڑے نظر آئے برابر سرِ زیں پر
اک حملے میں آخر ہوئی پہلے صفتِ اول ۷۹ دو ہاتھ چلے تھے کہ اُدھر پڑ گئی ہلچل
اعداء کا گٹھ زور پھٹا ڈھالوں کا بادل سرکٹ گئے یہ برجیوں بھالوں کو بلا پھل
بھالے سے جو بن مارے نہ دشمن کو پھرے تھے
اک نیزہ سران لوگوں کے کٹ کٹ کے گرے تھے

سہے یہ کماندار کہ رخِ جنگ سے پھیرا ۸۰ چلائے کہ حلقے میں ہمیں موت نے گھیرا
تھا غیظ سے نوشاہ کی آنکھوں میں اندھیرا نعرہ تھا کہ ہاں وار کوئی روکے تو میرا
میں دست بہ قبضہ ہوں وہ جانباز کہاں ہیں
گوشوں سے تو نکلیں قدر انداز کہاں ہیں

تھا مضطرب حیراں پر سرِ سعدِ ستار ۸۱ پیہم یہ خبر دار خبر دیتے تھے اگر
سرداروں کے سرکٹ گئے پسپا ہوا لشکر دریا تلک آپہونچا ہے لغتِ دلِ شہر
اس شیرِ غضبناک کو ٹوکا نہیں جاتا
سب کہتے ہیں بھل کو تو روکا نہیں جاتا

کس طرح سے اس جماعت کو دار کور و گیس ۸۲ کس ڈھال پہ شمشیرِ شرِ بار کور و گیس
سو بجلیاں گرتی ہیں اگر اک دار کور و گیس تلوار کور و گیس کہ وہ رہوار کور و گیس
دونوں کا بدن آب اور آتش سے بنا ہے

اک برقِ جہنم ہے تو اک نیلِ فنا ہے
گھبرا کے کہا اُس نے کہ ازرق کو بلالا ۸۳ آیا وہ جفا کا ڈسنبھالے ہوئے بھالا
بولایا عسکر ہو گیا لشکر ت و بالا گھوڑے کو مگر تو نے پرے سے نہ نکالا
جا کر کوئی اس صفت و جزو کو ملے

نزدیک ہے اگر کسی سردار کو مارے

ہر سال تجھے ملتا ہے اسپ وزر و انعام ۸۳ سردار کے کام اگر شجاعوں کا یہ ہے کام
 شہرہ تری شمشیر کا ہے روم سے ناشام ڈولھا کو مٹا دے تو بڑا ہوگا بڑا نام
 شور آب دم تیغ کا اس کے لب جو ہے
 گریاں تلک آیا تو نہ پھر میں ہوں نہ تو ہے
 سالار تری لشکر ہے ترے نام پہ مرقوم ۸۵ ہے چار طرٹ آج شجاعت کی تری دھوم
 رستم سے ہوا جنگ کے فن میں تجھے معلوم تو جانتا ہو بے سدا پسر سیدِ مسموم
 داماد کا غم دے شہر آوارہ وطن کو
 دیکھا نہیں سر پہیئے اک شب کی دہن کو
 یوں کہنے لگا میں بہ جہیں ہو کے وہ مغرور ۸۶ لڑکے سے لڑوں میں یہ تری عقل سے ہے دور
 اس فوج پہ تو گو کہ حکومت پہ ہے مغمور یہ ننگ کسی طرح نہ ہوگا مجھے منظور
 مارا ہے ہزاروں کو مری دھاگ ہے سب میں
 ہو جیادوں کا بدنام شجاعانِ عرب میں
 مجھ سا کوئی عالم میں نہیں اور جواں مرد ۸۷ ہوں رستم و سہراب و زریاں کا ہم آدرو
 جلاؤ فلک کا ہے مرے خون سے مٹھ زرد پٹکوں جیسے میدان میں زمیں سے نہ اٹھے گرد
 پھٹ جائے کلیجہ جو سناں گیتو کو ماروں
 سرمہ ہو گر اک گز نہ گراں دیو کو ماروں
 تابندہ ہو رستم مرے آگے یہ نہیں تاب ۸۸ پیچھے میں جو پکڑوں نہ چھجے گردنِ سہراب
 چھیدوں دلِ ارجن جو کروں تیر کو پرتاب تلوار کو کھینچوں تو جگر شمشیر کا ہو آب
 اس طفل سے کیا جنگ کا آہنگ کروں میں
 میدان میں جیتیں آئیں تو ہاں جنگ کروں میں
 بولا پسر سعد کہ اس طفل کو پہچان ۸۹ یہ شیر کا فسر زندہ ہے لڑکانہ اسے جان
 رہتا ہے بڑکپن سے انھیں جنگ کا ارمان جانباز ہیں مگر کبھی نہیں چھوڑتے میدان
 جب تیغ کھینچے ان کی تو سرتن سے جدا ہیں
 یہ ہاشمی و مطلبی قہسبرِ خدا ہیں

انگھ ان کی جھپکتی نہیں لاکھوں سے دم حرب ۹۰ نے خوفِ بھلائی کو نہ رنج و الم و کرب
نوروں کے نہ نواؤں نہ ان لوگوں کی بگ حرب ایسا کوئی جبار نہیں مشرق سے مغرب

سر لاکھوں اتر جاتے ہیں چڑھتے ہیں جورن پر

تلواریں بھی کھلتے ہیں تو ہنس ہنس کے بدن پر

اس شیر کے فرزند کے فرزند میں یہ شیر ۹۱ اللہ نے بھی ہے جسے عرش سے شمشیر
تلوار کھنچی ان کی تو لاشوں کے ہوئے ڈھیر یہ سب سے زبردست ہیں اور ان سے ہیں سب زیر

ہم لوگوں کی ہے موت! جو زندہ ہیں یہ غازی

گر تیغ نہ ہو شیر درندہ ہیں یہ غازی

انگھ ان سے دم جنگ بھلائی نہیں جاتی ۹۲ بگڑیں تو کوئی بات بنائی نہیں جاتی
قاتلوں میں بئی ہاتھوں کی صفائی نہیں جاتی مڑے سے ہیں مغرب ان کی اٹھائی نہیں جاتی

بعض جو حسینی ہیں تو بعض حسنی ہیں

تلوار کے مالک ہیں قباغت کے دھنی ہیں

مرکش کو قدم آگے بڑھانے نہیں دیتے ۹۳ سوار کو چپے سے بھلانے نہیں دیتے
لٹنے میں میر چہرے پہ لانے نہیں دیتے بھاگیں تو کہیں بھاگ کے جانے نہیں دیتے

یوں آتے ہیں دشمن پہ یہ گھوڑے کو ڈپٹ کر

شیر آتا ہے جس طرح سے آہو پہ جھپٹ کر

گو طفل ہیں پر تیغ زنی ارث ہے ان کا ۹۴ یہ بطن سے مادر کے جری ہوتے ہیں پیدا
جانباز ہیں ایسے کہ نہیں جھلن کی پروا بڑھ بڑھ کے ہزاروں سے و خاکرتے ہیں تنہا

طفل میں جو لڑوں کے لیے کام عملی تے

گھواڑے میں اژدر کو بھی چیرا ہے کسی نے

ارزق نے کہا اگر چہ تری راست ہے گفتار ۹۵ پر میں تو نہ لڑے کہ یہ کبھی کیسیں گے تلوار
قتل اس کا ہے منظور تو ہیں میرے پس چار روئیں تن و زور آور و نام آور و جبار

مہر ہے ہر یک میری طرح جنگ کے فن کا

سر کاٹ کے لے آئیں گے فرزندِ حشش کا

یہ کہہ کے بڑے بیٹے ظالم نے کہتا جا ۹۶ ہاں تیغ سے اس طفل کا سر کاٹ کے لے آ
 تو زور میں بے مثل، شجاعت میں ہے یکتا یہ سن کے جفا جو نے لیا ہاتھ میں نیسا
 جولاں کیا گھوڑے کو پرے سے جو نکل کے
 بھاگے ہوئے بولے کہ چلا تھو میں اہل کے

بچنے لگے طبل و دف و نقارہ و قرنا ۹۷ گڑکا ہوا، نکلے وہ جوان، ہو چسے مرنا
 دیتا ہے شجاعوں کو مرانوں میں بھرتا ہاں تا با ابد نام رہے آج وہ کرنا
 غیرت کی ہے جا، نام بزرگوں کے بڑے ہیں
 یاں شمر و عمر، واں شہر منطوم کھڑے ہیں

نیز نے کاہستگار نے آتے ہی کیا وار ۹۸ قاسم اُسے رو کر کے پکارے کہ خبردار
 پھر گھوڑے کو چمکا کے جو آیا وہ جفا کار، بھل سی ادھر سے بھی چلی تیغ شہر ربار
 روکے کہے، ظالم کبھی یاں تھی کبھی واں تھی
 نیزے کو جو دیکھا تو نہ بوڑھی نہ سنائی تھی

تلوار کا ظالم نے کیا وار جھپٹ کر ۹۹ خالی دیا اس وار کو نوشاہ نے ہٹ کر
 دو لہانے جو حربہ کیا گھوڑے کو ڈپٹ کر دتلے بھی، سامد بھی، گرے تیغ سے کٹ کر
 نے تیغ، نہ چنب، نہ کلائی نظر آئی
 ایک ہاتھ میں ہاتھوں کی مفاہ نظر آئی

سہ سے گرا خود ہٹا وہ جو جھبک کر ۱۰۰ تھے بال بڑے، کھل گئے چہرے پر ٹٹک کر
 قاسم نے پینا اسے پنجے میں لپک کر سر سے ہوا او پٹا تو دیا گھوڑے پہ پٹک
 سمجھا تھا وہ کچھ، چہرے نے کچھ اور دکھایا
 گروش نے زلمے کی نیا دور دکھایا

ازرق کو زمانہ تہ و بالا نظر آیا ۱۰۱ دن چشم ستار میں کالا نظر آیا
 سب کو رخ قاسم کا اُجالا نظر آیا یہ چاند نظر آئے، وہ ہالا نظر آیا
 حیرت تھی قوت پہ ملک ابن حسن کی
 اس زور سے ہٹا کہ زمیں ہل گئی رن کی

اک بھائی کے مرتے ہی بڑھادوسرا بھائی ۱۰۲ اُس نے بھی لڑائی میں بہت جہان لڑائی
مہلت نہ مگر ہاتھ سے نو شاہ کے پائی آیا وہ ادھر سے کہ ادھر سے اجل آئی
دھونڈا کیے قائم بھی کہ کیا ہو گیا دشمن
اک برق سی چمکی کہ فنا ہو گیا دشمن

فسر زندِ سوم فوج سے نکلا صفت شیر ۱۰۳ تھا بجائیوں کے غم سے جہاں آنکھوں میں اندھیر
دولہ سے رہی رت و بدل نیزوں کی تاویر تھا گر چہ زبردست پہ قائم نے کیا زیر
دار اپنا یہ کرتے تھے جو وار اس کا بچا کر
رہ جاتا تھا غصے سے وہ ہونٹوں کو چبنا کر

لب پر جو ادھر سے ادباندہ سُمن آیا ۱۰۴ سُنتے ہی ادھر غیظ میں ابنِ حسن آیا
اس وقت کوئی توڑ نہ ظالم کو بن آیا بالائے دہاں نیزہ دندان شکن آیا
جاں بہر سفر تن کی سرائے نکل آئی
نیزے میں زباں چھد کے قبا سے نکل آئی

نیزے کو دبایا تو فرس سے ابھر آیا ۱۰۵ سیدھا جو کیا ہاتھ تو بالائے سر آیا
پھلی سا پھر رہے میں تڑپتا نظر آیا قائم نے کہا نخلِ دغا میں ٹھہر آیا
تلوار کو اُمت کے جو سردار پہ کھینچا
خلاقِ دو عالم نے اُسے دار پہ کھینچا

جو تھے کی طرف دیکھ کے قائم یہ پکارے ۱۰۶ تو آ کہ وہ تینوں تو جہنم کو سدھارے
تلوارِ علم کر کے چلا طیش کے مارے تھے دھنگ ادھر جنگِ ید اللہ کے مارے
فرصت بھی نہ حربے کی ملی دشمن دیں کو

اک ضرب میں دو کر کے کیا چار نعین کو
چاروں پھر اذوق کو نظر آئے جو بے دم ۱۰۷ اک آگِ غناہ میں بھڑکنے لگی اُس دم
طاری ہوا غصہ نہ ملی فرصتِ قائم باندھا کر نخس کو زنجیر سے محکم
بیٹے ہوئے سر بر جو نہ قتالِ حرب سے
آنکھیں پوئیں دو کا نہ خونِ جوشِ غضب سے

آیا وہ سہمگاری سبے اسلمہ تن پر ۱۰۸ شانے پہ کماں، رُخ پہ جھلم، فرق پہ مغفر
ترکش بھی دہن کھولے ہوئے صورتِ اثر در بر میں تو زورہ اور کبرخس میں غنمبر

کھن غیظ سے منہ میں سخن سخت زباں پر

اک ہاتھ تو شمشیر پہ اور ایک غناں پر

نیزہ صفت مار زباں منہ سے بکالے ۱۰۹ ترکش تھا کہ باہنی میں نظر آتے تھے کالے

تلوار کا منہ ایسا کہ فولاد کو، کھالے ڈھال ایسی کہ جو کوہ کے دامن کو چھپالے

گر زایا، فلک خاک کا پیوند ہو جس سے

چار آئینہ، وہ تیغ کا دم بند ہو جس سے

اور زیر زورہ پہنے تھا اس طرح کا بکتر ۱۱۰ خنجر نہ اثر جس پہ کرے اور نہ جم دھر

زنجیر سے باندھے تھا کریوں وہ سہمگر حلقے میں ہو جس طرح لیے کوہ کو اثر در

وہ رشک تہمتن تو فرس پیل دماں تھا

اسوار نہ تھا، کوہ پہ اک کوہ رواں تھا

چنگ اڑ کے رن میں صفت دیو پکارا ۱۱۱ کس شخص نے بیٹوں کو مرے جان سے مارا

قائم نے مسداوی، کہ یہ ہے کام ہمارا آفت ہے جو بیٹوں کی تو ہو معسر کہ آرا

ان بازوؤں میں زور ہے خالق کے ولی کا

تو ازرق شامی ہے، میں پوتا ہوں علی کا

شبیر نے اررق کو جو آتے ہوئے دیکھا ۱۱۲ بس بیٹھ گئے تمام کے ہاتھوں سے کلیجا

فسر مایا بڑا قہر ہوا آہ کروں کیا وہ دیو، یہ کمزور، وہ سیراب یہ پیاسا

گر تباہ ہے فلک گود کے پالے پہ ہمارے

اب بیچ پڑا گیسوؤں والے پہ ہمارے

یارب مرے قائم کو اس آفت سے بچالے ۱۱۳ بیکس کو سہمگر کی ضرب سے بچالے

کبر اکور نڈاپے کی معصیت سے بچالے بچ جائے جو تو اپنی عنایت سے بچالے

آہستہ پہ فدا کر چکا اولاد بہن کی

یہ فعل مرے پاس امانت ہے حسن کی

یہ کہہ کے جو بیتاب ہوئے شاہ خوش اقبال ۱۱۳ غل پڑ گیا لو باغ محسن ہوتا ہے پامال
 زہرا کی بیوی بیٹیوں نے کھول دیے بال ماں خاک پر یہ کہہ کے گری ہلتے ہرے لال
 پیٹی جو دہن سر کو تو گھبرا ئی سکینہ
 روتی ہوئی خیمے سے نکل آئی سکینہ
 یوں ہونے لگی قاسم و ازرق میں لڑائی ۱۱۵ نیزوں کی چمک دیکھتی تھی ساری خُدا ئی
 ازرق کی تو کرتا تھا مسر مدح سرائی اکثر کا یہ نعرہ تھا کہ ہاں اے ہرے بھائی
 اب گھوڑے کی ٹاپوں تلے پامال ہے ازرق
 تم شیر کے فرزند ہو کیا مال ہے ازرق
 پرکار سے میدان میں پھرنے لگے مرکب ۱۱۶ کہو کہ دیا نوشاہ نے واؤ اس نے کیا جب
 بندھتا تھا کوئی بند نہ بننا تھا کوئی ڈھب جرات میں ید اللہ یہ تھے اور وہ مرحب
 اُٹھتے تھے تشق گرو کے میدان بلائیں
 چنگاریاں اُڑتی تھیں سانوں سے ہوائیں
 نیزوں کی ہوئی رد و بدل ان میں برابر ۱۱۷ تھک تھک گئے پسا نہ ہوا وہ نہ یہ سر پر
 گھوڑے بھی تگ دو پوے پسینے میں ہوتے تھے تھے غیظ میں نوشاہ تو خفے میں رہتا
 وہ گونجتا تھا شیر کی مانند ادھر سے
 یاں یا اسد اللہ کے نعرے تھے مگرے
 قاسم پر اٹھاتا تھا وہ جب نیزہ خونخوار ۱۱۸ بگرتے تھے کیجے کو پکڑ کر شہر امداد
 اُٹھتے تھے سنبھل کر تو یہ چلاتے تھے ہر بار عورتوں کے سر بان بڑی جان غمبار
 طاقت تو نہ ہوئی تھیں تشنہ دہنی سے
 سینے کو پچائے رہو نیزے کی آئی سے
 نیزے تھے کہ دو مار نکالے تھے زبانیں ۱۱۹ جن سے نہ بچیں رستم و مہراب کی جانیں
 ملے تھے پہ شانوں سے نہ گریں تھیں کمانیں لڑو لڑو کہ گریں خاک پہ نیزوں کی ستائیں
 تم لاد جو کڑی ٹوٹ گئیں ڈانڈیں بھی لادو کہ
 غصے سے قابل ہوئے تیغوں کو پکڑو کہ

قائم کی طرف بڑھ کے لگا کہنے وہ بے پیر ۱۲۰ مشہور ہے دست ملک الموت یہ شمشیر
 خالی گئے نیزہ و گرز و تبر و تیر اے طفلِ مشن اب نہ بچے گا کسی تدبیر
 دو ٹکڑے کر دیں گاتھے کیتائے جہاں ہوں
 تو مورے کزور ہے میں پیل دماں ہوں

قائم نے کہا تول کے شمشیر دو دستی ۱۲۱ ایک دم میں نیزہ زور رہے گا نہ یہ مستی
 پہونچائے گی دوزخ میں تجھے کفر بدستی دیکھیں کہے ہو آج بلسندی کہے پستی
 حاکم جو ادھر ہے تو ادھر شاہ نجف ہے
 شیطان ترا حامی ہے ہذا میری طرف ہے

بہن کہا کے ستمگار نے غفے سے کہا ہاں ۱۲۲ قائم نے کہا اے یہی گو ہے یہی میدان
 بولایہ اٹھائیغ کو وہ دشمنِ ایمان لے وار مار روک ٹو اے کو دک نادان
 تھی پاس سپر پھر بھی نہ اس وار کو روکا
 نوشاہ نے تلوار کو تلوار پہ روکا

چمکائے وہی تیغ جو دشمن کو بتاتی ۱۲۳ ہٹنے کی بھی مہلت نہ ستمگار نے پائی
 ایک مدد سی آنکھوں میں چمکتی نظر آئی ظالم نے سپر سر کے پچانے کو اٹھائی
 احسن کا غل فوج کی انہو سے اٹھا
 معلوم ہوا ابر سیہ کوہ سے اٹھا

عاشقِ مہمادیتے تھے تلوار تیرے قرباں ۱۲۴ کس شان سے کرتے ہو دغا وادہ مری جاں
 وہ دیو ہے غریب کے پہلے نہ کار ہے دھیاں ہر وقت کا موقع ہے بڑھے جاؤ نہ اس آں
 زور پر دم شمشیر کے آنے دو لعین کو
 جاتا ہے کہاں مار لیا دشمن دیں کو

یاں مغر دشمن پہ گئی تیغ سپر سے ۱۲۵ مغر کو جو کاٹا تو بڑھی کاسہ سر سے
 بجلی سی چمک کز ادھر آئی جو ادھر سے گردن تھی جدا سینے سے اور سینہ کمر سے
 کیا ہاتھ جفا کار کو نوشاہ نے مارا
 جفا شور کہ رجب کو یہ اللہ نے مارا

بجلی سی اٹھی تنگ کے نیچے سے جو شمشیر ۱۲۶ لکار کے قائم نے کیا فصدہ تکبیر
یاں خاک پہ سجدے کے لیے جھک گئے مشیر شادی سے ہوا مرغ رخ اکسیر دلگیر
دی بڑھ کے صدا فوج کو عباس علی نے
کیوں کیا ہوا اس وار کو روکا نہ کسی نے

زہرا کی صدا آئی کہ دُولہا ترے واری ۱۲۷ اور گرد پھری رُوح حسن کی، کئی باری
ماں ڈیوڑھی سے لے لے کے بلاتیں یہ پکاری قائم ترے شربان یہ ماں درد کی ماری
میں کر چکی تھی سید ذی جاہ کے صدمے
پھر اتھیں قسمت نے، یاد اللہ کے صدمے

زینب کا جو تھا حال بہت غم سے پریشاں ۱۲۸ پھولی نہ سہائی یہ ہوئی خرم و شاداں
بانو نے کہتا جا کے دہن سے کہ بری جاں نو شکر کا سجدہ کرو، مشکل ہوئی آساں
زہرا کا ترے فسق پہ دامن رہے بیٹی
تو تا صدوی سال سہاگن رہے بیٹی

ماں خلق میں آباد تجھے چوڑے مرجائے ۱۲۹ دُولہا ترا قائم رہے تو خلق میں مکھ پائے
روتا ہوا تجھ کو کبھی اللہ نہ دکھلائے ہنستا ہوا میدان شہادت سے بنا آئے
کھلتے ہوئے بر میں گل امتیہ کو دیکھوں
مسند پر قرآنِ مد و خور شید کو دیکھوں

بیٹی تھی دہن شکل جو رانڈوں کی بنائے ۱۳۰ تھا سوچ کہ کیا دیکھتے تقدیر دکھائے
مردے جو خوشی ہونے کے قسمت نے سنائے یہ دل میں ہوئی شاد کہ آنسو نکل آتے
دُولہا نہیں آئے گا یہ ہرگز نہ خبر تھی
گھونگٹ نے کبھی ماں پہ کبھی در پہ نظر تھی

کچھ کہتے ہیں، ہیں شادی و غم خلق میں تو ام ۱۳۱ معلوم نہ تھا یہ کہ بچے گی صفت ماتم
دُولہا پہ ادھر ٹوٹ چڑا شکرِ ظلم تیغوں میں گھرنے بھجیاں چلنے لگیں بیہیم
تیرے لئے ہے سچا کچھ پائے جس میں پر
کٹ کٹ کر کھانے کے زمیں پر

زخموں کا لگا خونِ رکابوں سے ٹپکنے ۱۳۲ طاقت گئی رٹنے کی، لگا ہاتھ بہکنے
پانی کے لیے تن میں لگی رُوح پھوٹنے مزدِ مڑے سوتے خیر لگے یاس سے تنکے

سینے پہ رَسَنان، گرز لگا کاسہ سر پہ

تیور کے بھکے تھے کہ پڑی تیغ کمر پر

عتو کو صدادی کہ چچا جان خبر لو ۱۳۳ ہوتا ہے غلام آپ پہ قربان خبر لو
دُنیا میں کوئی دم کا ہوں جہان خبر لو تکلیف نہ دیتا مگر اس آن خبر لو

ذریعہ حیدر کی یہ توقیر ہوئی ہے

پامال ہمیں کرنے کی تدبیر ہوئی ہے

آوازِ حسن آنے لگی ہلے مرے لال ۱۳۴ سبزے کی طرح گل کو مرے کرتے ہیں پامال
گُہرائے ابر کھول دیے گوندے ہوئے بال دَوڑے طرفِ فوج شہنشاہِ خوش اقبال

داماد کا ماتم تھا، کمرِ ضعف سے خم تھی

تیغِ دو زبان دستِ مبارک میں علم تھی

امداد کو بھگا کر جو لگے دھونڈنے سرور ۱۳۵ پامال ہلے قاسمِ نوشاہِ سراسر
گودی کا پلا پاؤں رگڑتا تھا زمیں پر رو کر پسرِ فاطمہ نے پیٹ لیا سر

دیکھا جو حسن کو تن صد پاش سے لپٹے

چلا کے حسینِ ابنِ علی لاش سے لپٹے

رو کر کہا ہمدتے ہو چچا مُنہ سے تو بولو ۱۳۶ کیا حال ہے اے ماہِ لقائمُند سے تو بولو
بیٹا میں تڑپتا ہوں ذرا مُنہ سے تو بولو گرائے نہیں سکتے تو بھلا مُنہ سے تو بولو

مادر کو بڑا داغ دیے جاتے ہو قاسم

بیٹی کو مری رائد کیے جاتے ہو قاسم

یہ کہتے تھے جو موت کی ہچکی اُسے آئی ۱۳۷ مُنہ کھول کے حضرت کو زبانِ خشک دکھائی
خداوندِ عالم نے یہ آواز سنائی میں سارے کوثر ہوں ترے واسطے لائی

پنی لے اے اے لعل کہ تر مُنہ خشک گلا ہو

وادِی ترے سونکھے ہوئے ہونٹوں پہ فغا ہو

لب بند کیے قاسم نوشاہ نے یک بار ۱۳۸ یعنی نہ بیوں گا کہ ہیں پیاسے شہر ابرار
دنیائے سفر کر گیا وہ آئینہ رخسار لاش اُس کی چلنے کے شہر بیکس وہے یار

ڈیوڑھی پہ جو پہنچے تو کہا دیکھ کے سب کو

وہ آئے ہیں دولہا تاجن لیا جنہیں شب کو

ہے بنے قاسم کا ہوا شور جو در پر ۱۳۹ بانو نے کہناٹ گئی لوگوں مری دُخستہ

فسر زند کے لاشے سڑے پلٹنے لگی ماور سریشی ڈوڑی بشہ مظلوم کی خواہر

پھر کون رہے بنت علی جب نکل آئے

خیمے میں دلہن رہ گئی اور سب نکل آئے

اک شور اٹھا ہاتے غضب مر گئے قاسم ۱۴۰ سب خون میں سرتابہ قدم بھر گئے قاسم

شہر یوں کہ برباد ہمیں کر گئے قاسم پیاسے مرے گھرے لب کوثر گئے قاسم

لو خیمے میں لے جاؤ تم اس رشک چین کو

شرم آتی ہے میں منہ نہ دکھاؤں گا دلہن کو

ڈیوڑھی سے جو خیمے میں شہر بحر و بر آئے ۱۴۱ روتے ہوئے اچھ شرم سے گردن کو جھکائے

آغوش میں تھے لاشہ نوشاہ اٹھائے اکسب بھی تھے ہر لو پر را شک بہائے

خاموش آئیں اب نہیں طاق ہے بیاں کی

حالت کہوں کس منہ سے شہر کون و مکان کی

مرثیہ (۱۲)

پھولا شفق سے چرخ پر جب لالہ زار صبح ۱ مگر زارِ شب خزاں ہوا، آئی بہار صبح
 کرنے لگا فلک، زرا غم نثار صبح سرگرم ذکرِ حق ہوئے، طاعت گزار صبح
 تھا چرخِ اخگری پیہ رنگ آفتاب کا
 کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں مغلّاب کا
 چلتا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دم بہ دم ۲ مرقانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
 وہ آب و تاب نہر وہ موجوں کا بیجِ دھم سردی ہوا میں، پر نہ زیادہ بہت، نہ کم
 کھا کھا کے اوس اور بھی سبز ہوا
 تھا موتیوں سے دامن صحرابھر ہوا
 وہ نورِ صبح اور وہ صحرادہ سبزہ زار ۳ تھے طائروں کے غول درختوں پر بے شمار
 چلتا نسیم صبح کا رہ کے بار بار گو گو وہ تمسلیوں کی، وہ طاؤس کی پکار
 واسے درتچے، باغ بہشتِ نعیم کے
 ہر شور وں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے
 آمد وہ آفتاب کی، وہ صبح کا سماں ۴ تھا جس کی منور سے وجد میں طاؤس اُسمان
 ذروں کی روشنی پر بستاروں کا تماگلاں نہرِ فرات بیج میں تھی مثلِ کہکشاں
 ہر نخل پر ضیائے سر کوہِ طور تھی
 گویا فلک سے بارش بارانِ نور تھی
 اوجِ زمیں سے پست تھا چرخِ زبرِ جدی ۵ کوہوں تھا، سبزہ زار سے صحرانِ مردی
 ہر خشک و تر پر تھا گرم بحسبِ سردی بے آب تھے مگر دُرِ دریائے احمدی
 روکے ہوئے تھی نہر کو، آفتِ رسول کی
 سبزہ ہر تھا خشک تھی کمیّتِ بتوں کی

وہ پھولنا شفق کا، وہ سینائے لاجورد ۶
نخل سی وہ گسیا، وہ گل سبز و سرخ و زرد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہولے سرد
یہ خوف تھا کہ دامنِ نخل پر پڑے، نہ گرد

دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا

سردی جگر کو دیتا تھا، سبزہ کچھار کا

نکھاس کر روزِ قتل شرِ آسماں جناب ۷
تھی نہرِ حلقہ بھی خجالت سے آب آب
نکھلتا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
روتا تھا پھوٹ پھوٹ کے، دریا میں ہر جناب

پسیاسی جو تھی سیاہِ خدا، تین رات کی

ساحل سے سرِ شگلی تھیں موجیں فرات کی

تھا شکرِ یزید میں سامانِ قتلِ شاہ ۸
گیتی کا تہلکہ تھا، یہ تھی کثرتِ سپاہ
ہر شو جوار ہا تھا مہینِ شرِ رؤِ سیاہ
ممکن نہ تھا کہ ہو گزیرِ طاثرِ بنگاہ

سب مستعد تھے قتلِ شرِ کائنات پر

طوفانِ آبِ تیغ اٹھا تھا فرات پر

اک صفت میں برہمچوں کی چمک تھی کراخورد ۹
وہ بوڑیاں جو سنگ کے دل میں کریں گزیر
لپکا رہے تھے ڈانڈ، سوارانِ غیرہ شر
انیاں وہ توڑ ڈالیں جو فولاد کا جگر

تھا اک گلا تو خمبر بے پیر کے لیے

وہ برچیاں تھیں سب تنِ شبیر کے لیے

ناوکِ فگن لیے ہوئے حلقے کمان کے ۱۰
دشمن ہیں بادشاہِ دو عالم کی جان کے
چلاتے تھے یہ چھاتیوں کو، تان تان کے
دُم لیں گے جسمِ شاہ کو تیروں سے چھان کے

ہرگز کریں گے پاس نہ احمد کی آل کا

رہتی پہ خوں بہائیں گے زہر کے لال کا

جب بندھ چکیں مہین تو علم کھل گئے تمام ۱۱
علیٰ میں اہل بیت کے روتے تھے یاں امام
غل پڑ گیا کہ جنگ کو نکلیں شرِ انام
بپٹی ہوئی تھی قدموں سے بانوئے نیک نام

بکھرائے سر کے بالِ حرمِ ساتھ ساتھ تھے

چٹکے میں شاہِ دین کے سکینے کے ہاتھ تھے

زینبؓ ہلک رہی تھی پریشاں تھے سر کے بال ۱۲ نعلین کا نہ ہوش نہ چادر کا تھا خیال
سینہ مجھو چاک گریباں شکستہ حال کہتی تھی مجھ پر رحم کراے فاطمہؓ کے لال
پوچھے گا کون ساتھ مجھے گا جو آپ کا
نہ ماں کا آسرا ہے مجھے اب نہ باپ کا

زینبؓ کے اضطراب پر شہ روتے زار زار ۱۳ فرمایا اے بہن تری اُفت کے میں نثار
یاد آگیا حسینؑ کو اس وقت ماں کا پیار لیکن میں کیا کروں نہیں کچھ میرا اختیار
واللہ اپنے قول کا ہر دم مجھے خیال ہے
بھینا حسینؑ مجھ صارق کا لال ہے

بچپن میں جو زباں سے کہا ہے کریں گے ہم ۱۴ کھائیں گے تیرے ظلم، لہو میں بھریں گے ہم
خلق اپنی زیرِ خیمہ قاتل دھریں گے ہم اُمت کے بخشوانے کو پیاسے مریں گے ہم
اب ہاتھ اٹھاؤ فاطمہؓ کے نور عین سے
ہوگی کبھی نہ وعدہ خلافی حسینؑ سے

یہ سن کے گر پڑی جو قدم پر وہ نوحہ گر ۱۵ لپٹ لیا گلے سے بہن کو، بہ چشم تر
رو کر کہتا کہ ہوتا ہے ٹکڑے مرا جگر زینبؓ خدا کے واسطے پیو نہ اپنا سر
خامان حق کا خلق میں رتبہ بلند ہے
صابر رہو کہ صبر خدا کو پسند ہے

فرما کے یہ سکینے کے منہ پر نگاہ کی ۱۶ گودی میں لے لیا اُسے اور دل سے آہ کی
بولی بلائیں لے کے وہ رخسارِ شاہ کی سمجھی میں آخری یہ نگاہیں ہیں چاہ کی
رونا یہ بے سبب نہیں مُنہ موڑ کے
مرنے چلے ہیں آپ مجھے گھر میں چھوڑ کے

معلوم ہو گیا کہ نہ اب آئے گا آپ ۱۷ چھاتی پہ سونے والے کو تر پائیے گا آپ
چھوڑا اگر مجھے تو نہ اب پائیے گا آپ میں اپنی جان دوں گی اگر جائیے گا آپ
فرقت میں مجھ کو جی سے گزرتا قبول ہے
اچھا سدا رو گھر مرا مرنا قبول ہے

منہ چوم کر یہ کہنے لگے شاہ خوش خصال ۱۸ صدقہ عقیق لب پر ترے فاطمہ کمال
معلوم ہے حسین کو بی بی تمہارا حال کیوں کر نہ روؤں میں کہ قلع ہے مجھے کمال
ان برگِ محلی سے ہونٹوں کے امدتے امام ہو

سولہا پہر ہوئے ہیں کہ تم تشنہ کام ہو
تدبیر اک نکالی ہے آنسو نہ اب بہاؤ ۱۹ ہم پانی لینے جاتے ہیں تم ماں کے پاس جاؤ
سوکھی زباں دکھا کے نہ شبگیر کو ملاؤ بی بی دعا کے واسطے تھے سے ہاتھ اٹھاؤ
حق سے کہو بتول کے جانی پہ رسم کر
یارب ہماری تشنہ دہانی پہ رسم کر

ناچار شرہ کی گودی سے اُتری وہ رشکِ ثور ۲۰ روتے ہوئے محل سے برآمد ہوئے حضور
پھیلی زمیں پہ روشنی آفتابِ ثور پڑھنے لگے درودِ رفیقانِ ذی شعور
چھو اداوب سے پائے امامِ انام کو
ختم ہو گئے تمام نمازی سلام کو

حق کے ولی، مصاحبِ سردارِ انس و جن ۲۱ کوئی جوان، کوئی متوسط، کوئی مُسین
فاقوں میں باحوا س لڑائی میں مطمئن کہتے تھے روزِ قتل، ہمیں عید کا ہے دن
مانگو دعا کہ آج یہ مرنا سعید ہو

قربان ہوں حسین پر رن میں، تو عید ہو
وہ گورے گورے جسم، قبائیں وہ تنگ تنگ ۲۲ جن کی صف کو دیکھ کے ہوا آئینہ بھی دنگ
زیور کی طرح جسم پر زیاں سلج جنگ جرات کا تھا یہ جوش، کہ چہرے تھے لالہ رنگ
کہتے تھے سب چڑھاتے ہوئے آستین کو

اکھا ابھی کہیں، تو اُلٹ دیں زمین کو
تھے اک طرف عزیز شرہ آسمان وقار ۲۳ تھا جن کی چاہ میں دل پوش بھی بے قرار
جلیں باز، سرفروشن، بہادر و فاشعار ایک ایک رونقِ چمنستانِ روزگار
ہر چمند باغِ دہر کو کیا کیا بلا نہیں
اب تک تو اس روش کا کوئی گل کھلا نہیں

خلق و مرقوبِ حسیٰ اُن پہ ختم تھی ۲۳ حسن اُن پہ ختم، نکل بدن اُن پہ ختم تھی
زور اُن پہ ختم تیغ زنی اُن پہ ختم تھی ہر معرکے میں صفِ شکنی اُن پہ ختم تھی
غازی تھے، صفِ شکن تھے، جُری تھے، دلیر تھے

جس میں علیؑ رہے، اُسی بیشہ کے شیر تھے
اُن سب گلوں میں، اک علیؑ اکثر ساغل بدن ۲۵ تھا جس کی جامہ زیبی کا شہرہ چمن چمن
رخسارے بہم تھے، جو گیسوئے پُر شکن حیراں تھے سب کہ مل گئے کیوں کر ملبِ ختم
مُرخ تھی لب پہ گو کہ نہ پانی نصیب تھا
دیکھا جو فورے تو یمن بھی قریب تھا

کہتے تھے مسکرا کے پدر سے یہ، دم بہ دم ۲۶ عرصہ ہے کیا سوار ہوں، اب قبلۂ اُمم
آمادۂ وفا ہے اُدھر لشکرِ ستم دشمن اگر بہت ہیں، تو ہم بھی نہیں ہیں کم
نام و برق تیغ سے جل جائیں، تو سہی
دب دُب کے مورچوں سے نکل جائیں تو سہی

کہتے تھے اشک بھر کے امامِ فلک جناب ۲۷ صدقے بڑے جلال کے، اے میرے آفتاب
دور وز سے ملا نہیں، میرے چمن کو آب جی بھر کے دیکھ لوں علیؑ اکبرؑ ترا شباب
طاقت نہیں کلیمے میں شیروں کے داغ کی
پیارے میں دیکھتا ہوں بہار اپنے باغ کی

قصرِ بانِ احتشامِ عسکدارِ حق پڑو ۲۸ لرزاں تھا جس جُری کے تہور سے دشت و کوہ
سروارِ مخدروں کا، دلیروں کا سرگردہ حمزہ کا دبدا، اسد اللہ کی شش کوہ
دل کا پتے تھے دیکھ کے تیورِ دلیر کے

گو یا سپاہِ شام تھی پنجے میں شیر کے
اک موحِ پداغِ مغلیٰ شہر تھا جلوہ گر ۲۹ روشن تھے جن کے چہرہ انور سے دشت و در
تیرہ برس کا تھا ابھی وہ غیرتِ قمر تن تن کے جھومتا تھا مگر مثلِ سر شیر نر
جراتِ نثار ہوتی تھی اُس سرفروش پر
شعلہ چھٹا تھا سبزِ عمامے کا، دوش پر

تلوار تول تول کے دستِ جفاقی میں ۳۰ کہتے تھے خوں بہائیں گے ہم، اس لڑائی میں
حاصل تھا ہاتھ کویدر بیضا، مہفاتی میں اختر کی نمود کھاتا تھا انگشت اکلائی میں
ساحل فروغ دیتے تھے، تارِ نگاہ کو
دکھلاتی تھیں، ہتھیلیاں، آئینہ ماہ کو

تھے پہلوئے حشیں میں زینب کے دونوں لال ۳۱ گویا قسربین بدر تھے، دو نجم بے مثال
کاندھوں پہ نیچے نظر آتے تھے، دو ہلال ظاہر تھا چمنوں سے ید اللہ کا جلال
نودس برس کا سن تھا، مگر کیا دلیر تھے
بچے بھی شیرِ حق کے گمرانے کے، شیر تھے

دونوں یتیم حضرتِ مثل تھے کیا عقیل ۳۲ حاضر تھے باوہ، عقبِ سرور جلیل
اپس میں کہتے تھے کہ پدر تو ہوئے قتیل ہم کو فیوں کو ماریں گے، عمریں ہیں گو قلیل
گھر سے طلب کیا تھا اسی اعتقاد پر
لعنت خدا کی مذہبِ ابنِ زیاد پر

مہماں سے یہ سلوکِ مسافر سے یہ دغا ۳۳ یہ ظلمِ اکِ غریب پر بے کس پر یہ جفا
لے جا کے بام پر سرِ انور کیا جدا خندق میں تن کو بھینک دیا، وامعیتا
ایسی کبھی وکیل پر، آفت پڑی نہیں
مُنتے ہیں ہم کہ لاش ابھی تک گڑی نہیں

اس فوج میں یقین ہے کہ ہووے وہ رؤسیاہ ۳۴ مارا ہمارے بھائیوں کو جس نے بے گناہ
منت پہ ان غریبوں کے، مطلق نہ کی نگاہ سر چھوئے چھوئے کاٹ لے سنگ دل نے آہ
پائیں ابھی تو کشتہ تیغِ دو دم کریں
ہم بچوں سے ہاتھوں کو اُس کے قلم کریں

باتیں ابھی یہ کرتے تھے باہم وہ گلِ عذار ۳۵ جو صدرِ رزیں پہ مہدرِ رحمت، ہوا سوار
چڑھ چڑھ کے مرکبوں پہ چلے سب رفیق و یار آگے بڑھے مسلم لے عباس نام دار
پھولا ہوا جن تھا امامِ اُمم کے ساتھ
تھا ہاشمی جوانوں کا غنچہ علم کے ساتھ

اللہ رے فیض جلوۂ ابنِ شہرِ نعمت ۳۶ رن کی زمیں کو حق نے دیا خلعتِ شرف
کس شان سے کھڑے تھے نمازی جلاتِ صفت بس یکہ بیک بجادہلِ جنگ اُس طرف

گیتی لرز گئی دلِ اوتاد ہل گئے

تیرِ بستم کمانوں کے چٹوں سے دل گئے

شکر سے تب بڑھا پسِ سعد چاند گام ۳۷ چلتے ہیں رکھ کے تیر پہ سب سے کیا کلام
شاہد رہیں تمام دلیرانِ فوجِ شام میں پہلے پھینکتا ہوں یہ ناوک ٹوٹے امام

ہے شاقِ محب کو خلق میں جینا حسین کا

کیا شاد ہوں دفن ہو، جو سینہ حسین کا

لکھا ہے، جب لگا کے وہ ناوک، ہٹا شیر ۳۸ یک بار فوجِ شہ پر چلے دس ہزار تیسر
بے جان ہوئے پچاس رفیقانِ بے نظیر لاشوں پہ ان کے روئے امامِ فلک سر پر

افتادہ خاک و خون میں، وہ اہلِ تمیز تھے

یاں کچھ رفیق باقی تھے اور کچھ عزیز تھے

جس وقت خاتمہ رفتار کا ہوا، نہ خیر ۳۹ تھے پھر تو سب عزیز، نہ تھا اس میں کوئی غیر
روتے تھے حالِ فرسلیماں پہ وحش و طیر کرنے لگے عزیز بھی، ملکِ عدم کی سیر

ماقم ہوا حرم میں امامِ جلیل کے

تیغوں سے ٹکڑے ہو گئے پوتے عقیل کے

راہی ٹوٹے عدم ہوئے جس دم وہ بے پدر ۴۰ نکلے دفن کو زینبِ ذی جاہ کے پسر
مانند شیرِ حق کیے چلے ادھر اُدھر کٹ کٹ کے نیچوں سے گرے برکتوں کے سر

اُنہیں مہینِ جدھر وہ دمِ جنگ پھر پڑے

آخر زمیں پہ برچھیاں کھا کھلے کے گر پڑے

ناگاہ گھر میں اُن کے فضا نے دی خبر ۴۱ لو کام آئے زینبِ ناشاد کے پسر
رن میں گئے ہیں، اکسبر و عباس نامِ دُر روتے ہیں بھانجوں کے لیے مشاؤ بھر و بر

رن سے سین کے بیٹوں کو شبیر لائیں گے

صفت ماتمی بچاؤ کہ لاشے اب آئیں گے

دوڑے حسینؑ جانبِ مقتل بہ اشک و آہ ۴۲ آنکھوں کے سامنے ہوئے بے دم وہ رشکِ ماہ
مردوں کو بھانجوں کے اٹھلائے گھر میں شاہ سر پیٹے اہل بیت رسولِ فلکِ پناہ

زینبؑ مگر نہ روئی ادب سے امام کے

چپ رہ گئی کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

باہر امام لے گئے لاشے اٹھا کے جب ۴۳ غیرت کا جوش اُگی قائم کی ماں کو تب
کل ل کے ہاتھ کہتی تھی دل سے کہ ہے غضب ہم شکلِ مصطفیٰ کہیں مرنے نہ جائے اب

اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤں گی

میں فاطمہؑ کو حشر میں کیا منہ دکھاؤں گی

دل میں یہ سوچتی ہوئی اُنھی وہ خوش خصال ۴۴ قائم کو اپنے پاس بلایا بہ مستِ مظل
رو کر کہا کہ اے حسنؑ مجتبیٰ کے لال کچھ اس ضعیف ماں کی بھی عزت کا ہے خیال

جاری ہیں اشکِ خوں برے چشم پر آب سے

زینبؑ تھے اُٹے جا نہیں سکتی حجاب سے

گھر ٹ رہا ہے فاطمہؑ زہر اکا ہائے ۴۵ دشمن وہ دوست ہے جو نہ میں دکھ میں کام آئے
فیوض نے یوں حسینؑ کے قدموں پہ سر کٹائے کیا قبر ہے کہ بھائی کا جانا نہ مرنے بجائے

گھیرا ہے بے وطن کو عدو کی سپاہ نے

منہ دیکھنے کو کیا تھیں پالا ہے شاہ نے

سب مرچکے امامِ دو عالم کے اقسر با ۴۶ باقی ہے کون اکبر و عباس کے ہوا
حضرت کے تن کی جان ہیں وہ دونوں نہ لقا سران کے کٹ گئے تو قیامت ہوئی بپا

تم بھی نجل رہو گے سدا جگہ کے سامنے

شہر مائیں گے حنین بھی محمدؐ کے سامنے

جو مرد ہیں وہ دیتے ہیں مردانگی کی داد ۴۷ کچھ اپنے باپ کی بھی وصیت ہے تم کو یلو
جلدی دوسرے سے مل گئے سدھارو پئے جہاد قصہ بان ہو چاہے یہی ماں کی ہے مراد

بسیا ہاتھیں بر آئی ہر اک آرزو مری

اب وہ کر دکھ جس میں رہے اکبر و مری

مادر کے منہ کو دیکھ کے بولا وہ مٹی کا ہزار ۴۸ ایسے ہیں ہم کہ بیٹھ رہیں دستِ گلزار
جبائیں ہزار ہوں تو چپا کر کریں بشار نصرت ہی وہ نہ دیں تو ہے کیا اپنا اختیار

دن میں چلے تھے مرنے کو پہلے ہی سب سے ہم
رو کا چپائے کہ نہ سکے کچھ ادب سے ہم
اب بھی اگر نہ دیں گے رفا سسرور اُم ۴۹ رکھ لیں گے تیغ کھینچ کے اپنے گلے پہ ہم
اتل مزارِ گشتہ سہم کی ہمیں قسم زیر قدم ہے اب کوئی دم میں رہ عدم
کیا دخل ہم سے آگے جو وہ شہ سوار ہوں
عباس ہوں کہ اکبر عالی وقار ہوں

یہ کہہ کے آئے سر کو ٹھکائے دہن کے پاس ۵۰ آنکھوں میں اشک اور دیکھ میں دل اُداس
فسر مایا ہم کو ہائے یہ شادی نہ آئی راس سب مر گئے عزیز شہنشاہِ حق شناس
بستی تمام ٹٹ گئی ویرانہ ہو گیا
شادی کا گھر جو تھا وہ غرا خانہ ہو گیا

کس سے کہیں جو حال دل دردناک ہے ۵۱ تلوار چل رہی ہے بگر چاک چاک ہے
اس زندگی پہ جیفت ہے دنیا پہ خاک ہے اب کوئی دم میں دلبر زہرا ہلاک ہے
آئی تب ہی آلِ نبی کے جہاز پر
نزع ہے شامیوں کا امام محباز پر

تم بھی کچھ اپنے باپ کی اس دم کرو مدد ۵۲ آفت میں آج ہے پسرِ فغم محمد
دشمن کو بھی خُدا نہ دکھائے یہ روزِ بد صدقے کرو ہمیں کہ بلا ان کی ہووے رد
راہی رضائے حق پہ بصد آرزو رہو

حیدر سے ہم بٹول سے تم سرخرو رہو
واللہ قتل ہوں گے جو عباس نام ور ۵۳ مدد سے ٹوٹ جائے گی شبیر کی کمر
اکبر خدا نخواستہ مارے گئے اگر مر جائیں گے تپ کے شہنشاہِ بحر و بر
وہ مستعد ہیں حلق کٹانے کے واسطے
ہم کیا پائے ہیں لاش اٹھانے کے واسطے

سوچو تمہیں، گلانہ کٹائیں تو کیا کریں ۵۴ فریادِ فاطمہ کی منداہیں سنا کریں
 رخصت کرو تو فوجِ ستم سے فنا کریں کھولو جو لعل لب، تو گہر ہم فدا کریں

صاحب ہمیں سپردِ عروس اجل کرو

مشکل کشا کی پونی ہو مشکل کو حل کرو

گھونگھٹ ہٹا کے ہم کو دکھاؤ تو رخ کا نور ۵۵ پاس اب نہ آسکیں گے کہہ دیتے ہیں تم سے دُور
 آنکھوں پہ ہیں ہتھیلیاں رقت کا بے وفور نرس کے بچوں ہاتھ سے ملنا یہ کیا ضرور

جینے کی اس چمن میں خوشی دل سے فوت ہے

لمبل، جو گل کی شکل نہ دیکھے تو موت ہے

صاحب! بھلا عدم کے مسافر سے کیا حجاب ۵۶ ہم یوں ہیں جس طرح کہ سرِ آب ہو حجاب
 ایسی رواروی میں، ٹھہرنے کے کب تک تاب کہتی ہے موت گور کی جانب چلو شتاب

رستہ ہے پر خطر کہیں وقفہ ذرا نہ ہو

منزل بہت کڑی ہے یہ، جلدی روانہ ہو

اک دم کی بھی نہیں تو جدائی ہے تم سے شاق ۵۷ کیا بکھیے نصیب میں تھا صدمہ فراق
 لائی اجل پچھلے گریباں سوئے عراق بولو زباں سے کچھ، کہ نہ رہ جائے اشتیاق

چمکی یوں ہی رہو گی تن پاشش پاشش پر

کیا بین بھی کرو گی نہ دو لہا کی لاشش پر

جب یسے کلام تو، جی سننا گیا ۵۸ دل پر چھری چلی، کہ، جسگر تھر تھرا گیا
 منہ پر دھن کے کھاف زندا پا سا چھا گیا جوش بکا میں کچھ نہ زباں سے کہا گیا

دُور لھا کو اتنی بات سنا کر، اک آہ کی

صورت بتاتے جاؤ ہمارے رنباہ کی

سمجھی کہ جیتے اب نہیں پھرنے کے رن ہے تم ۵۹ پیسا سا گلا کٹا کے بلو گے حسن سے تم
 سو گے منہ چھپا کے لحد میں کفن سے تم اچھا سلوک کرتے ہو صاحبِ کفن سے تم

اک رات کی بنی پہ جھایوں ہی، چاہیے

اے شمعِ بزمِ مہر و دُعا، یوں ہی، چاہیے

فراؤ کیا کریں، جو نہ روئیں بہ درو دیاس ۶۰ نہ باپ کی، نہ بھائیوں کی نہ چچا کی آس
مہان ہیں جہاں میں کوئی دم وہ حق شناس سونپا تھا آپ کو، سو رہے آپ بھی نہ پاس

وارث ہے کون، پھر ہو گئے سب کے کٹ گئے
تم کیا کرو! نصیب ہمارے الٹ گئے

میں کون ہوں، بھلا جو کہو گی کہ تم نہ جاؤ ۶۱ راضی ہیں ماں تمہاری، تو جاؤ گلا کٹاؤ
گھر تو اجاڑ ہو چکا، جنگل کو اب بساؤ بنجھ جائے گا، ہمارے زنا پے کا غم نہ کھاؤ
مسکن کریں گے، رن میں تین پاش پاش پر
ہم بھی فقیر ہوئیں گے، صاحب کی لاش پر

باتیں یسین کے روتے تھے قاسم بہ حال زار ۶۲ ہن من بٹارن کی صدا آئی ایک بار
ماں نے کیا اشارہ کہ، اے میرے گلغزار موقع نہیں ہے دیر کا اٹھو یہ ماں نثار

کیا جانے ہو گا قبر میں کیا حال، باپ کا
جی لگ گیا عروس کی باتوں میں آپ کا

فرما کے الوداع، اٹھا دلبر حسن ۶۳ برہم ہوئی وہ بزم، وہ صحبت، وہ انجمن
نہ پڑ گیا کہ لگتی ہے اک رات کی دھن اس وقت سب دوڑا کی ماں کا تھا یہ سخن
جاتی ہے اب برات مرے نونہال کی
رخصت ہے بیبیو، زن بیوہ کے لال کی

جاتا ہے سرکٹانے کورن میں یہ رشک ماہ ۶۴ لویں نے دودھ بخش دیا سب میں گواہ
دنیا میں یادگار رہا، حشر تک یہ بیاہ دورانڈ میں ایک جاہوں، یہ تھی مرضی الہ
سمجھے نہ اب کوئی کہ دھن کی عزیز ہوں
کل تک کی ساس آج سے اس کی کینز ہوں

جب خیر حسین سے نکلا حسن کا لال ۶۵ دیکھا کہ در پہ روتے ہیں سرور بہ صد لال
بس گر پڑا قدم پہ، یہ کہہ کر وہ خوش خصال مطلع ثانی دیجیے رضائے حرب مجھے، بہر ذوالجلال

چلائی ماں کہ سبط ہمیں نہ روکیو
شہر نے دی صدا کہ، برادر نہ روکیو

پہلے کے اس کو چھاتی سے بولے شہِ اُم ۶۶ پیارے تمہارا داغ بھی دل پر نہیں گے ہم
یہ پیش دپس ہے، منزل ہستی میں، کوئی دم تم آگے ہند گام تو ہم پیچے دو قدم
کچھ غم نہیں، جورا ہے خنجر کی دھار پر

ہر دم خدا کا فضل ہے، اس خاکسار پر
یہ کہہ کے دل قلع سے بھرا آیا جو ایک بار ۶۷ روئے مثالِ ابر، شہِ آسمان وقار
ترا نسوؤں سے ہو گئی ریشِ خضاب دار تسلیم کر کے قاسمِ گلِ رُو ہوا سوار
دو لہا کے نورِ رخ کی ضیا، چرخِ تنگ گئی
جولاں کیا فرس کو تو بحسبِ چمک گئی

پہونچا جو زدم گاہ میں، وہ غیرتِ قمر ۶۸ نیزہ پکڑ کے گھوڑے کو پھیرا، ادھر اُدھر
بولے مدد کوئی فرشتہ ہے یا بشر خوشیدِ غادری کی بھی، خیرہ جہاں نظر

الندری چمک رُخ پر آبِ وقاب کی
سہرہ بنا ہوا ہے کرنِ آفتاب کی

کیوں وصلِ لب میں طلاوتِ پاکب ۶۹ ہے مدحِ خواں کو قندِ مکر ز نلئے لب
شیریں لبوں کے ہیں، لب شیریں فدائے لب دیکھے یہ لب، تو یوسفِ مصری، چبائے لب

ترکِ ادب ہے اس کی ثنا اس طریق پر
دھونا زباں کو چاہیے آبِ عقیق پر

دماںِ محطِ نور کے ہیں، گوہرِ خوشِ آب ۷۰ براقِ اس قدر ہیں، کہ ہے برق کو حجاب
ان سے مقابلہ کی نہیں، اختروں کو تاب بتیس موتیوں کی یہ ثمرن ہے انتخاب

حیراں ہے چشمِ حور، ظہورِ ان کا دیکھ کر
دار و درو پر پڑتے ہیں، نورِ ان کا دیکھ کر

آگاہِ جبِ بزمِ ۷۱ تا سہم جری ۷۱ عالم میں کون ہے جو کرے ہم سے ہمسری
ہم حیدری ہیں، ہم میں ہے زورِ غضبِ فری ہم سے ہے آوجِ پایہ اورنگِ مصلحتی

شہرہ ہے حرب و ضربِ شہِ خاص و عام کا
مکہ ہے ششِ جہت میں ہمارے ہی نام کا

جد ہے برا امیر مرہ، شمنہ نجف ۷۲ ضرغام دیں، معین رسولانِ ما سلف
دادی جنابِ فاطمہ زہرا، سی ذی شرف عمو حسین، صاحبِ لولاک کا خلف

میں پارہٴ دل حسنِ خوش خصال ہوں

ہیرے سے جو شہید ہوا اُس کا لال ہوں

اُس کا پسر ہوں اے سپہِ ضر و زوم و شام ۷۳ گلزارِ فاطمہ کا ہے جو سر و سبز نام
والداس کا تختِ جگر ہوں میں تشنہٴ کام تابوت جس کا تیروں سے چھلنی ہوا تمام

جان اس کی ہوں میں جس کو نہ جاگیرِ جبرلی

پہلو میں مصطفیٰ کے نہ جس کو لمحہٴ ملی

ہاگاہِ فوجِ شام سے تیسرے تم چلے ۷۴ تیر و سنان و نیزہ و خنجر بہم چلے
قاسم بھی یاں سے کیچ کے، تیغِ دودم چلے اعدا پہ چھیڑ کر، فرسِ خوش قدم چلے

پیدل تو اس قطار کے تھے کس قطار میں

دو دو سوار کٹ گئے ایک ایک وار میں

ڈھالیں اٹھیں، کہ دن شبِ دیگور ہو گیا ۷۵ لائقِ جو برقی تیغ ہوئی، نور ہو گیا
حیراں ہر ایک، ظالمِ مقہور ہو گیا چہروں کا رنگِ خوف سے کافور ہو گیا

آئی ہنسی اجل کو بھی، اس طرح مر گئے

گھوڑوں پہ تن چڑھے رہے، اور سڑ گئے

تھا ابنِ سعد شوم کو، اُس دم بہت ہراس ۷۶ غرقِ سلاح، ازرقِ شامی کھڑا تھا پاس
اُس سے کہا کہ فوجِ نہایت ہے بے حواس تو جا کے لڑ، تو قتل ہو شاید یہ جی شمس

رگڑتا ہے بر چھپیوں سے نہ دامِ کند سے

جلدی سناں پہ، اس کو اٹھا لے سمند سے

کہنے لگا مجھ کے وہ با صد غرور و لاف ۷۷ تو آپ بے حواس ہے، تقصیر ہو معاف
یہ امرا بے امیر، شجاعت کے بے خلاف ہاں تب لڑوں، اگر علی آئیں پے مصاف

فرق آئے گا، نہ میری کبھی آن بان میں

لڑ کے سے لڑ کے نامِ مشادوں جہاں میں

ڈرتے ہیں سب جری، مری جنگ جہاں سے ۷۸ رستم کا زور، آگے مرے کم ہے زال سے
رکتی نہیں یہ تیغ، تھمتن کی ڈھال سے ناداں ہوں کیا، لڑوں میں جو اس خور دساں

بیٹوں کو میرے بھیج کے چاروں دلیر ہیں

جنگ آزما ہیں، سوار ہیں، صفدر ہیں شیر ہیں

لکھا ہے چاند تخت، پسر ازرق پلیس ۷۹ دشمن تو آل پاک کے، شیطان کے مرید
بولایہ ان کو دیکھ کے، وہ پسر ویزید ہاں جا کے، اُس یتیم کو جلدی کرو شبید

رلو او قبر میں حسن دل ملوں کو

بیوہ بنا دو دختہ سبط رسول کو

یہ چاند مجبئی کا ہے، جوں میں اسے ڈباؤ ۸۰ تلواریں مارو، زنج کرو، برچھیاں لگاؤ
انعام دوں، یہ جنگ اگر فتح کرے، آؤ سہرے سمیت کاٹ کے دو لٹاکے سر کو لاؤ

خلعت ملیں گے جاؤ گے جس دم سلام کو

سراس کا نذر دیکھو تمہیں، ہیہ شام کو

نکلا یہ بات سننے ہی، اُن میں سے ایک یل ۸۱ پیچھے چلی شہر ہر کے ہنستی ہوئی اجل
نعرہ کیا یہ غیظ سے، ہودی نے کھا کے، بل ہاں لے حسن کے لال، خبردار ہو، سنبھل

کام آئے کچھ تو نام شہر ذوالفقار لے

پشتی پہ ہو کوئی تو مدد کو پکار لے

قاسم یہ نعروں ہوئے چمکا کے راہوار ۸۲ امداد، وقت جنگ ہے، شیروں کو ناگوار
کافی ہے بس میں، سپر حفظ کردگار او بخیرہ سر، اجل تری گردن پہ ہے سوار

دشمن کو اپنی ضرب طمانچہ قضا کا ہے

آ کوئی وار کر، جو ارادہ وفا کا ہے

یہ سنتے ہی کہاں کو اٹھا کر، بڑھا شہر ۸۳ چلے میں تین پھال کا، جوڑا شقی نے تیر
تھا بس کہ تیر دست، حسن کا مہ منیر بجلی سی آئی کوند کے، شمشیر بے نظیر

یوں قطع انگلیاں ہوئیں اس تیرہ بخت کی

جیسے کوئی قلم کرے شاخیں درخت کی

اک ہاتھ میں جو کٹ کے گرنے سے نابکار ۸۳ بولے کمر میں رکھ کے، یہ شمشیر آبدار
اب دیکھ میرے تیر کا توڑ، او خط اشار پھر کٹا کماں کے قبضے کو یہ کہہ کے استوار

چلے جو کھینچنے لگے، کرکش کو تاک کے
رستم کی فوج چپ گئی، توڑنے میں خاک کے

پٹلی سے چھوٹ کر، جو چلا تیر بے اماں ۸۵ قربان تیرے ہاتھ کے چلائی یہ کماں
بچتی ہے کب خدنگ اجل سے کسی کی جاں نکلا وہ تیر توڑ کے سینہ کے استخوان
اک دم میں دی شکست، خطا کو ٹوا بنے
فل تھا قفس کی تیلیاں توڑیں محتاج بنے

مرکب گر کے مر گیا جب وہ عدوئے دیں ۸۶ نکلا اُدھر سے تب پس پرانی لعین
نیزے کو تو لٹا ہوا منسود و خشک گئیں ابرو پہ بک، نگاہ میں قہر، او جبین پہ چین
ہمراہ اُس کے تیغ بجف سو سوار تھے
اور اس طرف مدد کو شہر ذوالفقار تھے

نیزے کا وار کرنے لگا جب وہ خود پسند ۸۷ بکلی سا کوند نے لگا دو لٹا کا بھی سمند
نیزہ اڑا کے نیچے سے، کی یہ صدا بلند کیوں تو نے دیکھے نیزہ مشکل کشا کے بند
یہ سن کے اُس نے ڈھال کو چہرے پہ لٹایا
پتلی کو بے جیا کی، سناں میں پرو لیا

بے کار، کوڑھو کے ہوا جب وہ خیرہ سر ۸۸ پٹلی میں ہاتھ ڈال کے پٹکا زمین پر
آواز دی زمین نے، کہ فی التار والشفق جا تو بسی، ہے برادر یعنی ترا چہ صر
جز موت، کچھ شقی کو، نہ اُس دم نظر پڑا
آنکھیں کھلیں تو قفسِ جہنم نظر پڑا

جھپٹا برادرِ سوم، اُس کا بہ کتر و فسر ۸۹ تالے ہوئے وہ گرد گراں سرکہ اللہ
یاں بہر حفظ، دستِ یاشد تھے سپر تیغ دودم کو، شیر نے ٹولا بچا کے سر
یوں دو کیا، غموں سر نابکار کو
جس طرح تیغ تیز اڑا دے چنار کو

مرتے ہی اُس کے فوج سے چوتھا پسر بڑھا ۹۰ قاسم پکڑے، ادیل خود سر، کہ صر بڑھا
سننے ہی یہ، وہ تیغ دوم، کھینچ کر بڑھا جھنجھلا کے، مجتبیٰ کا بھی تختِ جبگر بڑھا
لڑتا وہ کیا کہ تیسرا جسل کا نشانہ تھا

اک ہاتھ میں نہ سر تھا، نہ بازو نہ شانہ تھا
بے جاں بچھے نہ درمیں، بیٹے جو اُس کے چار ۹۱ ازرق کا دل ہوا صفت لالہ داغدار
جوشِ غضب سے سرخ ہوئیں چشمِ نابکار مثلِ تنورِ منو سے نکلنے لگا، بخار
جیبِ قبا کو، مثلِ کفن پھاڑتا ہوا
نکلا پرے سے دیو سا چنگھاڑتا ہوا

شانے پر تھی شقی کے وہ ڈولانک کی کماں ۹۲ ارجن بھی جس سہم کے گوشے میں ہونہاں
چار آئینہ وہ پہنے تھا بریں، کہ الا ماں رب جائیں جس کے بوجھ سے رستم کے استخوان
کہتی تھی یہ زرہ، بدن بد خصال میں
جکڑا ہے پیلِ مست کو بچے کے جال میں

آمد شقی کی دیکھ کے ٹھہرا گئے امام ۹۳ عباس نامور سے یہ رو کر کیا کلام
لو بھائی جنگِ بوچکی، قصہ ہوا تمام آیا سونے یتیم حسن، موت کا پیام
ہم شکلِ مجتبیٰ کو بلا لو پیکار کے
مانگو دعا سروں سے علمے آثار کے

یہ کہہ کے قبلہ دوہوئے سلطانِ کائنات ۹۴ درگاہِ کبریا میں دعا کی، اٹھا کے ہات
اے خالقِ زمین و زماں، ربِ کائنات ازرق کے ہاتھ سے مرے قاسم کو بے نجات
تو حافظِ جہاں ہے، کریم و رحیم ہے
یارب بچا اسے کہ یہ لڑکا یتیم ہے

فصہ پکاری، خیمے میں آکر بے چشم تر ۹۵ لوگو تھیں، یتیم حسن کی بھی ہے خبر
آیا ہے لڑنے ازرقِ ملعون و خیرہ شر کھو لو سروں کو، اسے حرمِ شاہِ بحر و بر
عباس روتے ہیں، علی اکبر اُداس ہیں
ایسا ہے کچھ کہ سبِ نبی بے حواس ہیں

نکلا یہ سب گمنام سے کہ ہے ہے حسن کے لال ۹۶ زینب نے اٹھ کے کھول دیے اپنے سر کے بال
 سینے میں ہل گیا دل بانو سے خوش خصال چلائی ماں گزر گیا، کیا میسر انونہاں

عابد کا تپ میں گرم بدن سرد ہو گیا

قاسم کے چھوٹے بھائی کا منہ زرد ہو گیا

چلائی رو کے زوجہ عباسؑ فوجاں ۹۷ یارب ہے تو یتیم حسن کا بھگیاں
 سن کر یہ غل دِلہن کے بھی آنسو پھوٹے رواں لے کر بلا میں، ساس پکاری، کمیری جاں

خالق کرے گارحم، نہ آہ و بکا کرو

دو لہا پہ آہنی ہے، میں صدقے دعا کرو

اس اضطراب میں جو سنا، ساس کا سخن ۹۸ زانو سے سر اٹھا کے ہوئی قبلہ رو دلہن
 آہستہ کی عرض کہ، اے رب ذوالمنن دشمن پہ فتح یاب ہو، تختِ دل حسنؑ

دولنے گئے ہیں آتش دہن تیری راہ میں

لکھ میرے ابن عم کو، تو اپنی پناہ میں

یاب درو بنے ہوئے گوری ہے ایک شب ۹۹ دو لہا جو مر گیا تو مجھے کیا کہیں گے سب
 اب تک تو سرم سے نہ ہلائے تھے میں نے لب پر کیا کروں کہ اب ہے مری رُوح پر تعب

شبیر کے آفتاب کا وقتِ غروب ہے

دو لہا سے پہلے بجکواٹھالے تو خوب ہے

سہرے کے پھول بھی ابھی سوکھے نہیں ہیں آہ ۱۰۰ جو آگیا پیام، رنڈا پے کا یا اللہ
 یہ عقد تھا کہ موت تھی، ماتم تھا، یا کہ بیاہ بعد ان کے ہو گا خلق میں کیوں کر مرنا نہا

اٹھوں جہاں سے دلبرِ شبیر کے سامنے

عورت کی موت تو بیجا شوہر کے سامنے

فوجیں ادھر دعا کی چلیں، سوئے آسماں ۱۰۱ کل کما کے اس طرف یہ پکارا وہ بدزباں
 رستم بھی ہو تو گھنچ نہیں سکتی مری کماں جوشن کو توڑتا ہے مرا تیسرے بے اماں

ہے اُس کی فتح ساتھ ہوں میں جس رئیس کے

شرم کیا ہے دیو کو، چٹکی میں پیس کے

قائم نے دی مدد کہ بس اب کر زباں کو بند ۱۰۲ اللہ کو غرور و متجربہ، ناپسند
حق نے فروتنی سے کیا، ہم کو سر بلند نیزے کا بند باندھ، کوئی چھیڑ کر سمند
دیکھیں بلند کون ہے اور پست کون ہے
کھل جائے گا ابھی کہ زبردست کون ہے

کیا زور تیرا، اور تری ضرب، او ذلیل ۱۰۳ تعریف اپنی خود یہ سفاہت کی ہے دلیل
جو ہر خود اُس کے کھٹے ہیں جو تیغ ہے اہل کاٹے ہماری تیغ نے بازوئے جبریل
جرات میں ہم کسی کو، بھلا کیا سمجھتے ہیں
مضبوط جو ہیں، وہ تجھے بودا سمجھتے ہیں

یہ گرز میل راہ سفتی ہے ترے لیے ۱۰۴ دست اجل ترا، یہ تبر ہے ترے لیے
برہمی کا پھل قضا کا ثمر ہے ترے لیے کالی بکاتری یہ سپر ہے ترے لیے
ضربت نہ چل سکے گی جو اریں گے ہم تجھے
بے آبرو کرے گی، یہ تیغ دو دم تجھے

کیا ہو سکے گا تجھ سے، بھلا وقت دار دیگر ۱۰۵ دستانے دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہیں او شریر
حلقہ کہیں کہاں کا، نہ کر لے تجھے اسیر دشمن ہیں سب ترے، جنہیں سمجھا ہوا ہے تیر
اد تیرہ رو، بھلا یہ سپر کیوں لگائے ہے
آہوش میں کہ تجھ کو سیاہی دبائے ہے

گو اسلو ہے زیور مرداں سر گزار ۱۰۶ سب حربے چل سکیں گے بھلا وقت گیر دار
ہے دم میں فیصلہ، جو کھنچے تیغ آب دار لائے ہوئے ہے تن پہ عبت ایک خر کا بار
چھپتے نہیں ہزار میں تیور دلیسر کے
یہ تو نہیں ہے، کلب ہے، برق میں شیر کے

بیٹوں کے غم نے کر دیے غفلت ترے حواس ۱۰۷ گہرا نہ سمجھتے ہیں تجھے بھی، انھیں کے پاس
فاقہ ہے ہم پہ ادب ہے سولہ پسر کی پیاں آنکھیں ملا کے دیکھ بھلا ہے کہیں ہراس
گم ہیں جو نور عین تو آنکھیں چسرائے ہے
ثابت ہوا، جھلم سے، کہ منہ کو چھپائے ہے

آگے ہمارے دعویٰ جرأت، خدا کی سزاں ۱۰۸ گدھی سے کھینچ لوں، ابھی بڑھ کر تری زباں
مغرور اس پہ ہے، کہ میں لڑکا ہوں تو، جوان لے میان سے، کہ اس کا بھی ہو جائے امتحاں

ہیں شیر و شیر خوار، جناب امیر کے
جھوٹے سے پھینک دیتے ہیں اژدہ کو چیر کے

بارہ برس کے سن میں لڑے شاہ و ذمہ القار ۱۰۹ مرحب سا پہلوں نہ بچا وقت کارزار
ہے دیکھنے کا یہ تن و توش، اوزبوں شعار گینڈے کی ڈھال کاٹتی ہے، تیغ آب دار
لڑکوں سے فوجیں بھاگی ہیں، منہ پھر پھر کے
باتی کو مار ڈالا ہے بچوں نے، شیر کے

قابل کیا جو صحف، ناطق کے لال نے ۱۱۰ ترکر دیا اُسے عسرق انفعال نے
برجھا اٹھایا ہاتھ میں اُس بد خصال نے چھڑا فرس کو قائم یوسف جمال نے
نکھنے لگے صفوں سے جواں سب لڑے ہوئے
عباس نامدار قریب، آکھڑے ہوئے

قاسم نے عرض کی کہ بہت دھوپ ہے حضور ۱۱۱ بیسے چچا کے پاس یہ تکلیف کیا، ضرور
فرمایا صدقے میں تری ہمت کے، لے غیور دشمن کو پاس آنے نہ دو ہم کھڑے ہیں دُور
بُشیار جانِ عجم، کہ دم کارزار ہے
جاتا ہے اب کہاں، یہ تمھارا شکار ہے

کیوں تیغ تول تول کے بڑھتے ہو، بار بار ۱۱۲ بیٹا سپر تو ہاتھ میں لے لو، چچا نشان
صدقے ترے جو اس کے، لے میرے شہسوار ہاں دونوں پاؤں رکھو، رکابوں میں استوار
آنے دو اُس کو، تیغ ابھی، دم بھر تھمی سہے
گھوڑا نہ بد مزاج ہو پڑی جمی رہے

فارس ہے تم سا کون تہ چرخ چمبری ۱۱۳ دکھلا رہے ہو صاحبِ دُلڈُل کی بگڑھری
صدقے میں اے نہنگ، محیطِ دلاوری دکھلانے ضرب تیغ جہاںگیر حیدری

اب رو بہ گل ہو، آنکھوں سے آنکھیں لڑتی ہیں
بھاری نندہ، وہ پہنے ہے، جوٹیں کڑی ہیں

بیٹا تمہیں خدا نے دیا ہے، عقل کا زور ۱۱۳ گو پہل ہے پر ہم تو سمجھتے ہیں اس کو مور
 بہرام کی طرح سے چلا اب میان گور دیکھو گے، دیکھنے کا، فقط ہے یہ زور شور
 چلتے ہیں جتنے سانپ وہ ڈستے نہیں کسی
 گریبے ہیں جو بہت، وہ برستے نہیں کبھی
 سن کر صدائے شیر، نگارا وہ بزدلا ۱۱۵ کیا ان کے ساتھ آپ بھی ہیں، عازم ونا
 تیوری چڑھا کے حضرت عباس نے کہا بس ہے تجھ پر طفل، مری احتیاج کیا
 کچھ تجھ سے کم نبیسرہ خیبر شکن نہیں
 دو، ایک سے لڑیں، یہ ہمارا چلن نہیں
 نیزہ ہلا کے جانب قائم بڑھا وہ کل ۱۱۶ دو ہلانے مسکرا کے صدادی ہنسل ہنسل
 گھوڑا نہ گرے پڑے تو سے لنگر سے منہ کے بل تو ہے فرس پہ، اور تری گردن پہ ہے اجل
 ضیغ ہیں، بیشہ اسد ذوالجلال کے
 کیجور سناں کے وار ذرا دیکھ بھال کے
 یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزے کو دی تکان ۱۱۷ چمکی آئی تو برق پکاری کہ الاماں
 اک بند باندھ کر جو فرس سے کہا کہ، ہاں ڈانڈ آئی ڈانڈ پر تو سناں سے لڑی سناں
 بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
 فل تھا کہ اڑ رہے سے وہ انھی لپٹ گیا
 قاسم نے زور سے جو آئی پر رکھی آئی ۱۱۸ بھاگا شقی کے جسم سے زور تھمتنی
 بگڑا جو ڈھنگ جان پہ ظالم کے آبنی تھی اس سناں کی لوک کہ ہیرے کی تھی آئی
 اڑ کر گری زمین پر سناں اس مکان سے
 گرتا ہے جیسے تیر شہاب آسمان سے
 جھلکے کہ جو نیزے کو لایا وہ فرق پر ۱۱۹ قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ، مارا بچا کے سر
 دو انگلیوں میں نیزہ دشمن کو سہام کر جھٹک دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
 نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا، نابکار کا
 دو انگلیوں سے کام لیا زوال فقار کا

سنبھلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اٹھا کے جب ۱۲۰ قبضے میں لے لکائی کیانی، بہ صد غضب
پہلے میں تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب تیوری چڑھائی قاسم نوشاہ نے بھی تب
تیسرے نگاہ سے، وہ خطا کا رڈ گیا

کاپے یہ دونوں ہاتھ کہ جلد اتر گیا
بولایا مسکرا کے جگر گوشہ حسن ۱۲۱ رُخ پھیر لو نہ او ستم ایجاد پسِ تن
چلائے بڑھ کے حضرت عباسؑ صف شکن کیا تھ کو خوب یاد ہیں، تیرا فگنی کے فن
دیکھا ہمارے شیر کی چتون کی شان کو
دھوئی ہے کچھ ابھی تو چڑھالے کمان کو

کند و گداز تیسرے نظر پر بھی کی، نظر ۱۲۲ ظالم عقاب تیر کے بھی اڑ گئے ہیں پر
شیروں کے کاٹ ڈالے ہیں، روئیں تو کس سر ہاں اب بتا، صواب کدھر ہے، خطا کدھر

ترکش کو پھینک دے جو محبت کا جوش ہو
چلی سے لو کو کو تمام کے حلقہ بگوش ہو
دوسرے چلے جو لامنت کے اُس پر تیر ۱۲۳ چلایا تیغ تیز کلم کر کے وہ شہر
ہاں لے حسن کے لعل بدخشاں، بدھ، بگیر نکل چمک کے یاں سے بھی، تیغ قضا نظیر
چمکا کے تیغ تیز، جو قاسم سنبھل گئے
سمجھا جو کچھ، فرس کے بھی تیور بدل گئے

مانند شیر خیمہ میں آیا وہ پسِ تن ۱۲۴ آنکھیں اُبل پڑیں صفت آہوئے فتن
مارے زمیں پر ٹاپ کہ لرزا، تمام بن چلائے سب کہ گھوڑے پہ بھی لو چڑھ جائے نکل
مینہیں زمیں کی اُس کی مچا پڑے پہل گئیں
دونوں کنوتیاں بھی مچڑی ہو کے مل گئیں

فر فر نفس کی آتی تھی نتھنوں سے، جب مہدا ۱۲۵ کہتے تھے لوگ سب کہ بد قاف، یہ بادبا
دشمن کو گھورتا ہے، دانا چا چا چا قل تھا کہ بس فرس ہو تو ایسا ہو با وفا
دشمن کو کیا بسر دینے کی آس ہو
لڑنے لگا ریاں، یہ فرس جس کے پاس ہو

چل بی دکان فوج کو، دوڑا، تھا، اڑا ۱۲۶ صورت بنائی جست کی، سٹھا، جما، اڑا
دیگی زمیں کبھی، کبھی ٹوٹے سما، اڑا مثل سمندر بادشہ انسا اڑا

جن تھا، پری تھا، سحر تھا، آہو شکار تھا
گویا ہول کے گھوڑے پر گھوڑا سوار تھا

دونوں طرف سے چلنے لگے واریک بیک ۱۲۷ دو بھلیاں دکھانے لگیں، ایک جاچک
بچنے لگے فلک کے دیپکوں سے سب ملک اک زلزلہ تھا اوجِ ثریا سے تاسمک

چہرہ پہ آفتاب کے مقتل کی گرد تھی
یہ خوف تھا کہ دھوپ کی رنگت بھی زندگی

ہر بار جانبین سے ہوتے تھے، وار رد ۱۲۸ تھا حرب و ضرب میں وہ شقی بھی بلائے بد
جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بانی حسد کہتا تھا بازوئے شیر دیں، یا علی مدد

یوں روکتے تھے ڈھال پر تیغ جہول کو
جس طرح روک لے کوئی شہ زوہا پھول کو

لایا جو حرفِ سخت زباں پر، وہ بد خصال ۱۲۹ جھپٹا مثالِ شیرِ زندہ، حسنِ کالال
گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بر صرب حال اتنے ہڑے کہ لڑ گئی، اُس کی چہرے ڈھال

ادھر طغی کہ پھوس اڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پاؤں دکھ دیے سر پہ چھند کے

جہاں نامدار نے پہلو سے دی صدا ۱۳۰ ہاں اب نہ جانے دیکھو، احسنت مرجبا
دشمن کے مارے ڈالنے کی، بس یہی ہے جا سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا

گھوڑا بھی اس طرف کو ادھر ہو کے پھر پڑا
دارا کرے ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا

تلائی نے دی صدا کہ وہ مارا ازلیل کو ۱۳۱ بچنے آج پست کیا دست پیل کو
کیا سبدم کیا، رہ عصیاں کے میل کو لوگو! شنو گرا دیا، حرفِ ثقیل کو

دو ہو گئی کسر نہیں، تسر لگا ہوا
دیکھو تو آ کے لاش کے گھوڑے کی ہوا

قاسم سے پھر کہا کہ مبارک تمہیں غفر ۱۳۲ تسلیم کی ادب چھا کو جھکا کے سر
اور عرض کی یہ دور سے ہاتھوں کو جوڑ کر اقبال آپ کا کہ مہم ہو گئی یہ سر

ہشتی پہ آپ جب ہوں تو پھر کیا ہراس ہو

کام آئے کیوں نہ راس، جو استاد پاس ہو

فرمایا جان عم یہ بشر تھا کہ دیو زاد ۱۳۳ ڈھایا ہے تم نے کفر کا گھر، خاندانِ عناد
آؤ کہ تم یہ پھونک دیں پڑھ کر وَاَنْ تَنكَاد چلائی درسے ماں کہ برائی مری مراد

بیوہ کالا پنج گیب صدقے حسین پر

اسپند کوئی کر دے مرے نور میں پر

قباس نامدار تو ہنستے چلے ادھر ۱۳۴ یعنی خوشی کی جا کے شہر دیں کو دوں خبر
اس عم کدے میں دہر کے شادی کہاں مگر یاں اُس بنے پہ ٹوٹ پڑے لاکھ اہل شر

لاکھوں سے لڑکے، پیاس سے مجبور ہو گئے

حربے ہزار ہا جو چلے چور ہو گئے

کیوں کر تمام فوج سے اک تشہ لب لٹے ۱۳۵ اک اک لڑا آہ، بہم ہو کے سب لڑے
کھا کھا کے زخم، مشہل امیر مر لڑے جاننا زیاں غضب کی دکھائیں غضب لڑے

جلوہ میاں تشہ دہانی دکھا دیا

بچپن میں لڑکے زور جوانی دکھا دیا

لکارا جس نے بس وہیں گھوڑا ڈپٹ کے آئے ۱۳۶ یوں آئے جیسے شیر زندہ جھپٹ کے آئے
بجلی اُدھر گری یہ جدھر کو پلٹ کے آئے صف کو بچا کے آئے پھرے کو الٹ کے آئے

منہ سرخ تھا کھلے ہوئے تھے زخم سینے کے

بھا کر ہو چکے تھے قطرے پسینے کے

کاٹے رسالے تین سے کارِ مسلم لیا ۱۳۷ دستِ یمنیں نے جنگ میں آرام کم لیا
پھوسٹ چہ میں تیغ و سپر کو بہم لیا تیورائے، بے نیلے، منہ سے لہو ڈلا، دم لیا

یاں بند ہو کے آنکھ کھل جتنی دیر میں

سو تیر دل کو توڑ گئے، اتنی دیر میں

آخر گھرا سپاہ میں وہ چودھویں کا ماہ ۱۳۸ روئے تھی فوج تیروں سے اور برجیوں سے راہ
لشکر کے ساتھ تھا، پسر سعد موصیاء تلوار چیل رہی تھی کہ اللہ کی پستاہ
نکل متا کہ روند ڈال ہے لشکر کے باغ کو

ہاں غازیو مجھاد و حسن کے سپہ راغ کو
تینیں چڑھائی تھیں، جولینوں نے سان پر ۱۳۹ پڑتی تھیں وہ قریب سے اس ناتوان پر
تیروں پر تیسرتے، تو کمائیں کمان پر حملہ تمام فوج کا تھا، ایک جان پر
یوں برجیاں تھیں چار طرف اس جناب کے
جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

غش میں جھکا فرس پڑ جو وہ غیرت قر ۱۴۰ مارا کسی نے فرق پڑا گز گز سر
برجی لگی جو سینے پڑ ٹکڑے ہوا جگر گرتے تھے اس سے کہ کمر پہ لگا تبہ
طارق کی تیغ کھاکے پکارے امام کو
فسر یاد یا حسین، بچاؤ غلام کو

منٹے ہی استغاثہ داماد کی صدا ۱۴۱ دوڑے حسین جانب مقتل برہمنہ پا
گمبرا کے بولے حضرت عباس با وفا تلوار کس پہ چل گئی ہے ہے ہوا یہ کیا
چلائی ناں، ارے دری بستی آجڑ گئی
لے بھائی دوڑو، بن کے لڑائی بگڑ گئی

چھپے جو شاہ فوج پہ چمکا کے ذوالفقار ۱۴۲ بجلی گری بزید کے لشکر پہ ایک بار
اس غیظ میں ہمیں سے جو آئے شوتے یلہ بھاگے پھر کے گھوڑوں کی باگوں کو سب سوار
بھاگوں میں خوں سے زن کی زمیں لال ہو گئی
دو لہا کی لاش گھوڑوں سے پامال ہو گئی

دیکھت امام نے کہ رگڑتے ہیں ایڑیاں ۱۴۳ شوتے ہوئے یوں پہ ہے انٹھی ہوئی زبان
داماد سے لپٹ گئے حضرت بہ صد فدا بے جاں ہوا حسین کے آگے، وہ نیم جاں
جب لاش اٹھائی شرنے تو مجھڑا استخوان تھے
سب چاند سے بدن پہ سوں کے نشان تھے

ڈیوڑھی پہ لاش لائے، جو سلطان بھروبر ۱۳۴ پر دیا اٹھایا ڈیوڑھی کا نصفہ نے دوڑ کر
لاش کے پاؤں تھامے کوئی، اور کوئی سر چادر کر کے تھامے تھے عباس نام ور
ملکی تھیں دونوں خاک میں زلفیں آئی ہوئی

رُخ پر بڑی تھیں سہرے کی ٹٹیاں کٹی ہوئی
لاش ادھر سے لے کے چلے شاہ کربلا ۱۳۵ دوڑے ادھر سے پیٹے ناموس مصطفیٰ
فہرہ تھی آگے آگے، تھکے سر برہنہ پا آئی جو صحن میں تو یہ رانڈوں کو دی صدا
چھپ جاتے جس سے دور کانا تا ہے ماحوا!

دو لہا ڈلہن کے لینے کو آتا ہے ماحوا!
بہنیں کدھر ہیں ڈالنے اچھل بنے پہ آئیں ۱۳۶ اب دیر کیلے ہے ٹھہرے سے باہر ڈلہن کو لائیں
نصحت ہوں جلد تاکہ براتی بھی چین پائیں جاگے ہیں ساری رات کے، اپنے گھروں کو جائیں
دل پر ہے فراق کی شمشیر تیز کو
ماں سے کہو ڈلہن کے، بکالے جہیز کو

ناگاہ لاش صحن تک آئی، لہو میں تر ۱۳۷ پیٹے جو سب غروس کو بھی ہو گئی خبر
تھا سامنا کہ لاش پہ بھی جا پڑی نظر گھر کے تب سکینے سے بولی وہ نوہر گر
دو لہا کی لاش آئی ہے، سہرے کو توڑ دو
مسند اٹ دو ٹھہرے کے پر دے کو چھوڑ دو

یہ کہہ کے نوچنے لگی سہرا وہ سوگوار ۱۳۸ افشاں چھڑکے خاک ملی، مُنہ پہ چہند بار
کہنے لگی لپٹ کے سکینے مہر نگار ہے ہے بن بڑھاؤ نہ سہرے کو میں نثار
وہ کہتی تھی کہ جاگ کے تقدیر ہو گئی
بی بی نہ پکڑو ہاتھ کہ میں رانڈ ہو گئی

یہ کہہ کے غش ہوئی، جو قلع سے وہ نوہر گر ۱۳۹ ٹھہرے سے دوڑی بالی سکینے برہنہ سر
اگر قسریہ صحن چکاری بہ چشم تر لے بیوی کسی کو ڈلہن کی بھی ہے خبر
کیسی گھڑی ہے ہاتھ یہ اٹل کدھر گئیں
دوڑو پھو پھو، جہان سے گبرا لگد گئیں

رو کر بہن سے کہنے لگے شاہ مجرور ۱۵۰ اس بے نصیب رانڈ کو لے آؤ لاش پر
بیٹی نے گئی اس کی ہمیں تھی نہ کچھ غصہ اب شرم کیلئے دیکھ لے دو لہا کو اک نظر

زخمی بھی ہے شہید بھی ہے بے پردہ بھی ہے

دو لہا بھی نام کو ہے چچا کا پسری بھی ہے

حضرت یہ کہہ کے ہٹ گئے باچشم اشکبار ۱۵۱ پوٹی یہ سر کہ غش ہوئی بانوے دل فگار
چادر سپید اٹھا کے دہلن کو بہ حال ناز گودی میں لائے زینبؑ تمکین دستگوار

چلائی ماں یہ بھر کے تن پاش پاش پر

قاسم بنے آٹھ دہلن آئی ہے لاش پر

صدتے گئی چچی کو نہ ہوئے کہیں ملال ۱۵۲ رکھو دہلن کی پیغیرہ اتھ لے حسن کے لال
واری بس اب اٹھو کہ پریشاں ہے میرا حال کیسا یہ خواب ہے کہ دہلن کا نہیں خیال

کروٹ تو لو کہ ماں کے جگر کو قسار ہو

اس بچپنے کی نیند یہ اتاں زشار ہو

جس دم دہلن نے لاش کے ٹکڑوں پہ کی نگاہ ۱۵۳ نکلی لہو میں ڈوڈی ہوئی، اک جگر سے آہ
قدموں پہ سر جھکا کے پکاری وہ رشک ماہ میرا قصور عفو ہے اے میرے بادشاہ

بولی نہ تھی حجاب سے تعمیر وار ہوں

اب حکم ہو تو لاش پہ اٹھ کر نثار ہوں

اے پارہ دل حسن اے فدائے حسین ۱۵۴ کل وہ خوشی تھی آج یہ برپا ہے شور و شین
کیا کہہ کے روؤں اٹھ گیا اب تو جہاں سے چین بیوہ کوئی بکھلے تو صاحب کروں میں بین

چھوڑا دہلن کو لاش پہ رونے کے واسطے

دو لہا بنے جئے قبر میں سونے کے واسطے

صاحب بتا تو دو تمہیں رونے میں کیا کہوں ۱۵۵ بے بس کہوں کہ فدائے راجہ خدا کہوں
پسا سا کہوں شہید کہوں یا بتا کہوں دو لہا کہوں کہ قائم ملکوں تبا کہوں

ماتم بھی یوں تو ہوتا ہے شادی بھی ہوتی ہے

اک شب کی رانڈ دو لہا کو کیا کہہ کے روتی ہے

کیوں رونے والو سنتے ہو آوازِ شور و شین ۱۵۶ اس بزمِ پاک میں ہیں یہاں نوہرِ گر حشین
منہر کے پاس خاطرِ روتی ہیں کر کے بین ماتم کرو کہ مر گیا حضرت کا نورِ عین

مختبر کو بھی قلق ہے شبِ بے وطن کو بھی

پُرسا امام کو بھی دو تم اور حشین کو بھی

لکھے انیس خوب بہ سرعت یہ چند بند ۱۵۷ لے جانے شوق سے جیسے مضمون ہو جو پسند

بک جا ہے شیر و شکر و شہد و نبات و قند اس کے کرم سے ہو گا یہ دریا کبھی نہ بند

نہر میں رواں ہیں فیضِ شہرِ شرفین کی

پیا سو پو سبیل ہے نذرِ حشین کی

مرثیہ (۱۳)

آمد ہے کر بلا کے نیتاں میں شیر کی ۱ دیوڑھی سے چل چکی ہے، سواری دلیر کی
 جاسوس کہہ رہے ہیں، نہیں راہ پھیر کی غش آگیا ہے شکوہ یہ ہے وجہ دیر کی
 خوش بو ہے دشت، بادِ بہاری قریب ہے
 ہنسیار غافل، کہ سواری قریب ہے

آتا ہے وہ جری جو ہزاروں میں فرد ہے ۲ شیروں کا شیر عازم دشت نبرد ہے
 دہشت سے آفتاب کا چہرہ بھی زرد ہے بڑھ کر پوسے سے جواسے روکے، وہ مرد ہے
 سربر کوئی ہوا نہیں اس خاندان سے
 گھر میں انھیں کے اتری ہے تیغ آسمان سے

مشہور ہے جہاں میں یہ مفرد و حیدر دہر ۳ جبار کے غضب کا نمونہ ہے ان کا قہر
 نرنے میں آگئی جو شجاعت کی ان کو لہر لاکھوں سے ایک دار میں یہ چین لیں گے نہر
 فرزند ہیں علی سے شرکائے کائنات کے
 لاشوں کے پل بندھیں گے کناے فرات کے

ہاں نور چشم فاتحِ ضعیب قریب ہے ۴ لو وارثِ کشندہِ عنتر قریب ہے
 تختِ دلِ درندہ اژدر قریب ہے جوتیغ کا دھن ہے وہ مفرد قریب ہے
 جو ہر کبھی چھپے نہیں تیغِ اصیل کے
 کلے انھیں کی تیغ نے، پر جبرئیل کے

یکتائے روزگار ہے، وہ شیرِ حق کا لال ۵ اک اک جری ہے شیرِ درندہ دمِ جدال
 ان سے مقابلے کی، بھلا ہے کے محال جرات وہی ہے، غیظ وہی ہے، وہی جلال
 دکھلائیں گے چلن، اسدِ کردگار کا
 گھر گھاٹ ان کی تیغ میں ہے ذوالفقار کا

۶ رشکِ چمن میں سب پہ گلِ سرسبد یہ ہے آفاق میں نظیر ہر بر اہدیہ ہے
 ذی مرتبت ہے صاحبِ فہم و خرد یہ ہے عباس نام کیوں نہ ہو کس کا اسدیہ ہے
 دیکھا نہیں جہان میں شیر اس جلال کا
 دُرجنم ہے فاطمہ زہرا کے لال کا

۷ اندرے آمد آمد عباس صفتِ شکن لرزاں تھے کوہِ پلٹے تھے دل کا پتا تھا تن
 جنگل کے شیر بن گئے تھے خوف سے ہرن اک شور تھا کہ آج پڑے گا غضب کا رن
 یہ شیر کم نہیں اسدِ قلعہ گیر سے
 گویا مقابلہ ہے جنابِ امیر سے

۸ تھا فوجِ قساہ میں تلاطم کہ الحذر تھیں موج کی طرح سب ادھر کی صفیں ادھر
 چکر میں تھی سپاہ کہ گردش میں تھا بھنور پانی میں تھے نہنگ ابھرتے نہ تھے مگر
 فوجیں فقط نہ بھاگی تھیں مُٹھ موڑ موڑ کے
 دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارے کو چھوڑ کے

۹ چھایا تھا سب پر رعبِ علم دارِ نوجواں تسلیم کو جھکے ہوئے تھے فوج کے نشان
 گوشہ لہاں کا ڈھونڈ رہی تھی ہر اک کمان ترکش بھی تھے ہر اس میں کھولے ہوئے دہاں
 تیسروں کا بے گماں تھا ارادہ گریز کا
 مُٹھ گنبد ہو گیا تھا ہر اک تیغِ تیسز کا

۱۰ ہل چل یہ تھی کہ گردِ سواری عیاں ہوئی گویا چمن میں بادِ بہاری عیاں ہوئی
 آمدِ خدا کے شیر کی ساری عیاں ہوئی آپ آئے کیا کہ قدرتِ باری عیاں ہوئی
 روشن تھا، شمعِ طور سے، پرتوِ حضور کا
 خلعتِ بلا، زمینِ مقدس کو نور کا

۱۱ اک شور تھا کہ آج زمیں آسمان ہے صحرائے کر بلا نہیں دنیا کی جان ہے
 اتر زمیں پہ چاندیہ خالق کی شان ہے رضواں نے دی حد کہ، خدا مہربان ہے
 پرتو ہے یہ زرخِ خلعتِ بو تراب کا
 دیکھو اُلٹ گیا ہے ورقِ آفتاب کا

نفسِ نئمِ فرس کی ضیا پر کرو خیال ۱۲ اختر کہیں ہے بدر کہیں ہے کہیں ہلال
ہے دو پہر کے بعد سدا شمس کو زوال یاں ہے دی عروج نہ ہے حشمت و جلال

پروانہ آفتاب ہے چہرے کے نور پر

گھوڑے پہ آپ ہیں کہ حقی ہے طور پر

آئینہ جبیں سے صفا آشکار ہے ۱۳ ابروئے مامور رخ کی ضیا آشکار ہے
چشمِ گہر شاں سے صفا آشکار ہے رخ سے حلال شیر خدا آشکار ہے

رستم بھی چڑھ کے گار نہ ٹھہر دلیہ کے

چہرہ تو خور کا ہے پیو رہا ہیں شیر کے

نورِ جبیں نے جلوۂ قدرت دکھادیا ۱۴ چہرے نے حسنِ صبحِ مباحث دکھادیا
ابروئے رنگِ تیغِ شجاعت دکھادیا قامت نے سب کو طورِ قیامت دکھادیا

جنگل کو بونے کو چہرے کیسو با گئی

کپڑوں سے نگہتِ غلِ فردوس آگئی

ابرو نہیں ہے چشمِ مروت نہاد پر ۱۵ نون لکھ دیا ہے صانعِ قدرت نے صا پر
دید اس کی فرضِ عین ہے خوش امتقاد پر قرآن ہے صبح و شام بیاض و سواد پر

سادہ نگیں حدید کا درِ نجف میں ہے

پستلی نہ جانو، درِ مکنوں حدف میں ہے

اعجازِ لب میں چشم میں سحرِ حلال ہے ۱۶ پستلی نہیں ہے چہرۂ یوسف کا خال ہے
تعریف کیا کہیں کہ دہن بے مثال ہے تقسیمِ تجز و لا یتجزئی محال ہے

نہر لیا ہے نقطۂ فصری دہن نہیں

اسرار کو دگار میں جلتے سخن نہیں

شیریں لبوں کی مدح میں اب ناخضر ہے بند ۱۷ لائے گاہ سخن میں نمک یہ کہاں سے قند
پیشگی جو بات ہو وہ زباں کو نہیں پسند عالم ہے کن کے شورِ تکلم سے بہرہ مند

نے قند میں یہ لطف نہ مشائخِ نبات میں

صانع نے بھر دیا ہے مرا بات بات میں

بے مثل ہیں خوشا دُرِ دندان کی آب و تاب ۱۸ دُرِ دندان کو دیتے ہیں دندان شکن جواب
یوسف نے دیکھے تھے یہی اخترِ میانِ خواب طالع چمک گئے، مہرِ کنتاں ملاحظہ
باتوں میں لب جو ہلکتے ہیں اس خوش نصیب کے

ہیروں کی چوٹ پڑتی ہے نکلوں پہ لال کے
قربان رونقِ خطِ رخسارِ سرخ فام ۱۹ یہ صبح ہے حلب کی، تو گیسوِ عنق کی مشام
واللہیل، مگر سورۃِ الشمس ہے تمام گویا جنابِ نضر کا، ظلمات ہے، مقام
تفسیر خط کی، مصحفِ ایماں کے گرد ہے
دیکھو ہجومِ مورِ سلیمان کے گرد ہے

یہ خط نہیں ہے، دفترِ قدرتِ بیکار ہے ۲۰ عنبرِ فانیِ قلمِ مشک بار ہے
لاریب فیہ، مصحفِ پروردگار ہے واضح یہ ہے کہ، جلد سے خطِ آشکار ہے
منہ دیکھے جس کو نور کا سورہ، نہ یاد ہو

تاریک شب میں پڑھ لے جو روشن سواد ہو
روشن گر زمانہ ہے، صبحِ گلو کا نور ۲۱ دیکھے اگر تو شرم سے گردن جھکائے خور
نور خدا کا، صاف گریباں سے ہے ظہور پروانہ شمعِ حقن پہ، جس کے چراغِ طور
بوسوں کو خوریں رہ گئی ہیں، ہونٹ چاٹ کے
پریوں نے جان دی ہے گلے کاٹ کاٹ کے

شانے سپہرِ حسن کے دو آفتاب ہیں ۲۲ بازو مثالِ دستِ خدا، لا جواب ہیں
سعدِ برائے تیغ و سپہرِ انتخاب ہیں ہاتھوں سے بادشاہ و گدا، فیضِ یاب ہیں
المنی ہے آستینِ جو حیدر کی شان سے
اُگلی ہوئی ہے تیغِ پیدائندہ میان سے

سعد میں زور وہ کہ زبردست زیر ہیں ۲۳ ایذا میں باحواس ہیں، فاقوں میں سیر ہیں
لاکھوں پہ حملہ کرتے ہیں، ایسے دلیر ہیں پنچے کا ان کے ذکرِ بھلا کیا کہ، شیر ہیں
زہرہ ہے ڈر سے آب، کیو مرث و گویو کا
منہ پھر گیا ہے ان کے طعناؤں سے دیو کا

طاقت بھی اُن کے بازوؤں کا ایک نام ہے ۲۳ زور اُن کا خاتمہ زاد، تہور، غلام ہے
اقبال اُن کے گھسکا، مدار المہام ہے اُن کے جلو میں، فتح و ظفر صبح و شام ہے

ہر دم قشون جاہ و حشم ساتھ رہتے ہیں
نصرت کو اُن کی، غاشیہ برادر ملجے ہیں

فوج اُن کی، شان و شوکت و اقبال و جاہ ہے ۲۵ مردانگی، سلام، جلاست، سپاہ ہے
ثابت قدم ہیں، یہ، دم تیغ اُن کی راہ ہے جرات ہے اُن کا ختم، شجاعت نگاہ ہے
فوجوں سے معرکے میں نشان چھین لیتے ہیں

سید ہیں اُن بان پہ، یہ جان دیتے ہیں

مہرجائیں نامراد، یہ اُن کی مراد ہے ۲۶ ناشادنی جہاں ہو تو دل اُن کا شاد ہے
کم اُن کے آگے، لشکر ابن زیاد ہے جو یاہیں کافروں کے، یہ شوقِ جہاد ہے

دنیا ہو اک طرف تو یہ کچھ جانتے نہیں
اللہ و پیغمبر کے سوا، مانتے نہیں

رہتے ہیں سب جہاں کے زبردست، زیر دست ۲۷ لشکر تباہ کر دیئے، فوجوں کو دی شکست
دیکھا ہے شیرِ حق کی لڑائی کا بندوبست آنکھ اُن کی حق مٹا ہے نظر اُن کی حق پرست

روح الامیں پیروں کو بچاتے ہیں فرش پر
سُر اُن کے خاک پر ہیں، مہازان کی عرش پر

یسنے کا آئینہ ہے، کدورت سے پاک صاف ۲۸ برعکس اُن سے جو وہ خدا سے ہے بر خلاف
جرات کا اُن کی قاف سے شہرہ ہے تابہ قاف سو سو صفوں کو صاف کیا ہے، دم مصاف

دعویٰ نہ ہو جسے، یہ اُسے ٹوکتے نہیں
تلوار جب جلی، تو سپر روکتے نہیں

اب کس طرح، ثبات قدم کو کروں رقم ۲۹ کاغذ پہ رک گیا ہے، صدا دے کے یہ قلم
نفسِ پائے حضرتِ جناس کی قسم ٹل جائے کوہ، پر نہ نہیں گے جگہ سے ہم

ثابت ہو اک، قابلِ شرح و مباحث نہیں
خامے کا ذکر کیا ہے سیاہی رواں نہیں

وصف صلاح جنگ میں اب لڑ گئی ہے جاں ۳۰ اے ذہن آج ہے تری تیزی کا امتحان
مضمون نئے تراش تو اے خنجر زبان جو ہر شناس بیٹھے ہیں اے تیغ طبع ہاں

منزل ابھی ہے دور، صفت کارزار کی
رہ جائیو نہ، تجھ کو قسم ذوالفقار کی

یہ خود آہنی نہیں، فرق جناب پر ۳۱ سر پوش نڈر ہے، قدح آفتاب پر
اُبر آگیا ہے، فرق رسالت مآب پر یا تاج خسروی ہے، سر بوترا ب پر
سایہ ٹپکتی آئے وہ، جو سعید زمانہ ہے

اقبال کے ہما کا، یہی آشیانہ ہے

مردم کو اس زرہ کی زیارت ضرور ہے ۳۲ حلقوں میں جس کے، حور کی پتلی کا لہر ہے
موتی کا ہے یہ قول، کہ قندیل طور ہے داؤد کہتے ہیں کہ، یہ جوشن زبور ہے

کثافت امر حق ہے، بیاں اس سعید کا

ہاں ترجمہ ہے، مضمون رب مجید کا

رکھتا نہیں کسی سے کدورت، یہ خوش نہاد ۳۳ الا عدوئے آلِ بیمبر سے ہے عناد
چار آئینہ ہے رحمت و انصاف و عدل و داد بس پنجتن کا نام سپر ہے دم جہاد

بن جائے گا اماں کا حصار آئینہ ہی

جوشن ہی، سپر ہی، چار آئینہ ہی

پیشانی آئینہ، رُخ جاں، پرورد آئینہ ۳۴ دوش آئینہ ہے، سینہ مہ پیکر آئینہ
برقیں دل آئینہ، جسد انور آئینہ ہر آئینہ سے بہتر و خوش تر، ہر آئینہ

بے حدود بے حساب و شمار آئینے ہیں یاں

چار آئینہ کے بدلے ہزار آئینے ہیں یاں

دستانہ ہے کہ، تیغ ید اللہ کا پیام ۳۵ منہ میں کلائی شیر کے، یہ ہے انہیں کا کام
قالب لاف کا، فتح کا گھر زندہ کا قیام بچے میں ہے جو تیغ تو اقبے میں روم و شام

دُنیا میں کوئی اُن سے نہ افضل، نہ دین میں

تو خدا کے ہاتھ کی ہمتیں میں

یہ شیرِ نیتانِ ولایت کے، بُر ہیں ۲۶ بیٹے میں شیرِ حق کے پلے وہ ہنر بُر ہیں
چمپ جانیو نہ ان کو یہ مختارِ صبر ہیں کوئیں اگر تو برق ہیں، مگر جیس تو ابر ہیں

رستِ علا کا قہر انھیں کا جلال ہے

برق اُن کی تیغ ہے، تو گھٹائی ڈھال ہے

روباہِ دل ہے، شیرِ ثریاں اُن کے سامنے ۲۷ لرزاں ہیں شل پیزِ جواں اُن کے سامنے
پٹے سے کم ہیں پیلِ دماں اُن کے سامنے کھلتی نہیں کسی کی زباں اُن کے سامنے

تَن پُر زے ہو کئے خاک کے پوند ہوتے ہیں

انساں تو کیا ہیں تیغوں کے دم بند ہوتے ہیں

ہے دوشِ صبحِ عید، شبِ قدر ہے سبز ۲۸ قدرتِ خدا کی یہ ہے، ادھر شبِ ادھر سحر
اک ماہِ نو تو چار ستارے ہیں جلوہ گر گویا دوہنِ بنی ہوئی ہے، سیلیِ ظفر

جو خوبیاں کہ چاہیں وہ سب حصول ہیں

معشوقِ سبزہ رنگ کے دامن میں پھول ہیں

ہے وصفِ تیغ میں، سپر انداختہ زباں ۲۹ لکنت کے حرف آتے ہیں، لب پر دمِ بیان
ہیں، مثلِ برقِ جہندہ، انشُرِ فشاں پیدا حُزیرِ کلک ہے ہے شورِ الاماں

کیوں کر کوئی لکھے، جو مجالِ رقم نہ ہو

خامے کو خوف ہے کہ زباں سپرِ قلم نہ ہو

قد کتنا خوش نما ہے، بدن کس قدر ہے گول ۳۰ جو ہر شناس ہے تو، اسے موتیوں سے تول
مفتاحِ فتح ہے، درِ نصرت کو اس سے کھول وہ تیغ ہے، خراجِ صفا ہاں ہے جس کا مول

اُشراف کا بناؤ، رئیسوں کی شان ہے

شاہوں کی آبرو ہے، سپاہی کی جان ہے

دل سوز، شعلہِ خو، شررِ انداز، جاں گداز ۳۱ لشکر کش و شکستِ رساں و ظفرِ نواز
نوں خوار و کجا داد، دل آزار و سرِ فراز حاضرِ جواب، تیزِ طبیعت، زباں دراز

سج اُس کی ہے پسند جہاں، گو سبھی نہ ہو

معشوقِ پھر نہیں ہے، جو اتنی کبھی نہ ہو

پشتہ وہ اس کا، اور وہ باریکی خمیر ۴۲ کس بل میں بے مثال، اصالت میں بے نظیر
جنگ آزما خراج ستانہ ملک گیر یگفتی نورد، بادیہ پیا، فلک مسیر
اُس کا جلال خلق میں کس پر، جلی نہیں
کوچہ وہ کون سا ہے، جہاں پر جلی نہیں
چھوڑے اگر شعاع کی چمن نہ آفتاب ۴۳ کیا تاب ہے کہ لاسکے، اس کی چمک کی تاب
آفت کا دم ہے، قہر کی تیزی غضب کی تاب دشمن اسے جورات کو دیکھے، میانِ خواب
بھاگے ہزار وہ، پہ نہ پادے مفر کہیں
بستر پہ دھڑک کہیں ہو، دم صبح سحر کہیں
ہے گرچہ، علم تیسریں، قادر وہ ارجمند ۴۴ لیکن کہاں نہ ساتھ ہے، نے تیر نے کمند
تیر دسپر ہے، یا علم شاہ سربلند سب حربے دور کے ہیں، بہادر کو ناپسند
کیما خوف ان کو، نہر پہ گر روک ٹوک ہے
نیزہ نہیں جو پاس، ہاک اس میں بھی ٹوک ہے
صدقے علم کے، حضرت عباس کے شار ۴۵ طوبی شادہ، عرش تجلِ فلک وقار
شمشاد سبز پوش گلستانِ اقتدار حمزہ کا اقتدار، تو بعقر کا استعار
جھکتا ہے جس سے عرش، یہ پایا اسی کا ہے
فلِ خدا پہ دھوپ میں سایا اسی کا ہے
دریا عمل تھا سبز بھرے میں تھی وہ لہر ۴۶ سبزہ بھی اس کے عشق میں کھائے ہوئے تھا زہر
دامن ہے، یاربانِ جہاز، امام دہر موجیں دکھا رہی ہیں، بہشت بریں کی نہر
پہنچے کا نور، سبز بھریرے کے ساتھ ہے
طوبی کی شاخ سبزیہ، مریم کا ہاتھ ہے
دامن وہ سبز اور وہ پنچے کا اس کے نور ۴۷ نکلا ہوا ہے قصرِ زمر دے روئے حور
فرق جنابِ خضر پہ، روشن ہے شمع طور بے شبہ، دو امام کے ہے نور کا، ظہور
اُس کا علم یہ ہے، جو شبہ مشرقین ہے
گویا حسن کے دوش پہ، دستِ حسین ہے

لکھا ہے اب کیفیت قلم، سرعست سمند ۴۸ آہوشکار، شیر طبیعت، دغا پسند
نازک مزاج، خوش قد و طناز و سر بلند وہ پیش و پس، وہ کُسم، وہ کنوتی دہ جوڑ بند
اتری تھی اک پری، فرس تند خونہ تھا
سرعست بھری ہوئی تھی رگوں میں، ہور نہ تھا

تنہا ہیں اس شکوہ سے عباس تشنہ لب ۴۹ اور واں، پرے جہانے میں سفاک سب کے سب
تینیں علم کئے ہیں، سپاؤ دغا طلب ڈھالوں سے اہل شام کی، دن ہو گیا تماشب
سرسنگ روم ورے ہیں دغا پر تلے ہوئے
ہیں دور تک نشانوں کے شقے کھلے ہوئے

کہتا تھا شمر آکے یہ ہر اک پرے کے پاس ۵۰ ہاں صفدران شام، خبردار باحواس
مردوں کو معرکے میں نہیں چاہیئے ہر اس بڑھنے نہ پائے حضرت عباس حق شناس
لاکھوں ہو تم وہ ایک کیا سے کو کوک لو
جانیں لڑا کے شیر کے حملے کو روک لو

ہے رستی کا وقت، دغا کا مقام ہے ۵۱ مردانگی نبرد میں، مردوں کا کام ہے
عالم میں، شورِ طنطنہ فوج شام ہے جیدر کے اس نشان کو مٹا دو تو نام ہے
ہاتھوں سے صبر کی بھی عذاں چھوٹ جائے گی
مُرجائیں گے حسین کمر ٹوٹ جائے گی

پہونچی جو گوش شاہ میں، یہ شمر کی صدا ۵۲ اٹھے تڑپ کے خاک سے حضرت برہنہ پا
چلائے آکے سامنے اے فوج اشقیا کاؤ خدا کے واسطے، پہلے مرا گھلا
بولا نہیں میں کچھ، جو بھرا گھر اُجڑ گیا
مر جاؤں گا ابھی جو یہ بھائی بچھڑ گیا

آفت میں مبتلا ہوں، اسیرِ محن بھی ہوں ۵۳ فاتحہ بھی تین دن کا ہے، تشنہ دہن بھی ہوں
بیکس بھی ہوں، ضعیف بھی ہوں تنہا بھی ہوں سید بھی ہوں غریب بھی ہوں، بے وطن بھی ہوں
ناحق بڑھے ہو تیر کمانوں میں جوڑ کے
کیا ہاتھ آئے گا برے بازو کو توڑ کے

مشہور کائنات میں ہے، بھائیوں کا پیار ۵۴ بچپن سے میں ہوں اس پہ فدا، مجھ پہ یہ نیشا
پہلو میں دل نہ ہو تو، جگر کو کہاں قرار مجھ سے جدا ہوا نہیں دم بھر، یہ نامدار

جب سے خدا کے شیر نے چھوڑا جہاں کو

پالا ہے میں بنے گود میں اس نوجواں کو

بازو سی ہے، ہاتھ سی، تن کی جاں، یہی ۵۵ قوت سی، عصا سی، تاب دواں، یہی

بھائی سی، پسری سی، راحت رساں، یہی خادم سی، شفیق سی، مہرباں، یہی

پانی پلائے جب یہ بہشتی تو پیتے ہیں

ہم تو اسی جواں کے سہارے سے جیتے ہیں

دل کی جو تقویت ہے، تو قوت جگر کی ہے ۵۶ سینے کا ہے سرور، ضیا چشم ترکہ ہے

دولت کچھ ایک دن کی نہیں عمر بھر کی ہے پیری کا آسرا ہے، نشانی پر کی ہے

کیوں کر نہ روؤں، روح کا اوتار کا ساتھ ہے

طفلی کی افیتیں ہیں، لڑکپن کا ساتھ ہے

ہم دونوں میں سے، ایک پہ قربان ایک ہے ۵۷ جاں ایک ہے، دل ایک ہے، ایمان ایک ہے

جلدیں اگرچہ دو ہیں، پہ ترکان ایک ہے، قالب جدا جدا ہیں، مگر جان ایک ہے

جب روح کوچ کر گئی، پھر تن میں دم کہاں

بے جاں ہوا یہ جان بردار تو ہم کہاں

دنیا میں چھوٹے بھائی سے، پیارا نہیں کوئی ۵۸ دل کا سرور، آنکھوں کا تارا نہیں کوئی

گر ہے تو یہ ہے، اور سہارا نہیں کوئی کہنے کو یوں ہیں سب پہ ہمارا نہیں کوئی

پوچھو اس سے بھائی سے، جس سے جدائی ہو

جب باپ ہو جہان میں پیدا، تو بھائی ہو

روکر جو مستغیث امام، بحق، ہوئے ۵۹ غم سے کیجئے بھائیوں والوں کے شق ہوئے

جو صاحب جیا تھے، وہ غرق غرق ہوئے سن کر صدا حبیب کی عباس کی، نفی ہوئے

بر بھی لگی الم کی، دل درد ناکٹ پر

نزدیک تھا کہ گر ٹپیں گھوڑے سے خاک پر

گھبرا کے معرکے سے پھر آیا وہ خوش خرام ۶۰ دیکھا کھڑے ہیں ہاتھوں سے تھامے کمر امام
گھوڑے سے کود کر، یہ بچکارا وہ نیک نام آپ آئے، کیا غضب یہ کیا، اے فلک مقام
سر پر عامہ رکھتے، ہمیشہ کے واسطے

یہ اضطراب، بندہ احقر کے واسطے
پھیلانے شہ نے ہاتھ کر، آؤ گئے لگو ۶۱ سینہ مرے جگر سے لگاؤ، گھلے لگو
پچھڑے ہیں دیر سے، نہ رلاؤ گھلے لگو تو تم بھی دست شوق بڑھاؤ، گھلے لگو
آنکھوں سے آنکھیں منہ سے منہ اور بچے ملیں
اب کی جدا ہونے تو خدا جانے کب ملیں

دو ایک جا رہیں یہ فلک کو نہیں پسند ۶۲ دنیا میں ہجر کے کئے، پہنچے نہیں گزند
دیکھا نہیں کہ ہو کبھی رستہ اجل کا بند آتی ہے موت جب، تو پچھڑتے ہیں بھائی بند
روئے جو مدتوں، تو خوشی ایک دم ہے
تھوڑے دنوں نبی دعلی بھی ہم ہے

وہ دل ہے داغدار جو، ہجر الٰہی نصیب ہے ۶۳ کوئی بعید یار سے، کوئی قریب ہے
اس باغ کا بھی رنگ عجیب و غریب ہے اکثر چین میں پھول نہیں، عندلیب ہے
موسم کوئی نہیں، چین روزگار میں
لاکھوں ہیں گل کہ ٹوٹ گئے ہیں بہار میں

فرما کے یہ، بہ شوق ادا مام، بڑے ۶۴ عباس اس طرف کو جھکا کر علم، بڑے
بس ڈبڈبائے آنکھوں کو دھو جو علم بڑے یہ سوئے سینہ، اور وہ سوئے قدم بڑے
دونوں پہ کوہ رنج و غم دیا سگر پڑے
گردن جھکا کے پاؤں، پہ عباس گھر پڑے

بوئے گلے لگا کے شہنشاہ نامدار ۶۵ اے میرے یادگار پدر، میں ترے نثار
پلٹے رہا ابھی کہ، جگر کو نہیں قرار بیٹا ملا دوجھاتی سے چھاتی پھر ایک بار
تم کیا چلے کہ، زخم جگر تازہ ہو گیا
پھر آج ہم کو داغ پدر تازہ ہو گیا

زیرِ بغل تھے، دستِ شہشاہِ بھرو بر ۶۶ چھاتی سے سرنگائے تھے، عباس نامور
حضرت کاروئے پاک تھا، بھائی کے دوش پر ہچکی لگی تھی ان کو ادھر ادھر انہیں ادھر
تھمتی تھی رقت ان کی، نہ زہرا کے جائے کی
تھی دو طرف بلند صدا ہائے ہائے کی

عباس روکے کہتے تھے، مولا نہ رویے ۶۷ صدقے غلام اے مرے آقا نہ رویے
صدے ہے بے قرار میں بابا، نہ رویے سرپیشی ہیں فاطمہ زہرا نہ رویے

پردے میں کچھ، نہ آلِ نبی کے غل پڑے
ایسا غضب نہ ہو کہ سکی نہ بھل پڑے

دل تھا جوش کا، فرطِ محبت سے بے قرار ۶۸ فرمایا ہم کو گرد تو پھرنے دو ایک بار
بوئے یہ کانپ کانپ، عباس با وقار بندے ہوں لاکھ مجھ سے، تو نفیس پر نثار
کیوں کر کہوں کہ قابلِ لطف امام ہوں
میں تو سکی نہ جان کا ادنیٰ غلام ہوں

رو کر کہا جیٹن نے، اے جانِ الوداع ۶۹ اچھا سدھار دے مرے ذی شان، الوداع
بھائی تمہارے عزم کے قربان الوداع ہم بھی ہیں کوئی آن کے ہماں الوداع
بابا اے میری پیاس کی فریاد کیجیو
کوثر پہ جا بیو تو مجھے، یاد کیجیو

روتے ہوئے یہ کہہ کے چلے شاہ دیں پناہ ۷۰ تا دیر اس طرٹ رہی عباس کی نگاہ
ہم شکل مصطفیٰ کو پکارے، بہ آشک داہ آنے دیا حضور کو یاں تم نے، واہ واہ
بھولے اُسے جو کہہ کے ہم آئے تھے آپ سے
بیٹا چچا نثار، خبردار باپ سے

فرما کہ یہ چڑھے فرس خوش حسام پر ۷۱ نعرہ تھا دم بہ دم، کہ تصدق امام پر
چمکا فرس کہ برق گری، ابر شام پر غصے سے ہاتھ شیر نے ڈالا، حسام پر
بڑھ کر رجز پڑھا کہ پرے تھر تھرا گئے
خیبر کے سرکشوں کو، عسائی یاد آ گئے

نعرہ یہ تھا کہ ہم دُور دریائے نور ہیں ۷۲ دُنیا کے جتنے عیب ہیں سب ہم سے دُور ہیں
خیر کشتا کے قلب و جگر کے سرور ہیں حصار میں سخی ہیں، ولی ہیں، غیور ہیں
اپنا چلن، کھلا ہوا سب عاقلوں پہ ہے

اب تک ہماری ضرب کا بگڑا دلوں پہ ہے
جب معرکے میں جم گئے ہیں پاؤں گاڑ کے ۷۳ دُم میں قدم اکھاڑ دیے ہیں، پہاڑ کے
روکی ہے تیغ، کفر کی بستی اُجاڑ کے پٹکا ہے گھر سے حق کے، بتوں کو اکھاڑ کے
پڑھ کر درود و فوج ملک، مدح خواں ہوئی
جب ہم گئے تو، کعبے کے اندر ازاں ہوئی

درپے ہمیں سب سے رحمت کی تلاش کے ۷۴ ٹکڑے تلک جلا دیے، کافر کی لاش کے
چھوڑا نہ سر بدن پہ کسی بد معاش کے کالے ہمیں نے ہاتھ ہر اک بت تراش کے
ناقوس کو اٹھائے، زمین پر پٹک دیا
آتش کدوں پہ تیش کا پانی چھڑک دیا

جنگ آزما ہیں، صفت شکن و قلعہ گیر ہیں ۷۵ صولت میں، دہدے میں، عظیم الظہیر ہیں
دُنیا کے بادشاہ ہیں، گردوں سریر ہیں اس آوج پر حشین کے در کے فقیر ہیں
رتے پہ نعرے، نہ شجاعت پہ ناز ہے
گر ہے تو بس غلامی حضرت پہ ناز ہے

کیا کیا لڑے ہیں، خیر و بدر و تبوک میں ۷۶ یہ ہاتھ پیام میں نہڑکے ہیں نہ بھوک میں
شہر ہے اپنی جو دو سخا کا، ملوک میں حاتم سے بھی سخی ہیں، سوا، ہم سلوک میں
بگڑے ہیں جب تو خون کے دریا بہائے ہیں
سردے دیا ہے بات پر جس وقت آئے ہیں

تب شہر نے کہا کہ فصاحت سے کیا حصول ۷۷ بیعت انھیں، توضیح ہمیں بھی نہیں قبول
غازی، پیکارا، اونٹن و مرد و جہول لیجو نہ منہ سے نام جگر گوشہ رسول
سمجھا ہے کیا امام عراق و حجاز کو
گندمی سے کھینچ لوں گا زبانِ دراز کو

تو کیا ہے اور کیا ہے تراوہ، امیرِ شام ۷۸ کرتے ہیں بادشاہ، کہیں بیعت غلام
تو بھی نمک حرام ہے وہ بھی نمک حرام او بے ادب یزید گجا اور کجا امام
دوزخ سے دور رہتے ہیں ساکن بہشت کے
کعبہ کبھی جھکا نہیں آگے کنشت کے

یہ کہہ کے لئی دلیر نے تلوار میان سے ۷۹ مسکن چھٹا ہمارے سعادت نشان سے
بکلی جو عندلیبِ ظفر آشیان سے چمکے شرارے پھول جھڑے آسمان سے
دکھلائی شکل، قہر خدائے جلیل نے
آنکھوں پر ڈر کے رکھ لیے پر حیرتیل نے

حملہ دلیر کا، غضب کر دگار تھا ۸۰ گر سامنے تھا شیر، تو وہ بھی شکار تھا
تلوار کو ندنی تھی، فرس بے قرار تھا مقتل میں گرم، معرکہ کارزار تھا
بہتا تھا خوں بدن سے تو منہ زرد ہوتے تھے
تلوار کی ہوا سے بدن سرد ہوتے تھے

وہ تیغ جہاں گداز، بدر جہاں کے رہ گئی ۸۱ گردن مدو کی، شمع صفت ڈھل کے رہ گئی
یہ غول بٹن گیا تو وہ صفت، جل کے رہ گئی بھاگا کوئی تو ہاتھ، اجل مل کے رہ گئی
کہتی تھی تیغ مجھ سے کہاں بچ کے جائے گا
نہنڈا کروں گی میں، تو جہنم جلائے گا

ہوش و حواس شمر سیر، رو، اڑا دیے ۸۲ دو دو کے ایک ہاتھ میں بازو اڑا دیے
راکب کے پاؤں گھوڑے کے زلو اڑا دیے ڈالی کسی نے آنکھ، تو ابرو اڑا دیے
تھا نور چشم شیر الہی، حلال میں
پتلی مچھی ہوتی تھی، سیاہی کی ڈھال میں

بکلی سی جس پرے کی طرف آگے پھر گئی ۸۳ ناگن تھی اک، کہ فوج پہ لہرا کے پھر گئی
دوم میں بہو زین پہ، برسا کے پھر گئی اللہ رے منہ، مضی کی مضی کھا کے پھر گئی
کالے جگر تو لور دلیری ہوئی اُسے
سیروں لہو پیا پہ نہیری ہوئی اُسے

غصے تھا شیر کا بپتے تھے بزدلوں کے دل ۸۴ سینے میں ہو گئے تھے لہو قاتلوں کے دل
لوہے کو اُس کے مان گئے ہا ہلوں کے دل کیا چال تھی کہ لوٹتے تھے ہمسلوں کے دل
تھی ماہ نو، پہ پھرتی تھی بکسلی بنی ہوئی
جسکی ٹو زنجیروں کے لیے چپاندنی ہوئی

لڑاں ہر ایک بانی بیدا و جور تھا ۸۵ لشکر تھا بے حواس، تب ہی کا طور تھا
رُخ زرد تھے، سپاہ کا کچھ رنگ اور تھا نیروں کا تھانہ اوج نہ ڈھالوں کا دور تھا
کشتوں کے پُشتے اور سروں کے پہاڑ تھے
فوجیں کٹی ہوئی تھیں، محلے اُجڑے تھے

گر اِس طرف بڑھا کسی بیدا گر کا ہاتھ ۸۶ بالائے تن رہا نہ ادھر نہ اُدھر کا، ہاتھ
مُکستانہ سماعی دل کے پسر کا ہاتھ دو ہو کے گر پڑا جسے مارا کسر کا ہاتھ
ہنستی تھی موت آنکھ جو پڑتی تھی زین پر
اُدھافرس پہ جسم تھا، اُدھافرس زین پر

تینیں پہرے کے ساتھ کٹیں، خود سس کے ساتھ ۸۷ سینہ کمر کے ساتھ کٹا، دل جگر کے ساتھ
ہل چل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھہرا، پسر کے ساتھ اور مہر کہ میں چھوٹ گئے، عمر بھر کے ساتھ
بھاگے شہر پر خلعت و منصب کو چھوڑ کر
رُومیں روانہ ہو گئیں قالب کو چھوڑ کر

گرتی تھی برقی تیغ جو ہر بل اُدھر اُدھر ۸۸ سٹے ہوئے تھے ڈھالوں کے بادل اُدھر اُدھر
شہباز تھا کہ پھر رہی تھی کل، اُدھر اُدھر بھاگتے تھے قلب فوج میں، ہل چل اُدھر اُدھر
ہر جاتوں کے ڈھیر سروں سے بلند تھے
بھاگیں کہیں گریز کے کوچے تو بست تھے

سر ہنگ شام ٹھوکرین کھا کھائے مر گئے ۸۹ جو بچ گئے اُدھر سے اُدھر جب کے مر گئے
کتنے جوان سٹوں کے تلے آ کے مر گئے پس کے سرد ہو گئے انکرا کے مر گئے
ہل چل نے استخوان بدن چور کر دیے
بیٹوں نے پاؤں باپ کی چھاتی پہ دھر دیے

محبز کا دی اُگ ساعقہ شعلہ ریز نے ۹۰ مچن کر مغنوں کو صاف کیا تیغ تیز نے
کچلا انھیں سمند کی ہر جہت و خیز نے گیتی اُلٹ دی ابنِ علی کی ستیز نے
ترکش نہ تھے درست نہ ثابت کمان تھی

تینوں میں دم رہے تھے نہ شکر میں جان تھی
مسترار ہوا تھا خوف سے مینائے لاجورد ۹۱ ہلے تھے کوہ کاپتا تھا وادیِ نسبرد
تھا دن بھی زرد و دھوپ بھی زرد اور زیں بھی زرد خورشید چھپ گیا یہ اُنھی کر بلا میں گرد
اک تیسرگی مٹا سے تھی چشم مہر میں

نپاؤ پڑے ہوئے تھے محیطِ سپہر میں
تھا الامان کا شور پریشاں تھے اہلِ شہر ۹۲ تینوں کے پیچھے در کے چھپی تھی ہر ایک سپہر
ماتھے علم رگڑتے تھے جھجک جھجک کے خاک پر پرچم نے بال کھولے تھے فریادیوں نے سر
دانتوں میں خس ہر اس سے تھی ہر جوان کے

چادر ہلارہے تھے پھر ہرے نشان کے
معروف تھے جہاد میں عباس با وفا ۹۳ ناگاہ آنی خیمے کی ڈیوڑھی سے یہ صدا
اب کیا سکینہ پیاسی ہی مر جائے اے چچا کب تک لڑو گے فوج سے بس ہو چکی دغا
سوکھے ہوئے لبوں پہ مری حبان آئی ہے
اے نور چشم ساقی کوثر دہاتی ہے

جلدی خدا کے واسطے دریا پہ جانیے ۹۴ قمر بان جاؤں بھر کے مری مشک لائیے
پھکتا ہے سینہ اُگ جبرگر کی بجھائیے اچھے مرے چچا مجھے پانی پلائیے
اب جسم کہیئے مری دودن کی پیاس پر

جیتی ہوں اب تک آپ کے آنے کی اس پر
اعداد کو بار بار نہ جھنجھلائے دیکھیے ۹۵ مدد تھی فرات کو اب جا کے دیکھیے
کانٹے مروا اے اب آ کے دیکھیے رونے کو شاہِ بیکس و تنہا کے دیکھیے

مدد فراق کا ہے دلِ دردناک پر
جلد کیے حنین تڑپتے ہیں خاک پر

عباس نے سسنی جو، یہ آوازِ ناگہناں ۹۶ بے اختیار آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
 کا ندھے پر رکھ کے شیر نے شمشیرِ خوں چکاں رُخِ جانبِ فِرات کیا، پھیر کر عشاں
 دیکھی جو نہرِ دل نہ رہا اختیار میں
 گھوڑا اڑا کے شیر سے آئے کچھار میں

گرمی میں تھے جو غرقِ عرق، سر سے تابہ پا ۹۷ سردی سے اس ترائی کے، جان آگئی، ذرا
 دریائے ٹھنڈی ٹھنڈی جو آنے لگی ہوا صدمہ ہوا کہ، دھوپ میں ہیں مشاہد کر بلا
 دل ہو گیا کبابِ مصیبت پہ مشاہد کی
 عباس نے نامدار نے اک سرد آہ کی

دودن سے بے زباں پہ جو تھا آبِ ودانہ بند ۹۸ دریا کو ہنہٹا کے لگا، دیکھنے سمند
 ہر بار کانپتا تھا، سمٹتا تھا، بند بند چمکارتے تھے، حضرت عباسؓ ارجبند
 تڑپاتا تھا جگر کو، جو شور آبشار کا
 گردن پھرا کے دیکھتا تھا، منہ سوار کا

چمکارتے تھے حضرت عباسؓ نیک نام ۹۹ بس اتنا مضطرب نہ ہوا، اسپر تیز گام
 گر تو ہے تشنہ کام، تو ہم بھی ہیں تشنہ کام پیاسا ہے ذوالجلالِ شہنشاہِ خاص و عام
 اٹھتا ہے شورِ گریہ محمدؐ کے آل سے
 آگاہ کیا نہیں ہے سکینہ کے حال سے

عباسؓ نے کہا، جو یہ بچوں کا حال زار ۱۰۰ گردن ہلا کے رہ گیا، اسپر وفا شعار
 جب نہرِ علقہ میں در آیا وہ نامدار پانی سے شگفتگی کو اٹھاتا تھا بار بار
 حباں بازیِ سمند پہ غازی نے رو دیا
 غازی کے منہ کو وکی کے تازی نے رو دیا

دریائے بھر چکا وہ ہشتی جو مشک آب ۱۰۱ چلایا فوج کو، غمِ خانما خداب
 لومشک لے چلا، جگر و حباں بو تراب سادات پر بس اب یہ کبھی ہوں گے نفع یاب
 گرمشک تا خیمِ شہ نیک خو گئی
 یہ حباں لو کہ حباں گئی، آبرو گئی

یہ شورشن کے گھاٹ پُ اُمڈی سپاہِ شام ۱۰۲ پہلے سے بھی زیادہ ہوا، کچھ ہجومِ عام
 تو لے تھے پہلوں، تبر و خنجر و حسام فل تھا کہ ہاں، بھٹکنے نہ پاتے یہ تشنہ کام
 اب پاس آبر و کا ہے، جانوں کا غم نہیں
 عباسؑ نامور نہیں، یا آج ہم نہیں
 تیغِ دو دم کو تول کے غازی نے دی صدا ۱۰۳ مجھ کو نہ دُور جانیو، اے لشکرِ جفا
 پہلے نہ رک سکے، تو بھلا اب رکیں گے کیا یہ گھاٹ تیغ کا ہے، خنجر دار اک ذرا
 دیکھیں تو ہاں پرے کو جانے کھڑے رہو
 رو کو تو بچھپیوں سے، ہم آئے کھڑے رہو
 یہ سن کے جوڑنے لگے حلقوں میں واں خود گستاخ ۱۰۴ یاں بادِ پارتائی میں تھا، صورتِ نہنگ
 لپکا جدھر زبائے شمشیر شعلہ رنگ پانی میں ڈوبنے لگے ناری کہاں کی جنگ
 حیرت تمام فوج کو تھی اُس کے کاٹ پر
 برسا دی آگ تیغ کے پانی نے گھاٹ پر
 (۵) تا غاضر یہ نہر سے لڑتا گیا، دلیر ۱۰۵ تو دے کہیں مروں کے کہیں تھے توں کے ڈھیر
 تکتے تھے موئے خیمہ شہ، منہ کو پھیر پھیر دم لے لیا کہیں، کبھی جھپٹے مثالِ شیر
 پھر پھر کے تیغ چلتی تھی اس دیں پناہ کی
 پر ہائے کم نہ ہوتی تھی کثرتِ سپاہ کی
 نزدیک سے نہ کرتا تھا حسد بہ کوئی شریر ۱۰۶ پہلو سے تیر چلتے تھے اور سامنے سے تیر
 تھے ایک جان کے لیے دشمن جوان و پیر برجھے تھے گردِ نیچ میں تھا وہ مد منیر
 منظورِ ظلم سخت تھا، ہر بدِ خصال کو
 پتھر شقی لگاتے تھے حیدر کے لال کو
 اک تشنہ کام لاکھوں میں کس کس کو دے جواب ۱۰۷ شل ہو گیا تھا، بازوئے فسر زندہ بو تراب
 کہتا تھا ماتہ اٹھنے کی محب میں نہیں ہے تاب لڑنے میں فکر تھی کہ نہ ضائع ہو مشکِ آب
 پروانہ تھی جو بازوؤں پر تیر کھاتے تھے
 لیکن سپر سے مشکِ سکینہ بجاتے تھے

برہی سے چھڑ گیا کبھی دل اور جگر کبھی ۱۰۸ اک شیریں ادھر کبھی بچپٹے ادھر کبھی
چھاتی تلے نئی مشک کبھی، دوش پر کبھی سیدہ کبھی تھامشک کے اوپر سپر کبھی

رہوار پر سنبھلتے تھے جب جھوم جھوم کے

روتے تھے بازوؤں کو علی چوم چوم کے

نکتے تھے مسکرا کے موئے آسماں کبھی ۱۰۹ ہونٹوں پہ پھیر لیتے تھے شوکھی زباں کبھی
لگتا تھا تن پتیر کبھی، اور سناں کبھی جھکتے تھے خود فرس سے کبھی اور نشاں کبھی

گھوڑے کو جب بٹھاتے تھے رانوں میں داب کے

قدروں سے نکلے جاتے تھے حلقے رکاب کے

چھینٹیں لہو کی اڑ کے جو پڑتی تھیں مشک پر ۱۱۰ دامن سے پونچتے تھے، علم دار نامور
یہ پاس تھا کہ تیغوں سے ٹکڑے ہو میرا سر شقہ مگر علم کا نہ ہوے لہو سے تر

اقبال بادشاہ زمین و زمان رہے

دنیا میں رہوں نہ رہوں یہ نشاں رہے

واجیف و ادربغ، تمنا تے جاں نثار ۱۱۱ جھکتے تھے بار بار سنبھلتے تھے بار بار
اوریاں کیں میں تھابن و رقائے نابکار ماری شقی نے دوش پر اک تیغ آبدار

آفت پڑی نصیب سکنہ الٹ گیا

رٹتے تھے جس سے ہائے وہی ہاتھ کٹ گیا

اک ہاتھ سے سنبھلتے تھا، مشکیزہ و علم ۱۱۲ بہتا تھا خون، ضعف بھی بڑھتا تھا دم بہ دم
گھوڑے پر سیدھے ہوتے تھے گلہائے تو گاہ خم فریاد الغیث، ستم پر ہوا ستم

تیغ کسی کا، شیر کے شانے پہ پھر پڑا

وہ ہاتھ بھی بدن سے جدا ہو کے گر پڑا

کٹ کے گرا تھا بازو تے غازی جوزین پر ۱۱۳ تلوار ادھر لٹک رہی تھی، اور ہاتھ ادھر
بے دریں یہ چاہتے تھے کہ لیں تیغ شعلہ ور قبضہ نہ چھوڑتا تھا کٹے ہاتھ کو مگر

صدقہ جو اس ابن شہر ذوالفقار کے

پھیدے علم کی نوک سے دل پانچ چار کے

بے دست یاں ہوا جو وہ سرِ وحشیں کا ۱۱۴ واں تھر تھر کے رہ گیا باز وحشیں کا
غل تھا کہ خالی اب ہوا پہلو وحشیں کا گھائل ہوا برادرِ خوشِ رُوحشیں کا
ہاں نوبتیں بجاؤ، ظفرِ یاب ہم ہوتے

گو یا علیؑ کے دستِ مبارک قلم ہوتے
گو ہاتھ کٹ گئے تھے مگر کچھ نہ تھا ہر اس ۱۱۵ دانتوں سے جھک کے مشک کو کپڑا بہ درد و یاس
غم تھا کہ گر پڑا، علم شاہِ حق شناس یہ رعب تھا کہ در سے نہ آتا تھا کوئی پاس
آنکھیں بہتیں رُخ سے جلالِ آشکار تھا
مشکیزہ تھا کہ شیر کے منہ میں شکار تھا

ٹھکر کے راہوار کو بڑھتے تھے واں سے جب ۱۱۶ چھاتی پزیرے کدہ کے نہیں روکتے تھے سب
اس پر بھی بڑھ چلا تھا وہ بے دست و تشنہ لب مارا کسی نے فسق پر اک گرز ہے غضب

صدے سے زرد چہرہ پُر نور ہو گیا
ضربت لگی کہ کاسہ سر چور ہو گیا
ہر چند پھٹ گیا تھا، سرِ دلبرِ علیؑ ۱۱۷ تسمہ نہ چھوڑا مشک کا دانتوں سے اس پر بھی
اپنا نہ کچھ خیال تھا پیاسوں کی فکر تھی ہرنے پہ سونگ دیا جب مشک چھدر گئی
آنکھوں سے بہہ کے اشک بھدیاں گر پڑے
پانی گرا تو گھوڑے سے عبا س گر پڑے

اُئی صدائے شیرِ الہی یہ ایک بار ۱۱۸ شبیرِ آفتاب ہوا، تجھ پر حباںِ نثار
ہے یہ ترے لیے مری گودی میں بے قرار عاشق کو ہے ترے ترے آنے کا انتظار
ہونٹوں پر دم بہ دم ہے صدایا حسین کی

آنکھیں تری طرف ہیں مرے نورِ عین کی
جس دم سنا حسین نے یہ نوحہ پدر ۱۱۹ ٹپکا عمامہ سرِ اقدس کو خاک پر
گر کر اٹھے سنبھل کے گرے شاہِ بحر و بر چلتاے ہاتھ اکبرِ مہر و کا، تمام کر
وا حسرتا، جوانِ برادرِ بھپڑ گیا
تمامو ہمیں کہ، بند کمر کا اکھڑ گیا

زینب نے دی صدا کہ میں قربان کیا ہوا ۱۲۰ چلائے اے بہن برا عاشق جدا ہوا
ہے ہے کا شور اہل حرم میں بپا ہوا زہرا نے دی صدا کہ بڑا حادثہ ہوا
گھبرا کے بنت شاہ مدینہ نکل پڑی
حضرت بڑے نہ تھے کہ سکیٹنہ نکل پڑی

دریا پہ سر برہنہ شر بھر و بر چلے ۱۲۱ صدمہ یہ تھا کہ ہاتھوں سے تھامے کر چلے
اکبر سنبھالے باپ کو، باچشم تر چلے یہ بھی چلے ادھر، شر والا چدر چلے
صدمہ ہے ضرب غم سے دل پاش پاش پر
رونے کو بھائی جانا ہے بھائی کی لاش پر

صورت یہ شاہ کی ہے کہ زلفوں پہ خاک ہے ۱۲۲ آلودہ غبارِ الم روئے پاک ہے
ٹوکے لبوں پہ نالہ، روحی فداک ہے اور تاکر قبا کا گریبان چاک ہے
دست بیمار بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
شر کو جھکے ہوئے، علی اکبر سنبھالے ہیں

جب پاؤں کانپتے تھے تو کہتے تھے رو کے شاہ ۱۲۳ طاقت بدن کی لے گئے، عباس اس آہ
دریا نہ اتنا دور تھا، اے میرے رشک ماہ رستہ غلط کیا ہے کہ کچھ بڑھ گئی ہے راہ
ہے دوریاں سے، یا مرا بھائی قریب ہے
کہتے ہیں وہ حضور ترائی قریب ہے

القصد لائے باپ کو اکبر ترائی میں ۱۲۴ زخمی ملا وہ شیر دلاور ترائی میں
پانی جو بولتے خونِ برادر ترائی میں لاشے کے پاس گر پڑے سرور ترائی میں
گذری تھی عمر ہاتھ جے جوڑتے ہوئے
دیکھتا اسی کو خاک پہ دم توڑتے ہوئے

منہ رکھ کے منہ پہ بھائی کے بھائی نے دی صدا ۱۲۵ اے شیر اے دلیر یہ ہے کس ترے فدا
کیوں پتلیاں پھرتے ہو، بھائی یہ کیا یہ کیا عباس میں حسین ہوں، دیکھو مجھے ذرا
میرا بھی حلقِ مشک ہے، خنجر کے واسطے
بھائی کو چھوڑے جاتے ہو دم بھر کے واسطے

ٹھہر و عثمان تو سن عمر رواں نہ لو ۱۲۶ ساقی تھکا ہوا ہے رہ کارواں نہ لو
کروٹ کراہ کڑ مرے آرام جاں نہ لو لگتی ہے چوٹ دل پہ مرے ہچکیاں نہ لو
مجاؤں گائیں ساتھ اگر چھوٹ جائے گا
بھائی مرا تو رشتہ جاں ٹوٹ جائے گا

بولے یہ آنکھ کھول کے عباسؑ نام دار ۱۲۷ آقا ہزارِ حبانِ گرائی ترے اشار
یہ موت زندگی ہے، رہے فخر و افتخار بیکلے جو گل کے سائے، بلبلی کی جانِ زار
دیدار دیکھنے میں نہ آتا تو، موت تھی
پروانہ شمع کو جو نہ پاتا تو، موت تھی

زائوئے پاک، نورِ خدا اور سرِ حقیر ۱۲۸ عالم کا بادشاہ کجا، اور کجا فقیر
دوڑے کو مہر کر دیا اے آسمان سریر تکبہ کسی کو بھی یہ ملا ہے دمِ اخیر
پایا یہ اوج، ماں کی، نہ بابا کی، گود میں
معراج مل گئی، شہِ والا کی گود میں

رحمت نے رُخ کیا ہری جانب، حضور آئے ۱۲۹ لے کر رسولِ جام شرابِ طہور آئے
روشن ہو کیوں نہ چشم، جو خالق کا نور آئے ایسا نہ ہو سر و زجو بالیں پہ حور آئے
عشاق مر بھی جاتے ہیں زخمی بھی ہوتے ہیں
میں اب تو تندرست ہوں کیوں آپ رختے ہیں

مولا، کھڑے ہیں سائے، محبوبِ ذوالجلال ۱۳۰ یہ رو رہے ہیں شیرِ الہی، بصدِ ملال
استادہ ہیں یہ حضرتِ شہرِ مکنو خصال یہ فاطمہؑ ہیں پہلو میں، بکھرائے سر کے بال
تنہا نہیں حضورِ جلال کیوں ادا کس ہیں
جن کا غلام میں ہوں وہ سب میرے پاس ہیں

منہ نے کہا کہ لیے کو آئے ہیں تم کو، سب ۱۳۱ عباسؑ چھوڑ جاؤ گے اب ہم کو ہے غضب
سرخاک پہ ٹپک کے یہ بولا وہ جاں بہ لب اے جانِ فاطمہؑ، جگرِ سیدِ عرب
کس کس کو رو دیکھے گا کہ اعدا کے ریلے ہیں
صدہ بڑا یہی ہے کہ، حضرت اکیلے ہیں

راحت کی راہ ہے سفرِ گلشن ارم ۱۳۲ صدمہ مگر ہے رُوح پہ، اے قبلہ اُم
اب تک تو کب کے مر گئے ہوئے تڑپ کے ہم اُلفت یہ آپ کی ہے کہ اکھا ہوا ہے دم
دُنیا سے کوچ کرنے کو، جی چاہتا نہیں

اے بھائی جان مرنے کو جی چاہتا نہیں
یہ کہہ کے چپ ہوئے تھے کہ اٹھا جگر میں درد ۱۳۳ زخارِ شرخ جو تھے ہو گئے، وہ زرد
لیں کروں تو بھر گئی زخموں میں رن کی گرد مُنہ رکھ کے شہ کے پاؤں پہ کھینچی، اک آہ سرد
دُنیا سے انتقالِ علم دار ہو گیا
سردارِ فوج، بیکس و ناچار ہو گیا

بھائی کے آگے، بھائی تڑپ کر، جو مر گیا ۱۳۴ صدمہ غضب کا سبطِ نبی پر گزر گیا
خبرِ عالم کا دل سے جگر تک، اتر گیا چلاتے تھے کہ شیر ہمارا، یکدھر گیا
لیتے تھے بوسے جھک کے تن پاش پاش کے
اٹھ اٹھ کے گرد بچھرتے تھے، بھائی کی لاش کے

جھک کر بکارتے تھے کہ، بھیا صدا سناؤ ۱۳۵ سر رکھ لو میرے زانو پہ، گردن ذرا اٹھاؤ
زینتِ تمہیں بُلانی ہیں انیمے کے در پہ جاؤ کب سے بلک رہی سکینہ کو دیکھ آؤ
باتوں میں پیار کی کہیں تم سے لگہ نہ ہو
دریا پہ سو گئے ہو، سکینہ خفا نہ ہو

دک، جو آنکھ بند کیے ہو حیا سے تم ۱۳۶ کیا کچھ خفا ہو، سبطِ رسولِ خدا سے تم
اکثر ہمیں بچاتے تھے توں نے ہوا سے تم ہم آٹ گئے ہیں گرد تو جھاڑو قبا سے تم
ہے دو پہر کا وقت برادر پہ دھوپ ہے

سایہ کرو علم کا مڑے سر پہ دھوپ ہے
اکبٹر نے روکے عرض یہ کی اے شہرِ زماں ۱۳۷ رونے سے اب ملیں گے نہ حضرت کے بھائی جان
اے چلے گھر میں لاشِ علم دارِ نوجواں ایسا نہ ہو نکل پڑیں خیمہ سے بیسیاں
دریا پہ نکلے سر کہیں بہت علی نہ آتے
فغہ کو ماتہ کے کے سکینہ چلی نہ آتے

سینے سے کی جین نے ایک آہ دل خراش ۱۳۸ فرمایا ان کے بدلے ہمیں موت آتی کاش
 اچھا بتاؤ تم کہ میں کیونکر اٹھاؤں لاش سر چار پارہ، ہاتھ جدا، جسم پاش پاش
 کیوں کر کہوں کہ لاشہ علم گھر میں لے چلو
 میت کے بدلے، مشک و علم گھر میں لے چلو
 اکبر نے جب علم کو اٹھایا بہ درد و آہ ۱۳۹ رونے لگے پیکار کے حالت ہوئی تباہ
 ہاتھوں سے سر کو پیٹ کے کہنے لگے یہ شاہ باندھو علم میں، مشک بھی اے میرے رشک، ماہ
 ہے جس طرح زمانے میں اندوہ و غم کا ساتھ
 اب شتر تک رہا یوں ہی، مشک و علم کا ساتھ
 اکبر نے عرض کی کہ چلیں اب شہرِ زمان ۱۴۰ رو کر امام دیں نے کہا، جائیں اب کہاں
 واں بھی مرے لیے وہی رونا ہے، جو یہاں اپنا بھی گھر ہے اب، وہی بھائی رہے جہاں
 اٹھتے نہ تھے حسین، برادر کو چھوڑ کر
 رکھا پسرنے پاؤں پس، ہاتھ جوڑ کر
 ناچپا اٹھ کے واں سے امام اُم چلے ۱۴۱ فرمایا لو، کریم نگہبان، ہم چلے
 اکبر تو آگے لے کے وہ مشک و علم چلے سرنگے پیچھے، سرورِ عالی، ہم چلے
 جنگل میں شورِ نالہ و فریاد و آہ تھا
 حضرت کے پیچھے اس پر علم دار شاہ تھا
 فضا کھڑی تھی نیچے کے باہر جو، بے خبر ۱۴۲ حضرت کو اُس نے، دُور سے دیکھا برہنہ سر
 پردہ اُٹ کے نیچے کا، بولی وہ نوحہ گر سیدانیو اٹھو، علم آتا ہے خوں میں تر
 اکبر علم لیے ہیں، علی کا نشان نہیں
 کوتلِ فرس تو آتا ہے وہ نوجواں نہیں
 ناگاہ سب کو دُور سے آیا نظر نشان ۱۴۳ تھا خاک سے بھرا ہوا وہ جلوہ گر نشان
 گویا کہ تھا شبیہِ اَلَم، سر بہ سر نشان ڈوبا تھا خوں سے پیچہ پُر نور و درِ نشان
 چھپ جاتا تھا پھر برے میں یوں کانپ کانپ کے
 روتا ہے جن طرح کوئی، مُنہ ڈھانپ ڈھانپ کے

کچھ یہ سب کہ بازوئے عباس کٹ گئے ۱۴۴ سیدانیوں کے غم سے لبو اور گھٹ گئے
بچوں کے ننھے ننھے جگر، غم سے پھٹ گئے رنگ اڑ گئے رُخوں سے کیلجے اُلٹ گئے

ہر دل پر برق رنج و غم و یاس گر پڑی

بچوں سمیت، زوجہ عباس گر پڑی

اکسٹر علم کو خیمے کے اندر جھکا کے لائے ۱۴۵ سراپنا پینے ہوئے گھر میں حسین آئے
چلا تے تھے کہ بھائی کو بھائی کہاں سے پائے عاشق نے ساتھ چوڑ دیا ہائے ہائے

چھینا اجل نے ہم سے ہمارے دلیر کو

لو بیوی ترائی میں رو آئے شیر کو

لپٹی تو تھی علم سے سکیئہ جگر فگار ۱۴۶ ہے علی کے لال کی رانڈوں میں تھی مپکار
پر ہم پر یوں لچکتا تھا، پنخبہ وہ بار بار سر پیٹے جس طرح کوئی مظلوم سونگوار

تصویرِ حسرت و الم و یاس بن گیا

رایت بھی، نخل ماتم عباس بن گیا

زیرِ علم تھا زوجہ عباس کا یہ حال ۱۴۷ ماتھا بھرا تھا خاک کے بھرے ہوئے تھے بال
چلاتی تھی کہ اے اسدِ کبریا کے لال میں سر کو بیٹھی ہوں، تمہیں کچھ نہیں خیال

جاتا ہے یوں جہاں سے کوئی آنکھ موڑ کے

مسکن کیا ترائی میں، لونڈی کو چھوڑ کے

مر جائے گی کنیز جو صاحبِ حُسن ہے ۱۴۸ وہ کیجیے کہ خُلق میں ذکرِ وفا رہے
ہیں آپ جس جگہ وہیں لونڈی بھی آرہے تھوڑی سی جاہرے لیے پائین پا رہے

بیٹوں کا قُرب چاہتی ہوں، نہ عزیز کا

صاحب کی پائنٹی ہو، سر ہانا کنیز کا

دریا کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا تم کو بھاگتی ۱۴۹ جاگے تمام رات کے تھے، نیند آگئی
صورت تمہیں عروسِ شہادت دکھا گئی کیا خوش نصیب تھی کہ، اجل تم کو پا گئی

ہم تیرہ بخت، ہجر کی راتوں میں رو تیں گے

جاگے نصیب قبر کے آپ اُس میں سو تیں گے

صاحب چکارتی ہے یہ لونڈی، ادھر تو آؤ ۱۵۰ دامن قبا کا رکھ کے کمر میں علم اٹھاؤ
صورت کوئی نباہ کی میرے بتا کے جاؤ دُنیا تو اب اُجڑ گئی، والی مجھے بلاؤ
جب تم نہ ہو تو، موت ہمارا علاج ہے

صاحب کے ہاتھ، ہاتھ پکڑنے کی لالچ ہے
اللہ تعالیٰ آج کی شب تک، ہمارا پیار ۱۵۱ اٹھ اٹھ کے دیکھتے تھے، بڑے مُنہ کو بار بار
میں کہتی تھی کہ سو رہو، اک آن میں نثار کہتے تھے روکے، اب یہی صحبت ہے یا دُکار
فُرت میں وصل کی محرو شام پھر کہاں
سونا تو حشر تک ہے، یہ آرام پھر کہاں

میں دل میں کہتی تھی کہ خوشامد کا کیا سبب ۱۵۲ کیا تھی خبر کہ صبح کو بچھڑو گئے ہے غضب
صاحب میں دونوں ہاتھوں کو لو، جوڑتی ہوں اب تم جس جگہ گئے ہو مجھے بھی کرو طلب
چھوڑو نہ اس کو جس کا کوئی آسرا نہیں

صاحب کے سلسلہ میں کوئی بے وفا نہیں
یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی وہ جگر ٹکار ۱۵۳ زینب نے شاہ دیں سے کہا روکے زار زار
وارث کے غم میں ہوتا ہے یہ حال، میں نثار لے جایئے علم کو اب اے شاہِ نامدار
ما تم میں اور کوئی مصیبت گزرنے جاتے
ڈر ہے مجھے کہ روجہ عباس مر نہ جاتے

زینب سے روکے کہنے لگے سرورِ زمین ۱۵۴ لے کر نشان کو جلتے کہاں، اب یہ بے وطن
اب تو نہ فوج ہے نہ علم دار، صفِ شکن گھر لٹ گیا، علم کو بڑھاؤ، بس اے بہن
لو یہ نشانی شہرِ مولد ل سوار، لو
پٹکا علم سے کھول لو، پنجہ اُتار لو

جس دم مُنا علم کے بڑھانے کا سب نے نام ۱۵۵ سر اٹھ کے پیٹنے لگیں سیدانیاں تمام
رایتِ لٹاکے خاک پر، کہنے لگے امام بس الوداع اے علم سیدِ نام
پیاسے لگے کو خنجرِ خوں خوار چاہتے
بس اب مجھے علم نہ علم دار چاہتے

پُرخوں علم کے پاس تھے عباس کے پسر ۱۵۶ نیکے کھلے تھے کُرتوں کے، تھراتے تھے چکر
 ماں نے جو طوق آٹاے تھے، اور کان کے گہر سہا ہوا تھا ایک، تو اک پیتا تھا سمر
 زلفوں پہ گرد تھی تو زرخوں پر غبار تھا
 چہروں سے درجہ بے پدری آشکار تھا

چھوٹا یہ مشہ سے کہتا تھا آنسو بہا بہا ۱۵۷ بابا ہمارے گھر میں کب آئیں گے، اے چچا
 آیا علم پہ اُن کے نہ آنے کی وجہ کیا چھوٹے سے روکے تب یہ بڑے بھائی نے کہا
 اماں کی مانگ اُجڑ گئی اُسدے گزر گئے
 بہتیا تھیں خبر نہیں بابا تو مر گئے

دوڑا یسن کے نہر کی جانب، وہ بے پدر ۱۵۸ روکے پکارے شاہ کہ، بیٹا چلے کہہ
 تھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ نوحہ گر بابا کی لاش اُٹھانے کو جاتے ہیں نہر پر
 بیت نہ اُٹھ سکے گی تو خالی نہ آئیں گے
 دامن میں ہم کئے ہوئے ہاتھوں کو لائیں گے

بس اے آئیں بس کہ دعا کا ہے یہ مقام ۱۵۹ ہو مغفرت خلیق کی یاربِ ذوالکرام
 مداح آلِ پاکِ نبی تھا وہ خوش کلام یارب اسی بزرگ کا یہ فیض ہے تمام
 بندہ وہ کون سا ہے کہ جو بے قصور ہے
 گز بخش دے تو کیا تری رحمت سے دُور ہے

مرثیہ (۱۴)

جاتا ہے شیر بیشہ حیدر فرات پر ۱ طاری ہے مرگِ خوف ہر اک ذی حیات پر
صدرِ عجب ہے بادِ شہِ کائنات پر آنکھوں سے اشک بہہ رہے ہیں بات بات پر
بُجھتا ہے وہ جو قبر علی کا چراغ ہے
جرمال ہو بجا ہے کہ بھائی کا داغ ہے

صابر کا ہے یہ حال کہ مشکل ہے ضبطِ آہ ۲ فراتے ہیں کہ تھام لے بندے کو یا الہ
کیا مرط ہے ^{نفس} محنت کیوں کر کئے گی راہ بھائی مرا یہی، یہی لشکر، یہی سپاہ
آخر بشر ہوں میں جو نہ روؤں تو کیا کروں
تیغ علی کو ہاتھ سے کھوؤں تو کیا کروں

دوری کا غم ہے کیوں نہ بہیں اشکِ متصل ۳ پالا ہے بر میں آہ تھے کس طرح سے دل
اعضا کو توڑے دیتا ہے یہ دردِ جاں گسل اے موت اگر روحِ علی سے نہ ہوں نخل
زخمت کا حرف لب پہ بھی لایا نہ جائے گا
بجھ سے تو یہ پہاڑ اٹھایا نہ جائے گا

یہ نوجوان بضاعتِ حیدر رہے یا کریم ۴ حمزہ مرا یہی، یہی جعفر ہے، یا کریم
پیارا پس سے بھی یہ برادر ہے یا کریم یوں سب ہیں پر اسی سے مرا گھر ہے یا کریم
بازو یہی ہے ہاتھ مے اس کے ہاتھ ہیں
میں جاتا ہوں شیرِ خدایہ ساتھ ہیں

زینب کے لال مر گئے لشکرِ بچھڑ گیا ۵ سہرا دکھا کے قاسم بے پر بچھڑ گیا
وہ کیا شہید ہو گئے سب گھر بچھڑ گیا پھر میں نہیں اگر یہ برادر بچھڑ گیا
اس معرکہ میں ذبح ہوں پہلے تو عید ہو
بطِ نبی کے بعد یہ بھائی شہید ہو

حضرت ادھر ترپتے ہیں تھامے ہوئے کمر ۶ عباس بیبیوں سے ہیں رخصت طلب ادھر
لائی ہے سوکھی مشک سلیکن بہ چشم تر فراتے ہیں بھتیجی کا منہ چوم چوم کر
پہلے تھا ذکر آب تسلی کے واسطے

اب جا کے پانی لاتے ہیں بی بی کے واسطے
کہتی ہے خشک ہونٹ دکھا کر وہ لالہ نام ۷ اب عمو جان مجھ میں نہیں طاقت کلام
اصغر کو لے کے ہاتھوں پہ بانوئے نیک نام فراتی ہیں کمر تا ہے ہے یہ تیش نہ کام
دکھاؤ اس کا حال مشہ نامدار کو
بچکی لگی ہوئی ہے مرے شیر خوار کو

کرتے ہیں عرض حضرت عباس نامدار ۸ بچوں پہ جان دینے کو حاضر ہے جاں نثار
پر کیا کروں رضا جو نہ دین شاہ ذی وقار چلے پسر کو لے کے وہاں بہر پر کردگار
رخصت میں سعی کیجے کہ ہونا نام آپ کا

وہ کام ہے غلام کا، یہ کام آپ کا
کچھ سوچ کر یہ کہنے لگی وہ شکت حال ۹ کیا کہتے ہونہ بھائی یہ میری نہیں مجال
بیٹا ہے تم کو دیکھ کے خیر النساء کا لال نیکی بدی ہو کچھ تو کہیں شاہ خوش خصال
بانو نے مرتضیٰ کی کسائی کر کھو دیا
بچوں کے واسطے مرے بھائی کو کھو دیا

زینبؓ یہ بولیں آپ کا دوسا ہے بجا ۱۰ کیوں کر دلادے بھائی سے ان کو کوئی رضا
پانی بھی مل رہے گا صغیروں کا ہے خدا تنہا نہ ہوں جہاں میں شہنشاہ کر بلا
موقع نہ سعی کا ہے نہ مشکل کشائی کا

یہ چل بے تو کون ہے پھر میرے بھائی کا
کہنے لگی یہ زوج عباسؓ خوش صفت ۱۱ بی بی بھلا یہ کون سے دوسا کی ہے بات
مشکیزہ لے کے گریہ نہ جائیں سوئے فرات پھر نختے نختے بچوں کی کس طرح ہو حیات

ہر وقت کسب ریا سے طلب کا خیر ہوں
آگے جو کچھ سمجھوں کی رضا میں تو غیر ہوں

جس جا حسین بیٹھے تھے عریان سر کئے ۱۲ واں خود گئے بختیجی کو آغوش میں لئے
 کی عرض تا کجا کوئی خون جگر پیے پانی کہیں سے آئے تو یہ جاں بلب جیئے
 اچسکی لگی ہے اصغرِ ناشاد کام کو
 مولا بس اب نہ روکے اپنے غلام کو
 فرمایا میری مرگ گوارا کر دو جہاد ۱۳ مشکیزہ بھر کے پاندرسی چھاتی پہ زخم کھاؤ
 اچھا سیکند جس میں خوشی تم نہیں رلاؤ یہ کیا سکھائے لانی ہو بنی ادمہ تو آؤ
 ثابت ہوا کہ ہاتھ سے عمرو کو کھوؤ گی
 پانی کو اب تو روتی ہو بھران کو روؤ گی
 انجم کی خبر نہیں کچھ تم کو بائے ہائے ۱۴ یہ آؤے آؤے ہونٹ انھیں تم نے کیوں کھاؤ
 خیر اب دعا کر دو کہ یہ اعدا پہ فتح پائے دولت دنی حق کی مرے ہاتھ سے نہ جائے
 جب مشک بھر کے دوش پہ یہ نیک خور کھے
 دریا کا مہر کر ہے خدا آبرور کھے
 گردن بٹھکا کے شرم سے بولی وہ مر جییں ۱۵ پوچھیں حضور میں نے کچھ ان سے کہا نہیں
 اصغر کو لائیں گود میں جب بانٹے حزیں ہاں مشک دی تصور یہ ہے یا امام دیں
 مجرم جواب پہ حرف شکایت بھی آئے ہوں
 لیجئے قسم زباں کے جو کانٹے دکھائے ہوں
 یسن کے گود میں یا اس تش نہ کام کو ۱۶ عباسؑ خم ہوئے خبر دیں کے سلام کو
 باقی رہی نہ ضبط کی طاقت امام کو پٹا یا برادرِ عالی مقام کو
 حالت جو غمیر ہو گئی زہرا کے جانے کی
 قبر علیؑ سے آئی صدا ہائے ہائے کی
 بوسہ قدم پہ دے کے وہ شیرِ ثریاں چلا ۱۷ غل پر گیا کہ یادِ شاہِ زماں چلا
 چلائے اہل بیت کو راحت رساں چلا لونا طرے کے گھر سے علیؑ کا نشان چلا
 سادات کس بلا میں گرفتار ہو گئے
 ہے ہے حسین بے کس و بے یار ہو گئے

اللہ رے رب آدم عباس عرش قدر ۱۸ سینوں میں دل چپے ہوئے تھے جو فنون میں صدر
غل ہے قریب تر ہے سپہر و غا کا بدر نہرے ہیں آب گھاٹ سے بھاگے ہیں اہل بدر

آتا ہے ابنِ ضنیفم یزداں لڑائی کو

شیروں نے ڈر کے بھوڑ دیا ہے ترائی کو

شکر میں ایک ایک کو ہے زندگی سے یاس ۱۹ ڈر سے کسی کے ہوش ٹھکانے ہیں نہ حواس
دو دور دور سب ہیں صغیف تھیں جو پاس آمد میں شیر کی بھی یہ ہوتا نہیں ہراس

غل چار سو یہ ہے کہ قدم سر کے جاتے ہیں

گھوڑے بھگاؤ حضرت عباس آتے ہیں

وہ عازم و غا ہے جو شیروں کا شیر ہے ۲۰ روتا ہے بل کے بھائی سے بھائی یہ دیر ہے
زور آوری سے اس کی تہمتن بھی زیر ہے جزا رہے، شجاع جہاں ہے، دیر ہے

لڑو ہے ان کے حق میں جو مردِ نبر دیں

شیروں کے ہاتھ پاؤں ترائی میں سرد ہیں

رن سے قدم اٹھائے ہوئے ہیں سرانِ موج ۲۱ مانند پیر کا نپ رہے ہیں جوانِ فوج
دہشت سے منہ چھپائے ہیں تغیں میانِ فوج دامن لپٹتے ہیں کمر سے نشانِ فوج

رایت تمام خوف سے تھلے جلتے ہیں

شکر کے بھاگنے کے نشان پائے جلتے ہیں

نکلا حرم سرا سے جو وہ آسماں حشم ۲۲ نصرت نے گرد پھر کے لئے بوسہ قدم
شوکت وہ اس جناب کی وہ رفعتِ علم پنجے کی ضو سے برق چمکتی تھی دم بہ دم

دڑوں سے خرم گئیں تھے گہر نعلِ سنگ سے

صحرانوردی تھا پھریرے کے رنگ سے

وہ ضو علم کی وہ رُخِ عباس نام در ۲۳ رکھے تھا ہاتھ چہرے پر خورشیدِ خیر و سر
پنہ ادھر علم کا رُخ پُر ضیا ادھر دو نور سردی تو دلاتے جسلوہ مگر

یکتا وہ زرق برق میں یہ آبِ تاب میں

تھا سرق ایک نیزے کا دو آفتاب میں

پنچے سے نورِ بختی آشکار ہے ۲۴ پرچم پہ طرہ سرخِ انشا رہے
دامن بھی ابرِ رحمت پروردگار ہے پہونچا جو اس کے سائے میں وہ رنگار ہے
کشتی کا بادباں ہو تو کوثر پہ جا لگے
طوبی نہال ہو اگر اُس کی ہوا لگے

ناگاہ غل ہوا فرس تیز گام لاؤ ۲۵ آیا علیؑ کا سرورِ ان خوش خرام لاؤ
ہاں خوش تیز رو کو بصد اہتمام لاؤ اسپ گراں رکاب و مرصع لجام لاؤ
ہے انتظارِ ابرشیں آہوش کار کا
بیٹا سوار ہوئے گا دلِ سوار کا

آیا فرس سجا ہوا کس ترک و تازے ۲۶ سرعت کا قافلہ نکل آیا جازے
رکھتا تھا پاؤں خاک پہ اس امتیاز سے جیسے پری جن میں خراماں ہونا زے
فوق اس کو تھا ہمائے سعادت نشان پر
سُرم تھے زمین پر تو داغِ آسمان پر
وہ تھو تھنی کہ غنچہ سوسن سے تنگ تر ۲۷ وہ انکھڑیاں نخل ہوں ہر جن کو دیکھ کر
کیلیں نجوم نعل ہلال اور سُرمِ فتر باریک جلد سینہ کشادہ بلند سر
کھاتی تھی ہر پری بھی قسم اس کی جان کی
غقد تھا یہ کہ تنگ ہے وسعت جہان کی

دلِ نزا، برق تجلی، براق سیر ۲۸ دریا میں موج، دشت میں آہو، ہوا میں طیر
اسوار دم دلا سے، گر پھیر لے تو خیر گراس لی تو دم بھی نہ لے پھر فلک بنیر
سرعت غضب ہے مگر وہ بے آب و تاب
اس کو تو نبض کی حرکت تازیانہ ہے

سایہ کا اس کے دُعب میں سرعتِ تھا یہ حال ۲۹ دشت میں جس طرح سے بھرے چرگزی غزال
گہر میں، گاہ بحر میں، گاہ بے سوائے جبال گم کردہ آشتیاں تھا عقاب کشادہ بال
سایہ نہ تھا ہمائے سعادت پناہ تھا
گویا ہوا کے زور میں شاہیں تنہا تھا

وہ شریاں فرس کی وہ سرعت وہ آؤ جاؤ ۳۰ سوجن تھا فقط جسے ہیکل کا اک بناؤ
جب چاہو سیر عالم امکان کی کراؤ تازی ہو روح پاؤ قدم میں وہ لطف پاؤ
رفت میں پست حوصلہ بکبت دریا کا تھا
جھل بل ہرن کی تھی تو جھکڑا پری کا تھا

لوب سوار ہوتے ہیں عباس نامور ۳۱ لودامن قبائے لیا بوسہ کمر
لوہٹ کے ہاتھ آپ نے رکھا ایال پر لو آفتاب خانہ زین پر رہے جلوہ گر
بر چھایا مسند کوزانو میں داب کے
لو دو ہلال بن گئے حلقے رکاب کے

بڑھنے میں حرف اں جو دہن سے نکل گیا ۳۲ وحشی غزال دشتِ مغل سے نکل گیا
شکر گلوں کی بُو کا چمن سے نکل گیا جھونکا نسیم کا تھا کہ سن سے نکل گیا
طاؤس کیا کہ برق بھی شرما کے رہ گئی
پچھلے سُموں کی گرد نظر آ کے رہ گئی

گھوڑا اڑا کہ ہو گئی سرعت ہوا کی گرد ۳۳ بوئے چمن تھی یا قدمِ باد پا کی گرد
جا پہونچی تابِ منور شریا تڑپنے کی گرد اڑ کر سرِ فلک پہ گئی کر ملا کی گرد
خورشید کی فیا تھی سُموں کے نشان پر
نخوت سے تمازیں کا داغ آسمان پر

شوکت وہ اس فرس کی وہ عباس کی نمود ۳۴ پڑھنا تھا کوئی شخص تبارک کوئی درود
غل تھا کہ ہر ثنا ہے پئے واجب الوجود کیا ان کے سامنے کسی انسان کی ہست دبوڈ
سب کے گلوں میں ان کی غلامی کا طوق ہے

یہ وہ بشر ہیں جن کو ملائک پہ فوق ہے
پیدا تھا مثلِ حیدر کرارِ رب حق ۳۵ چمکا جو نورِ عرش بنا خاک کا طبق
رخسار تھے کہ سورۃِ الشمس کے ورق از بر تھا خط کو آیۃِ دلیل کا سبق
موتی کی آگے دانتوں کے کچھ آبرو نہ تھی
سورۃ تھا نور کا وہ بیاض گلو نہ تھی

وہ ہاتھ کا رخیر رہا جن سے روز و شب ۳۶ ساعد تھے صاف ساعد پر نور شیر بہ
 باز وہ جن میں قوت دستِ خدا تھی سب شائے وہ جن میں شانِ نشانِ شہِ عرب
 پہلو میں قلب وہ جو ہمیشہ کھرا رہا

سینہ وہ صدر تھا جو فنا سے بھرا رہا
 شان و شکوہ و صولت و عدل و نہیب و داد ۳۷ اسلامِ دین و ملت و ایمان و اعتقاد
 اشفاق و رحم و دوستی و خلعت و دواؤ خوف ورجا و آرزو و مطلب و مراد
 اندوہ و درد و رنج و مطیعانِ نو میں تھے
 سب ناشیہ بدوشِ فرس کی جلو میں تھے

شوکت کا قول تھا کہ مطیعِ جناب ہوں ۳۸ کہتی تھی فتحِ خاکِ درِ بونواب ہوں
 نصرت کا ادعا تھا کہ میں کامیاب ہوں دعویٰ تھا قبر کو کہ علی کا عتاب ہوں
 فلق سے تھے پہ صبر بھی منہ موڑتا نہ تھا
 ہر گام پر شباتِ قدم چھوڑتا نہ تھا
 تلوار وہ ہلال کئے جس کو دیکھ کر ۳۹ تھی کہکشاں کندِ عدو بندِ شیرِ نر
 مہتابِ آسمانِ ظفرِ آہنی سپر خود آفتاب تھا تو جبینِ بسینِ مقرر
 رخ کے عرق سے نور کے قطرے ٹپکتے تھے
 حلقہ نہ تھے زرہ میں تارے چمکتے تھے

نیزے کی نوک سے جگرِ آفتابِ خوں ۴۰ سینہ ہے آسمان کا اسی دن سے نیلگوں
 ابروئے حورِ فتح و ظفرِ تھا کہاں کا فوں تھا ماہِ فوج بھی جس کے چم و خم سے سرنگوں
 دہشت سے گوشہ گیرِ ریشماںِ شام تھے
 ترکش کے سارے تیرا بل کے پیام تھے

نیزہ زیں میں گاڑ کے گونجا جو شیرِ نر ۴۱ چہروں سے رنگ اڑ گئے تھرا گئے بگر
 نکلے رجز میں خشک زباں سے وہ شعرِ تر جس کے جواب میں قصمانے جھکائے سر
 غل تھا زبانِ ناطقہ، الکن ہی لال ہے
 لاریب فیہ مصنفِ ناطق کا لال ہے

نعرہ یہ تھا کہ گو ہر بیچ شرف ہوں میں ۴۲ فرزند صاحب شرف من عرف ہوں میں
نفس سلف جو شاہ ہے اس کا خلف ہوں میں اللہ و بخت ہیں جدھر اس طرف ہوں میں
رایت سے پیش رو ہوں خدا کی سپاہ کا

پیرواؤں بادشاہ ہدایت پناہ کا
حیدر کی ذوالفقار سے لاکھوں کے سر کٹے ۴۳ جوشن میں سینے سینوں کے اندر جگر کٹے
خیبر میں جسبریل کے بھی تین پر کٹے پریوں کے کتیغ سے جیسے سپر کٹے
ضربت کا حال، عمرو دلاور سے پوچھیے
حیدر کا زور مر حب و غتر سے پوچھیے

بچوں کا اپنی بھی ہوں اور تشنہ کام ہوں ۴۴ ستائے اہل بیت رسول انام ہوں
شپیر کی سپر ہوں علیؑ کی حسام ہوں شاہوں کا شاہ ہوں شہ دیں کا غلام ہوں
پینے پر تیر کھاؤں گا تلواریں کھاؤں گا
یہ شک آب نہر سے میں لے کے جاؤں گا

یوں تو ہیں تین روز سے بے آب و نہ سب ۴۵ لیکن قریب مرگ ہیں دو طفل تشنہ لب
کیوں آل کو رتاتے ہو بے جرم بے سبب کچھ مصطفیٰ کا پاس نہیں تم کو ہے غضب
دودن تو بیکسوں پر عطش میں گزر گئے
کس پر یہ خون ہو گا جو معصوم مر گئے

ہم اپنا سر کٹانے کو حاضر ہیں ظالمو ۴۶ تیغوں میں بھوک پیاس میں صابر ہیں ظالمو
بچے بھی میہاں کے مسافر ہیں ظالمو آثار مرگ چہروں پر ظاہر ہیں ظالمو
گر ہم تمہارے زعم میں تقصیر وار ہیں
بران کا کیا قصور ہے جو شیر خوار ہیں

بھوپ یہ خیام کا جلنا یہ گرم بن ۴۷ مڑجھا گیا ہے اٹھ غنیمتار کا چمن
مانند غنچہ پیاس سے کھولے ہیں سب دہن پانی بغیر اب نہ جنیں گے وہ گل بدن
گرمی سے ہاتھ پاؤں غریبوں کے سرد ہیں
نیلے ہیں ہونٹ پھول سے زخار زرد ہیں

چلایا شمر تب کہ عبث ہے سوالِ آب ۴۸ دیں گے زبانِ حلق سے ہم آپ کو جواب
 بچوں کی پیاس سے ہے جو حضرت کو مضطرب پھر کس لئے ہے بیعتِ ماکم سے اجتناب
 نیمے سے گھٹنیوں اگر اصغر بھی آئے گا
 جز آب تیسر پانی کا قطرہ نہ پائے گا

ایسا سن بھی جو سنا تھا نہ کان سے ۴۹ برہمی لگی مگر نہ کہا کچھ زبان سے
 جھوٹا فرس پہ جب شہِ مزاں کو شان سے بس خود بخود اگلنے لگی تیغِ میان سے
 نعرہ کیا کہ ادسگِ ناپاک دُور ہو
 یہ کیا سخن ہے منہ میں ترے خاکِ دُور ہو

حجت تمام کرنے کے خاطر تھے یہ کلام ۵۰ ظالمِ شرابِ خوار کی بیعت کرے امام
 شوکھی ہوئی زبان جو ہلادے وہ تشنہ کام حاضر ابھی ہوں چشمہ کوثر کے لاکھ جام
 قدرت ہے سب طرح کی امامِ جلیل کو
 چاہیں تو وہ سبیلِ کریں سلسبیل کو

کیا جانے مرتبہ پسرِ فاطمہ کا تو ۵۱ غرت بہشت کی ہیں تو کوثر کی آبِ رُود
 سردارِ بُرد بارِ بھوکا رنیکِ خو ان کا عددِ خدا و معجز کا ہے عدد
 جاری ہے فیضِ فاطمہ کے نورِ عین کا
 غاصب ہے تو یہ نہر بھی ہے حقِ حسین کا

یہ کہہ کے لی نیام سے تیغِ شرفِ شاں ۵۲ آواز دی زمیں نے کیا حافظِ زماں
 شعلے نے الحذر کہا، بجلی نے الاں دہشت سے تھر تھرا گیا، تر تیغِ آسماں
 ثابت ہوا کہ چہرہ خورشید کٹ گیا
 غل تھا کہ فوجِ شام کا دفتر اکٹ گیا

بجلی جھک کے ہوتی تھی جب آسماں کے پا ۵۳ پڑتا تھا عرشِ آج کرسی کو بار بار
 زیرِ زمیں تو گاؤں زمیں کو نہ تھا قرار تزارِ انا فوجِ حق گھرو دار
 غلِ تمنا علی کی تیغ کا سب بگ بگ ہے
 جبریلؑ کا پتہ تھے کہ خیبر کی جگہ ہے

اقبال و تسدستی و آسائش و قرار ۵۴ امن و امان و مبسر و توانائی و وقار
علم و سکون راحت و آرام و اختیار رعب و ثبات و سرکشی و قدر و اقتدار

آتا ہے قہر حق انھیں معلوم ہو گئے

سب تیغ کے چمکتے ہی معدوم ہو گئے

غل تھا چمکتی آتی ہے تیغ اجل چلو ۵۵ ڈر کر کہا اماں نے کہ قبل از اجل چلو
دب کر صدا غور نے دی سر کے بھل چلو بولی سلامتی کو سلامت بھل چلو

دریا بہے گانوں کے کنارے فرات کے

دم بھر میں بند ہوئیں گے کوچے نجات کے

دعالوں سے شایوں کے ادھر چھا گئی گھٹا ۵۶ دریا پہ جھوم جھوم کے رب آگئی گھٹا
ایسا بڑھایا ابر کشر مانگئی گھٹا باران تیر دشت میں برسا گئی گھٹا

کشتوں کو اپنے فرج عدد روندنے لگی

جنگل میں برقی قبر خدا کو نہنے لگی

پمکی جو تیغ آمد قبر خدا ہوئی ۵۷ سر پر جو آگئی تو قیامت پسا ہوئی
یسے سے روح جسم سے گردن جدا ہوئی خون میں ڈبو چکی تو نہ پھر آشنا ہوئی

بازو اس غضب کی داردہ اس زور شور کا

دشمن کو اس کا گھاٹ کنارہ تھا گور کا

ہر دم تھی معکے میں جل اس کے دم کے ساتھ ۵۸ گزرتا تھا خود کٹ کے برابر مجھ کے ساتھ
رہتی تھی اس طرح ظفر و منقہ غم کے ساتھ بیسے ہمیشہ رہتا ہے سکر دم کے ساتھ

ہر دل پہ اس کی شان و جلالت کا نقش تھا

تمغہ نہ کہیئے آیہ نصرت کا نقش تھا

بسم اللہ صحیفہ نصرت تھی اس کی ناٹ ۵۹ مانند زوال فقار گراں قدر انتخاب
جو ہر میں آبرو میں امالت میں، لا جواب وہ قد وہ خم وہ منہ کی صفائی وہ آب و تاب

اُنہے جگر سے جس کے اسی کو خبر نہ ہو

کاٹے گلے ہزار کے اور خوں میں تر نہ ہو

پایا تھا باغیوں نے ثمر یہ دمِ جدل ۶۰ دُعا لوں سے پھول اُگائے تھے برہمپوں سے بھل
 شائیں کماں کی توڑتا تھا پانچہ اہل گرتے تھے سہم کرفت در انداز منہ کے بھل
 گوشوں کو دھونڈتے تھے کماں کش ہٹے ہوئے
 ریتی پنخسل تیر پڑے تھے کٹے ہوئے

گوپال دینغ دخنجر دگر دسنان دتیر ۶۱ دو دو تھے پیش آئینہ تیغ بے نظیر
 دم میں یہ صف تمام اوجھڑکا پراخیز آفت کا معرکہ تھا قیامت کی واروگیر
 اُڑ کر بھی مُرغِ روح کا بچنا محال تھا
 جو ہر حسام میں تھے کہ لوہے کا جال تھا

یوں مورچوں کو پاٹ گئی تیغ شعلہ رنگ ۶۲ لوہے کو ناک شور میں کھاجائے جیسے رنگ
 کروں سے کھینچ نہ سکتے تھے خنجر میان جنگ جوش جوکٹ گئے تھے تو پار آئینہ تھے دنگ
 تلواریں منہ چبائے تھیں ضرب درشت سے
 دُعا لیں لپٹ گئی تھیں سواروں کی پشت سے

گرتی تھی کوند کر جوہ تیغ سشارہ دیز ۶۳ دوزخ کھلا تھا بند تھے سب کوچہ گرینہ
 چلنے میں تیغ تیز، فرس تیز، ہاتھ تیز رہ رہ کے گرم ہوتا تھا ہنگامہ ستیز
 کشتہ تھے ایک ضرب میں دو ہونک چار ہوں
 ششدد تھے سب کہ موت سے کیونکر دو چار ہوں

کاٹی سپر تو کائنات سر تک پہونچ گئی ۶۴ سر پر بڑی توپیر کے بر تک پہونچ گئی
 برسے مثال برق جگرتک پہونچ گئی بی کر لہو جگر کا کمر تک پہونچ گئی
 بڑھ کر کمر سے زین پر آئی سُرنگ کے
 ٹکڑے گرے نہ تھے کہ یہ نیچے تھی تنگ کے

ان کے قدم بھی اُٹھ گئے جو سر گذارتے ۶۵ ممکن نہ تھا تدارک دل بے قرار تھے
 بھڑکی تھی آگ نعل در آتش سوار تھے ٹاپیں فرس کی تھیں کہ سر دہی کے وار تھے
 جاتا تھا یوں غضب میں صفِ اہل کید پر
 شیرِ زیاں جھپٹتا ہے جس طرح صید پر

تیغ دو دم سروں سے گذرتی تھی دم بہ دم ۶۶ دونوں میں فوج شام کی بھرتی تھی دم بہ دم
 بڑھتی تھی دم بہ دم تو ٹھہرتی تھی دم بہ دم ندی لہو کی چڑھ کے اُترتی تھی دم بہ دم
 ڈرے بگڑے بھی آب تھے زہرے بھی آتے تھے
 موہیں تھیں دست دیا کی سروں کے جہاں تھے

بکلا اُدھرتے جودہ اسل کا شکار تھا ۶۷ پیدل ہو یا سوار وہ دودھا یہ چار تھا
 کوسوں لہو سے دشتِ ستم لالہ زار تھا بجلی جھک رہی تھی فرس بے قرار تھا
 کیا بوزرہ سے ضرب جب ایسی کڑی لگے
 سروں برس رہے تھے کر میسے جھڑی لگے

رہو اس نے دغا میں کہاں رستی نہ کی ۶۸ شمشیر جاں تاں نے کہاں برہی نہ کی
 مالک سے بے کسی میں کہاں ہمدمی نہ کی سومرتبہ چلی پہ بُرشش نے کمی نہ کی
 دم سے تھا بھر خوں کا کسارہ لگا ہوا
 جانوں کا گھاٹ پر تھا اتارا لگا ہوا

جس سمت گر کے تیغ کا سایہ گذر گیا ۶۹ پہنچوں سے دونوں ہاتھ اڑے تن سے سر گیا
 خالی ہوئی یہ صف وہ پراخوں میں بھر گیا گھوڑے سیت گر کے یہ تڑپا وہ مڑ گیا
 گرتا تھا خود جری پہ جری ماجرا یہ تھا
 بسمل بھی لوٹتے تھے برابر مزایہ تھا

فتح و ظفر تھی غاشیہ گیر و رکابدار ۷۰ دکھلا رہی تھی راہِ عدم تیغ تاب دار
 جوہر تھے یا کہ سلسلہ زلف تابدار تلوار بھی ملی تھی بہشتی کو آب دار
 اک شور تھا کہ زلیست کا عرصہ قلیل ہے
 پیاسو! پیو کہ تیغ کا پانی سبیل ہے

دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوکتے جاں سے ہاتھ ۷۱ سر اڑ گئے تنوں سے بڑھاتے مناس سے ہاتھ
 تڑا کبھی مگر کبھی چھیدا رِسناں سے ہاتھ جب کٹ کے گر لڑیں تو پھر نہیں کہاں سے ہاتھ
 اب ہاتھ دستیاب نہیں منہ چھپانے کو
 ہاں پاؤں رہ گئے ہیں فقط بھاگ جانے کو

سر ہر دم پہ تھے تن کفار سے جدا ۴۲، قبضہ کماں کا دست کماندار سے جدا
چلے تھے سر بہ سر ب سو فار سے جدا در سے جدا ہلاک تھے تلوار سے جدا

رہگیر کیا کرے جود ترکش میں تیر ہو

چلاتے تھے کہ چل کے کہیں گوشہ گیر ہو

یوں تھر تھرا رہے تھے ہر اک پہلوں کے پاؤں ۴۳، چلنے میں جیسے کا پنتے ہیں ناتواں کے پاؤں
اٹھ اٹھ گئے سپاہِ ضلالت نشان کے پاؤں دن میں جسے ہے تو اسی نوجواں کے پاؤں

ہنستا بھی ہے جہاں میں حق کا ولی کہیں

عباس بھی اٹھیں جو ہٹے ہوں عسلی کہیں

جب سفیر سے ترائی کی جانب بھیٹ گئے ۴۴، صفائی صف پگھوڑے پگھوڑے اٹ گئے
اب کیا بڑھیں کہ در سے بہو تن کے گھٹ گئے جن کے قدم جسے رہے سران کے کٹ گئے

حملوں کے بعد تنہ تھے یوں نعرے مار کے

انگڑائی شیر لیتا ہے جیسے ڈکار کے

ہر شے حقِ خوفِ ضربتِ شمشیر سے جدا ۴۵، ناوک کماں سے دُور کماں تیر سے جدا
پیرِ حریزِ جواں سے جواں پیر سے جدا چلے سمٹ کے ہوتے تھے رہگیر سے جدا

سارے عقاب تیر غم بے پری میں تھے

پیکاں میں نے سری تھی نہ پیکاں سری میں تھے

نیزے کو توں ہوا گر کوئی بل بڑھا ۴۶، دریائے قہر حق کی طرف پر د غل بڑھا
کچھ ہاتھ کچھ حسام دودستی کا پھل بڑھا تلوار سر پہ آئی کہ دستِ اہل بڑھا

دد مکڑے طول میں جو دم امتحاں ہوئے

غل تھا کہ مضمیٰ یہ طوبی عیاں ہوئے

وکتی حقِ خود پڑ نہ جلم پڑ نہ ڈھال پر ۴۷، حیرت تھی فوجِ شام کو اس چال ڈھال پر
بالا صحرِ راستی میں قداس کا ہلال پر جو ہر فروتنی کے بھی تھے اس کمال پر

چشمک یہ وہ دم تھی کہ سرکش ذلیل ہیں

چلتے ہیں جھک کے وہ جو خبیث اصل ہیں

گھوڑوں کے دوڑنے سے اڑی دشت میں جو گرد ۷۸، مقتل بھی زرد تھا فلک نیلگوں بھی زرد
 جتنے جوان تھے دستبردِ مرادگی میں فرد چہرے کٹے ہوئے تھے انھیں کے دم نبرد
 نقشِ کھوکھلا ہوش میں اک خود غلط نہ تھا
 زخمی تھے منہ کہیں اثرِ خال و خط نہ تھا

ہر سمت تھا مقدمہ جانوں کا رو بکار ۷۹، آتی تھی موت جائزہ لینے کو بار بار
 اسوار بر طرف، تو ندارد رسالہ دار مطلق لئے تھے منشی فوجِ ستم شعار
 کیا ابتری سپاہِ ضلالت اثر میں ہے
 غل تھا چلو کہ فوج کی بھرتی سقر میں ہے

تسلیم کو مجھے ہوئے تھے با ادب نشان ۸۰، لشکر میں برہمی تھی سلامی تھے سب نشان
 اٹھتا تھا شور ہاتھ سے گرتے تھے جب نشان نوبت یہ ہے تو فوج کا منتاہ ہے اب نشان
 آفتِ بپا ہے پاؤں تھے کیا سپاہ کا
 رستہ پڑا ہے ضربِ علیلِ شاہ کا

جب اٹھ کے تیغ صفدر قدی شرف گری ۸۱، گویا کہ برقِ سطوتِ شاہِ نجف گری
 آیا اُدھر خدا کا غضب جس طرف گری کٹ کر گرا پرے پہ پر اَصْفَ صَفْ گری
 سیفی چلی کہ سیفِ صف کارزار پر
 گھوڑے گرے پیادہ پہ پیدل سوار پر

آئے جو سوائے نہرِ صفیں موڑ موڑ کے ۸۲، بھاگے کہاں میں تیرِ عدو جوڑ جوڑ کے
 تلواریں ٹلکیں خاک پہ دم توڑ توڑ کے بھاگے و فامیں گھاٹ کو سب چوڑ چوڑ کے
 وہ برجیاں نہ پھر نہ وہ شورِ مصاف تھا
 جس مورچے پہ تیغ اٹھائی وہ صاف تھا

وہ رہ گئے کہ زخموں سے جو چور چور تھے ۸۳، جوتھے قریب نہر وہ سب دُور دُور تھے
 غازی تھے صف شکن تھے جری تھے غیور تھے دریا پہ کوئی اور نہ تھا بس حضور تھے
 غل تھا کہ اب پکیں گے نہ ہم اس لڑائی میں
 بھاگو کہ سفیر گونج رہا ہے ترائی میں

لڑاکنار نہر جو پہنچا وہ شہسوار ۸۴ نون پونچھ کر رکھی تیراں تیغ آبدار
آئی صدائے حضرت ایساں بادقار اے نور عین ساقی کوثر ترے نثار
سر بر ہو کون تیغ پکڑ کر جو تو بڑے
دھو ہاتھ منہ کر نہر کی بھی آبر و بڑے

سقائے اہل بیت پکارا بہ چشم تر ۸۵ میں ہاتھ دھو کے جان سے آیا ہوں نہر پر
پیاسا ہے تین روز سے مختا خشک تر بچے تڑپ رہے ہیں لہو ہے مرا جگر
طوفاں کا دھیان صاحب کشتی کو چاہیے
بچوں کی پہلے فکر بہشتی کو چاہیے

ڈالامیان نہر جو اسپ مہاشاب ۸۶ آنکھیں قدم سے گلنے لگے دوڑ کر جناب
مومیں بڑھیں برائے قدم بوسی جناب اچھلیں علم کے چومنے کو مہیان آب
بہر دل کی بجلیاں جو برابر چمکتی تھیں
گھلتی تھیں اور جہاؤں کی آنکھیں چمکتی تھیں

پانی سے منہ اٹھائے جو تھا اسپ سر بلند ۸۷ ڈھیلایا دلیر نے خود جھک کے زیر بند
بولا بلا کے سر کو سمندرِ وفا پسند پیاسا ہے ذوالجناح شہنشاہِ ارجمند
جیواں تو ہوں حضور پہ خوش اعتقاد ہوں
میں بھی تو ابنِ فاطمہ کا خانہ زاد ہوں

فرمایا آپ نے مرے غم خوارِ مرجبا ۸۸ ڈھکتا نہیں کبھی تیرم صاحبِ وفا
تو اپنی خانہ زادی کا حق کر چکا ادا پیش خدا بزرگ ہے صابر کا مرتبا
پانی سے اے فرس تجھے جبا جنتاب ہو
سیراب کس طرح پسِ بوترا ب ہو

دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ ترشہ کام ۸۹ پھر گھاٹ پر گٹھا کی طرح چھائی فوج شام
تنہا پہ بے وطن پہ ہوا پھسلا ہجومِ عام پھر ہر طرف سے چلنے لگے نینہ حمام
اک شور تھا کہ بڑھنے نہ دواس دلیر کو
کشتہ کرو ترائی میں حیدر کے شیر کو

گھوڑا کہیں گھرا کہیں اڑ کر بل گیا ۹۰ جوڑ کے گرے بڑا دہ شموں سے پھل گیا
نعموں سے مر گیا کوئی، کوئی دل گیا مصف: پچھ گئی اُدھر کی بدعہرہ اُچھل گیا
مشکیزہ نے کے لاکھوں سے کتنے ناکریں

کیوں اے بہادر وہو عباس کیا کریں
برے جو دس ہزار کمالوں سے تیر کریں ۹۱ غزال ہو گیا تن عباس مر جبیں
دار اپن کر گیا جو برابر سے اک نعیں بالائے خاک کٹ کے گرا بازوئے میں
مژکر نگاہ کی کہ الہی یہ کیا ہوا
اک ہاتھ رہ گیا تھا سورو بھی جدا ہوا

ٹھنڈا جو ہو گیا طمر شاہ دیں پناہ ۹۲ عباس نام در نے بھری دل سے ایک آہ
دانتوں سے پکڑی مشک کر محنت نہ ہوتاہ مشکیزے پر بھی تیر لگا داصیبتاہ
گھوڑے سے ڈمگاکے برصدیاس گر پڑے
پانی کے ساتھ حضرت عباس گر پڑے

اٹھ بیٹھے گر کے حضرت عباس دئی چشم ۹۳ گھٹنے کے نیچے مشک تھی زانو پہ تھا علم
جھمک کر زمیں پہ غش میں جو سنبھلا وہ باکرم گرز گراں عقب سے پڑا سر پہ ہے رتم
حمولے ہوا جگر اسدِ نودا بحلال کا
سراپاش پاش ہو گیا حیدر کے لال کا

مژکر جو فرط غیظ سے قاتل پہ کی نظر ۹۴ مارا کسی نے تیر دلاور کی چشم پر
جھکی نہ آنکھ واہ رے دل واہ رے جگر تیور جو آئے جُھوم کے سنبھلا وہ شیر نر
جوش غضب میں خاک پہ بیٹھے تھے شیشے
گویا لہو ٹپکتا تھا چشم دلیر سے

شافوں سے سامے جسم کا جب بہ گیا لہو ۹۵ ریتی پہ تھر تھرا کے جھکے آپ قبلہ
آواز دی کر آئیے یا شاہ نیک خو سرتن سے کاٹ لینے کے درپے ہیں کینہ جو
خوں میں تڑپ تڑپ کے یہ غمخوارہ نہ جانے
صدمہ یہ ہے کہ حسرت دیدار وہ نہ جانے

بھلا حرم سرا سے ملدار کا پسر ۹۶ گورے گلے میں ہنسیاں تھیں کان میں گھر
جہرے کا رنگ اڑا ہوا کرتا عرق میں تر کی عرض شہ سے ننھے سے ہاتھوں کو جوڑ کر

شاید خبر نہیں ہے امام غیور کو

آفتا پدر پکار رہے ہیں حضور کو

ڈیڑھ سے پہلا کے سکیٹ نے یکہا ۹۷ ہاں ہاں سنی تھی میں نے بھی عباس کی صدا
جلدی کسی کو بھیجیے یا شاہ کرلا اب گھر سے میں نکلتی ہوں ہے کپڑے چپا

مر جاؤں گی اگر انھیں جیتا نہ پاؤں گی

کیوں کر چپی کو ہائے یہ صورت دکھاؤں گی

حضرت نے آہ کی کرلڑنے لگی زمیں ۹۸ ناگاہ واں سے بڑھ کر پکارے کئی عین
اب جلد سر کٹانے کو آئیں امام دیں کہہ دے کوئی کہ مر گئے عباس رجبیں

بڑھنے دیا زگھاٹ سے آگے دلیر کو

کیا گھر کر بکھار میں مارا ہے شیر کو

تیروں سے جسم چھن گیا بازو ہوئے قلم ۹۹ افتادہ ہے وہ خاک پہ ٹوٹا ہوا علم
آئے ہیں یاں پھر رہے کے پڑنے اڑا کے ہم پانی نہ مشک میں ہے نہ عباس میں ہے دم

دینا سے آج اٹھ گیا حامل نشان کا

کشتا ہے سر ترائی میں کڑیل جوان کا

نستے ہی اس صدا کے شکستہ ہوئی کمر ۱۰۰ ترپے اٹھے گرے نہ بٹھا لا گیا جگر
کا پنے جو پاؤں تمام لیا بازوئے پسر چلاتے تھے کہوٹی اکبر چلیں کدھر

خوشید کیوں چھپا ہے یہ کیا واردات ہے

کچھ سوچت انہیں ہیں دن ہے کہ رات ہے

عباس کے پسر سے تو کہہ دو کہ گھر میں جائے ۱۱ دیکھو حرم سرا سے سکیٹ نہ نکل نہ آئے
نغمہ ابھی خبر نہ کسی راند کو منائے اکبر اُجڑ گیا مرا گھرائے ائے ائے

پڑسا تو دل بخت کی طرف مجھ کو موڑو

سر پٹیا چلوں گا مے ہاتھ چھوڑو

یہ روزِ قتلِ حمزہؑ و جعفرؑ ہے اے پسر ۱۰۲ یومِ دفاتِ حضرتِ شہید ہے اے پسر
یہ ماتمِ شہادتِ حیدر ہے اے پسر صبرِ اب کہاں یہ داغِ برادر ہے اے پسر

میرا المِ بتول کی جانی سے بڑھیے

مدمدِ جوانِ بھائی کا بھائی سے بڑھیے

عزبت میں لٹ گیا مرا گھرائے ہائے ۱۰۳ سیدی نہ ہوگی اب یہ کمر ہائے ہائے ہائے
تازہ ہے آج داغِ پدر ہائے ہائے ہائے کاٹا گیا پھری سے جگر ہائے ہائے ہائے
عباس کیا جہاں سے گئے ہم گزر گئے
محسن ہوا شہیدِ حسن آج مر گئے

کرتا تھا عرضِ باپ کو تھا مے ہوئے پسر ۱۰۴ دل کو ذرا سنبھالیے یا شاہِ بحرِ دوبر
زندہ ابھی ہیں حضرتِ عباسؑ نامور گھبرائے نہ اب ہے ترائیِ قریب تر

خادم اٹھائے گا جسدِ پاشِ پاش کو

چلیے مرم میں لے کے بہشتی کی لاش کو

جس دم قریب لاش کے لائے حسین کو ۱۰۵ عباسؑ جاں بلبِ نظر آئے حسین کو
تڑپا وہ شیرِ سن کے صدائے حسین کو اکبرؑ نے ہاتھ اٹھا کے دکھائے حسین کو
دو کوہِ غم کے دل پہ جواک بار گر پڑے
پہلو میں لاش کے شاہِ ابرار گر پڑے

بھائی کی لاش بھائی نے رکھی جو خوں میں تر ۱۰۶ اُمڈا یہ دل کو منہ کے قریب آگیا مگر
بوئے یہ آنکھ کھول کے عباسؑ نامور اکبرؑ سنبھالو قبلہِ عالم کو بیٹھ کر

صدتے ہزارِ جانِ امامِ غیور کے

مجلو اٹھائے گردِ پھراؤ حضور کے

منہ دل کے منہ پہ کہنے لگے شاہِ خوشِ خصال ۱۰۷ عباسؑ تم کو نزع میں بھی ہے مرا خیال
اے میرے بھائی جان کہو اپنے دل کا حال صدفِ رنے سکر کے کہا شکرتِ ذوالجلال

آرام آگیا تپشِ روح و دل گئی

آپ آئے کیا کہ دولتِ کونین مل گئی

مولا نزول رحمت پر دروگاہ ہے ۱۰۸ اب آمد آمدِ شہِ دلدل سوار ہے
شیر کھڑے ہیں راہ میں چشم اشکبار ہے شاید جنابِ فاطمہ کا انتظار ہے

قدسی قطار باندھے ہیں ناقوں پہ نور کے
آتے ہیں باغِ غلدے سے نانا حضور کے

کیا بندہ پروری ہے زہے عز و افتخار ۱۰۹ لاکھوں برس کی زیت ہے اس موگے نثار
تھم تھم کے جسم سے جو نکلتی ہے جانِ نثار دشوار ہے مفارقتِ شاہِ نام دار

کیوں کر نہ ایسی مرگ پہ نازاں غلام ہو
ہنگامِ نزع، جس کے سر ہلنے امام ہو

روٹنے لگے یہ کہہ کے جو عباسِ ذی وقار ۱۱۰ فرمایا شہ نے روتے ہو کیوں تم پہ میں نثار
کی عرض اب بدن سے نکلتی ہے جانِ نثار غم ہے کہ آپ اکیلے ہیں یا شاہِ نام دار
تلوار کھینچ کھینچ کے شکر جو آئے نکلا

اب کون ہے جو قبلہ دیں کو بجائے گھا

کیا بے بسی ہے موت سے لے قبلہ اتام ۱۱۱ باتیں تو تھیں بہت پہ نہیں طاقِ کلام
بگڑا ہے دم کی آمد و شد کا بھی انتظام کچھ ایسی آہنی ہے کہ مجبور ہے غلام

پاؤں گاہ اب کہاں ہیں امامِ غیور کو
جی چاہتا ہے یہ کہ نہ چھوڑوں حضور کو

گہرا کے نزع میں علی اکبر سے یہ کہا ۱۱۲ اے شاہزادہ درجہاں میں ترے فدا
میرا تو کوچ ہے طرفِ گلشنِ بقا فرزندِ فاطمہ سے خبر دار اک ذرا
گر منع بھی کریں تو اکیلا نہ چھوڑیو

عمر نثار باپ کو تنہا نہ چھوڑیو

یہ کہہ کے پائے شاہ کی جانب بڑھایا سر ۱۱۳ کاپنے لہر بھری ہوئی آنکھوں کو کھول کر
ٹپکے بڑھ سے خون کے قطرے ادھر ادھر کس پاس سے سین پہ کی آخری نظر

منکا جری کا ڈھل گیا بھائی کی گود میں
بھائی کا دم مکمل گیا بھائی کی گود میں

پہلے سر کو پیٹ کے سلطان بھر دبر ۱۱۳ فریاد ہے کہ مر گئے عباسی ہم
 بے کس بھاحسینؑ کی دولت پندہ آئی صد اعلیٰ کی کہ شہر صبر کر!

فرزند تھا مرا یہ تھا غلام تھا
 جو مال ہو بجا ہے کہ پیارا غلام تھا

یہ سب شرف ہے تیری غلامی کا لے لے ۱۱۵ زہرا سر ہلنے لاش کے روتی ہے غم سے
 جعفر بھی ہیں عقیل و حسن بھی ہیں نوحہ گر نانا تھا رے روتے ہیں تھامے ہوئے بگر

پڑا تھیں شہید کا دینے کو آئے ہیں
 یہ سب تھامے بھائی کے لینے کو آئے ہیں

باٹھ کر پکارے حضرت شہید نامدار ۱۱۶ میں لٹ گیا ڈھائی ہے یا شیر کر نگار
 ہے ہے مرا حقیق مرا یار و غم نگار خدمت گزار عاشق صادق وفا شعار

بھائی کا کیا سفر ہوا میں آپ مر گیا
 بچے مرے یتیم ہوئے باپ مر گیا

بازو شکستہ ہو گیا ٹوٹی کمر مری ۱۱۷ آنکھیں اُدھر تھیں اس کی بد مر تھی نظری
 اب بے خبر ہیں کون رکھے گا خبر مری دا حشر تا زہر مری ہے ہے سپر مری

کیوں مجھ سے منہ پھرایا قصیر کیا ہوئی
 سب جس سے کانپتے تھے وہ شمشیر کیا ہوئی

یہ کہہ کے گر پڑے شہ والا بروئے خاک ۱۱۸ تر ہو گئی شہید کے خوں سے قبلے پاک
 میٹا تر پ گیا کہ پدر ہو گئے ہلاک کر ڈالا دست غم سے گریبان پاک ہاک

تیور جو آئے گر کے سب مشرقین کو
 چلائی فاطمہ کہ سنبھالو حسین کو

جلدی عبا اڑھا کے دلادر کی لاش پر ۱۱۹ اکبر نے عرض شاہ سے کی ہاتھ جوڑ کر
 خیمے سے نکلی آتی ہیں رائیں برہنہ سر تنہا کھڑا ہے راہ میں عباسی کا پسر

آیا وہ گر تو ساتھ کیونہ بھی آئے گی
 دیکھی چپاکی لاش تو جیتی نہ جانے گی

فرمایا اپنے آپ کا مطلب ہے اس سے کیا ۱۲۰ روئے نہ پایا نے بھائی کو مظلوم کر دیا
مجھے ابھی تو بچھڑے میں عباسؑ با وفا راحت ہو شمر آ کے جو کالے ٹہرا کھا
ہے ہے ابھی سے رشتہ آفت کو توڑ دلا

کس پر میں ان کی لاش کو جھگ میں چھوڑ دلا

آقا و پھر علیؑ کی یہ آئی کہ اے پسر ۱۲۱ تو جا کر میں تو ہوں ترے بھائی کی لاش پر
ٹیڑی پر شمشیر ہے زوجہ عباسؑ نام در دونوں غلام زادے تھامے ہیں نوحہ مگر

صدرے جہاں میں بے پردی کے عظیم ہیں

اک سو گوار راند ہے اور دو یتیم ہیں

ناچار لاش چھوڑ کے اٹھے امام دیں ۱۲۲ مشک و علم کو لے کے چلے اکبرؑ حزیں
کوئی تھا ساتھ اسب علم را در جبین با گیں کوئی تھیں تیغوں سے ڈھلکا ہوا تھا نہیں

لشکی ہوئی تھی تیغ و سپر بھی دلیر کی

پُرخوں زردہ سمند پہ رکھی تھی شیر کی

ماتھا ہوئے ڈوبا ہوا، تھو تھنی نگار ۱۲۳ سینہ بھی سب بچھنا ہوا گردن بھی زخمدار
گردن پھر کے ٹھکتا تھا دریا کو بار بار یعنی پڑا ہے دشت میں تنہا مرا سوار

خادم برہنہ سر لئے آتا ہے اس طرح

دکھل کو لوگ لاتے ہیں مجلس میں جس طرح

صدرے سے تھی علم کی بھی ٹوٹی ہوئی کمر ۱۲۴ چھینٹیں تھیں خوں کی سبز پھڑپھڑ سے سر بسر
پر جم پہ یوں جھکا ہوا پنجہ تھا خوں میں تر جس طرح پیٹتا ہے کوئی سو گوار سر

پیدا تھی ہر قدم کی علامت نشان سے

پیٹو کر اٹھ گیا مرا مال جہان سے

بہوئے حسین خیمہ اقدس کے جب قریں ۱۲۵ آگے بڑھے جھکا کے علم اکبرؑ حزیں
دوڑا ترپ کے دلبر عباسؑ مر جبین چلا یا کیا غضب یہ ہوا یا امام دیں

کون ہے کیوں فرس مرے بابا کو ہر گئے

سر پیٹ کر حسین پکارتے کو مر گئے

یہ ننگے پاؤں پھر اودھ جگر نگار ۱۲۶ آیا حرم میں مضطرب و نالان و بے قرار
مادر پیکاری خیر تو ہے تم پہ میں نثار چلتا یا چاک کر کے گریباں وہ سو گوار
پانی کو جو سدھارے تھے وہ خوں میں تر ہوئے

اماں اُٹاؤ خاک کہ ہم بے پدر بنے
پردہ الٹ کے خیر کا فضا نے دی صدا ۱۲۷ لے پرے والو دیوڑھی سے ہٹ جاؤ اک ذرا
لاتے ہیں گھر میں مشک و علم شاہ کر بلا مارے گئے جہاد میں عباس با وفا
موت آئی ان کو پیاسوں کی تقدیر سو گئی
ہے ہے علی کی چھوٹی بہو رانڈ ہو گئی

خیمے میں حشر ہو گیا سنتے ہی یہ خبر ۱۲۸ رانڈوں کے دل الٹ گئے تھرا گئے جگر
ما تم کی صف پہ بیٹھ گئی کوئی فوج گر غش کھا کے گر پڑی کوئی کھولا کسی نے سر

ہے ہے کہ نعل ہوا کہ سکیں نہ اچھل پڑی
جھلے سے بال کھولے دہن بھی بھل پڑی
اکس نے آکے گاڑ دیا صحن میں علم ۱۲۹ کھولے سردوں کو زیرِ علم آئے سب حرم
حضرت پیکارے پیٹ کے زانو بہ درد و غم لوزینٹ اپنے بھائی کو رو آئے دن میں ہم
جیتے رہتے تھے اس الم دیاس کے لئے
رند سالہ لاؤ زوجہ عباس کے لئے

برپا ہوا یہ حشر کہ ہے ہے علی کے لال ۱۳۰ بکھرا دئے حسین کی بہنوں نے سر کے بال
پٹی پچھائیں کھا کے جو بانے خوش خصال مٹی پہ لٹنے لگے اطفالِ خرد سال
فتی ہو گیا سکیٹ کا مٹھ سانس الٹ گئی

پھیلا کے ننھے ہاتھ علم سے لپٹ گئی
نمود امنِ علم سے چھپائے بہ صد بکا ۱۳۱ چلاتی تھی کدھر گئے ہے ہے مرے چچا
اس خوں بھرے علم کے میں قربان میں فدا مشکیزہ کیوں دیا تھا یہ سب ہے مری خطا
بابا اکیلے ہو گئے آفت گذر گئی

ہے ہے یہ پانی مانگنے والی نہ مرنی

اللہ سے دل غراش ملی کی بہو کے بین ۱۳۲ ستان آسمان دزمین کو بھی تھا نہ بین
چادر پڑی تھی منہ پہ کچھے سامنے حسین تھامے تھی ہاتھ خواہر سلطانِ مشرقین

مکڑے تھے تیغ غم سے دل سوگوار کے

حکمِ حیا یہ تھا کہ نہ رونا بکاکے

کچھ سوچ کر جو ہٹ گئے داں سے امام دیں ۱۳۳ اس وقت ہاتھ اٹھا کے علم کی بلا میں لیں
منہ کر کے سونے نہر پکاری وہ دل حریں صاحب حسین روتے ہیں تم کو خبر نہیں

جنگل بسا دیا شبہ والا کو چھوڑ کے

صاحب کدھر چلے گئے آقا کو چھوڑ کے

صاحب سکیستہ جان بلکتی ہیں آئیے ۱۳۴ کانٹے زباں کے دیکھو کے آنسو بہائیے
صدتے گئی بھتیجی کو پانی پلائیے قربان جاؤں مشک بھری ہو تو لائیے

آلفت کے دلہی کے منافی نہ چاہیے

صادق ہیں آپ وعدہ خلافی نہ چاہیے

کل تھی سہاگن آج تو میں سوگوار ہوں ۱۳۵ بیوہ ہوں جاں بلب ہوں غریب لایا ہوں
جان ملی ہیں آپ تو میں جاں نثار ہوں ہاں ناز ہے تو یہ ہے کہ خدمت گزار ہوں

جنگل میں بھوڑیئے نہ مجھے ہاتھ تمام کے

بیٹے ہیں آپ امام کے بھائی امام کے

دلی کہاں یہ رانڈیٹیوں کو لے کے جانے ۱۳۶ اس کر بلائے ٹوٹ لیا مجھ کو ہائے ہائے
اب گھر سے کام کیا جو رخصت سوگوار ہائے سر پستی ہوئی لب دریا کنسیر آئے

کیا اس کی زندگی جسے وارث سے پاس ہو

میری بھی قبہ آپ کی تربت کے پاس ہو

ہے علم کے پلنے کی شادی کہوں میں کیا ۱۳۷ خضران کو دل گئے علم سبز کیا بلا
باہر سے پہلے آ کے مرے پاس یہ کہا تھی جس کی آرزو ہمیں عہدہ وہی بلا

صدتے سے شہ کے جعفر طیار ہم ہوئے

صاحب تمہیں خبر ہے علدار ہم ہوئے

میں نے بلائیں نے کے پس از تنہیت کہا ۱۳۸ آقا کو اور تم کو سلامت رکھے خدا
سردار فیض بخش، علقدار بادشاہ بولے یہ سب حسین کی ہے شفقت عطا

کیا کیا نوازشیں ہیں امام غیور کی
لے آؤ تم بھی جا کے بلائیں حضور کی

کہتے تھے شب کو بھر کے دم سرد مہدم ۱۳۹ تم ہم کو چاہتی ہو تمہیں چاہتے ہیں ہم
سو سر خدا جو دے تو نثارِ شہِ امام گر ہے تو بس تمہاری جدائی کا ہے الم
کل ہم ہیں اور خیر و شمشیر و تیر ہیں
اس کا بھی غم بڑا ہے کہ بچے صنیر ہیں

کیسی یہ غفلت آج ہے لے شیر حق کے لال ۱۴۰ بچوں کو اب نہ فکر نہ لونڈی کا ہے خیال
بھاتی تھی جس کے بالوں کی بواپ کو کمال اس نے تمہارے سوگ میں کھولے ہیں سر کے بال

اب وصل کے نہ دن زشبیں اشتیاق کی
کیونکر نکلیں گی دشت میں راتیں فراق کی

صاحب تمہیں تو سونے کو ہاتھ آئی خوب جا ۱۴۱ دریا کا قُرب سرد و ترائی مُنک ہوا
میں اور آپ آج کی شب تک نہ تھے جدا بستر کو خالی دیکھ کے گزرے گی مجھ پہ کیا
تڑپوں نہ کس طرح کہ نئی واسطات ہے
صدتے گئی فراق کی یہ پہلی رات ہے

ہے مرے نصیب کہ تم سے بچھڑ گئی ۱۴۲ غم ہے کہ کیوں نہ میں دمِ زحمت بگڑ گئی
کچھ ملاحوں میں تھی کہ مصیبت یہ پڑ گئی دالی مجھے بلاؤ کہ دُنیا اُجڑ گئی
کیا راہ و رسم ہے یہی دنیائے زفت میں
لونڈی تو قید خانہ میں صاحبِ بہشت میں

کیوں کر کہوں کہ آپ میں مہر و وفا نہ تھی ۱۴۳ میری ہی خاک قابلِ خاکِ شفاء نہ تھی
اتنا جگہ ہے بس کہ یہ غفلت روانہ تھی کیا پانسی بھی اک مری شربت کی جا نہ تھی
بے وجہ خیر خواہ سے منہ موڑتے نہیں
ساتھی بُرا بھی ہو تو اسے چھوڑتے نہیں

یوں منہ کو مڑنا تو طریقِ دفا نہیں ۱۳۳ صدقے گئی میرا تو کوئی آسرا نہیں
کیوں کرتے جہازِ موافق ہوا نہیں منہ ہار میں تو ناؤ ہے اور نافذ نہیں

دیتی ہوں واسطہ میں شبِ مشرقین کا

دالی مجھے زینب ابیہ صدقہ حسین کا

صاحب تمہیں سکینہ ناشاد کی قسم ۱۳۵ صاحب تمہیں مصیبتِ سجاد کی قسم
تم کو حشیں کشتہ بے داد کی قسم تم کو ہمارے نالہ و فسر یاد کی قسم

جب تم نہ ہو تو خاک ہے دنیاے زشت میں

مجھ کو بھی اپنے پاس بلاؤ بہشت میں

یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی سرود سو گوار ۱۳۶ ڈیوڑھی پہ آئے روتے ہوئے شاد نامدار
بھاؤج کے ہاتھ تھام کے بولے چال زار بس بس خدا کو یاد کر اب اسے جگر ننگار

انجام کار سب کے لیے مرگ و گور ہے

بی بی خدا سے کیا کسی بندہ کا زور ہے

بس اسے آئیں طول کی آگے نہیں ہے تاب ۱۳۷ طاری ہے ضعف دیتی ہے طاقت بھی اب تیرا
بلواؤ خاکسار کو یا ابنِ بو تراب ڈر ہے کہ بند میں مری مٹی نہ ہو خراب

جلود رہے مزار پہ مولا کے نور کا

غائبِ شفا میں قبرِ موصدقہ حضور کا

مرثیہ (۱۵)

جب آپ رواں بند ہوا فوجِ خدا پر ۱ فائقے کئی گذرے شہر دیں کے رفقاً پر
نیزے ہوا دسویں کو امامِ دوسرا پر پیاسوں کا لہو بہنے لگا خاکِ شفا پر
پنکھولا تھا چمنِ دشت میں اولادِ علی کا

باجوں کا اُدھر غل تھا اُدھر تارِ علی کا
خاروں کی طرح گرد کھڑی تھی پہ شام ۲ کس شان سے تھانج میں گلِ دستہ اسلام
تھا شور کہ پیاسوں کو نہ پانی کا ملے جام سب تشنہ دہن قتل ہوں زہر کے گل اندام
سادات کو ہاں نیزۂ دُشمنیر سے مارو
بچے بھی جو آئے تو اُسے تیسرے مارو

یہ شیر ہیں آغوشِ یزدان کے پالے ۳ جو بے زبردت ہوئے تھان پہ وہ ڈالے
گھرے رہیں پیاسوں کو سواروں کے رمالے نزدیک سے تلواریں چلیں دُور سے بھالے
باتھ آئے گھاہِ خوں کا صلہ تیغِ زخموں کو
دم لینے کی مہلت نہ ملے بے وطنوں کو

دریا کو جو دیکھے کوئی پیاسا تو چلیں تیر ۴ ہیں اُن کے گلے متابلِ آبِ دُمِ شیر
نازاں ہے بہت اپنے علمدار پہ شیرِ دنیا سے مرثا دو اسدائے کی تصویر
ایک عشق ہے ہم شکلِ رسولِ مدنی سے
چھید و جگر اس چاند کا برہمی کی آنی سے

تاسم کو سمجھتے ہیں برادر کی نشانی ۵ ہاں بھائیو برباد کرو اس کی جوانی
فرزندوں کو زینب کے نہ دینا کہیں بانی یہ شیر ہیں کونین میں ان کا نہیں ثانی
تیغ ان کے بزرگوں کی ہزاروں پہلی ہے
اک جعفر طیب ہے اور ایک علی ہے

کس شان سے ہیں نیچے ہاتھوں میں سنبھالے ۶ بگڑیں تو بہا دیں یہ ابھی خون کے نالے
 کاندھوں پہ بھلے لگتے ہیں کیا چھوٹے بھالے زخمی ہوں کسی تیغ سے یہ گیسوؤں والے
 تلواروں سے پھر بیچ کے کدھر جائیں گے شیر

زینبؓ نکل آئے گی تو مر جائیں گے شیر
 واں ظلم پہ باندھے تھا کمر شکر کفبار ۷ تھوڑے سے جواں یاں کے بھی تھے مرنے پر تیار
 ذی قدر جواں مرد خوش اطوار و فادار خاصانِ خدا مشفق و زاہد و ابرار
 آغوشِ محمدؐ کا مکین اُن کی طرف تھا
 دنیا تو اُدھر جمع تھی وہیں ان کی طرف تھا

تھانج کے سورہ کا مفسر کوئی ذی جاہ ۸ پڑھتا تھا کوئی آیہ نصرتِ طرفِ شا
 کہتا تھا کوئی بنس کے تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ بولا کوئی اب جلد کٹی جاتی ہے یہ راہ
 گورحم نہ یہ لشکرِ نااہل کرے گھا
 اس پیاس کی سختی کو خدا سہل کرے گا

تھاسورہ کوثر کسی پیاسے کی زباں پر ۹ مائل تھا کوئی سپہِ گلستانِ جنان پر
 صدقے کوئی ہوتا تھا امامِ درجہاں پر لڑکے بھی کھڑے تھے کئی کھیلے ہوئے جاں پر
 تسبیحِ امامت کو عجب دانے لے تھے
 یا فاطمہؓ کی شمع کو پر دانے ملے تھے

ماشوقِ شہِ والا کے، مطیعِ اسد اللہ ۱۰ سر دینے کو سب ہادی کونین کے ہمراہ
 مستثنیٰ وحی بین وحیِ آئینِ وحیِ آگاہ دنیا کودہ دیں دار سمجھتے تھے گذر گاہ
 فاقوں میں توکل تھا، جنابِ احدی پر

پڑتی تھی نظر اُن کی، نعیمِ ابدی پر
 خشکیدہ زبانون پہ سخنِ شکر کا جاری ۱۱ معشوقِ امامِ درجہاں عاشقِ باری
 کوئی تو محدث، کوئی حافظ، کوئی قاری ہم رتبہٴ سلمان و اباذرِ نزاری
 سمجھے ہوئے تھے تلخ وہ لذتِ جہاں کو
 تھا چاشنیِ فقر سے کام اُن کی زباں کو

گوناگوں سے تحلیل تھے وہ صاحبِ توقیر ۱۲ موقوف نہ ہوتے تھے مگر نعرہٴ تکبیر
 داتاے جہاں سیفِ زباں، صاحبِ شمشیر طینت میں دفا داروں کے تھی اُلفتِ خیر
 دل تیروں سے زخمی ہوئے چھہرہ جگمگائے
 سر رشقِ تبیع کو توڑا نہ کسی نے

ایک ایک مئے وحدت اللہ سے سرت ۱۳ ثابت قدم و صمد و جاں باز و زبردست
 سر کاٹیں نہ سینوں کو، جو سوتیر ہوں پیوست سمجھا کیے دنیا کی بلندی کو سدا پست
 نے گھر کا، نہ اولاد کا، نہ مال کا غم تھا
 غم تھا تو فقط فاطمہ کے لال کا غم تھا

کس شوق سے تلواروں کے پھل بھوک میں کھا ۱۴ پانی کا مگر نام زبانوں پہ نہ لائے
 آفت کی محبت میں دطن چھوڑ کے آئے ایسے بھی نمک خوار کسی نے نہیں پائے
 ز رہیں تپ پُر نور میں شیروں کے پڑیں تھیں
 آنکھیں پر شام کی تیفوں سے لڑی تھیں

پہلو میں کوئی اور کوئی پیشِ شہر خوش خو ۱۵ کوئی سپرِ حفظ، کوئی جوشِ جاو
 رُخ چاند سے روشن، تو بدن پھولوں سے خوشبو رُخساروں پہ سنبل سے ٹپکتے ہوئے گیسو
 تیروں سے نہ تلواروں سے منہ پھرتا تھا اُن کا
 حضرت کے پسینے پہ لہو گزرتا تھا اُن کا

کیا شانِ میبِ ابنِ مظاہر کا لکھوں مال ۱۶ وہ پیاس کا صدمہ وہ ضعیفی وہ سن و سال
 کیا رتبہٴ اصلی تھا زبے حشمت اقبال فرماتا تھا بھائی جسے خود فاطمہ کا لال
 جو عشق تھا سلمانؑ و ابا ذرؑ کو نبیؐ سے
 ان کو وہی اُلفت تھی حسینؑ ابنِ علیؑ سے

اندازِ جوانوں کا بھی، پیرانہ سری بھی ۱۷ پروانہٴ جاں باز بھی، شمعِ سحری بھی
 ابرار بھی، دیں مار بھی، عیساں سے بری بھی زاہد بھی، مجاہد بھی، نمازی بھی، جبری بھی
 طفلی سے یہ فوجِ شہ نامی میں رہے تھے
 ترشہ برس آفت کی غلامی میں رہے تھے

تھا وہ قدیم گشتہ شجاعت سے نہ خالی ۱۸ مرنے کو چلے کیا کہ چسلی تیف مصلال
پسپا تھی وہ صف جس پہ نظر شیر نے ڈالی نعرہ تھا یہ ہر دم کہ نثارِ شہِ عالی

مردتے ہوئے یوں نحتِ دلِ حتمِ ریل پر
بلبل کبھی جس طرح نفا ہوتی ہے گل پر

وہ مومنِ کامل جو زمانے سے بدھارا ۱۹ حضرت کا جگر ہو گیا، سینے میں دو پارا
نہراتے تھے رو کر کہ نہیں صبر کا یارا افسوس کہ بچپن کا چمٹا، دوست ہمارا
یوں روئے جدا ہونے پہ اُس تشددِ ہن کے
جس طرح سے روئے تھے جنانے پہ حسن کے

مٹی میں بلایا وہ مرقع جو قضا نے ۲۰ سر دینے پہ تیار ہوئے شہ کے یگانے
دیکھا سُوئے افلاک، امام دوسلر نے تسبیحِ امامت کے بھرنے لگے دانے
کیا قہر ہے تیراں پہ چلے، فوجِ شقی کے
رشتے میں جو تھے احمدِ دُزہرا و علی کے

مقتل سے یہ خیمے میں خبر ماتی تھی ہر بار ۲۱ بے جاں ہوئے مسلم کے تیمانِ دفا دار
آخر ہوئی، اولادِ عقیل، جگر افکار پا مال ہوا، لو چمنِ جعفرِ طیار
لشکر میں تلاطم ہے امامِ ازلی کے
اب چلتی ہے تلوارِ نواسوں پہ علی کے

تھی شکر کے سجدے میں یدِ اللہ کی جانی ۲۲ نقصانے یکا یک یہ خبر آ کے سنائی
سیدانیوں، بوٹی گئی زینب کی کمانی دم توڑتے ہیں خاک پہ معصوم دُہائی
مرتے ہیں زبانوں کو نکالے ہوئے بچے
ہے مری آغوش کے پالے ہوئے بچے

سجدے سے جو سر حضرت زینب نے اٹھایا ۲۳ ہر بی بی کو خیمے میں تڑپتے ہوئے پایا
گہرا کے کہا، کیا ہوا، کیوں شور مچایا جلدی کہو، کیا زخم کوئی بھائی نے کھایا
کیوں پیٹتے ہو حال مرا غیر ہے لوگو
اکبر مرے فرزند کی تو خیر ہے لوگو

سب نے کہا دنیا سے گئے آپ کے پیارے ۲۴ فرمایا کہ ہاں دونوں نے سرمایوں پہ وائے
 صادق تھے وہ حق ماں کا ادا کر گئے بائے شادی ہوئی، پر زبان چڑھے لال ہمارے
 تھا آج کے دن کے لئے پالا انھیں میں نے
 شاہد رہیں سب دودھ بھی بخشا انھیں میں نے

یہ سن کے ادھر بیاباں سب پیتی تھیں سر ۲۵ واں تیغوں سے ہوتا تھا قلم گلشن حیدر
 مارے گئے عباس کے نبی جو برادر لاکھوں سے لڑا تختِ دلی حضرت شہر
 تمواریں کھینچے پہ چلیں شاہِ زمیں کے
 ٹکڑے نہ ملے لاشِ فرزندِ حسن کے

بھادج کے جو پڑے کو چلے سیدِ ابرار ۲۶ آگے گئے روتے ہوئے عباسِ علمدار
 پردے سے لگی رو رہی تھی زینبِ ناچار ہمیشہ کے قدموں پہ گرے دوڑ کے اک بار
 نہر مایا کر اٹھو تو مری جانِ برادر
 کیا کہنے کو آئے ہو میں شہر بانِ برادر

کی عرض کر اے وارثِ فوزیتِ حیدر ۲۷ دنیا سے سفر کر گیا سب شاہ کا لشکر
 باقی ہوں غلاموں میں تو میں بیٹوں میں اکبر دیکھوں کسے دیتے ہیں رضا بیٹ بیٹ
 بڑھتا ہوں میں جس دم تو جھکایتے ہیں سر کو
 دیکھا ہے کن آنکھوں سے کئی بار سر کو

میدان میں بڑے بھائی کا پیارا ہوا بے دم ۲۸ یہ ایک ندامت ہے مرے واسطے کیا کم
 کیا جانے کیا سوچتے ہیں قبلہ عالم اکبر بھی سدھارے تو کہیں کے نہ رہے ہم
 ہوگا دہی جس امر میں کد آپ کریں گی
 رہ جائے گی عزت جو مدد آپ کریں گی

خود عرض کروں شہ سے یہ مجھ کو نہیں یارا ۲۹ ہوگا نہ کسی اور سے اس درد کا چارا
 ہاں آپ ذرا خاد سے کردیں جو اشارا پھر کیا ہے سنو رہا ہے ابھی کام ہمارا
 حامی ہو تو دیر ایک دم اک ہل نہیں ہوتی
 مشکل کوئی بے عقدہ کشا مل نہیں ہوتی

سُن کر یہ سُن کہنے لگی زینب ذی جاد ۳۰ دلوادے بہن، بھائی کو مرنے کی رضا، آد
اچھائیں کہوں گی پہ نہ مانیں گے کبھی شاہ بھائی سے نہ اُٹھے گا یہ کوہِ غم جاں کاہ

مشکل ہے بہت گود کے پالے کی جدائی

آسان نہیں چاہنے والے کی جدائی

ہاں رخصتِ اکبر ہو تو ہو ان کو گوارا ۳۱ فرزند اٹھیں، تم سے زیادہ نہیں پیارا
اک دم بھی جدا ہونے کا جن کو نہیں یارا کیونکر کہوں وہ داغ اٹھائیں گے تمہارا
آد تو یقین ہے کہ نہ اقبال کریں گے

مانا بھی تو کیا جائیے، کیا حال کریں گے

یہ ذکر تھا جو شاہِ اُمم خیمے میں آئے ۳۲ روتے ہوئے دیوڑھی سے حرمِ خیمے میں گئے
اکبر بھی بصدِ رنج و المِ خیمے میں آئے عباس بھی گردن کیے خم، خیمے میں آئے

روئے جو حرم دیکھ کے اس خاصہ رب کو

شبیر نے ایک ایک کا پڑسا دیاسب کو

جن جن کے پسر ہو گئے تھے دشت میں بے جا ۳۳ ان سوگ نشینوں سے یہ بولے شہِ ذی شاں
اے بیبر! تم سب کے ہیں شبیر، احسان سب بولیں کہ اے محسنِ عالم تمہے قرباں

اولاد کے مرجانے کا کچھ غم نہیں ہم کو

اللہ زمانے میں رکھے آپ کے دم کو

رو کر شہِ بے کس نے کہا یہ نہ کہو آہ ۳۴ مشتاقِ اہل ہوں، مجھے مینے کی نہیں چاہ
سب قافلے والوں نے تو فردوس کی لی راہ جو پچھڑے ہیں جلدان سے ملانے مجھے اللہ

اب ہم نہ کوئی داغِ غم و یاس لٹھائیں

لاشے کو مرے اکبر و عباس اٹھائیں

اکبر نے کہا پہلے خدا ہم کو اٹھائے ۳۵ فرزند تو زندہ ہو، پدرخوں میں نہ لائے
عباس یہ بولے، وہ گھڑی حق نہ دکھائے آقا پہ جو آتی ہو، بلا ہم پہ وہ آئے

حضرت ہی ہمارا تین صد پش اٹھائیں

خاک ایسی جوانی پہ کہ ہم لاش اٹھائیں

عباسؑ کا منہ بنس کے لگے دیکھنے شبیرؑ ۲۶ فرمایا کہ جوش آگیا اے صاحبِ قمشیر
عباسؑ مٹی رونے لگے سن کے یہ تقریرؑ شہ نے کہا سمجھاؤ ذرا بھائی کو ہمشیرؑ

آنسو نہ بہائیں کہ بہو گھٹتا ہے میرا

کیوں روتے ہیں یہ کیا ابھی سر کتا ہے میرا

زینبؑ نے کہا ان کا تو مطلب ہی جدا ہے ۲۷ شہ نے کہا فرمائیے ہمیشہ وہ کیا ہے
کی عرض کہ ان کو طلبِ اذنِ دعا ہے حضرت نے کہا خیر مناسب ہے بجایا ہے

اکسب سے بھی پہلے سفرِ خلد کریں گے

جلدی انھیں کا ہے کی ہے کیا ہم نہ مریں گے

مگر تک تو مرے عشق کا دم بھرتے تھے ہر بار ۲۸ رخصت کے لئے آج یہ رقت ہے یہ اصرار
ہاں بھول گئے شوقِ شہادت میں مرا پیارؑ پوچھو تمہیں تھا ہم سے اور اُن سے ہی قرارؑ

بھائی نہیں مینے کا جو پہلو سے ہٹیں گے

یہ کس نے کہا تھا کہ گلے ساتھ کٹیں گے

زینبؑ نے کہا آپ انھیں آزرہ نہ کیجئے ۲۹ ان کی یہی وصن ہے کہ رضا پہلے ہی لیجئے
یہ غیظ میں ہیں جب سے ہوئے قتل بھتیجئے اب تو مری خاطر سے اجازت انھیں دیجئے

جاں باز ہیں غازی ہیں بہادر ہیں جری ہیں

نازان کے اٹھا لیجئے کہ اب یہ سفری ہیں

یہ سنتے ہی سرشہ کا جھکا زانوئے خم پر ۳۰ عباسؑ گرے دوڑ کے بھائی کے قدم پر
سر پاؤں پہ تھا شاہ کے اور ہاتھ علم پرؑ حضرت نے کہا رحم نہ آیا تمہیں ہم پرؑ

چھوڑا ہمیں کیوں اے مرے محبوبِ برادرؑ

تم جس میں خوشی خیر بہت خوبِ برادرؑ

خمیے میں جو اغل کے پٹے حضرت عباسؑ ۳۱ سب بولے کہ لو اور بھی سرور جو بے آس
گہرا کے سلیکٹ نے کہا تب یہ بصدیںؑ کیا کہتے ہو تم مجھ کو تو جانے دو چچا پاسؑ

منہ شد سے وہ موڑیں گے نہ مانو گی کہیں میں

عمو مجھے چھوڑیں گے نہ مانو گی کہو میں

میں مہیتی ہوں، کیا ایسا چلا جاتا ہے آساں ۴۲ دامن جو چھوڑائیں تو کروں، چاک گریباں
عباس کی زوجہ نے کہا، سچ ہے میں قرباں بائیں کہیں ایسے نہیں بنی کے چچا جاں

کیا جانے واں مشورے کیا کرتے ہیں بنی

پر کچھ نہ کچھ ایسا ہے کہ سب روتے ہیں بنی

یہ سننے ہی گھبرا کے چلی، شاہ کی جانی ۴۳ رستے میں کہیں گر پڑی، ٹھوکر کہیں کوئی
سرکاتی ہوئی بھیر کو اس وقت وہ آئی جس وقت کہ ملتا تھا گلے ہوائی کے بھائی

چلائی کہ سمجھی میں، جہاں چھپ کے چلے تھے

آئی ہوں بھلا مجھ سے کہاں چپکے چلے تھے

بستلایئے جاتی ہے کدھر آج سواری ۴۴ اس پیاس میں لی واہ خبر خوب، ہماری
دوم گھنٹا ہے بولو تو چچا جان میں داری کیوں تم سے گلے مل کے پد رکرتے ہیں داری

بر میں ہے زرہ تیش لگائی ہے کمر سے

ہوتے ہو جاں کیا مرے مظلوم پدر سے

عباس پکارے میں اس آواز کے قرباں ۴۵ ہم جاتے ہیں پانی کے لئے آؤ مری جاں
دامن سے پٹ کر یہ لگی کہنے وہ ناداں میں گھر سے تمہیں جانے نہ دوں گی کسی عنوان

بابا کا مرے کوئی مددگار نہیں ہے

صدقے گھٹی پانی مجھے درکار نہیں ہے

پانی کے لئے واہ تمہیں اتھ سے کھوؤں ۴۶ میں قبلہ کونین کی دولت کو دبوڑوں
شب ہووے تو پھر کس کی بھلا جاتی پسوؤں اب روتی ہوں پانی کے لئے پھر تمہیں روؤں

ہے ہے شہر بیکس کا رانا نہیں اچھا

پیاس اچھی ہے پر آپ کا جانا نہیں اچھا

عباس نے فرمایا کہ تم مشک تولاد ۴۷ بولیں گے نہ پھر ہم، یہ نہ کہنا کہ نہ جاؤ
قربان میں کیوں پیاس کی تکلیف اٹھاؤ تم بھی پیو، اصفہر کو بھی چلو سے پلاؤ

نیلے ہیں یہ لب رنگ نہ کیوں زرد ہو میرا

تم پیاس بھلا تو جگر سرد ہو میرا

جہنے کی منہ دیکھ کے بابا کا وہ دل گیر ۴۸ کیا کہتے ہیں سُنئے تو پچھا جان کی تفسیر
حضرت نے کہا یہ نہ کرکس کی کسی تدبیر اپ مشک بھی لا دو انھیں جو خواہش تقدیر
رو کو نہ کہ درپیش عجب راہ ہے اُن کو

سقانی کی خدمت کی بڑی چاہ ہے اُن کو
دی مشک جو مکیم پسر شاہ نجف سے ۴۹ رخصت ہوئے عباس محمد کے خلف سے
غل خیمے میں رونے کا اٹھا چار طرف سے طالع ہوا خورشید زمیں برج شرف سے
کھولا علم دیں کو جو اس بحر کرم نے
فعلین پہ سر رکھ دیا اقبال وحشم نے

گھوڑے پہ چڑھے آپ جو گردان کے دامن ۵۰ قدموں سے رکابوں کی بھی آنکھیں ہوئیں روشن
تیار تھا اڑنے پہ اٹھائے ہوئے گردن اقبال سیماں سے پری بن گیا قوس
نستارک کو تھا فوق کہیں بال ہمار
زمین اس پہ نہ تھا تحت سیماں تھا ہمار

آمبے بہادر کی تزلزل ہوا زن میں ۵۱ غارت صفِ اعدا کا، تجل ہوا زن میں
شکر کی ترقی کا، تزلزل ہوا زن میں شیر آتا ہے، یہ چار طرف غل ہوا زن میں
سب زیر و زبر مجمع مردم نظر آیا
دریا بھی ہٹا کچھ یہ تلاطم نظر آیا

شیروں کے نیستاں میں جگر خوف سے کانپے ۵۲ تھرانے لگے کوہ، شجر خوف سے کانپے
حور دھوکہ دہن و بشر خوف سے کانپے پریوں کے پرے دور تھے پر خوف سے کانپے
چلا کے بنی جان تو پنہاں ہوئے دریں

سرتاف چھپانے لگا نقطوں کے سپر میں
ہل چلی تھی کہ شیروں کے قدم کن پیش ٹھہرے ۵۳ دشت ہوئی ایسی کہ ہرن بن میں نہ ٹھہرے
صحرا کے پرندے بھی نشیمیں نہ ٹھہرے برسوں سے جو ساکن تھے وہ مسکن میں نہ ٹھہرے
غل تھا کہ یہ فوج اب غضب حق میں گھرے گی
بھاگو نہیں بجلی کوئی ساعت میں گرے گی

ناگاہ سینا بان بلا نور سے چمکا ۵۴ جوں پیچہ خورشید، علم دُور سے چمکا
 عکس اس کافروں حُسن رُخ حور سے چمکا تھا نور کا شعلہ کہ سرِ طوڑ سے چمکا
 کرتا تھا اشارہ کہ نہ کیوں نورِ نِشاں ہوں

میں نیچترِ پاک کے لشکر کا نشان ہوں
 تھی شانِ علی پہ چہرہٴ انور پہ جری کے ۵۵ کفنِ تھی عجب حُسن سے منفر پہ جری کے
 لہراتا تھا دامنِ ظلم، سر پہ جری کے پھرتا تھا ہما فریقِ مطہر پہ جری کے
 شانے پہ کہاں، بر میں زرہ، تیغ کمر میں
 دولا کہ کا شکر نہ سماتا تھا نظر میں

غل تھا کہ علمدارِ شہنشاہ کو دیکھو ۵۶ لوامہ بنی ہاشمِ ذی جاہ کو دیکھو
 ہم صورت و ہم شانِ ید اللہ کو دیکھو حیدر کو نہ دیکھا ہو تو اس ماہ کو دیکھو
 رستائے پہننے کا بھی دستور یہی تھا
 نقشہ تھا یہی حُسن یہی، نور یہی تھا

جب دن کو چلے حضرت عباسؓ، علمدارِ مطلعِ دمِ دی یکٹ نے جا کر یہ خبرِ شمر کو اک بار
 وہ خیر کہ اُتری ہے جسے عرش سے تلوار ۵۷ اس کا پسر آتا ہے خبردار خبردار
 اب چمکے گی تلوارِ شمعِ ازلی کی
 آمد ہے بڑی دُعوم سے عباسؓ علیؓ کی

تشریف اُمد میں، یوہی لائے تھے ید اللہ ۵۸ خیبر میں، اسی شان سے آئے تھے ید اللہ
 ہتھیار اسی دھج سے لگائے تھے ید اللہ لاکھوں سے یوہیں آنکھ لائے تھے ید اللہ
 قبضے میں یوہیں، قبضہٴ شمشیرِ دوم تھا
 کا نہ ہے یہ اسی طرح محمدؐ کا علم تھا

تحریرِ سراپا پہ جو مال ہوئی خاطر ۵۹ حورانِ مضا میں کی صدا آئی کہ حاضر
 پر جس کی طرف دیدہ حق ہیں ہوئے ناظر ٹھہری کوئی شے قابلِ تشبیہ نہ آخر
 دل نے کہا کیوں امرِ نفی میں یہ کہہ رہے
 دی عقلِ رسا نے یہ گواہی کہ سند ہے

یا کھئے مچا تو شاہ کے شہید کا سراپا ۶۰ ادنیٰ سے مشابہ نہیں، اعلیٰ کا سراپا
دُشوار ہے عباس سے آقا کا سراپا آسان ہے کچھ حسن کے دریا کا سراپا
بہتر کوئی شے اور ہے نور ازلی سے

تشبیہ جب اس شیر کو دیکھے تو ملے سے
جس امر سے ہو خاص کو رغبت وہ کرے کام ۶۱ خوش ہو کے عوام اٹھیں تو پھر ہمیں ہے کیا نام
دانا کو یہ لازم ہے کہ ماند نہ ہو الزام کیا لطف جہاں کا بہتر نہ ہو انجام
جلس نہیں مظلوم کی یہ بزمِ عزا ہے
یاں رونے کی لذت ہے رولانے کا مزا ہے

واقف نہ حقیقت سے ہوئے نورِ خدا کی ۶۲ پیشانی کو خورِ شہید کہا، خوب شنائی
انہم اچھلے لگے، چُپ ہو گئے باقی اشکوں نے بھی رک کر کہا، یہ عین خطا کی
ہمسر کیا دڑے کو مرغِ بازوئے شہ کے
کھوئے دُرِ شہوار بھی پچھے سے بڑھ کے

ایرو کو کہاں کہتے ہیں اس فہم کے قرباں ۶۳ ابرو بھی جگر گوشہ حیدر کے، لبہ شاں
مدوت کے رتبے کا بھی لازم ہے ذرا دیہاں یہ اس کے نواسے کے تن پاک کی ہے جاں
جوشاہ ہے قوسینِ مکاں ارض و سما میں
فرق دو کہاں جس میں رہا اور خدا میں

کہتا ہے کوئی چشم کو نرگس کوئی آہو ۶۴ اس کی تو عبارت نہیں اس کی نہیں ابرو
چہرے کو کہا گر علیٰ مہتاب ہے یہ رُو اس میں نہ یہ سبز نہ یہ سُرخ نہ یہ خوش بو
بلے بو ہے وہ اک پھولِ بہاں باغ لگا ہے
ہر چیز میں بس ایک نہ اک داغ لگا ہے

مضمونِ دہن کے شعرا رہتے ہیں جویا ۶۵ پوچھے کوئی کوثر سے زباں کو بھی ہے دھویا
غنیو جو کہا لطفِ سخن اور بھی کھویا اسرارِ الہی سے بھی واقف ہوئے گویا
میں عقدہ کشا، منہ سے جو بولیں تو گلے کا
اس عقدہ کو یہ آپ ہی کھولیں تو گلے کا

دانتوں کو گہر مٹھیا کر کہتے ہیں سارے ۶۶ بستلاؤ گہر خوب میں یا عرش کے تارے
یہ دُورِ نجف وہ ہیں علیؑ کو جو ہیں پیارے تاروں کو بھی صدائے فلک اُن پرے آئے

کیا وصف کریں اُن کا سوا صلِ علیؑ کے

گو ہر نہیں قطرے ہیں یہ سب نورِ خدا کے

لب کو جو کہا لعل، یہ مضمون ہے بے نگ ۶۷ اس درج کے قابل نہیں ہے یہ دہن تنگ
بولو لبِ جان بخش کا ہوتا ہے یہی دھنگ اعجازِ سیما کا دکھائے تو کوئی سنگ

قدرت نہیں ان ہونٹوں کی اوصاف کی ہمیں

یہ وہ ہیں کہ مُردوں کو جلا دیتے ہیں دم میں

قامت کو کہا سروِ قوچال اس میں کہاں ہے ۶۸ یہ سیبِ ذوق، یہ خط و خال اس میں کہاں ہے
یہ حسن، یہ صورت، یہ جمال، اس میں کہاں ہے یہ رعب، یہ شوکت، یہ جلال اس میں کہاں ہے

علیؑ ہو کہ نثر، ہو نہیں یا بد مزگی ہے

ہر شے میں غرض ایک نہ ایک شاخِ کلی ہے

جرات کہ مہل ہو، داں چاہئے اہمّال ۶۹ زبیا غزل و شعر میں ہے وصفِ خط و خال
ہاں دیکھو کیتِ قلم، ابھی نہیں یہ چال اب بڑھتے ہیں عباسِ صفیں ہوتی ہیں پال

ہے جوشِ وفا ضیغِ یزداں کے پسر کو

تلوار کو تو لا ہے سنبھالا ہے سپر کو

اعدا بھی ادر مستعدِ جنگ و جدل ہیں ۷۰ کونے کے نقشوں، بے کے پئے شام کے دل ہیں
صفِ باندے ہوئے ترک کے اور دم کے ل ہیں سب شہت میں نیزوں کے شہر تیوں کے پل ہیں

اوپنچا ہے ہراک ہاتھ پیر سر سے اٹھی ہے

گھنگور گھٹ شام کے شکر سے اٹھی ہے

کالے وہ علمِ فوج سیہ رو کی نشانی ۷۱ غلِ طبل کا قسرناس کی وہ آواز ڈورانی
شیروں کے گلچے بھی ہوئے جاتے تھے پانی تھی صاف صدا آئے کہ اور کی جوانی

بلے کس شہر دیں ہوتے تھے فرادِ بکا تھی

غہنا میں بھی معلومِ حینتا کی صدا تھی

یاں تیغ جگر بند علی سیان سے نکل ۷۲، کس زرق سے کس برق سے کس شان سے نکل
فریاد دل قوم بنی جان سے نکل اک تازہ پری تھی کہ پرستان سے نکل

غل تھا کہ یہ کس چیسز کا پر تو نظر آیا

حیرت ہے کہ دسویں کو مرہ تو نظر آیا

نعرہ جو کیا شیر نے دل بل گئے سب کے ۷۳، تھرنے لگے کوہ، اراضی عرب کے
آثار نمایاں ہوئے خالق کے غضب کے باہی سے ادھر گاؤں زمین بل گئی دُوب کے

تھرائے صدائیں کے شجاعِ ازل کی

جسٹری کو لکھ آگئی آواز صلی کی

شہید زکوانوں میں، دلا درنے جو دابا ۷۴، پھر آگیا برچوں ہی وہ گھوڑا، دور کا با
تنگی سے قفس تھا، اسے دنیا کا خرابا اُترا تو دہانے کو مجب غیظ سے چا با

نے جت نظر آئی، نہ کاوا نظر آیا

پھرتا ہوا لشکر میں چھلاوا، نظر آیا

پامال معد وقت تک دوز نظر آئے ۷۵، جس غول میں دوسو تھے، وہاں سول نظر آئے
تارے دم شرفی و روا رونظر آئے جب جم کے اُڑا، چار مرہ نہ نظر آئے

بجلی تو بلندی پہ، شرارے تھے زمین پر

خوشید تو زیں پر تھا، ستارے تھے زمین پر

سیدھی جڑی تیغ صفوں کا ورق اُٹا ۷۶، اُستادِ شجاعت نے پڑھایا، سبق اُٹا
چہرے جو کئے، دُختر نظم و نسق اُٹا جسٹریل پکارے کہ زمین کا طبق اُٹا

رُکنے کا نہیں ہاتھ، شجاعِ ازل کا

دیکھو کہ نمونہ ہے یہی ضربِ علی کا

وہ معرکہ غسز وہ، خیبر نہیں بھولا ۷۷، کفار پہ وہ حملہ حیدر نہیں بھولا
عرصہ ہوا پر صدائے شہپر نہیں بھولا اب تک مجھے اس ضرب کا ٹکڑ نہیں بھولا

بہت ہے لہو، آگ بھڑکتی ہے زمین پر

پھر آج وہی برق چمکتی ہے زمین پر

بڑھ کر صدف ثانی پر پھی تیغ جو سن سے ۷۸ صاف آئی صدایہ کہ نہ غافل ہو گھن سے
 راہی ہو میں رُو میں تو رہا ہو کے بزن سے سر طائر وحشی کی طرح اڑ گئے تن سے
 کب چٹختے ہیں شہباز اجل کے ہوں جو ہیں میں
 مالک نے کیا بند جہنم کے نفس میں

مٹے تھے قیامت کے لڑائی تھی غضب کی ۷۹ خوں بینی کئے برش تیغ نے پانی تھی غضب کی
 ہوتی تھیں منہیں صاف لوفائی تھی غضب کی اس منہ کی صفائی پہ رکھائی تھی غضب کی
 پلٹنے میں مزا قیامت معشوقِ حسین کا
 انداز ہر اک ناب میں تھا پیس بہ جبین کا

کیا قہر تھا شمشیر کی ابرو کا اشار ۸۰ اک جہنم زدوں میں اُسے مارا اسے مارا
 نے بھاگنے کی تاب تھی نہ جنگ کا یارا ہر ضرب میں تھے جان سے ماری ستم آرا
 گریز بھی گیا یہ اس کی بلا مل گئی اُس پر
 منہ دیکھ لیا جس نے پھری پل گئی اُس پر

کچ ہو کے وہ چلنا وہ ٹھہرنا، وہ پکنا ۸۱ شعلہ تھا جھل گرد تھا بجلی کا چمکنا
 وہ دیدہ جو ہرے جفا کا روں کا نکنا گویا تھا تماشہ اسے کشتوں کا پھڑکنا
 ندی کے قریں خون کا دریا سا بہتا تھا
 کیا چال غضب تھی کہ ہر اک لوٹ رہا تھا

بجلی کا چلن، شعلے کی خواہش و بیباک ۸۲ صرصر سے ٹبک دست گراں قیمت چالاک
 خوں خوار جفا کا روستم پیش و سفاک کچ باز سر انداز ترش رو و غضبناک
 خود آب مگر آگ لگا دینے کو آندھی
 ہستی کے چراغوں کو بجھا دینے کو آندھی

بسمل ہوا جس کو پچک اس کی نظر آئی ۸۳ بجلی سی جوتی کی تو کلبجوں میں در آئی
 چرنگ کیا اس کو، اُسے آٹھ کر آئی اٹھکیلیاں کرتی ادھر آئی ادھر آئی
 خوروں میں یہ گرمی نہ لگاوٹ یہ پری میں
 بے دم کیا لاکھوں کو اسی مشوہ گرمی میں

نولاد کی دھالیوں پہ وہ تلوار نہ ٹھہری ۸۳ اک دم بھی میان صنفِ کفار نہ ٹھہری
سر سیکڑوں کاٹے، کبہیں نہ ہزار نہ ٹھہری خوں اتنے کئے اور گنہگار نہ ٹھہری
مجھرم رہی سرکش رہی بیباک رہی وہ
دھڑ نہ لگا خون سے بھی پاک رہی وہ

کاٹی جو سپر منفرد سٹائیں پہ نہ ٹھہری ۸۵ سر سے جو بڑھی، گردن بے دیں پہ نہ ٹھہری
چار آئینہ ظالم خود میں پہ نہ ٹھہری اسوار تو دو ہو گیا، یہ زبیں پہ نہ ٹھہری
پایا جو نہ اس دم پر جب یل میں کو
گھوڑے سے اترتے ہی کیا چاک زبیں کو

پٹتے ہوئے کشتوں کے پس و پیش پہ راس ۸۶ پیتی تھی لہو دم بہ دم اور کبھی نہ تھی پیاس
جب خون میں بھس جاتی تھی وہ پرچہ الماس خود اس کا لہو پونچھتے تھے حضرت عباسؓ
بے وجہ نہ شمشیر کا منہ لال ہوا تھا
عباسؓ کی سرکار سے روٹا ہوا تھا

ناگاہ بہادر کو نظر آنے لگی نہر ۸۷ پانی کی چمک دُور سے دکھلانے لگی نہر
غازی کی قدم بوسی کو لہرانے لگی نہر بڑھ کر خس و خاشاک کو سرکانے لگی نہر
دریا کے جہازوں نے صرادی یہ ابھر کے
آنکھوں پہ قدم ساقی کو ٹر کے پسر کے

ہر موج، زیارت کے لئے ہو گئی بے تاب ۸۸ میں پہلے پھروں گرد، یہ تھی خواہش گرداب
تھا بھیلیوں میں شور کہ بھلو پئے آداب آتا ہے اور بھر شرف کا دُرِ نایاب
آمد جو منی تھی، خلفِ شاہِ نجف کی
گوہر تھے پئے نذرِ تحصیل پہ صدف کی

جب گھوڑے کو دریا میں علم دار نے ڈالا ۸۹ لہرانے سے موجوں کے ہوا دل تو دِ بالا
یاد آگئی بس تشنگی سیدِ دالا رقت بہت آئی تھی گردل کو سنبھالا
سدے سے بھر آیا دل سقائے سیکندہ
اشک آنکھوں سے ٹپکا کے کہا اے سیکندہ

دریا کی طرف دیکھ کے فرمایا کہ اے نہر ۹۰ سب آبِ نیک خلق کا ہے، فاطمہ کا بہر
انصاف کرا انصاف یہ کیا ظلم ہے کیا قہر فیض تو پیاسے رہیں سیراب ہو سب شہر
اس پیاس کا جب ذکر پیہر سے کریں گے
شکوہ تراجم ساقی کو ٹرے کریں گے

اے آب ۹۱ محمد کا پسرتشہ دہن ہے اے آب شرِ حق و بشر تشہ دہن ہے
گلزارِ نبی کا گل تر تشہ دہن ہے دروازے سب شاہ کا گھر تشہ دہن ہے
گرمی میں اگر آج بھی پانی نہ پیئیں گے
میں جن کا بہشتی ہوں وہ پیاسے نہ جیئیں گے

دریائے یہ فرما کے بہادر نے بھری مشک ۹۲ بالیدہ ہوئی دیکھو کے پانی کی تری مشک
تسے سے دہن باندھ کے بہنے پر دھری مشک غل پڑ گیا دیکھو لیے جا تا ہے جری، مشک
دیکھا جو بہتائے ستم، بے ادبوں کو
دریا بھی لگا کاٹنے غصے سے، بوں کو

گرداب سے اک حلقہ ماتم تھا نمودار ۹۳ پانی کے لئے لہر ہراک بن گئی تلوار
سب مچھلیاں ابھری ہوئی کہتی تھیں یہ ہر بار لوڈوتا ہے خوں میں، طغی کا در شہوار
دو چار قدم بھی نہ بڑھے تھے لب جو سے
بھرتیروں کا سینہ پڑنے لگا فوجِ عدو سے

دریا تو ادھر اور ادھر لشکرِ قہار ۹۴ مشکیزہ لیے بیچ میں تنہا وہ علمدار
تلواروں کی تھیں بجلیاں اور تیروں کی بوجھار جاسکتے تھے آذنتیں نہ اس پار نہ اس پار
طوفان تھا، تلاطم تھا، مصیبت کی گھڑی تھی
کیا پیاسوں کی کشتی بھی تباہی میں پڑی تھی

ہوتا تھا ادھر خاتمہ جنگِ علم دار ۹۵ بسمل سے ٹپتے تھے ادھر، تیدا برابر
اٹھ کر کبھی جکتے تھے، سونے فوجِ ہتھیار گر کر کبھی چلاتے تھے، ہے ہے مرے غمخوار
بھائی کی صدا سن کے ٹپ جاتی تھی زینٹ
جب روتے تھے حضرت توصل آتی تھی زینٹ

کہتی تھی کہو، مدد تے گئی، کچھ خبر آئی ۹۶ نہ کہتے تھے ہمشیر، بڑا ہوتا ہے بھائی
دریا سے وہ نکلا تھا مگر راہ نہ پائی مشکیزے کے لے آنے پہ ہوتی ہے ترانی

خوں خواہوں میں وہ صاحب فمشیر گھرا ہے

دریا کی ترانی میں مرا شیر گھرا ہے

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوچ عباس ۹۷ کیوں بیسیو! بچے ترے کیا ہو گئے بے اس
کیا کہتے ہیں شاہ شہباز کس سے ہوئی یاس اے وائے مقتدا نہ سکیں کی بجھی پیاس

کبھی خبر آئی ہے کہ جی کھوتے ہو، لوگو

تم سب مرا منہ دیکھ کے کیوں ملتے ہو، لوگو

عباس سلامت ہیں، تو آسو نہ بہاؤ ۹۸ آجائے گا پھر غش، نہ سکیں نہ کوڑاؤ

میت ہے جو مرنے لگے رنڈ سالہ پہناؤ ڈیوڑھی سے چلو، اتنی صف گھر میں بچھاؤ

خود کہہ کے گئے تھے کہ سلامت نہ پھر بیٹے

عباس بس اب تا بہ قیامت نہ پھر بیٹے

ما تم تھا ادھر گھر میں ادھر روتے تھے شبیر ۹۹ داں چلتے تھے عباس علی پر تبر و تیر

دریا سے بڑے آتے تھے تو لے ہوئے فمشیر ہرست سے اُما ہوا تھا، شکر بے پیر

ساحل پہ قیامت کی صف آرائی ہوئی تھی

شکر تھا کہ دریا پہ گھٹا چھائی ہوئی تھی

کس کس سے لڑے تیشہ دہانی میں وہ بے اس ۱۰۰ ہمدرد نہ کوئی، نہ مددگار کوئی، پاس

وہ فوج کا زخما، وہ ہجوم الم و یاس ان سب کے ہوا مشک کے چھد جانے کا دوا

بڑھتے تھے کانداز توڑک جاتے تھے عباس

تیر آتا تھا جب مشک ٹھک جاتے تھے عباس

لڑاؤ کے لاکھ لیں روکے ہوئے راہ ۱۰۱ فمشیر، کف نیچ میں، ابن اسد اللہ

پیچھے سے پڑی تیغ ستم روشنی پہ ناگاہ شاخ شہر باغ علی، قطع ہوئی آہ

ایک ہاتھ تو ہمراہ گرا تیغ و روم کے

اک ہاتھ تھا باقی، وہ چلا ساتھ علم کے

مگر نے لکا، جس دم علم مستید والا ۱۰۲ عباسؑ نے ٹھک کر اُسے گردن سے سنبھالا
اک تیر کا چشم پہ، اور سینے پہ بھالا بند انگلیں ہوئیں منہ سے بہو شیر نے ڈالا
ختم تھے کہ پڑا فرق پہ گرز ایک شقی کا
شق ہو گیا سر حضرت عباس علیؑ کا

کچھ گز گراں بار کا، صدمہ نہیں چھوڑا ۱۰۳ سر پھٹ گیا پر شک کو دانتوں سے نہ چھوڑا
زیں سے جو گرے آپ کھڑا ہو گیا گھوڑا پھر تیر نے، مشکیزے کو اور سینے کو توڑا
پانی جو بہا، عید ہوئی فوج مدویں
نچھل سے ترپنے لگے عباسؑ ہو میں

ناگاہ یہ آواز علیؑ دشت سے آئی ۱۰۴ شبیرؑ خبر لے کہ قصہ حق ہوا بھائی
چلائی یہ زینبؑ کہ دُہائی ہے دُہائی حضرت نے کہاٹ گئی بابا کی کسائی
تشریف شبہ ہر دوسرا لائے ہیں زینبؑ
عباسؑ کے لاشے پہ سلی آئے ہیں زینبؑ

جب کٹ گئے دریا پہ علم دار کے بازو ۱۰۵ شانوں سے جدا ہو گئے جہار کے بازو
ریتی پر گرے شاہ کے غم خوار کے بازو مطلق سوا تھرانے لگے سید ابرار کے بازو
رنگ اڑ گیا تصویر الم ہو گئے شبیرؑ
ہاتھوں سے جگر تمام کے ختم ہو گئے شبیرؑ

اکسہر سے کہا، کرو گریباں مرا پارا ۱۰۶ ہم سوگ میں ہیں، قتل ہوا شیر ہمارا
عاشق مرے بچوں کا زمانے سے سدھارا فرما کے یہ حضرت نے عمامے کو اُتارا
آفت میں چھنی، پانی کی محتاج سکیڈ
بس ہو گئی دنیا میں یتیم، آج سکیڈ

فرما کے یہ گرتے ہوئے شرہ والا ۱۰۷ سنبھلے کبھی خود، اور کبھی اکبرؑ نے سنبھالا
تھا سینہ اقدس میں کیلہ تہ دبالا چلاتے تھے ہے مری آغوش کا پالا
آگے کبھی چلتے، کبھی پھر پڑتے تھے شبیرؑ
گھبرا کے ہر ایک لاش پہ گر پڑتے تھے شبیرؑ

کہتے تھے اٹھاکر یہ علی اکبرؑ ذی جاہ ۱۰۸ دریا کی ترائی تو ابھی دُور ہے، یا شاہ
 فراتے تھے، آنکھوں میں بھارت نہیں اے ماہ عباسؑ علیؑ کھو گئے، دُنیا سے ہیں آہ
 اب کھینچیں گے تلوار جو رستہ نہ ملے گا
 اکبرؑ ہمیں کیا بھائی کا لاشہ نہ ملے گا

حضرت کو سنبھالے ہوئے دریا پہ جو لائے ۱۰۹ عباسؑ علم دار سیکھتے نظر آئے
 اکبرؑ نے کٹے ہاتھ ترپتے ہوئے پائے بھائی کو، خدا بھائی کا لاشہ نہ دکھائے
 بھٹکنے جو گئے کانپ کے غش کر گئے شبیرؑ
 ثابت علی اکبرؑ پہ ہوا مر گئے شبیرؑ

ہے شہرِ دیں کہہ کے جو روئے علی اکبرؑ ۱۱۰ صدے سے ترپنے لگے عباسؑ دلاؤ
 گھبر کے جیتے سے کہا، اے مرے دلبر دکھلا دو کہدھر ہیں، مرے آقا، مرے سطر
 اکبرؑ نے کہا غم شہر والا کو بڑے ہیں
 وہ آپ کے قدموں کی طرف غش میں پڑے ہیں

سر کا کے قدم جلد، یہ عباسؑ پیکارے ۱۱۱ پھیر دمرے لاشے کو، میں قربان تھا
 چھاتی میں ہے دم موکے آثار ہیں سارے قبلے کی طرف چاہیے منہ، اے مرے پیارے
 بے دست میں اس وقت میں احساں کو دہم پر
 رکھ دو مرا سر قبلہ عالم کے قدم پر

کیا میرے لئے دیتے ہو، بابا کو اٹھاؤ ۱۱۲ شدہ زمین سے شہر والا کو اٹھاؤ
 میں اٹھ نہیں سکتا، تمہیں مولا کو اٹھاؤ قدموں کی طرف سے مرے آقا کو، اٹھاؤ
 راجب پسرِ معصوب ناطق کا ادب ہے
 قرآن کی طرف پاؤں، قیامت ہے غضب ہے

غش میں یہ سخن سن گئے، پکارسے شہرِ ذی ثمان ۱۱۳ یہ کس کی صدا ہے، میں اس آواز کے قربان
 اکبرؑ نے کہا کب سے ترپتے ہیں بچا جان بل لیجے کہ عباسؑ کوئی دم کے ہیں ہاں
 پھر ہونہ سکا ضبط امامِ ازل سے
 لپٹے شہرِ دیں، لاشہ عباسؑ علیؑ سے

پتائے بے غم، مرے بھائی مرے بھائی ۱۱۳ کیا دل کا ہے عالم، مرے بھائی مرے بھائی
کیوں چشم ہے پر خم، مرے بھائی مرے بھائی اکڑا ہے تڑپ، مرے بھائی مرے بھائی

سینے میں اجل سانس ٹھہرنے نہیں دیتی

بچکی تھیں اب بات بھی کرنے نہیں دیتی

عشکیدہ زباں کو جو نہیں بات کا یا را ۱۱۵ کچھ زگی آنکھوں سے کرو ہم سے اشارا
پتلی بھی پھری جاتی ہے منہ زرد ہے سارا معلوم ہوا جلد ہے اب کوچ تمھارا

کروٹ یہ نہیں بھائی سے منہ موڑ رہے ہو

اسم خوب سمجھتے ہیں کہ دم توڑ رہے ہو

یہ کہتے تھے حضرت کہ قیامت ہوئی طاری ۱۱۶ عباسی علم دار کرا ہے، کئی باری
انکا جودم آنکھوں میں تو آنسو ہوئے جاری تن رہ گیا، اور روح سوئے غلہ سدھاری

چلا کے جوشہ روئے تو گھرائی سکیئے

نکلا تھا دم ان کا کہ بھل آئی سکیئے

یوں کہنے لگی دوڑ کے فتنہ جگر انگار ۱۱۷ جاتی ہو کہاں تیر نہ مارے کوئی خوشخوار
چلائی بہن ڈیوڑھی سے، یا ستیدا برار تھمتی نہیں اب ہم سے سکیئے جگر انگار

یا پھیر کے اس بیکس دے اس کو لاؤ

یا ڈیوڑھی تلک لاشہ عباسی کو لاؤ

گھبرا کے سوئے خیمہ لگے دیکھئے سرور ۱۱۸ دیکھا کہ چلی آتی ہے، سر پریشی دفتر
زلفیں تو ہیں بھری ہوئی، ٹوپی نہیں سر پر جو روکتا ہے کہتی ہے، گھبرا کے وہ مضطر

لوگو تھیں کچھ میرے بہشتی کی خبر ہے

بتلا دو مجھے بہر خدا، نہر کدھر ہے

نئے کامرے نام ہے، عباسی عمار ۱۱۹ تصویر ملی کی ہے سراپا، وہ خوش اطوار
کاندھے پہ تو مشینہ ہے اور ہاتھ میں تلوار پیاسی ہوں، گرا ب مجھے پانی نہیں درکار

پھر آنے کی تمہیں انھیں دینے کو چلی ہوں

میں اپنے چچا جان کو لینے کو چلی ہوں

لاشے پہ عبا ڈال کے، شبیر پکاسے ۱۲۰ کیوں گھر سے نکل آئیں میں قربان تھا مے
گہرا کے سیکڑے نے کہا پیاس کے مے حضرت نے کہا بھائی تو دنیا سے سدھائے

میں تم کو اسی واسطے سمجھا تا تھا رو کر

اب ڈھونڈنے آئی ہنوز مے بھائی کو کھو کر

سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ چلائی وہ بے پر ۱۲۱ دکھلا دو مجھے لاشے عبا سب دلا دو

اکبر نے کہا رو کے نہ مانے گی یہ مضطر حضرت نے کہا لاشیں عبادار دکھا کر

پانی کی تمنا میں ہزاروں سے لڑے ہیں

منہ دیکھ لو یہ شبیر سے قباں پڑے ہیں

۱۲۲ میت سے پیٹنے کو جو وہ دوڑ کے آئی حضرت نے عبا بھائی کے چہرے سے ٹٹائی

چلائی سیکڑے کہ ڈہائی ہے ڈہائی ریتی میں عبادار نے بھی شکل چھپائی

تھمر نے لگا، لاشے سقائے سیکڑے

لاشے سے عبادار آئے لگی ہائے سیکڑے

۱۲۳ ماموش ایتس، اب یہ دعا کر کہ الہی اب جلد سوئے روضہ شبیر ہوں راہی

اب ہند میں کب تک یہ فقیر یہ تباہی اُس در کی گدائی ہے مے واسطے شاہی

سرکار شہنشاہ فلک جاہ کو دیکھوں

عباس علم دار کی درگاہ کو دیکھوں

مرثیہ (۱۶)

جب بادشاہ کشتی شاہِ امیر گرا ۱ یعنی زمیں پہ فروغِ خدا کا علم گرا
گھوڑے سے داں برادرِ مانی ہم گرا یاں، غلطی کے لال پہ کوہِ امیر گرا
صدر ہوا یہ دل پہ امامِ انام کے
نہم ہو گئے، کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

بہتا تھا داں سپاہ میں، نقارۂ نقر ۲ ماتم تھا فوجانی عباسی کا ادھر
بیٹھے تھے فرشِ خاک پہ سلطانِ بحر و بر اکبر کھڑے تھے سامنے چمکے جھکائے سر
پاسِ ادب سے شام کے کچھ کہہ نہ سکتے تھے
چہرہ تھا سرخ آنکھوں سے آنسو پکیتے تھے

امداد پکارتے تھے کہ یا شاہِ دیں پناہ ۳ باقی ہے کوئی اور کہ بس ہو چکی سپاہ
عباسی سا تو اب کوئی ہو گا نہ خیر خواہ بھیجو کسی کو جلد کہ ہم دیکھتے ہیں راہ
چمٹنے دو محلِ بسر کو شہادت کے باغ سے
کب تک بجائیے گا، کلیجے کو داغ سے

دُنیا سے کوچ کر گئے، عباسی نامدار ۴ اب بے چراغ ہے، لمحہ شیرِ گردگار
حضرت کا شکر و صبر ہے، عالم پہ آشکار مثلِ خلیل کیجئے، سرِ زند کو نثار
آہیں نہ بھرئے پیٹ کے سر کو نہ روئے
جب جانیں ہم کر، کھوکے پسر کو نہ روئے

بھائی کا داغ ادا ہے، داغِ پسر ہے ادا ۵ بازو کا درد اور ہے، دردِ جگر ہے اور
قوتِ بدن کی اور ہے، نورِ نظر ہے ادا سینے کا زخم اور ہے، دردِ کمر ہے ادا
گر صبر ہے تو، گود کے پالے کو بیجئے
یہ دہلی میں اپنے گیسوں والے کو بیجئے

دُشوار ہے اگر غصہ فرزندِ نوجواں ۶ مرنے کو آپ آئیے، اے قبلہ زماں
مُشتاقِ تیر ہیں، تبر و خنجر و سناں جان اپنی دیجئے جو ہے پیاری پسر کی جاں
اصغر سے کچھ غرض ہے نہ اکبر سے کام ہے

ہم کو تو آپ کے سرِ انور سے کام ہے
حضرت نے سُکرا کے نظر کی سوتے پسر ۷ نعلینِ عرش سا پڑھکا یا پسر نے سر
فرمایا کیا ارادہ ہے، اے غیرتِ مَتر کی عرضِ اذن دیجئے یا شاو بحر و بر
عباسؑ کے فراق نے مارا غلام کو
بس اب نہیں ہے صبر کا یارا غلام کو

خونے کہا خوشی ہے، بہر حال خاکسار ۸ تم سے جو سو پسر ہوں تو اس راہ میں نثار
پَر میں نہ دوں گا رخصتِ میدانِ کارزار اس امر میں تمھاری پھوپھی کو ہے اختیار
راضی ہوں وہ تو داغِ انھیں لے کے جائیے
پالا ہے جس نے اس سے رضائے کے جائیے

روکوں گامیں تمھیں، یہ نہ کیجو کبھی خیال ۹ صابرِ خدا کی راہ میں ہے فاطمہ کا لال
صدقہ ہے نورِ عین، تصدق ہے جانِ مال فضل و جوان و پیر کا حافظ ہے، خدا بھلا
ماں کون، باپ کون، عطا کبریا کی ہے
اولاد ہے تو کیا ہے، عنایتِ خدا کی ہے

سو طرح کا ملاں ہوا میں نے کچھ کہا ۱۰ بے جاں حسن کا لال ہوا میں نے کچھ کہا
بھائی کا انتقال ہوا، میں نے کچھ کہا سب باغِ پائمال ہوا میں نے کچھ کہا
آنکھوں کا نور جائے کُھر بے چراغ ہو
حاضر دل و جگر ہے، تمھارا بھی داغ ہو

خیے میں آئے روتے ہوئے اکبرِ حزیں ۱۱ بھائی لگایا ماں نے، پھوپھی نے بالہیں لیں
اک آہِ سر و بھر کے یہ بولا وہ مدح میں نرنے میں ظالموں کے اکیلے ہیں، شاہ دیں
روتے ہیں غیرِ ستید والا کے حال پر
اماں مقامِ رحم ہے بابا کے حال پر

اعدا کا ظلم، بھائی کا غم، ہمیں دن کی پائیس ۱۲ بازو شکستہ، ضعیف بصارت، جھوم پیس
اب میں ہوں اور کوئی نہیں شاد دین کے پس اس پر بھی اضطراب نہیں کچھ زبے حواس

گھیرے ہیں سب امام غریب الدیار کو

تنہا گھرے ہیں تو لے ہوئے ذوالفقار کو

تنہا کہاں امام، کہاں وہ جھوم مام ۱۳ میں یاں ہیں اب تو اور بڑی ہوگی لوح تمام
فریاد ہے کوئی نہیں آتا ہمارے کام بنتا ہے صفحہ دو جہاں سے پدر کا نام
مظلوم باپ آنکھوں کے آگے ہلاک ہو

بیٹا جوان، ہم سانہ، بیوہ خاک ہو

تقدیر نے کیا نہ شہادت سے بہرہ یاب ۱۴ اچھا میں گے بعدِ شبہ آسمان جناب
ہم بھی نہیں، اگر نہیں فرزندِ لوتراب فزہ کہاں، غروب ہوا، جب کہ آفتاب

دنیا کا فوراً نیستِ براعظم کے ساتھ ہے

اپنی تو زندگی، شبہ عالم کے ساتھ ہے

جب گھر ٹٹا تو شرکتِ شانہ پھر کہاں ۱۵ صاحب نہ ہو تو، رونق کا شانہ پھر کہاں
اندھیر جب ہوا روشنی خانہ پھر کہاں گل ہو گئی جو شمع تو پروانہ پھر کہاں

ہم ہوں جہاں میں دلبر ختمِ رسل نہ ہو

بلبل کی زندگی کا مزا کیا جو گل نہ ہو

دنیا سے جلد ہم کو اٹھالے ہمارا رب ۱۶ آغوشِ قبر میں ہوا لہنی ہمیں یہ تپ
صدقے ہوں غیر سبطِ نبی کے قدم پر سب بیٹا مدونہ کر سکے بابا کی ہے غضب

مانع ہیں آپ اور کچھ بھی سدا راہ ہیں

میرا قصور کچھ نہیں، زہرا گواہ ہیں

مجھ کو تو آرزو ہے کہ سر کو فدا کروں ۱۷ راہِ خدا میں لوح سے تنہا وفا کروں
سر سے حقوق والد ماجد ادا کروں مالک مرے اگر نہ رضا دیں تو کیا کروں

واں اقلو آسین کا اعدا میں خود ہے

پر کچھ ہمارا، پالنے والوں سے زندہ ہے

تم دونوں صاحبوں سے مرے اب ہیں دو طول ۱۸ اول تو یہ کہ دیجئے مجھے رخصت جب ال
رکھ لیجے آبروئے پسر بہرِ ذوالجلال آگے مرے شہید نہ ہو غافلہ کا لال
بندہ اتھا اٹھائیے اب نورین سے

اماں ہمیں عزیز نہ کیجئے حسین سے
ہے دوسری یہ عرض جو رخصت نہیں قبول ۱۹ جلدی ہو کر بلا سے روانہ یہ دل طول
یثرب سے کیا علاقہ ہے بٹھا سے کیا حصول نے جائیں گے نجف نہ سوئے روضہ رسول
جنگل کی راہ میں گئے گر یہاں کو پھاڑ کے
کافی ہیں منہ چھپانے کو دامن پہاڑ کے

پوچھیں جو دوستانِ مدینہ مری شبہ ۲۰ کہہ دیجیو نہ آئیں گئے اب وہ کبھی ادھر
سندے امام دیں پہ ہوئے سائے نامور کچھ اُن سے ہو سکی نہ مدد گاری پدر
بستی بسا کے زن میں شبہ کر بلا ہے
کُتھے سے منہ چھپا کے وہ جنگل میں جا ہے

رونے لگا پوچھ کہے جو وہ چودھویں کا ماہ ۲۱ بنت علیؑ کی آنکھوں میں دنیا ہوئی سیاہ
بھادج کے منہ پیاس سے زینبؑ نے کی نگاہ گردن ہلا کے ماں نے بھری ایک سرد آہ
بنت علیؑ تو خاک پہ تھرا کے گر پڑی
بانو پسر کے پاؤں پر غش کھا کے گر پڑی

ماں کو اٹھا کے خاک سے رونے لگا پسر ۲۲ بیٹے کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
مجھ کو بھی لے لو ساتھ جو منظور ہے سفر زینبؑ پکاریں چھوٹ کے ہم کو چلے کدھر
اپنا رخصت حسینؑ سے لے لو تو جاسو

کاندھامرے جنازے کو لے لو تو جاسو
کیوں پالنے کا حق یہی ہوتا ہے میں نثار ۲۳ اللہ اداری بھول گئے سب ہمارا پیار
قدرت خدا کی اب نہیں کچھ ہم کو اختیار بن یا ہے تم ابھی تو ہو اے میرے گلزار
سہرا دکھا کے مادرِ پر غم کو چنڑیو
آئے مومن تو صدتے مٹنی ہم کو چھوڑیو

مرتے ہیں امتیاق میں وہ دن خدا دکھائے ۲۳ یہ دانی اپنے ہاتھ سے دولا، تمہیں بنائے
فل ہو کہ لوحین بہر گھر میں بیاد لائے اچھا نہ ہم سے آکھ بلانا، دہن تو آئے
جیتے ہیں گر تو حسرت دل یوں نکالیں گے

اب ہم تمہاری طرح سے پوتے کو پالیں گے
اک دن وہ تھا کہ سوتے تھے چھاتی پہ رات بھر ۲۵ کُرتہ وہ پہنے دوڑتے پھرنا، ادھر ادھر
یاد آتی ہیں وہ ہنسلیاں، وہ کان کے گھر یا آج تیغ ہاتھ میں ہے دوشن پر سپر
قاری ہو، صف شکن ہو، سعادت نشان ہو

کیا کام ہم سے نام خدا، اب جوان ہو
داوا کا مرتبہ تمہیں دے رہا، زوال ۲۶ قائم تمہارے سر پہ رہے، غلطی کا لال
قابل ہے رحم کرنے کے داری، ہمارا حال بچپن کی دایوں کا بھی رکھنے ذرا خیال

کس سے ہو پھر امید اگر تم سے یا اس ہو
اب تو تمہیں ہمارے بڑھاپے کی آس ہو
دنیا میں کوئی شخص لگتا ہے گرجہ ۲۷ ہوتی ہے یہ اُمید، دے گا کبھی ثمر
بالغرض، یہ جہاں میں نہ پھوٹے پھلے گا گر خوش ہوں گے اس درخت کے سایہ میں بیٹو کر
کچھ تولے ہیں بھی ثمر اس نہال کا
صدتے گئی ریاض ہے اٹھارہ سال کا

قوت تمہیں ہو دل کی، تمہیں پارہ جگر ۲۸ یہ بھی خبہ نہیں مجھے، کب مر گئے پسر
لاشیں بھی گھر میں آئیں، تو پیتا نہیں نے سر میں کہتی تھی، جیسے یہ مرا غیبت قمر
اکبر تو ہے اگر مرے پارے نہیں نہیں
روشن ہے گھر میں چاند تاسے نہیں نہیں

ہائیں، یہ کر کے منہ پہ لیا، گوشہ ردا ۲۹ سر چوب سے پنک کے کہا، نام مستدا
بس گر پڑا پھر بھی کے قدم پر، وہ مر تھا کی عرض روکے، اے پھر بھی اماں کروں میں کیا
میں بے وفا نہیں ہوں، یہ روشن ہے آپ پر
نرہ ہے فوج کا، مرے مظلوم باپ پر

منہ سے ہٹائیے تو بدوا بہر کردگار ۳۰ اچھا نہ جائیں گے سوائے میدان کا رنڈا
چادر ہٹا کے منہ سے یہ بولی وہ دل نگار میں کون صدقے جاؤں تمہیں کو ہے اختیار

اسنفر ہو یا کہ تم ہو مجھے سب سے یاس ہے

رخصت کھلا کٹانے کی لو ماں تو پاس ہے

اکبر نے ماں کے چہرہ اقدس پہ کی نظر ۳۱ ماں نے کیا اشارا کہ اے غیرت فتر
تم سے پھر بھی خفا میں، تجھ کا دو قدم پہ سر قربان جاؤں، غدر کرو ہاتھ باندھ کر

سر کی نہ کچھ خبر ہے، نہ چادر کا ہوش ہے

واری یہ پالنے کی محبت کا جوش ہے

جلدی سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام ۳۲ تقصیر عفو کیجئے، اے خواہرِ اہام
بس اب زباں سے کچھ نہیں کہنے کا یہ غلام میری تو ماں ہیں آپ مجھے کیا کسی سے کام

بندے پہ کی ہے ماں نے یہ شفقت نہ باپ نے

راتوں کو جاگ کر مجھے پالا ہے آپ نے

انصاف کیجئے کسے پیاری نہیں ہے جاں ۳۲ اور وہ علی انخصوص کج ہوئے فوجواں
کرتا ہے کوئی باغ جوانی کا، رائگاں روتے ہیں پیر بھی جرتے گلشن جہاں

لیکن جہاں سے آج گزرنا ہی خوب ہے

عزت پہ بات آئے تو مزا ہی خوب ہے

اکبر نے یہ کلام کئے جب بہ صد ادب ۳۳ اُلفت کا جوش آگیا، بخت علی ہو کتب
لے کر بلائیں چہرے کی، بولی وہ تشوہ گردختے ہو کس لئے میں تمہیں دکتی ہوں کب

سچ ہے جہاں میں تمہارا، کوئی با وفا نہیں

واری تمہارے سر کی قسم میں خفا نہیں

کیوں کانپتے ہو اشک میں آنکھوں کیوں واں ۳۴ تم راست گرو ج ہے تمہارا یہ سب دیاں
لو میں نے دی رضا تمہیں اے میرے فوجواں تم جانو آگے صدمے گئی اندھاری ماں

یوں تو تمام گھر کو محبت ہے آپ سے

کچھ ماں کا حق بھی کہ نہیں ہوتا ہے باپ سے

جس شب کو بونے لگتے تھے سوتے سے چونک کر ۳۶ کودی میں لے کے تم کو یہ پھرتی تھی تا سحر
 دشمن تمہارے بہتے تھے ناخوش کبھی اگر بس جاگتا تھا اور دُعا میں تمہیں رات بھر

جب تم کراہتے تھے، پیش کھا کے گرتی تھی

جھولے کے گرد، صورت پر دانہ پھرتی تھی

آنکھیں پھٹائیں ماں نے جو تم گھٹنیوں چلے ۳۷ تلووں سے اس نے دیدہ حق میں سدا لے

نازوں سے منتوں سے مرادوں سے تم چلے صدقے ہوئی کبھی، تو لگا یا کبھی گلے

مادر نے اپنی عمر مصیبت میں کھوئی ہے

برسوں یہ بی بی، ایک ہی کرٹ سے سوئی ہے

بانو نے ہاتھ جوڑ کے زینب سے یہ کہا ۳۸ صدقے گئی کنسیر کی خدمت کا ذکر کیا

اس قافلہ میں آپ ہیں اب فاطمہ کی جا میں نے بھی دی جو آپ نے بیٹے کو دی رضا

صدقے ہے یہ بھی صورت پر دانہ آپ پر

پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے، باپ پر

یہ ذکر تھا کہ آئے شہنشاہ، کس در ۳۹ لے لیں بکلائیں بھائی کی زینب نے دھڑک

بانو بھی روئی شہ کے قدم پر جھکا کے سر بولی پلٹ کے بالی سیکندہ، کہ اے پدر

سنتی تھی میں کہ زن سے علمدار آتے ہیں

لواب تو گھر سے نہر پہ بھیا بھی جاتے ہیں

بانو کے منہ کو دیکھ کے حضرت نے یہ کہا ۴۰ کیوں سچ ہے تم نے بیٹے کو مرنے کی دی رضا

وہ چپ ہوئی، تو بولے بہن سے شہزاد کھینے، پھوپھی، بھتیجیوں میں کیا فیصلہ ہوا

راہیں سب ان کے روکنے کی بند ہو گئیں

سنتا ہوں میں کہ تم بھی رضا مند ہو گئیں

ہاتھوں کو جڑ کر علی اکبر نے عرض کی ۴۱ اماں نے بھی رضا میں دی اور پھوپھی نے بھی

دہرا کی وہ بہر ہیں، تو یہ دستبرائی آفتا، سوال زد نہیں کرتے کبھی سستی

رویا جو میں تو ماں نے گلے سے لگایا

مرنے کا اذن دے کے پھوپھی نے جلا لیا

عاشق ہیں یہ حضرت کی • یاشا و نامدار ۴۲ مجھ سے ہوں سو پسر تو کریں آپ پر غار
دیکھی ہیں کس بے بیبیاں ایسی فلک قمار وہ باجرہ کا خنجر یہ مریم کا اختیار

سب فاطمہ کا صبر ہے غور ہو تو ایسی ہو

بیٹی ہو اس طرح کی، بہو ہو تو ایسی ہو

ماں نے کہا پسر کی فصاحت تو دیکھئے ۴۳ نام خدا، زباں کی طلاقت تو دیکھئے

زینب یہ برلیں ذہن کی جروت تو دیکھئے ہر بات میں ثبوت اجازت تو دیکھئے

کیا بات بھائی ان کی بھلا بول چال کی

گویا زباں ہے مصحف ناطق کے لال کی

روزاں رکھ کے آنکھوں پہ بولے امام دیں ۴۴ تم دوگی رخصت ان کو مجھے یہ نہ تھا یقین

سچ ہے اہل سے کچھ کسی انسان کا بس نہیں آیا تھا اتنی عمر ہی لے کر یہ مہربیں

بے جا ہے روکنا جو یہ طالب فضا کے ہیں

اے زینب فاطمہ یہ کرشمے فضا کے ہیں

آیا بتائے ہستی انسان میں جب غل ۴۵ روزا ہے بے حصول کہ بے سہمی بے عمل

جاتا ہے کوئی آج جہاں سے تو کوئی کل روڈ کہ خاک اڑاؤ نہیں چھوڑتی اہل

نے فاطمہ رہیں، نہ امیر عرب رہے

ہر شکل جن کے یہ ہیں وہ دنیا میں کب رہے

روکر کہا پسر سے کہ، اچھا سہ مارے ۴۶ پوشاک تو پہنے، یہ کپڑے آگاہیے

زینب سے بولے ہاتھ نہ سینے پہ مائیے شازہ منگا کے، گیسوئے اکبر سنواریے

لے آؤ مصطفیٰ کی تباہی ان کے واسطے

خلعت رکھا تھا ہم نے اسی دن کے واسطے

آنسو بہا کے ہاتھ نہ ناشاد سے کہا ۴۷ پھر وہاں آج چڑھتا ہے صاحب یہ مہربا

لاؤ عمامہ شب معراج مصطفیٰ ارمان تھا بہت تمہیں اکبر کے بیاہ کا

جاتے ہیں برچھیوں میں انھیں دیکھ بھال لو

دولہا بسنا کے بیاہ کی حسرت نکال لو

کشتی میں لائی، بنسبت علیٰ بیاد کا لباس ۴۸ اکبرؒ یہ ہاتھ جوڑ کے بولے بدردو یا س
 کپڑے تو یہ نہ پہنوں گا میں لے فلک اساس تازہ ابھی ہے ماتم عباسؒ حق شناس
 ہیں سو گوار ہاتھ میں رد مال دیجئے
 گردن میں لاکے شال عرا مال دیجئے

محتاج قبر ہے، ابھی نوبت دل حسن ۴۹ عریاں پڑے ہیں عونؒ و محمدؒ سے گلشن
 ہم کس طرح سے پسینیں یہ شادی کا پیرہن عباسؒ نامدار نے پایا نہیں کفن
 بھائی کے غم میں چاک گریباں ہے شاہ کا
 مگر کفن ملے، یہی جوڑا ہے بیاد کا

تڑپتی یہ شبنم کے زوجہ عباسؒ نامور ۵۰ قاسمؒ کی ماں پکاری کہ ہے ہے مرے پیر
 کبریاؒ نے آہ سرد بھری اک مجھ کا کے سر بیٹوں کے غم سے ہل گیا زینبؒ کا بھی مگر
 فریاد شاہ دیں کی صدا فلک کھنٹی
 عمو کا حال سن کے سکیں ہلک گئی

جب بہر جنگ، اکبرؒ شیریں سخن چلے مطلع دم بانو پکاری اے مرے گل بیرون چلے
 ماری اچاڑ کر کے ہمارا جن چلے ۵۱ پیچھے جواں پر کے، امام زینؒ چلے
 پر وہ اٹھا، خرمیہ گردوں پر شاہ کا
 اک برج سے طلوع ہوا، مہر و ماہ کا

خدا م تازی علی اکبرؒ کو در پہ لائے ۵۲ آنکھوں سے اشک قبلہ کو زمین نے بہائے
 ہاتھوں کو جوڑ کر علی اکبرؒ قریب کئے چلائے شہ کو چھوڑ چلے ہم کو ہائے ہائے
 اللہ کتنا شوق شہادت ہے آپ کو
 دو چار گام ساتھ تو چسپنے دو باپ کو

دنیا سے کوچ کرتا ہے تم سا جواں پسر ۵۳ لے لال قبر تک تمہیں پہونچا تو دے پدر
 جھک کر قدم کے سمت یہ بولا وہ نامور تکلیف ہوگی آپ کو یا شاہ بحر و بر
 رونے کو ضبط کیجئے، مگر کو سنبھالیے
 ناموس نکلے آتے ہیں گھر کو سنبھالیے

شہنہ کہا کہ تم نہ ہوئے جب تو گھر کہاں ۵۳ بیٹا نہ ہو تو نطفہ حیات پدر کہاں
اس وقت تم کو روئیں نہ ایسا جگر کہاں خود بے خبر ہیں ہم کو کسی کی خیمہ کہاں
گھر تھامے کون تم تو کمر توڑے جاتے ہو

ہم کو سنبھالنے کو، کسے چھوڑے جاتے ہو
فرزند نے جو رُوحِ محمد کی دی قسم ۵۵ بس تھر تھرا کے بیٹھ گئے، قبلہ امم
منہ دیکھ کر پس رکایہ بولے بیچشمِ ہم اچھا سدھارو، خیر نہ جائیں گے ساتھ ہم
پھر اس طرف کی راہ، ادھر جا کے لیجیو
مرا جائیں ہم تو، جلد خبر آ کے لیجیو

روتا ہوا بڑھا سوئے گلگوں وہ گلبدن ۵۶ گویا چڑھے براق پہ، محبوبِ ذوالنہن
گھٹا سجا ہوا تھا، بہتاد رکا یا دلہن ہر گام پر دکھاتا تھا، طاؤس کا چلن
آبو نعل تھے، کبابِ دری کو حجاب تھا
دریا پہ موج تھا، تو ہوا پر عقاب تھا

پہنچا عجیب شکوہ سے زن میں وہ رحیبیں ۵۷ کوسوں فروغِ حسن سے روشن ہوئی زمیں
آئے رسولِ حق، یہ ہراک کو ہوا یقین غل تھا یہ نوجواں تو ہے، یوسف سے بھی حسین
تصویرِ سر سے تا بہ قدم مصطفیٰ کی ہے
اس حُسن کے بشر بھی ہیں، قدرتِ خدا کی ہے

میں کہاں کشیدہ ہیں، ابروئے بے نظیر ۵۸ آرجن بھی جس سے سہم کے ہو جائے گوشہ گیر
سر نہ ہونے دیں گے عود کو، فرہ کے تیر ہیں اس کمان و تیر کے قراں، جوان و پیر
قرآنِ چشمِ سرمہ کشیدہ کی شان پر
چلتے پڑھا ہوا ہے، کیانی کمان پر

ہے جلوہ جبین میں، چاند سے در چند ۵۹ گھیسوئے مشک بیز ہیں یا عنبریں کند
زیبا ہے اختروں کو جو گردوں کرے پسند پایا ہے ابروؤں نے، عجب رتہ بلند
ہے عینِ راستی پہ، کبھی دل نواز ہیں
آنکھوں پہ کیوں جگہ نہ لے سرفراز ہیں

آنکھوں کو عین کعبہ سمجھتے ہیں حق پرست ۶۰ کیفیتِ حقیقِ محبت سے ہیں ایست
صانع نے کر دیا صدفِ خرگاہ کا بندوبست عین الکمال سے انھیں پہنچے نہ تاشکت

مردم میں روشنی ہے اسی نور میں سے

دیکھے کوئی ان آنکھوں کو چشمِ حسین سے

ہم شکل میں جناب رسالتِ آت کے ۶۱ کہتا ہے سخن خود کہ تار اس شباب کے
گیسو ہیں یا ہیں ماد پہ لکے سحاب کے زخار ہیں کہ پھول کھلے ہیں مٹلاب کے

دونوں سے نور میں مرد و خورشید ماند ہیں

زلفیں گواہ ہیں کہ اندھیرے کے چاند ہیں

گلزارِ سخن سے کوئی دیکھے دین کا رنگ ۶۲ اڑتا ہے غنچہ و سن دیا سن کا رنگ
شرمندہ ہے لبوں سے عقیقِ یمن کا رنگ رنگیں بیاں ہیں سبے جدا ہے سخن کا رنگ

بلبل بھی مدحِ نواں چمنِ مرقعی کی ہے

غنچے سے پھول بھڑٹے ہیں قدرتِ خدا کی ہے

اللہ رے نورِ گوہر دندانِ آبدار ۶۳ بجلی چمک رہی ہے بدخشاں میں بار بار
الاس صدقے، حاصلِ بحرِ عدنِ نثار ہیں گوہرِ خزینہ محبوبِ کردگار

دولت ملی ہے اکبرِ شیریں مقال کو

ان موتیوں سے عشق ہے زہر کے لال کو

روشن ہے دشتِ گردنِ نازک کے نور سے ۶۴ فی الواقعی فزوں ہے ضیا، شمعِ طور سے
موسیٰ دکھاتے ہیں، یدِ بیضا کو دور سے شیشہ بھرا ہوا ہے شرابِ طہور سے

گردن بھی بے مدیل گلابے مثال ہے

سمکھ سہیتل ہے تو گھریاں ہلال ہے

ظاہر ہیں ان کے باتھوں کی زوآزائیاں ۶۵ مثلِ علیؑ کریں گئے صفوں کی صفائیاں
سحر کی ہیں دم میں بدرِ واحد کی لڑائیاں زورِ یدِ الہی سے بھری ہیں گلابائیاں

بالا رہا ہے سب سے جہاں میں علیؑ کا ہاتھ

پہنچے یہ واں جہاں نہیں پہنچا کسی کا ہاتھ

سینہ خیزینہ کرم و ددل و داد ہے ۶۶ ہاں لا کلام، معصوف رب غلام ہے
جو رطب یا بس میں ہے سب انکریا ہے ایمان جانتا ہے جو خوش اعتقاد ہے
دولت جو فوج کی ہے سینے میں ان کے ہے

جو طور پر ضیافتی وہ سینے میں ان کے ہے
وہ سینہ جس کا معصوف اکبر، مشتبہ بہ ۶۷ نیزے لگائیں اس پہ لیں کیا غضب ہے یہ
ہیواد برہمیوں کی ہو، تیروں کا برسہ مینہ سوراخ ہو، بدن کی قبا، صورت زرد
دیندارا سٹکیں ملتے ہیں دست فقیر پر

کیا بات تھ تھے اٹھے جو نبیؐ کی شبیہ پر
کس طرح کوئی وصف سراپا کرے رقم ۶۸ جلوہ خدا کے نور کا ہے سر سے تا قدم
قطرہ کہاں، کہاں صفت قلام کرم مور ضعیف مدح سلیمان ذی حشم
یاں سب تعلیایں شعرا کی فضول ہیں
بس خاتمہ ہوا کہ شبیہ رسولؐ ہیں

کون شان سے کھڑے ہیں علی اکبرؑ جواں ۶۹ اور اس طرف کھلے ہوئے ہیں فوج کے نشان
کہتا ہے ابن سعدؒ تم گارخت جاں شبیرؑ کے چراغ کو جلدی بجھتا، ہاں
صدمہ مفارقت کا امام زماں پہ ہو
دیکھیں حسینؑ اور سر اکبرؑ بناں پہ ہو

کہتی ہے فوج سب کہ خدا سے ڈراے امیر ۷۰ چپ رہا رہے مٹا نہ یہ تصویر بے نظیر
حاکم کے گرجا کا ڈر ہو نہ اسے شریر اس کے قدم پہ جا کے گریں سب جان دیر
دنیا میں دوسرا کوئی تجھ سا شقی نہیں
بتلا یہ کون ہے جو ہمارا نبی نہیں

تیرے ہمارے بچے میں ہے روئے مصطفیٰ ۷۱ کھا تو قسم نہیں ہے یہ گیسوئے مصطفیٰ
قامت ہے صاف قامت دلجوئے مصطفیٰ ایسے نہ تھے بلے ہوئے ابروئے مصطفیٰ
سب روشنی جالی رسولؐ زمین کی ہے
جنگل بسا ہوا ہے یہ لوکس بدن کی ہے

کیوں ایسے ہرزشت کا ہوم تکب بشر ۷۲، ایماں کا جس میں خوف ہو اور آبرو کا ڈر
آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ میں سید البشر اُترا ہے آسماں سے ملک وہ نہیں ہیں مگر
بیشک گرم کیا ہے رسالت پناہ نے

تجھ کو تو کور کر دیا ہے محبت جاہ نے
مجھے لگا یہ تب رُسا سے وہ فتنہ گر ۷۳، مجھ سے نشانِ خیر و راسِ نوسر
ہوتا نہ تھا منگش کا تن پاک تک گذر سایہ کبھی نہ جسم کا پڑتا تھا خاک پر
ہوتا تھا دھوپ میں جو گنداس جناب کا
رہتا تھا فرق پاک پہ سایہِ سحاب کا

جس راہ سے گذرتے تھے پیغمبرِ زماں ۷۴، پھولوں کی تین رندہ یک رتبی تھی دہاں
محبوبِ کبریا میں ارم میں، یہاں کہاں؟ اکبر ہے یہ حسینؑ کا فخرِ نندہ نوجواں
محبوبِ کبریا نہیں کوئی ملک نہیں
ہم صورتِ رسولؐ ہیں کچھ اس میں شک نہیں

بالفرض گونبی ہے تو پھر تم کو خوف کیا ۷۵، فرمانِ جوامید کا، حاکم کی جو رضا
اکثر بہادروں نے رسولوں سے کی دفا پتھر سے توڑے، گوہرِ دندانِ مصطفیٰ
درپے رہے جنابِ رسالت پناہ کے
تلوارِ راری فسق پہ شمشیرِ الہ کے

اسلام کس کو کہتے ہیں ایماں ہے کس کا نام ۷۶، بندے ہیں زکے ہم کو نہیں کچھ کسی سے کام
دشمن کی مدح، واہ یہ ہے کون سا کلام موتی ہے دیر، جاؤ یہ قصہ کرو تاہم
گروں کرو گے رحم ہر اک نورین پر
کیوں کر چھری پھراؤ گے، طلقِ حسینؑ پر

اکبر کو غیظ آگیا، سنتے ہی یہ کلام ۷۷، دی ابنِ سعد کو یہ صدا تول کر حرام
یہ کیا کلام کرتا ہے تو اونمک حرام لہجو زباں سے، پھر نہ امامِ اُمم کا نام
ان کے قدم پہ جن و بشر جان دیتے ہیں
نامِ حسینؑ صلی علیٰ کہہ کے لیتے ہیں

سُن کر مدائے شیرِ بٹا فوج سے شیرِ ۷۸، یاں سے بڑے تھے یک پہلے اس طرح تیر
 سفر رنے لی، نیام سے تیغِ قضا نظیرِ سمٹی زمین لرز نے لگا آسمان پیر
 بجلی عیاں ہوئی غضبِ کردگار کی
 یاد آگئی ہر اک کو چمکِ ذوالفقار کی

پڑھ کر جزوِ دلیر در آیا سپاہ میں ۷۹ گویا جھپٹ کے شیرِ نر آیا سپاہ میں
 پہل پہل ہوئی جری جدر آیا سپاہ میں خیبر کا معرکہ نظر آیا سپاہ میں
 بجلی خدائے قہر کی تھی یا حسام تھی
 پہلے ہی دار میں صفِ اول تمام تھی

دو نغ میں ناریوں کے پرے پیشِ پس گئے ۸۰ پانچ اس طرف پہونچ نہ چکے تھے کہ دس گئے
 آگے گئے سوارِ توپچیے فرس گئے جب برقِ تیغ کو ند گئی، سسر برس گئے
 چھایا تھا ابرِ غم سپہِ بادِ صفات پر
 غل تھا کہ اولے پڑتے ہیں کشتِ حیات پر

جو ہر شناس تیغِ زباں نمود ادر کریں ۸۱ تیزی کو حرفِ حرف کی تیرِ نظر کریں
 دشمن ہزار سینے کو اپنے سپہ کریں مصرعے وہ جاگڑا ہیں کہ کڑے جگر کریں
 بیتوں میں ذوالفقار کی سب آئے تاب ہے
 بین السطور تیغِ حسینی کی تاب ہے

در پے تھی سرکشوں کے جو وہ تیغِ جانتاں ۸۲ گوشوں سے تھی بلند مدائے اماں اماں
 ترکش سے تیر بھاگتے تھے تیر سے کہاں گزرن سے سرگروں سے ہوا و بدلتے جاں
 یادِ عقاب تیر کو پرواز کا نہ تھا
 دن میں کہیں نشانِ قدرِ انداز کا نہ تھا

قبضہ ہر ایک تیغ سے، برتن سے سریا ۸۳ برقی سے پھل تو زینِ فرس سے تبرِ لب
 ڈھالوں سے پھول لے گئے پھولوں سے زریا اپنا خراجِ تیغ نے اُن سب سے بھر لیا
 بہرِ حصولِ جزوہ جو وہ تیغِ شل گئی
 اک اک گرہ بندھی ہوئی، نیزے کی کھل گئی

ترکش وہ جن کو جانتے تھے سب اجل کا گھر ۸۴ کاتے ہوئے پڑے تھے وہ دیتی پہ سر بسر
ہراک عقاب تیر کے، ٹوٹے ہوئے تھے پر طاقت دیتی کہ کشاخ کہاں تک کریں گذر
اس جنگ میں دہن کو نہ سونا کھولے تھے

طاہر ڈرے ہوئے تھے کہ منقار کھولے تھے
سر لوٹتے تھے بر جمیوں والوں کے ہر طرف ۸۵ بکریے پڑے تھے دشت میں بھالوں کے ہر طرف
پامال تھے سواڑ رسالوں کے ہر طرف پرکالے اڑتے پھرتے تھے دھالوں کے ہر طرف
ظاہر نشان نہ تھی کسی آفت نشان کی
انبار تھیں کٹی ہوئی شاخیں کسان کی

جی سن سنا گئے، وہ جدھر سن سے آگئی ۸۶ گویا سموم، کوہ کے دامن سے آگئی
جلتے ہوئے کباب کی بوتن سے آگئی چمکی تو الاہاں کی صدا، زن سے آگئی
کچھ واں فقط نہ فوج ہی آفت رسید تھی

خوں میں زمیں بھی صورت بہل چیدہ تھی
ثابت نہ تھے بدن پہ کسی تیغ زن کے ہاتھ ۸۷ اڑتا تھا سر جسے یہ لگاتے تھے تن کے ہاتھ
سب تھک گئے، مگر نہ تھکے صفت شکن کے ہاتھ وہ مہر کہ رہا، اسی گل پر سیر ہن کے ہاتھ
پہنچا تھا ہاتھ ہاتھ جو دست خدا کا زور
ہر ضرب میں دکھا دیا خیمہ کشا کا زور

نک میں جمے تھے دلبرِ مرغام دیں کے پاؤں ۸۸ سجے کہیں اکھڑتے ہیں رکن کیوں کے پاؤں
دہشت سے اٹھ گئے تھے پہاڑ میں کئے پاؤں تھمتی نہ مہر کے میں جو بوتے زمیں کے پاؤں
جس دم وہ حربِ ضرب اسے یاد آتی ہے
یہ زلزلہ نہیں ہے، زمیں کانپ جاتی ہے

دب کر سواڑِ شام کے لشکر کے رہ گئے ۸۹ غالی صفوں میں سر و نفس بھر کے رو گئے
نڈیں کہاں کی ڈھیر تن دسر کے رہ گئے ہر چند رنگ دل تھے پہ مہر کے رہ گئے
تنہا نہ ریت پر کسی ناکس کی لاش تھی
اک اک شقی کی لاش پہ دس دس کی لاش تھی

سر سے عدو کے خود جدا تن سے سر جدا ۹۰ شانوں سے ہاتھ ہاتھ سے تیغ دہر جدا
 سینے سے پسلیاں تو شکم سے کمر جدا گھٹنوں سے دونوں پائے طالت اثر جدا

میکڑے تھے عضو قطع تھا جاہ حیات کا

عالم مرگبات میں تھا مفردات کا

جس پر عمل وہ تیغ، نسا ہو کے رہ گیا ۹۱ سر تن سے جسم سر سے جدا ہو کے رہ گیا
 بڑھ کر قہمی تو حشر ہنسا ہو کے رہ گیا گردن سے تا کمر کوئی لا ہو کے رہ گیا

تھا ایک ہاتھ میں سر اسوار زین پر

رہوار کی کٹی ہوئی گردن زمین پر

سر سبز پہ تھا، شجر گلشن رسول ۹۲ تھے زرد و مثل برگ خزاں دیدہ صبح چہل
 گرتے تھے بار بار یہی تھا اثر حصول برہمی سے پھل کمان سے شانیں سپر سے پھول

زبر کا باغ اجاڑ کے راحت سے سنے تھے

آخر آگے نہ سب دی کاٹے جو بے تھے

لکھتا ہے، ادم قلم، اب سرعت عقاب ۹۳ نعل اس کے ماہ فوہیں تو رسم رشک آئینک
 پستی میں یل ہے تو بلندی میں بے سحاب سرعت میں برق گرم روانی میں جھٹے آب

اڑنے میں اس فرس کو پرندوں پانچ ہے

اک شور تھا تدم نہیں دیدی کی موج ہے

افزون ہے زلف خود سے خوشنویال کی ۹۴ دیکھیں تو لیں بلائیں سدا بال بال کی
 پریاں خرام ناز میں شاگرد چال کی غصے میں جست شیر کی شوخی غوال کی

وہ حسن تن پہ ساز کا، جو بن یزاق کا

دلدل کے ہاتھ پاؤں تو چہرہ براق کا

نازک مزاج و فستق انعام و تیز رو ۹۵ گردن مسیر، باد یہ پیمایا و برق دو
 اس کا نہ اک قدم نہ ز فہدیں ہرن کی سو دو روز سے نہ کاہ بلی تھی اُسے نہ جو

رفتار میں ہوا تھا اشارے میں برق تھا

سرعت میں کچھ کی تھی نہ چل بل میں فرق تھا

ضرر سے شند بڑے بگ نہ ہوا سے تیز ۹۶ چالاک فہم و فکر سے زمین سے تیز
طافس و بک و سر و عقاب و ہما سے تیز جانے میں اڑ کے، بد بھر شہر سے تیز

زی جاہ تھا، سید تھا، فیروز بخت تھا

ربوار کیا ہوا پہیلیاں کا تخت تھا

برٹا، جما، اڑا، ادھر آیا، ادھر گیا ۹۷ چکا، پھرا، جمال دکھایا، ٹھہر گیا
تیروں سے اڑ کے، برچھیوں میں بنے خطر گیا برہم کیا صفوں کو پروں سے، گزر گیا

گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اس کے نگار تھا

ضرر تھی نعل کی کر، سر وہی کا دار تھا

جب خوب لڑ چکا شہر دیں کا سر زباں ۹۸ نکلا ادھر سے جنگ کو اک شام کا جواں
برکار و بد سرشت و بد آئین و بد زباں سر بنگ و جنگ جو سلع سور و پہلواں

غزہ تھا اپنے زور پہ خانہ غراب کو

رستم کو مانتا تھا، نہ افراسیاب کو

افروں تھا دیو سے بھی تن و توش نا بکار ۹۹ قوت میں عمر و عشرت و مرحب کا یادگار
اسفند یار عصر و نمودار و نام دار شہر آئے سانے تو گریے تیر سے شکار

شورش مزاج میں تو تم آب و گل میں تھا

نے آنکھ میں حیا تھی نہ رحم اس کے دل میں تھا

بارگشاہ حاکم فاسق تھا خود سر ۱۰۰ تھی رُوسیا بی پسر سعد کی پسر
زی جو شن شقی کا جو تھا نا خلف پسر پہنے تھا اس کی تن کی زرہ بریں بد گہر

ظاہر کہاں سے، سر کشی بد نہایتھی

قبضے میں تیغ بدعت ابن زیاد تھی

میدان میں یوں ریزہ ریزہ تھا اس نے بشد و د ۱۰۱ تھرائے قلب، بل گئی شہراب کی لحد
گھرا رہا تھا رخس کو وہ بانی حسد یاں سے بڑھا سرور دل و ضیفم صمد

پڑھتے دُعا، ملک عقب باد پاٹے

مرج کے قتل کرنے کو شیر خدا چلے

وہ کفر تھا، یہ دیں تھے، وہ ظلمت، یہ نور رب ۱۰۲ یہ رشک آفتاب دوزخاں، وہ تیرہ شب
وہ ننگ روزگار، تو یہ عزت عرب یہ خیریں رسول، وہ شر میں ابو لہبؓ
کاذب تھا وہ شقی، یہ صداقت نشان تھے

وہ جسم کفر کا تھا، یہ ایماں کی جان تھے
تازی، کوتیز کر کے، یہ غازی نے دی ہدا ۱۰۳ ادخوں گرفت، کچھ تجھے دعویٰ ہے، گر تو آ
انساں کو اپنی آپ ستائش نہیں روا قائل ہیں جس کے سب وہ ہمارا ہے مرتا
ذی قوت رہیں سعید میں عالی جنابذیں

ڈرے بھی جانتے ہیں کہ ہم آفتاب میں
یوسفؑ نہیں ہے وہ جو کرے دعویٰ جمال ۱۰۴ کب بد کرنے کہا کریں ہوں صاحب کمال
پایا ہے آفتاب نے کیا آؤج کیا جلال کی سرشتی ادھر کہ ادھر آگیا زوال
شیطان کو وصل نار کا، آدم کو نور کا
یہ غمز کا ثمر ہے، وہ پھل ہے غرور کا

ظالم کسی کے فخر کو، ہم مانتے ہیں کب ۱۰۵ روشن ہے آفتاب سے اپنا حسب
کس کا ہے جد، شفیع اُم سید عرب ہم سے بزرگ کوئی نہیں غیر ذات رب
جود و ست ہے خدا کا پس اس ولی کے ہیں
کافی ہے بس یہ فخر کہ پرتے عشی کے ہیں

شامی بڑھا ادھر کو جو بھالا سنبھال کے ۱۰۶ صفدر نے دی صدا کہ فردا دیکھ بھال کے
ہمیز کی فرس کو، جو کا دے پہ ڈال کے رہوار شیر بن گیا آنکھیں نکال کے
سیاہ ہو جو گرم تو پھر کیا تارے
نزدیک تھا شقی کو فرس سے اتارے

پچھے بٹا جھبک کے جو غونخوار کا سمند ۱۰۷ آگے بڑھا حسینؑ کا فرزند ارجمند
دونوں طرف نبر میں نیزے ہوئے بلند عقدے ہنر کے کھل گئے بندھنے لگے جو بند
لہراتے تھے ہوا سے پھر یہ کھلے ہوئے
دواڑ دے تھے جنگ کے اوپر تلے ہوئے

گر ٹانڈ پر تھی ڈانڈ، سناں پر کبھی سناں ۱۰۸ انیوں سے اُڑ رہے تھے شرارے کراٹھاں
ہر تان تھی غضب کی، تو آفت کی ہر تکان طاقٹ کا جائزہ تھا، شجاعت کا امتحان
یہ بھی غرق میں، وہ بھی پسینے میں غرق تھا

پر زور و ضرب میں حق و باطل کا فرق تھا
کزار کی بندھی ہوئی چوٹیں تھیں سب ادھر ۱۰۹ زخمی کبھی گلا تھا، کبھی ہاتھ، گاد سر
ہمشیار کر کے حید کو، جھپٹاؤ شیر نر نیزے سے کا رہی تیغ لیا، واہ رے ہنسر
سر بر بھلا ہوئے ہیں سخی سے دُئی کہیں
بُوڑی کہیں تھی، ڈانڈ کہیں تھی، اُنی کہیں

گزر گراں اُٹھا کے بڑھا، وہ سیہ دروں ۱۱۰ آنکھیں غضب سے سُرخ ہوئیں، مثلِ جامِ خوں
چلتا ہے کوئی سامنے، عجب زکے فسون ہر ضرب میں خفیف ہوا، خوردہ ذوفنور
تھان کا ہاتھ فضلِ خدا سے علی کا ہاتھ
بے زخم کھائے ہو گیا، جھوٹا شقی کا ہاتھ

ظالم نے گرز پینک کے قبضے میں لی کہاں ۱۱۱ آیا مثالِ پیل، قوی، ہیکل و دماں
جھوٹا شقی نے تیر پہ پسلو کر، الاماں تھاسر پہ تیغ تول کے شہزادہ جہاں
ضربت تھی یا کہ قبر خدائے قدیر تھا
گوشہ تھانے کہاں تھی، نہ چلا، نہ تیر تھا

زُخ پھیر کر چلا تھا کہ، غازی نے دی صدا ۱۱۲ اوکے نہاد و سرکش و بدکیش و بے حیا
کیوں سہمگیں ہے، کینچ کے تلوار منہ پہ آ میداں سے بھاگتا ہے، یہ ہے تیسری خطا
تینیں پکڑ کے جنگ و جدل پر تلے نہیں
ہم پر تو کچھ ابھی ترے جوہر کھلے نہیں

نی زرد رُونے میان سے شمشیر برق دم ۱۱۳ دد، بجلیاں جھکے ہوئیں، یک بہ یک علم
لکے سیاہ ابر سپر سے اُٹھے، بہم چالاکیاں دکھانے لگے، اسپ خوش قدم
دونوں طرف ہوئی، تنگ ددو کارزار میں
یہ گرداؤں کر چھپ گیا، گردوں غبار میں

چڑیں ستم کی چلنے لگیں اور غضب کے وار ۱۱۳ کس کس ہنر سے زد کئے اس بے ادب کے وار
اس شان سے شقی پہ چلے تشنہ لب کے وار یاد آگئے ہر اک کو، اسیہ عرب کے وار
رُخ زرد تھا، ہراس سے اُس ہرزہ گرد کا
یاں ٹھاٹھ تھا علی دلی کی نبرد کا

شوکت دہی شکوہ دہی اور وہی جلال ۱۱۵ تیور وہی حواس دہی اور وہی کمال
تیغ و سپر میں شیر الہی کی چال دھال دعویٰ نہ اس پہ کچھ نہ تکبر، نہ قیل و قال
نقشہ دکھا دیا شہ دلہل سوار کا
جب حرب کی تو نام لیا کردگار کا

دھالوں کے پُرزے ہو گئے پیہم رُکے جو دار ۱۱۶ بھرتا تھا اژدھے کی طرح دم سیہ کار
دانتوں کو پیس پیس کے آتا تھا بار بار لیکن نہ بڑھنے دیتا تھا حضرت کا یادگار
بڑھ بڑھ کے یوں وہ ہوتا تھا پیا دلیر سے
جس طرح زخمی صید دُکھتا ہے شیر سے

لایا کلام سخت، جوں لب پر وہ بد زباں ۱۱۷ بس آگیا، جلال میں شہنشاہ جہاں
دست اہل بڑھا کر اُٹھی تیغ جاں نستان اڑ کر گیا فرس پہ سمندربک عنان
گھبرا کے خود اہل کے شکنجے میں آگیا
عصفور، شاہباز کے پنجے میں آگیا

نے وہ تہمتی تھی، نہ وہ زور، گیو کا ۱۱۸ منہ پھر گیا طمانچہ، ضیفم سے دیو کا
ظالم شکار بن گیا، گیہاں غدیو کا کافروہ تھا تو ہاتھ بھی مارا جینیو کا
نکلی بفل سے تیغ، عجب کروفر کے ساتھ
اک ہاتھ تن کے ساتھ گرا ایک سر کے ساتھ

دیجا جراباں نے کہ پسر کو ہوئی ظفر ۱۱۹ بس جھک گئے زمیں پہ شہنشاہ بحر و بر
سجڑے سے سر اٹھا کے پکا سے جیشیم تر یارب لڑا ہے، تیسرے فلتے سے یہ پسر
قابو میں دل نہیں ہے، بہت بیقرار ہیں
ہاں تیرے رحم و لطف کا امیدوار ہیں

بہتر نہیں ہے اس سے مرے پاس کوئی شے ۱۲۰ مایا ہے تو یہ ہے جو رضاعت ہے تو یہ ہے
گذری بہارِ زیت کی، آیا زبان دے اب کوئی دم میں عمر کا بھی مرحلہ ہے طے
حرمت سے اس پسر کو شہادت حصول ہو

یارِ فقیر کا ہے یہ ہدیہ قبول ہو
مقبول جس طرح ہوئی قربانیِ خلیل ۱۲۱ اس طرح سرفراز ہو یہ بندہ ذلیل
دُنبہ دہان بہشت سے لائے تھے جبریلؑ میں اس کا بقی نہیں، اے خالقِ جلیل
امت بھی بخشی جائے، پسر بھی سید ہو
مقبول ہو اگر یہ ذبیحہ تو عید ہو

مصرف تھا دم میں اُدھر فاطمہؑ کا لال ۱۲۲ ڈوبا ہوا تھا، فوجِ عدو میں وہ نونہال
بڑھ کر دغا کرے، یہ کسی کی نہ تھی مجال لاکھوں سے معرکہ تھا، ہزاروں سے تھی بدل
سوکھے تھے ہونٹ رنگ بھی ناقص زرد تھا
بازو تھکا ہوا تھا، کلائی میں درد تھا

یہ دیر سے لڑے ہوئے، وہ فوجِ تازہ دم ۱۲۳ ناقول کا ضعف، بیاس کا صدر، پردہ کا غم
ہاتھوں کا زرد کم ہوا جاتا تھا دم بہ دم پر کھیت میں جے ہوئے تھے شیر کے قدم
آنکھیں تو سرخ غیظ سے تیوری چڑھی ہوئی
طاقت گھٹی ہوئی تھی پہ بہت بڑھی ہوئی

بکلا پرے سے ایک جفا کار و کینہ خواہ ۱۲۴ تھا کید میں خلیفہ شیطان وہ رؤیاء
چلا یا دیکھ کر طرفِ بارگاہِ شاہ آفت ہے پالنے کی محبت بھی آہ آہ
اس فوجوں کے، بھر میں آخر نہ کل پڑی
لو گھر سے بنتِ فاطمہؑ زہراؑ نکل پڑی

تھا عشق سے پھر بھی کے تو واقف وہ لالِ نام ۱۲۵ گہرا گیا حسینؑ کا فرزندِ نیک نام
گردن پھر کے جلد نظر کی سوئے خرام منہ پھیرنا تھا آہ کہ تھا موت کا پیام
بر بھی کسی کی، سیدِ انور پہ چل گئی
دل اور جگر کو توڑ کے باہر نکل گئی

گھوڑے پہ ڈنگانے لگا تمام کر جگر ۱۲۶ فرمایا آہ ہم کو دغا کی نہ تھی خبر
سب ہو گئے وہ دستِ بلوریں لبوں میں تر رہوار سے پٹ گئے ہرنے پہ رکھ کے سر
جز بیکی نہ تھا کوئی اس ماہِ رو کے ساتھ

ٹکڑے کبڑے زخم سے نکلے بہو کے ساتھ
لیتا تھا غش میں اچکیاں دو چودھویں کا ماہ ۱۲۷ جو گزر فریقِ پاک پہ مارا کسی نے آہ
بیٹھا گلے پہ تیسرا کہ حالت ہوئی تباہ رہوار سے گرا، پسر شاہِ دیں پناہ
بنتِ رسول رونے کو منہ دھانپنے لگی

ترپا وہ فوجاں کہ زمیں کا پینے لگی
سر کاٹ لو، یہ غل جو لگے کرنے اشتیا ۱۲۸ گردن سے تیر کینچی کے بابا کو دی صدا
اے نورینِ فاطمہ اے سبطِ مطلق اے بحرِ فیض اے قمرِ برجِ ہلالِ اتی

جلد آئے غلام پہ احسان کیجئے
مشکل کو دم نکلنے کی آسان کیجئے
جس دم سنی حسین نے یہ جاگزا صدا ۱۲۹ صابر اگرچہ تھے پہ کلیجہ اٹ گیا
باتھوں سے دل کو تمام کے دوڑے برہنہ نعرہ کیا کہ اے علی اکبر کروں میں کیا
مل کر غریب و بیکس و تنہا سے جانیو
آئے ضعیف باپ تو دنیا سے جانیو

جے جے مرے شفیق پسر مہرباں پسر ۱۳۰ خوش رو پسرِ سعید پسرِ قدرداں پسر
مادر کا پین، باپ کا آرام جاں پسر کم گو پسرِ شہید پسرِ فوجاں پسر
مقتل کدھر ہے کوئی بتا نہیں مجھے
اے نورین، کچھ نظر آتا نہیں مجھے

مجھ کو غریب دشتِ بلا کہہ کے پھر پکار ۱۳۱ اک بار یا شہِ دوست کہہ کے پھر پکار
اے شیر، سید اٹا کہہ کے پھر پکار صدقے ہو باپ، یا ابا کہہ کے پھر پکار
میری بھی جانِ حق سے ترے ساتھ جائے گی
مر جاؤں گا، یہیں جو نہ آواز آئے گی

کچھ ہوش دست و پا کا نہیں بے حواس ہوں ۱۳۱ زخمی ہے قلب گشتہ اندوہ و یاس ہوں
 غلیں ہوں مژدہ دل ہوں حویں ہوں اُداس ہوں دم توڑو تم تو بے غضب اور میں نہ پاس ہوں
 کیوں کرتا رار آئے دل نا صبور کو

لاؤں کہاں سے دھونڈ کے آنکھوں کے نور کو
 ناگاہ آنی حضرت زہرا کی یہ صدا ۱۳۲ ہے حسین تیرے تڑپنے کے میں خدا
 دم توڑتا ہے گود میں میری یہ مر لقا جاں اس کی تجھ میں انکی ہے اے میرے لڑیا
 دیکھے یہ تم کو، تم اسے اک بار دیکھ لو
 آؤ پسر کا آخری دیدار دیکھ لو

چلائے سر کو پیٹ کے شبیر نامدار ۱۳۳ اماں خدا کے واسطے اکبر سے ہوشیار
 جو یا ہوں ان کا میں انھیں میرا ہے انتظار کہہ دیجئے کہ آتا ہے بابا جگر و نگار
 عاشق کا حال دیکھ لیں کچھ بات کر کے جائیں
 دنیا سے کوچ ہے تو ملاقات کر کے جائیں

دوڑے یہ بات کہہ کے جو سلطان بھر دبر ۱۳۵ بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی لہو میں تر
 اٹھایہ دل میں درد، کھنم ہو گئی کمر دیکھا جو زخم، منہ کے قریب آ گیا جگر
 تڑپے جو گر کے اور تڑپ کر ٹھہر گئے
 غل پڑ گیا صفوں میں کہ شبیر مڑ گئے

ہوش آیاتین ساعت کال کے بعد جب ۱۳۶ دیکھا کہ مٹ رہی ہے شبیر رسول رب
 آنسو بہا کے رکھ دیئے بیٹے کے لب پل چلاتے تھے کہ چھوڑ چلے ہم کو بے غضب
 دل سے گلے پٹنے کی حسرت نکال دو
 باہیں اٹھا کے باپ کے گردن میں ڈال دو

بابائے کوئی بات تو اسے مر لقا کرو ۱۳۷ غفلت کا دقت یہ نہیں ذکر خدا کرو
 ایشی ہے گرزبان، تو آنکھوں کو دا کرو صدقے پر اشارے میں مطلب ادا کرو
 دادی کے پاس چشمہ کوثر پہ جاتے ہو
 حوروں سے باتیں ہوتی ہیں جو مسکرتے ہو

اکبر نے انھیں کھول کے دیکھا رنج پدر ۱۳۸ نکالوں پہ اشک آنکھوں سے ٹپکے ادھر ادھر
فرمایا میں نے زانو پہ رکھ کر سر پسر روتے ہو کس کے واسطے اے غیرت حر

یاں سے اٹھ کے آل پسر میں لے چلیں

غم ماں کا ہے تو آؤ تمہیں گھر میں لے چلیں

کی عرض بہت اتنی کہاں اے شیر اُمم ۱۳۹ اب کیجے قبلہ زور کھٹکتا ہے تن سے دم
دولت ملی کہ دیکھ لے آپ کے قدم غیر از غم فراق مجھے کچھ نہیں ہے غم

ساتھ آئے تھے جو چاہنے والے وہ دونوں

دوتا ہوں اس لئے کہ اکیلے حضور میں

شہ نے کہا مرے لئے بیٹا نہ روو بس ۱۴۰ ہو گا جہاں سے جانے میں تھوڑا سا پیش ہو
دُنیا کی آرزو ہے نہ جینے کی کچھ ہو کس میرے لئے ہے اب دم نغیر ہر اک نفس

اکبر ترے الم سے جگر چاک چاک ہے

جب تو نہ ہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہے

بتلاؤ کس اُمید پہ یہ نیم جاں جئے ۱۴۱ افسوس شیر قتل ہو اور ناقواں جئے
دُنیا میں جس کا تم سا نہ کر لیں جواں جئے وہ باپ کس طرح جئے کیونکہ وہ ماں جئے

پہلے نہ ہم گذر گئے شہرِ زندگی یہ ہے

ہم دونوں تیرے ساتھ نہیں زندگی یہ ہے

یہ بات سن کے لینے لگا چکیاں پسر ۱۴۲ سونکھی زباں دکھائی کہ چاہا ہوں لے پد
زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سر پسر دو بار لی کراہ کے کروٹ ادھر ادھر

دنیا سے انتقال ہوا نور عین کا

ہنگامِ طلبہ تھا کہ کون گھر حسین کا

نکلی ادھر تو جسم سے اکبر کی جان ناز ۱۴۳ یاں بیبیاں ہوئیں درِ خیمے پہ بقیہ راز
لفظِ بیکاری ڈیوڑھی سے بڑھ کر بیک بار اکبر پہ کیا گذر گئی اے شاہِ نامدار

چھریاں غمِ دالم کی کلیجے پہ چلتی ہیں

جلد آئے کہ حضرت زینبؑ بختی میں

گجر کے شاہ دیں نے اٹھائی پسر کے لاش ۱۳۳ پٹائے تھے کلیجے سے نحتِ جگر کی لاش
لائے قسریہ خیمہ جو اس سیم بر کی لاش غل پڑ گیا کہ آتی ہے رشکِ قر کی لاش
زہرا کی بیٹیاں جو کھلے سر نہی پڑیں

سب بیبیاں خیام سے باہر نہی پڑیں
سر نہی شہ کے گرد تھیں سیدانیاں تمام ۱۳۵ تھے بیچ میں شہید کا لاش لائے امام
بانو پکاری تھی کہ یا شاہ تشنہ کام جیتا ہے یا جہاں سے گیا میرا لالہ فام
منکا ڈھلا ہے ہونٹوں پہ شوکھی زبان ہے
اے جانِ فاطمہ! مرے بچے میں جان ہے

زینبِ ترپ ترپ کے یہ کہتی تھی بار بار ۱۳۶ یہ لاش میری گود میں دیکھے، بہنِ نشار
طاقت نہیں ہے آپ میں یا شاہِ نامدار صدقے گئی لرزتا ہے فاقوں سے جسم زار
شکستے تھے یہ کام ہے مجھ سے جان کا
تجھ سے بہن اٹھے گا نہ لاش جو ان کا

لاش پسر کا، خیمے میں لائے امام پاک ۱۳۷ مسند رسولِ حق کی بچھائی بر رُوئے خاک
شہ نے بٹاکے لاش جو کی آو دردناک دل بیبیوں کے ہو گئے، سینے میں چاک چاک
پہلے گان تھامش ہیں دغا کر کے آئے ہیں
آخر یقین سب کو ہوا مر کے آئے ہیں

لاش کے پاس لائے پسر کہہ کے ماں گری ۱۳۸ ہاتھوں سے دل بکڑ کے پھونچی نیم جاں گری
دل پر ہر اک کے، برقی غم نو جواں گری غش ہو کے یاں گری کوئی اور کوئی واں گری
چھوٹی بہن جو لاش سے آکر لپٹ گئی
اک حشر ہو گیا، صف ماتم اُلٹ گئی

بس اے ایس اب نہیں آگے بیاں کی تاب ۱۳۹ لکھوں حرم کے بین تو ہوتی ہے اک کتاب
گر قدموں ہیں کم تو نہ کر اتنا اضطراب جلدی مدد کریں گے شہِ آسمان جناب
تو ذاکر حسین علیہ السلام ہے
تیری انھیں کو فکر ہے جن کا غلام ہے

مرثیہ (۱۷)

دولت کوئی دنیا میں پسرے نہیں بہتر ۱ راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
لذت کوئی پاکیزہ مثر سے نہیں بہتر نکبت کوئی بوئے مٹی تر سے نہیں بہتر

صدموں میں علاجِ دل مجروح یہی ہے

ریکاں ہے یہی، راح یہی، روح یہی ہے

ماں باپ کا دل غنچہ خنداں ہے اسی سے ۲ وہ گل ہے کُھر رشک گلستاں ہے اسی سے

سب راحت و آرام کا سماں ہے اسی سے آبادی کا شایہ انساں ہے اسی سے

کس طرح کھلے دل کہ جگر بند نہیں ہے

گھر قبر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے

یہ وہ ہے عصا پیرِ جواں رہتا ہے جس سے ۳ یہ وہ ہے نگیں، نام و نشان رہتا ہے جس سے

دو شمع ہے، پُر نور مکان رہتا ہے جس سے وہ دُربے قوی رشتہ جاں رہتا ہے جس سے

کھوتے نہیں یہ مالِ زر و مال کے بدلے

موتی بھی ٹٹا دیتے ہیں اس لال کے بدلے

صوتِ یہی شوکتِ یہی اِجلالِ یہی ہے ۴ ثروتِ یہی حشمتِ یہی اقبالِ یہی ہے

سرایہِ یہی، نقدِ یہی، مالِ یہی ہے گوہرِ یہی، یا قوتِ یہی، لالِ یہی ہے

دل بند ہو، پہلو میں تو غم پاس نہیں ہے

کچھ پاس نہیں گریہ، رقم پاس نہیں ہے

ماں باپ کی آسائش و راحت ہے پسرے ۵ تنہی میں بھی جینے کی طاقت ہے پسرے

خونِ جسم میں آنکھوں میں بھساک ہے پسرے ایامِ ضعیفی میں بھی طاقت ہے پسرے

آرامِ جگر تو توبِ دلِ راحت جاں ہے

پیری میں یہ طاقت ہے کہ فرزند جواں ہے

وہ شے ہے خوشی در پہ کھڑی رہتی ہے جس سے ۶ وہ چین ہے راحت کی گھڑی رہتی ہے جس سے
وہ فصل ہے اُمید بڑی رہتی ہے جس سے وہ دُہ ہے یہ دُربان لڑی رہتی ہے جس سے

آرام جگر تاب و توان ساتھ ہے اس کے

پھرتا ہے جدھر رشتہ جاں ساتھ ہے اس کے

مالک سے بھرے گھر کے اُڑ جانے کو پوچھو ، گھر والوں سے اس نفر تو بڑ جانے کو پوچھو
ماں باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو یعقوب سے دوست کے بچھڑ جانے کو پوچھو

اللہ دکھائے نہ الم فورِ نظر کا

بہ جاتا ہے آنکھوں سے لہوِ قلب و جگر کا

اب زحمتِ اکبر ہے شہِ تشہ و ہاں سے ۸ فرزند بچھڑتا ہے امامِ دو جہاں سے
پیری میں پھڑپھڑاتا ہے فلکِ تازہ جواں سے کس فصل میں دریش ہے فرقتِ تنِ جاں سے

آتی ہے اہل ، گود کا پالا نہیں جاتا

صابر سے کلیجے کو سنبھالا نہیں جاتا

فرماتے ہیں فرزند سے آنکھوں کو چڑا کر ۹ دیکھ آؤ ذرا مادرِ ناشاد کو جا کر
کہتا ہے وہ ناشاد جواں اشک بہا کر اب جائیں گے خیمے میں سناں سینے میں کھا کر

مُنہ نیلہ و شمشیر سے موڑا نہیں جاتا

سب چھوٹیں مگر آپ کو بھوڑا نہیں جاتا

مولایہ غلامِ ابِ متمنی ہے رضا کا ۱۰ مشتاق ہے یہ خشک گلا، آپ بقا کا
شہرہ ہے علمدارِ دلاور کی وفا کا کچھ کام تو خادم سے بھی ہو، راوِ خدا کا

اس خاک کا ذرہ ہو جو خورشیدِ وہی ہے

جو آج مرے ، زندہ جاوید وہی ہے

جینے پہ مرے ، عشقِ خدا جس کو نہیں ہے ۱۱ پتھر ہے محبت کا مزار جس کو نہیں ہے
خاک اس زندہ گوہر ہے ، بقا جس کو نہیں ہے نشئی ہے یہ دولت کہ ، فنا جس کو نہیں ہے

ادنیٰ ہو تو اعلیٰ ہو گدا ہو تو غنی ہو

حصہ یہ اُسی کا ہے جو قسمت کا دہنی ہو

دوبے گا جو حیڈر کے سفینے میں نہیں ہے ۱۲ نام اس کا شفاعت کے ٹیغے میں نہیں ہے
دل مُردہ ہے اگر دروہی سینے میں نہیں ہے مرنے میں جودلت ہے وہ سینے میں نہیں ہے
سر دینے کی لذت کوئی سرداروں سے پوچھے

زخموں کا مزاشہ کے نمک خواروں سے پوچھے
پھر موت ہے گر عمر بی ۱۰ لاکھ برس کی ۱۳ بلیل سے اب اُختی نہیں تکلیف نفس کی
دامادوں کو آتی ہے یہ آواز جس کی ایذا ہے مسافر کو فقط چند نفس کی
اُس دن کے سوا تو رشتہ عقیقی نہ ملے گا
دھونڈے گا تو پھر تفلہ ایسا نہ ملے گا

دُوری نہیں کچھ عمر سفر ہوتی ہے کوتاہ ۱۴ ہمت ہو تو کوٹ جاتی ہے نرمی سے کڑی راہ
سالک ہے دی، راہِ رضا سے ہے جو آگاہ آہیل کی صورت تجھے کوثر کی ہے گر چاہ

جاتا ہے وہیں پھر کے جو آتا ہے جہاں سے
دن بھر میں کہاں مہر پہونچتا ہے کہاں سے
کو تا ہی قسمت نے چھڑایا ہمیں سب سے ۱۵ محبوب محمد سے نبجل شادِ عرب سے
سر دینگے دم صبح ارادہ تھا، یہ شب سے ترپا کیے اور کچھ نہ کہا، پاس ادب سے
دشمن پہ نہ ایسے الم و غم ہوں جہاں میں
قاسم تو ہو فردوس میں اور ہم ہوں جہاں میں

چھوٹے جو ہوں وہ جو بر شمشیر دعائیں ۱۶ ہم خاک بسر روتے ہوئے لاشوں پہ جائیں
عباس علیٰ خوں میں لب نہر نہائیں بعد ان کے بھی سر دینے کا ہم اڑن نہ پائیں
فرزندِ فدا باپ پہ ہوتے نہیں شاید

ہم حیڈر کر گزار کے پوتے نہیں شاید
ہمیں میں ہیں آپ نے شمشیرِ عطا کی ۱۷ مٹ جائیں گے جو بر جو ہیں نے، نہ وفا کی
ہم شیر میں شیروں کے قسم شیرِ خدا کی حرمت میں شجاعت کی تو عزت ہیں وفا کی
قبضوں میں گمانیں زمین ہتھیاروں سے کیلے
ہمیں ہیں جو کیلے بھی تو تلواروں سے کیلے

۱۸ ممبر میں حضرت ساکونی ہے نہ رضا میں مگر آپ نے صدقے کیا سب راہِ خدا میں
یہ جو صلہ کس کا ہے کہ روئے نہ خواہیں کیجے مری امداد بھی اس رنج و بلا میں
گر بعد خدا کے ہیں تو ماں باپ ہیں مولا

دیجے مجھے رخصت کر سخی آپ ہیں مولا
۱۹ اے سالک منہاچ علی راہ دکھا دے مشتاق ہوں جس در کا وہ در گاہ دکھا دے
دروازہ رحمت مجھے بند دکھا دے دربار شہنشاہِ فلک جاہ دکھا دے
داں پہنچیں جہاں عرش بھی پایہ نہیں رکھتا
ہم سائے میں اس کے ہوں جو سایہ نہیں رکھتا

یہ کہہ کے جوت دموں پہ گرلا وہ مہِ انور ۲۰ سر چھاتی سے پٹنا کے یہ کہنے لگے سرور
میں مانعِ تحصیلِ سعادت نہیں دلبر جو تم سے بن آئے وہ کرواے علی اکبر
یہ سنتے ہی دُنیا سے گزر جائے گی زینب
رونا مجھے اس کا ہے کہ مر جائے گی زینب

عمر اس نے گنوائی ہے محبت میں تمھاری ۲۱ سب میں نہ وہ عاشق ہے حقیقت میں تمھاری
اٹھارہ برس کاٹے ہیں اُلفت میں تمھاری کیونکر اسے صبر آئے گا فرقت میں تمھاری
اللہ ہی چاہے تو نہ حال کوئی شے ہو
یہ مرحلہ ایسا ہے کہ در باتوں میں طے ہو

بسم اللہ اگر عزم ہے تو خیمے میں جاؤ ۲۲ ماں سے بھی پھوپھی سے بھی رضا جنگ کی لاؤ
روکوں گا نہ میں شوق سے پھڑ پھڑیاں کھاؤ آبِ دمِ شمشیر سے یہ پیاس بجھاؤ
دیر اب تمہیں دنیا سے گزرنے میں نہ ہوئے
ہاں جلد کہ عرصہ مرے مرنے میں نہ ہوئے

شہرت ہو جواب دیجیے سر راہِ خدا میں ۲۳ سو نفع سے بہتر ہے ضرر راہِ خدا میں
آبادی ہے لٹ جائے جو گھر راہِ خدا میں جو عیدِ خوشنشاں ہو پسز راہِ خدا میں
اک یہ بھی عطا ہے کہ بنے کام ہمارا
دولت تو اسی کی ہے سب اور نام ہمارا

یہ سن کے گیا خیمے میں وہ صاحبِ توقیر ۲۳ اُلفت سے پھری گردِ پسر، بانوئے دلگیر
پٹ کے گلے بکنے لگی شاد کی ہمشیر سونلا گئی ہے دھوپ میں یہ چاندی تصویر

دو دن سے اس آفت میں نہیں سوائے ہو میٹا

آنکھوں پر درم کیسا بے کیا روئے ہو میٹا

حضرت کی تو بے خیر کہو اے مرے دلبر ۲۵ اشک آنکھوں سے پڑکا کے یہ بولا وہ طائر

اب خیر کہاں کٹ گیا رب شاہ کا شکر نہ آپ کے بیٹا، نہ بختیج، نہ برادر

عمو نے بھگایا تھا جنھیں وہ بھی پھرے ہیں

مظلوم پدرا لکھ سواروں میں گھرے ہیں

اک جم میں کہ بابا کی مدد کر نہیں سکتے ۲۶ اظہارِ جوا غرورِ جد کر نہیں سکتے

فوجوں کے بٹا دینے میں کد کر نہیں سکتے بے حکم کوئی وار بھی رد کر نہیں سکتے

در بار میں سر دینے کی باری نہیں آتی

سب مرتے ہیں اور موت ہماری نہیں آتی

رخصت ہیں ماں دیں نہ چھو بھی دیں نہ پردیوں ۲۷ مجبور ہیں، کیونکر دستِ دم شاہ پہ سر دیں

دم بھر میں یہ میدانِ وغان، لاشوں سے بھر دیں سرکش جو ٹرھے آتے ہیں، پیا انھیں کر دیں

اندوہ و مصیبت کی صفیں ہٹ نہیں سکتیں

وہ بیڑیاں ہیں پاؤں میں جو کٹ نہیں سکتیں

بائیں گے کہ ہر جب نہ رہے سیدِ عالی ۲۸ نے دوست، نہ ہمدرد، نہ موعی، نہ موالی

کیسی یہ مصیبت، فلکِ پیر نے ڈالی یہ آج کا جیت انہیں، دو حال سے خالی

یا کوہ میں، یادشت کے میدان میں مریں گے

یا بیڑیاں پہنے ہوئے زنداں میں مریں گے

اُلفت میں بڑتا ہے، بنا کام ہمارا ۲۹ اب صفوہ ہستی سے مٹا، نام ہمارا

شہر و تھا بہت روم سے تا شام ہمارا آغاز تو وہ، اور یہ انجام ہمارا

یہ منزلِ اندوہ بلا کاٹ کے مرتے

عمر منع نہ ہوتا، تو گلا کاٹ کے مرتے

سُروے کے شجاعانِ عرب غلہ میں پہونچے ۳۰ دنیا سے بصدنیش و طرب غلہ میں پہونچے
پھر راحت و آرام ہے جب غلہ میں پہونچے اے دادہاں رہ گئے نسب غلہ میں پہونچے

آفت میں کوئی روکنے والا ہی نہ ہوتا

اے کاش بھونچے نے نہیں پالا ہی نہ ہوتا

کس کو ہے نظر تشنہ دہانی پہ ہماری ۳۱ دے گا نہ کوئی نذر بھی پانی پہ ہماری
رونے کی ہے جامِ مرتبہ دانی پہ ہماری جیتے رہے خاک ایسی جوانی پہ ہماری

چرچا نہ مندا ہونے کا دنیا میں رہے گا

مانع ہوئے ماں باپ یہ کوئی نہ کہے گا

ہتھیار کہاں پھینکیں کہاں چھپنے کو جائیں ۳۲ کس بن میں رہیں کون سے جنگل کو مائیں
تنبہا ہیں سفارش کے لئے کس کو بلائیں امداد کریں شیرِ خدا فاطمہ آئیں

عجاز ہو تو کام مرا بند نہ ہوگا

یوں تو کوئی رخصت پہ رضا مندر نہ ہوگا

زینب نے کہا کس پہ یہ غصہ ہے میں واری ۳۳ کچھ منہ سے کہا میں نے کہہ مادر نے تمہاری
کیا وجہ، یہ کس بات پہ ہے گریہ و زاری سچ لیجیے ہتھیار طلب کیجے سواری

انصاف کرو صدقے گئی اہلِ وفا ہو

روکیں تو پدر، پالنے والوں سے خفا ہو

کیوں کا ٹوٹا غیظ سے کیوں ہونٹ چہاؤ ۳۴ میں شہ سے دلا دوں گی رنما شوق سے جاؤ
مراؤں گی سر پر پیٹ کے آنسو نہ بہاؤ لورخ کی بایں تو میں لے لوں ادھر آؤ

تقصیر ہمیں سے ہوئی، لو جانے دو بیٹا

ابھی ہوئی زلفوں کو تو سمجھانے دو بیٹا

بانو نے کہا لو انھیں یوں کون منائے ۳۵ غصہ بھی اٹھائے دی جو ناز اٹھائے
سمجھی میں یہ حضرت سے خفا ہو کے ہیں آئے اس پر روے میں پیغامِ جدائی بھی میں لائے

کچھ اُن کی ہیں کچھ آپ کے ہیں بھائی کی تہیں

میں خوب سمجھتی ہوں یہ دانائی کی باتیں

بانو کا یہ کہنت تھا کہ رقت کا ہوا غل ۳۶ رانڈوں میں شبیدوں کی مصیبت کا ہوا غل
 آفت کی پڑی کوک قیامت کا ہوا غل اس شور میں اکبر کی بھی رخصت کلبوا غل
 گھبرا گئے سجادِ حزیں چونک کے غش سے
 سمجھے کہ سفر ہو گیا اصغر کا غش سے

نقد سے کہا کیا ہوا کیسی ہے یہ زاری ۳۷ سرپیٹ کے 'وہ خادمہ خاص پکاری
 شبیرا کیسے ہیں غضب ہو گیا واری اب جاتی ہے رن کو ملی اکبر کی سواری
 ماں خاک اڑاتی ہیں پھوٹی غش میں پڑی ہیں
 سب سییاں ملنے کی گردانے کھڑی ہیں

فرمایا عمالاً کہ برادر سے مل آئیں ۳۸ غازی سے مجاہد سے، دلاور سے، مل آئیں
 دریائے شہادت کے کنارے مل آئیں شبیر کے پیارے مل اکبر سے مل آئیں
 بھائی کا نہیں کوچ یہ رخصت ہے نبی کی
 ہم آپ چلیں گے کہ زیارت ہے نبی کی

نقد نے عصا دے کے جو بازو کو سنبھالا ۳۹ بستر سے اٹھا کانپ کے 'وہ گیسوؤں والا
 خم ہو گیا تھا درود کر سے تدبیر والا تھرا کے پڑا پاؤں کہیں اور کہیں ڈالا
 اشک آنکھوں سے بہتے تھے گریبانِ تپا پر
 برابر ٹھہر جاتے تھے سر رکھ کے عصا پر

آواز سنیں تھی کہ مری جان برادر ۴۰ بیمار برادر، ترے شہربان برادر
 ہم آتے ہیں، ٹھہرے رہو اک آن برادر ذی قدر برادر، مرے ذی شان برادر
 ہم رو میں تھیں، تم ہمیں روتے ہوئے جاؤ
 بھائی سے جلیغیز تو موتے ہوئے جاؤ

نابہ کی طرف دیکھ کے دوڑے مل اکبر ۴۱ آنکھوں کو کلاہاتھوں سے قدموں پہ ملا سر
 حبت دہنے فرمایا، کیچے سے لگا کر گردن میں مری ڈال دو باہوں کو برادر
 شانے کے قریب زلفِ منبر ہے بھائی
 چہرہ مرے چہرے کے برابر ہے بھائی

اے روشنی خانہ زہرا ترے صدقے ۴۲ اے باپ کے عاشق مرے شیدا تھے صدقے
اے تشنہ لب اے بیکس تہا تھے صدقے اے رہ رو فردوسِ مطلقا ترے صدقے

گھر آج آجڑا ہے نئے جاتے ہیں بھائی
ہم قافلے والوں سے چُٹے جاتے ہیں بھائی

غربت میں مبارک تمہیں ہمراہی شبیر ۴۳ کیا دیکھے دامندوں کو دکھلاتی ہے تقدیر
مرنے کی اجازت نہیں دیتے شبِ دلگیر شپ کیا مجھے آئی کہ پڑی پاؤں میں زنجیر
ٹٹ جائے گا گھر بعد شبنشاہِ زمیں کے
ہیہات گلا ہوئے گا حلقے میں رسن کے

اے اکبرِ مردِ تھے پاؤں گا کہاں سے ۴۴ اے صفدرِ خوشِ خو تھے پاؤں گا کہاں سے
اے ندینتِ بدِ بھلو تھے پاؤں گا کہاں سے اے قوتِ بازو تھے پاؤں گا کہاں سے

بے غسل و کفن آپ تو میدان میں رہیں گے
ہم بیڑیاں پہنے ہوئے زنداں میں رہیں گے

بیتیا یہ نقاہت مری اور بوجہ یہ گھر کا ۴۵ کیا زور ہے جو حکمِ شبِ جن و بشر کا
عنو کا سہارا نہ تھا ، نہ پدر کا غربت تو یہ اور سامنا اس شکرِ شر کا
گھر جلنے میں رہنے کا نہیں ہوش کسی کو
بچوں کو سنبھالوں گا کہ ناموسِ نبی کو

اے راحتِ جاں یادِ روغمِ خوارِ ہمارے ۴۶ دلدارِ مددگارِ پرستارِ ہمارے
پہلے نہ چلی حلق پہ تلوارِ ہمارے افسوس ہوئے تم نہ عوادارِ ہمارے

لٹتے ہیں کہاں ساتھ کے کیلے ہوئے بھائی
فریاد کہ ہم آج اکیلے ہوئے بھائی

اللہ ری، ان بھائیوں کی گریہ و زاری ۴۷ جس طرح برستا ہے کبھی ابرِ بہاری
اں کہتی تھی تیرا بن میں آفتِ تمہاری بس صبر کرو تب میں غش آجائے گا داری

سہرا اسدا شد کی جانی کو دکھائے
بھائی کا خدا داغ نہ بھائی کو دکھائے

غش آنے لگا جب تو کہا بھائی سے رو کر ۴۸ کچھ ہم سے وصیت تو کرو اے علی اکبر
آہستہ کہا جاتے ہیں بھائی سونے کوثر پانی جو ملے یاد ہمیں کیجھو برادر
مر کر بھی پسر قبلہ و کعبہ کے تئیں ہو
ثرت مری پائین مزارِ شہ دیں ہو

اس معرکے سے جب ہر وطن آپ کا جانا ۴۹ صفرا کو کئی بار کلیجے سے لگانا
کہنا کہ بہن پھر گیا بابا سے زانا وعدہ تو کیا تھا یہ نہ تم تک ہوا آنا
شبیرؑ پہ فوجوں کی گھٹا چھا گئی صفرا
آنے ہی کو ہم تھے کہ اجل آگئی صفرا

یہ کہہ کے پھوپھی پاس گئے اکبرؑ دل گیر ۵۰ ہاتھوں کو بھی جوڑا کہ محل کیجیے تقصیر
منہ دیکھ کے مادر کا یہ کی یاس سے تقریر دودھ آپ بھی بخشیں تو ملے عزت و توقیر
اس مژدے سے تن میں مے جان لے گی ابا
دور روز کی یہ پیاس ابھی بجھ جائے گی ابا

زینبؑ نے کہا میں ہوں رضا مند و شنا خواں ۵۱ تقصیر تری کچھ نہیں اے اکبرؑ دی شاں
ماں بولی میں ان شوکے ہوئے ہونٹوں کی قربان لودودھ بھی بخشا تمہیں ماں نے بدول و جاں
آگے ترے دنیا سے سفر کر نہ گئی میں
یہ ذکر سنا ہائے غضب مر نہ گئی میں

یہ سن کے تڑپنے جو لگی زینبؑ ناشاد ۵۲ ہے علی اکبرؑ کی ہوئی رائیوں میں فریاد
جس دقت چلائیجیے سے وہ غیرت شمشاد غل تھا کہ بہو فاطمہؑ کی اب ہوئی برباد
یوں گرد حرم روتے تھے اُس سرور و ادا کے
جس طرح کہ ماتم ہو جنازے پہ جواں کے

نقد نے جو پردہ در دولت کا اٹھایا ۵۳ خورشیدِ ممینؑ ہرج شرف سے بھل آیا
دندوں پہ جو پڑنے لگا اس مہر کا سایا چلائی زینؑ سب سے فزوں ہے مرا پایا
میں تہجے میں ہوں چربخ چہارم سے زیادہ
خورشیدِ مرے پاس ہیں انجم سے زیادہ

پستی مری اس نور سے ہے، طور تجسلی ۵۴ بھاری ہے ترازوئے فلک سے مرا پلا
دامن ہے مرا حورو ملائک کا مصلّا مجھ پر وہ مرنے جس کو علیٰ سے ہے تو لا

تا حشر رہا فیض یہ شاہ شہب را کا
تسبیح مری ہوئے گی اور ذکر خب را کا

پہونچے جو قرین شہ کے تو کی عرض کہ حضرت ۵۵ اقبال سے مولیٰ کے ملی جنگ کی رخصت
فرمایا کہے دیتی ہے جہرے کی بناشت مسعود و مبارک سفر گلشن جنت
مرضی ہو تو یہ پیر بھی دے ساتھ تمہارا
بندہ جائیں گے، ہم تمہارے ہوئے ہاتھ تمہارا

اکبر نے کہا، آپ سلامت رہیں آقا ۵۶ دنیا کا شرف، دولت دیں، عزت عقبا
کو فرکی نہ خواہش ہے نہ جنت کی تمنا ہوں میں فقط آپ دم شمشیر کا پیاسا
توقیر ملی خلق میں ماں باپ کے آگے
مشتاق ہوں اس کا کردار آپ کے آگے

نام آپ کے نانا کا ہے کونین میں شاہ ۵۷ یسین کہیں حق نے کہا ہے کہیں طاہ
جو آپ نے طفل میں کہا، اس کو نباہا چاہا وہی مولالے جوا اللہ نے چاہا
قرباں مجھے کہیے، یہ تمہارے دلی ہے
میراث خلیل آپ کو حصے میں ملی ہے

فرمایا اَلَا اے پر عاقل ودانا ۵۸ ہے ذات خدا قادر و قیوم و توانا
جو آیا ہے اک دن اُسے درپیش ہے جانا آگے کوئی، پیچھے کوئی، ہوتا ہے رونا
دقت کبھی دن کا ہے تو عرصہ کبھی شب کا
جب ملے ہوئی منزل تو کہاں ایک سب کا

تھی مٹی کہ احباب مسافر ہوئے سارے ۵۹ دن دوپہر آیا تھا کہ جہاں سدھارے
اب جاتے جو قہر بعد زوال اے مرے پیارے عرصہ نہیں کچھ آتے ہیں ہم بعد تمہارے
تم اور نہ بھائی، نہ بھتیجا، نہ پر ہے
روتے ہیں ہم اس پر کہ ضعیفی کا سفر ہے

ایک ہم ہیں کہ اس پائس میں کام آئے ہیں سب کے ۶۰ لاشے نہیں لے آئے۔ شبعا عابدی عرب کے
فاتحے سے کئی روز کئے جا گئے ہوئے شب کے جوتا تھا یہ ثابت کر غش آجائے گا اب کے

ادا لے جہاں دوست کو مارا وہیں پہنچے

میدان میں ہمیں جس نے پکارا وہیں پہنچے

اتنا بھی کوئی اب نہیں اے اکبر مرد ۶۱ جب تیروں سے غراباں کریں جسم جفا جو
تکواروں سے مجروح ہو سز تیروں سے پہلو گھوڑے سے اتارے تو کوئی تمام کے بازو

پامال ہمیں، لشکرِ نااہل کرے گا

پر خیر یہ مشکل بھی خدا سہل کرے گا

ہر طرح گندہ جائے گی ۱۰۱ اکبر ذی جاہ ۶۲ پر الفتِ اولاد سے عاجز ہے بشر، آہ
کچھ جان بلی جاتی ہے تن سے ترے ہمراہ غش آتا ہے گرتے ہیں سنبھالو ہمیں شد

جس پاس پسر ہو وہ جہاں بخت ہے بیٹا

یہ ہجر تو کچھ موت سے بھی سخت ہے بیٹا

کس طرح سنبھالوں کہ دل زار نہ تڑپے ۶۳ کچھ دل کی کہوں قلب جواک بار نہ تڑپے
اس طرح کوئی مرغِ گرفتار نہ تڑپے یوں مرتے ہوئے صاحبِ آزار نہ تڑپے

تازہ غم مجھ کو محبوبِ خدا ہو گیا، مجھ کو

اب تک تو میں اچھا تھا یہ کیا ہو گیا مجھ کو

گذری نہیں اس طرح کی ایذا کبھی دل پر ۶۴ اے لال یہ صدر نہیں پہنچا کبھی دل پر
برہنہ کبھی سینے پہ ہے نیشہ کبھی دل پر گردل ہے کیجیے یہ، کلیجہ کبھی دل پر

اب اشکوں کی ندی بھی بہانی نہیں جاتی

وہ آگ لگی ہے کہ بجھانی نہیں جاتی

لو چھاتی سے پشت کو تیرا آئے جگر کو ۶۵ فرزند نے خم ہو کے رکھا پاؤں پہ سر کو
حضرت نے کہا چھاتی سے پشتا کے پسر کو برباد کئے جاتے ہوا کبڑے گھر کو

منظور یہ تھا ساتھ مردوں ساتھ خدا ہوں

پر خیر سدھارو کہ میں راضی برضا ہوں

رخت ہوئے جب شر سے علی اکبر زیشاں مطلع دم گھوٹے پر چڑھے آپ اٹھارہ لڑ پڑ قرآن
وہ ریش کی چھل بل وہ فیائے سُبُحِ تاباں ۶۶ اک برق چمکتی ہوئی پہونچی سرسبداں

زردی رُبُخ خورشید پہ چھائی نظر آئی

پر تو سے زمیں زن کی طلائی نظر آئی

سب دھت بسا پھولوں سے بُوتن کی جو پہلی ۶۷ فردوس میں مہانِ خدا جن کے طفیلی
نور ایسا جہاں چادر بہت اب بھی نیلی گیسو وہ کہ جنوں جو جنیں دیکھ کے نیلی

اک عشق ہے ہونٹوں سے طلاوت طلبوں

گر دیکھے تو چاٹا کرے شیریں بھی بوں کو

آنکھوں سے محسوس آہوئے چینی خطائی ۶۸ دونوں نے یہ چتون یہ سیاہی نہیں پائی
مردم کے لئے فخر ہے یاں ناصید شائی شیریں کو شپ آتی ہے دم چشم نہائی

یاں کچھ گل و بادام حقیقت نہیں رکھتا

نرگس وہ کہے گا جو بصارت نہیں رکھتا

دیوانی ہوں پر یاں نظر آئے جو یہ رفتار ۶۹ گوشوقِ شہادت ہے پہ عجلت نہیں زہا
تم تم کے اٹھاتے ہیں قدم مردم ہموار پہونچاں سیماں سے کبھی مور کو آزار

لازم ہے سدا پاس ضعیفوں کا قوی کو

دیکھا ہے کبھی شیر کی آہستہ روی کو

پیشانی پہ ٹھہرے یہ نظر کو نہیں یارا ۷۰ سجدے کا نشان ہے کہ چمکتا ہے ستارا
دشمن کے لئے تیغ ہے ابرو کا اشارا پلکیں بھی ہیں خونریزی امداد پہ صف آرا

خال ایسے کہ اختر بھی شرارتے ہیں جس سے

آنکھیں وہ ہرن شیر دُک جاتے ہیں جس سے

وہ شان وہ شوکت وہ تہوڑ وہ جلالت ۷۱ چھپتے ہیں کہیں جو ہر شمشیر امالت
طینتیں کرم طبع میں انصاف و عدالت اقبال علی، شانِ شہنشاہ و رسالت

دیکھا جو وہ رُخ عرش کے ستراج کو دیکھا

زنگوں کو جو دیکھا، شب معراج کو دیکھا

جورخ میں صباحت دو کہاں نور سحر میں ۷۲ چشم اسد اللہ کا سب رعب نظر میں
تا بندہ زبرد حضرت داؤد کی بر میں کاندھے پہ سپر لب پہ رجز تیغ کمر میں

شوکت اسد اللہ کی، تصویر نبی کی

داؤد کی آواز تھی، تقریر نبی کی

بیگی ہیں مسیں سبز خط بھی ہے نمودار ۷۳ گویا کہ حضرت آب بقا کے ہیں طلب نگار
وہ فصل ش باب اور وہ رنگ گل رخسار دندان وہ سب الماس سے وہ نعل گہر بار

واں جوڑے ہوئے ہاتھ فصاحت بھی کھڑی ہے

تقریر سلسل ہے کہ موتی کی لڑی ہے

کس حُسن سے لب پر ہے تاش آبِ ہمد کی ۷۴ اعداد کو دکھاتے ہیں وہاں ہر واحد کی
نعرہ ہے کہ حیدر نے رسولوں کی مدد کی توڑا ہے دِ قلعہ کو شدت میں رند کی

گردش کبھی دی اور کبھی اونچا کیا سر سے

ہلکا تھا وہ در دست مبارک میں سر سے

بے جب تر تھا خندق سے اترنے میں تامل ۷۵ خندق کا اسی دُر کو بہا در نے کیا پُل
جب تک نہ گئی فوج نبی قلعہ میں بالکل تھامے رہے اک ہاتھ سے در صاحبِ قلعہ

وہ پائے مبارک تھے ہوا پر نہ زمیں پر

مولا کے قدم تھے پر جب ٹیل میں پر

تقسیم غنیمت سے ہوئی جب کہ فراغت ۷۶ پھر توڑ کے اس در کو گئے ہانٹے حضرت
فولاد ہوا موم، رہے زور ولایت کس میں تھی سوا بازوئے احمد کے یہ طاقت

سب ٹکڑے برابر تھے، عجب عدل و کرم تھا

قولا تو نہ جو بھریہ زیادہ، نہ وہ کم تھا

آقا ز رجز تھا کہ ہوئی تیروں کی بوجھار ۷۷ شہزادہ عالم نے بھی لی میان سے تلوار
تلوار کا کھینٹا تھا کہ تھا فوج میں رہوار رہوار کی چل پھر میں صغیں پس گئیں دو چار

اس شان سے لختِ دل شیر صہ آیا

گویا صف آہو پہ یکایک اسد آیا

بل چل تھی کہ تلوار چلی فوج پہ سن سے ۸، ڈھالیں تو رہیں ہاتھوں میں سر اڑ گئے تھے
طاؤر بھی ہوا ہو گئے سب ظلم کے بن سے آگے تھا ہرن شیر سے اور شیر ہرن سے

غل تھا یہ جری مشل ید اللہ لڑے گا
تر ہوگی زمیں خوں سے وہ دن آج پڑے گا

تلوار تھی جستار کی یا قبر خدا تھی ۹، سر تھا تو اٹک تھا، جو کمر تھی تو جُدا تھی
بجلی جوا دھر تھی، تو اُدھر سیل فنا تھی تلوار بھی یوں سر پہ جب آئی تو نقصا تھی

بے سر ہوئی وہ صف جو نظر چڑھ گئی اسکی
چاٹا جو لہو اور برشس بڑھ گئی اسکی

جس صف پہ چلی خون میں غلطاں کیا اُس کو ۱۰، مجمع تھا جادھر دم میں پریشاں کیا اُس کو
جو آگے بڑھا غول سے بے جاں کیا اُس کو بخشی جسے جاں، بندہ احساں کیا اُس کو

بے سر تھا ازل سے تھی خطا اہل میں جس کی
مارا سے دیندار نہ تھا نسل میں جس کی

کیا ہاتھ تھا، کیا تیغ تھی، کیا ہمت عالی ۱۱، دم بھر میں نمودار صفیں ہوتی تھیں عالی
جب مجوم کے ڈھالوں کی گٹھا آتی تھی کالی بجلی سی چمک جاتی تھی شمشیر ہلالی

ہلتا تھا نشان دن میں صفوں کا نہ پروں کا
تھا شور کہ مینہ آج برستا ہے سروں کا

آفاق میں جن کی تدر اندازی کا تھا شور ۱۲، ہاتھ اُن کے پیادوں کی طرح ہو گئے کمزور
بے جاں کوئی سرکش، کوئی بدکیش پگور کردتی تھی تابندگی برقی دو دم کور

سوفار کو چلے سے ملانا، کسے سوچے
دُخ پھر گئے ہوں جب تو نشانا کسے سوچے

کیا حرب تھی، تیرا بن جگر گوشہ شبیر ۱۳، نکلا جو کہاں سے تو قلم ہو کے گرا تیر
آیا جو کہاں لے کے کیس سے کوئی بے پیر گوشہ تھا، نہ چلے تھا، نہ حلقہ تھا، نہ رہ گیر

جودار تھا صف در کا ندائی سے جدا تھا
قبضے سے کہاں، ہاتھ کلائی سے جدا تھا

یا شیر خدا کہہ کے جب ادا میں در آئے ۸۳ انبار تن و سر کے دورستہ نظر آئے
یوں غیظ و غضب میں ادا مر آئے ادا مر آئے جیسے صدف آہو کی طرف شیر نر آئے

جانوں کو بجاتے تھے پیادے ہی نہ ہٹ کر

گر پڑتے تھے گھوڑے بھی سواروں پاؤں پر

کٹکٹ کے ہراک ضرب میں سر گرتے تھے سر پہ ۸۵ برہمچی پہ نہ پھسل تھا نہ کوئی پھول سپر پہ
پھر جاتی تھی گردن پہ کبھی، گاہ جگر پہ مرکز کی طرح تھی کبھی دشمن کی کمر پہ

نکلی جو کمر سے تو چسلی خانہ زیں پر

زیں سے تھی جو مرکب میں تو مرکبے زیں پر

نہ خود، نہ چہرہ، نہ جھلم چھوڑتی تھی وہ ۸۶ نہ ہاتھ، نہ بندوق، نہ ظلم چھوڑتی تھی وہ

نہ خلق، نہ سینہ، نہ شکم چھوڑتی تھی وہ نہ خون، نہ رگیں تن میں نہ دم چھوڑتی تھی وہ

آجاتی تھی آواز زہے ضرب کی زہ سے

غل تھا کہ یہ کڑیاں نہیں اٹھنے کی زہ سے

داں شامیوں میں شب تھی ادا نور کا ترکا ۸۷ قرنا کی وہ آواز وہ کڑویتوں کا کرکا

ترکا پاتا تھا ہر قلب کو سر کنٹنے کا دھڑکا اک غل تھا کہ دلاکھ پہ بھاری ہے یہ بڑکا

تن جلتے ہیں پھر کس سے جو برق اس میں نہیں ہے

سرجیم سے اڑ جائیں گے فرق اس میں نہیں ہے

اللہ ری زباں آوری تیغ بلا نوش ۸۸ زربیں ہمدن چشم تھیں ڈھالیں ہمدن گوش

گھاٹ ایسا کہ دوسے لب دیا بھی ہیں خاموش بازو ایسی کہ ہیں پھلیں پاں میں نہ پیش

کٹتے ہیں گلے تیز زبانی سے اسی کی

دریا بھی ہے چکر میں روٹی سے اسی کی

نابیں وہ کہ شہرگ کسی گردن میں نہ چھوڑیں ۸۹ دشمن کا گلا قلعہ آہن میں نہ چھوڑیں

جو ہر وہ کہ طلقہ کسی جو شمن میں نہ چھوڑیں پٹنے وہ قیامت کے لبوتن میں نہ چھوڑیں

منہ وہ ہے کہ دم سے شیطاںوں ہتی ہے جس کے

قبضہ وہ ہے قبضہ میں ظفر رہتی ہے جس کے

بدلی کی طرح شام کی جب فوج گھر آئی ۹۰ پھر صبح نے کھل سب اعدا پہ گرائی
دوئی تھا مگر بھول گئے بے زور ستائی چلاتے تھے بھاگو کہ وہ خونخوار پھر آئی

ہر بار ہے موجود تو ہر بار نہیں ہے

یہ مرگ مفاجات ہے تلوار نہیں ہے

شیشیر کے اک جزو سے ہے شیر جو ہم نام ۹۱ رعبا اس نے یہ پایا ہے کہ تھرتے ہیں اندام
تھم جاتی ہے بجلی مگر اس کو نہیں آرام گیتی کو الٹ دے یہ قیامت ہے وہ محکم

مزید لرزتا ہے تو جو ہر سے اسی کے

شیروں کو ڈھری رہتی ہے تپ دے اسی کے

چائینہ یوں کتنے تھے ایک ایک جواں کے ۹۲ جس طرح کہ ہتھاب میں ٹکڑے ہوں کٹاں کے
سبے تھے کمانداؤں کے دل خوشے ہاں کے چلہ نہ کھینچا تھا کہ یہ قہمی سہ پہ کماں کے

چلاتے تھے سب مشل اہل آتی ہے یہ تو

سینے سے بھی جلدی کہیں پل جاتی ہے یہ تو

لڑنے جو بڑا بول کوئی بول کے آیا ۹۳ یہ شیر بھی شمشیر و دم تول کے آیا
شہباز اہل میدان پر کھول کے آیا اڑتا ہوا سر پہ میں اس غول کے آیا

حق جس کی طرف ہے وہ زبردست رہا ہے

سچ ہے کہ بڑے بول کا سر پست رہا ہے

ہم چشم تھا ابرو سے سینوں کے غم اس کا ۹۴ اندری چمک برق بھی بھرتی ہے دم اس کا
ناگن حق اترتا ہی نہ تھا بڑھ کے غم اس کا ہر باتھیں باتھ اس کا، تو باز و تسلیم اس کا

جوہر کی چمک دیکھی نہ بیروں کے گلوں میں

یوں دوڑتی تھی تن میں لہر جیسے رگوں میں

اک برق سی گرتی تھی ہر اک دشمن جاں پر ۹۵ گر سر پہ کبھی ڈھال پہ تھی گاہ سناں پر
ترکش پہ کبھی سن سے کبھی گاہ کماں پر کس طرح بھلا ذکر برشس لاؤں نہاں پر

دل سے کہیں بیٹنے کی ہوس قطع نہ ہو جائے

دم بند ہے دھڑ سے کہ نفس قطع نہ ہو جائے

لوہے سے اسی تیغ کے آئینہ بنے گر ۹۶ عکس اس میں جو دشمن کا نظر آئے تو بے سر
پائے نہیں اب تک کسی حریف نے یہ جوہر
قطارِ طریق آئے تو وہ خوف سے ہٹ جا
کیسی ہی کڑی راہ ہوا کہ آن میں کٹ جا

مشتوق کو عاشق سے جدا کرتی تھی شمشیر ۹۷ ہر آن حق اکبر کا ادا کرتی تھی شمشیر
جھکتی تھی بدھڑھٹا کر کرتی تھی شمشیر جب اٹھتا تھا سرحدِ غدا کرتی تھی شمشیر
ترتیب بھی دل باختہ تھا سامنے اس کے
گردوں سپر انداختہ تھا سامنے اس کے

ہل ہل میں یہ صف کرتی تھی جب منف پادھر کی ۹۸ نہ ہوش تھا تن کا نہ خبر تیغ و سپر کی
بھولا ہوا تھا باپ محبت کو سپر کی بھاگے تو یہ سمجھے کہ شرم پاؤں نے سر کی
مرنے تو ہوس تیغ کی گردن پہ نہ ہوتا
کرتے نہ مدد پاؤں تو سرتن پہ نہ ہوتا

سوسو کا سر اک ضرب میں کٹتے نہیں دیکھا ۹۹ یوں غیظ میں شیروں کو بھینٹے نہیں دیکھا
بڑھ کر کبھی جستا کر کو بھینٹے نہیں دیکھا گھوڑے کو کسی باگ پہ پھینٹے نہیں دیکھا
جب ہاتھ اٹھا برہمچویں بھر آتا ہے گھوڑا
پتلی کے اشارے کو سمجھ جاتا ہے گھوڑا

آفت میں زانا تھا تلام میں خدائی ۱۰۰ چلاتی تھیں پیریاں کہ سیلیاں کی ڈبائی
دکھلا گئی تیغ اپنی برش سر پہ جب آئی ہر صف کو دکھا دینا ہے ہاتھ اپنی مغللی
وہ چڑھتا پاؤں سے جو تون پہ چڑھا تھا
اموار تو اسوارِ فرس رن پہ چڑھا تھا

ہر فعل تھا غیرت دو تیغِ صفہ بانی ۱۰۱ جب باپ پڑی خاک سے پیدا ہوا پانی
کف منہ سے گراتا یہ غضب کی بھی نشانی تیزی یہ ہوا میں تھی نہ دریا میں دعائی
ہوں دکھتا تھا آہستہ قدم دوشیں صبا پر
بڑے مچل تر جاتی ہے جس طرح ہوا پر

سرعت میں تگ و دو میں پھلا دے سے زیادہ ۱۰۲ ہاگ اس کی تھی کیا جودل راکب کا ارادہ
دریا پہ سمجھتا تھا ہر اک منہ کوڑا ہادہ تیار کھل، تنگ کمر، سینہ کشادہ

شعلہ ہوا، لپکا جودرا غیظ میں آ کے

بجلی کی رگیں آگ کا دم، پاؤں ہوا کے

جب خاک پہ جنگل میں تدم رکھتا تھا تن کے ۱۰۳ سراپنا پٹک دیتے تھے طاؤس چین کے
رشتک مہ نو گروں پر نور کے منٹکے جرم جم کے آٹا وہ، توڑے ہوش ہرن کے

پامال ہوا جاتا تھا، دل ٹکک دری کا

گھوڑے کی اچانک، کہ جھکڑا تھا پری کا

گمراہ مدد گمراہ شب ایام کو پہنچے ۱۰۴ کب سرعت بشدید بک کام کو پہنچے
واں پہنچے، یہ اور بیج نہ تمام کو پہنچے جس بن میں نسیم سحری شام کو پہنچے

وقف کہیں، یہ اسپ بک پئے نہیں کرتا

خورشید بھی منزل کوئی یوں طے نہیں کرتا

گر آگ کہوں آگ یہ سرعت نہیں رکھتی ۱۰۵ گر کیئے ہوا، وہ یہ حرارت نہیں رکھتی
گر برق کہوں برق یہ جدوت نہیں رکھتی گر خور کہوں، خود یہ صورت نہیں رکھتی

یاں قدر نہ بجلی کی، نہ کچھ بیک ہوا کی

بس خاتمہ اس پر ہے کہ قدرت ہے غلو کی

بر یوں کی بھی اس طرح سواری نہیں چلتی ۱۰۶ ان پھرتیوں سے باو بہاری نہیں چلتی
اس زرد سے تلوار دوہاری نہیں چلتی چلتے ہیں تدم یوں کہ کٹاری نہیں چلتی

دو گام بھی ساتھ اس کے فرس چل نہیں سکتا

اس طرح یہ چلتا ہے کہ بس چل نہیں سکتا

جس وقت دفا کا نہ با ایک کو یارا ۱۰۷ خیمے سے نکل کر، پسر سعد پیکارا
دولا کھنے بھی مل کے ناک طفل کو مارا اب چادریں اوڑھو کہ میٹ نام تھا مارا

جی بار دیا فوج نے عزت گئی سب کی

بے آب ہوئی آج سے تلوار عرب کی

یہ سنتے ہی غیظ اک یل غدار کو آیا ۱۰۸ میدان میں اڑاتا ہوا رجار کو آیا
 کس غیظ سے تولے ہوئے تلوار کو آیا دل بندید اللہ سے، پیکار کو آیا
 کاندھے پہ سپر لب پہ سخن بے ادبی کے
 ظالم کو عداوت تھی گھرانے سے نبی کے

رستم کی طرح اپنے تن دتوشس پہ غزا ۱۰۹ خورشید پہ غالب کبھی ہوتا نہیں ذرا
 بدکار جہاں حسن یاقوت سے موعرا گردن تھی ازل سے، تہ شمشیر تبرا
 پُر ہول ہو رستہ وہ یہ روجو گذر جائے
 صورت وہ کہ غفریت جسے دیکھ کے درجائے

وہ خود تہمتن سے بھی جس کا نہ اٹھے بار ۱۱۰ چار آئینہ، اک قلعہ فولاد کی دیوار
 اژدر تو خود اور مار یہ نیزہ خو نخواستہ دو گرد ز گراں سر جو کرے کوہ کو سمار
 خنجر وہ کہ ترخیخ کا رنگ اڑتا تھا جس سے
 دھال ایسی کہ تلوار کا منو مڑتا تھا جس سے

کافر نے جس بڑے کے تگاؤ کو نکالا ۱۱۱ اکبر بھی بڑے چلنے لگا بھائے پہ بھالا
 اژدر تھے زبانوں کو نکالے تہ و بالا گردن کو لڑائے ہوئے تھا، کالے سے کالا
 پڑتی تھی سناں پر جو سناں دشت و فانیں
 چنگاریاں اڑتی نظر آتی تھیں ہوا میں

ہر طعن میں یاں مڑ گئے داں اڑ گئے رجار ۱۱۲ نقطہ یہ سمٹنے میں وہ پھر جانے میں پرکار
 چڑیں جو کئی کھاکے جھکائے لگا غدار نیزے کو اڑالے گیا نیزے سے یہ جزا
 کیا بند بندے تخت دل عقدہ کشا پر
 دیکھا تو سناں خاک پہ تھی ڈانڈ ہوا پر

نعتے میں کہاں لے کے بڑھا سرکش بے پیر ۱۱۳ سر پر تھا عقاب علی اکبر، صفت تیر
 پنہ تھا کہ سر پنجہ ضرغام عدد گیر غل تھا کہ زبے زور جگر گوشہ شبیر
 یاد دیکھتی تھی فوج فرس کی تگ و دو کو
 یا پنجہ خورشید میں دیکھا میر نو کو

پھر گرز گراں شیر کو، قدار نے مارا ۱۱۳ اُس ضرب کو زد کر کے بڑھا، شاہ کا پیارا
چمکا جو تب زریں، ملک الموت بکارا لوقطع ہے اب نخل حیات تم آرا
شیروں کے جگر کانپ گئے خوف سے میں

دو گیسے بوا گرز گراں ایک تبر میں
خفت ہوئی جھٹکے کئی ظالم نے جو کھائے ۱۱۵ پیسے کبھی دانت اور کبھی ہونٹ چھائے
رد باد، نظر شیر پہ، کس طرح سے پائے پھر گرز ہے خاک اڑ کے اگر عرش پہ چھائے
اِس سر کا شرف پاؤں کو حاصل نہیں ہوتا
اسفل کبھی اسفل کے مقابل نہیں ہوتا

اکبر نے کہا: خیر تھکا کر ہے، تو دم لے ۱۱۶ بے تیرے بڑھے دار کریں ہم، تو قسم لے
دم لے کے بس اب میان سے شیر دو دم لے کیا کرتے ہیں ہم، دیکھ ذرا، شیروں کے حملے
ناخن جو نہ ہو عقب، مشکل نہیں کھلتا
جب تک کہ نہ تلوار کھنچے، دل نہیں کھلتا

مرغوب ہے درہم کی نہ دینار کی، جھنکار ۱۱۷ بھاتی ہے نہ زنجیر کی نہ تار کی جھنکار
دبچ نہیں طرف طلا کار کی، جھنکار کانوں کو بھلی لگتی ہے، تلوار کی جھنکار
دارتہ اسی کی ہے زرہ، ڈھال اسی کی
کھتے ہیں گلے جس سے وہ ہے چال اسی کی

ہے طول آل نسیزہ خطی کا بلانا ۱۱۸ کرتی ہے کہاں، تیر سخاوت کا نشانہ
ہے گرز، فقط بار گراں، دوش پہ لانا لہے کو مگر تیغ کے مانے ہے زمانا
ایسا کوئی نصف ہے، عرب میں نہ ہم میں
جب کھنچ گئی تلوار تو ہے فیصلہ دم میں

خوشتر ہے خم اس کا، خم ابروئے ضم سے ۱۱۹ بُت اس نے نکالے ہیں اٹا یے میں حرم سے
پایا ہے رہ راست کو، تلوار کے خم سے یکے کوئی آتش نفس، تیغ دو دم سے
دشن جو بڑھے تاب کہاں رہتی ہے اس کو
یعنی کی دُعا، دردِ زبان رہتی ہے اس کو

تلوار سے کانپا کیے، کف پر مہربب ۱۲۰ دنیا سے جہنم کو گئے، عنترہ و مہرب
 سرتا بقدم عمرو بھی تھا، جہلی مرکب ظلمت نہ رہی کفر کی، وہ قتل ہوا جب
 نصرت تھی جدھر تیغ چلی حق کے دلی کی
 اللہ نے کی آپ ثنا ضرب علی کی

سر سبز کیا گلشن اسلام، اسی نے ۱۲۱ کعبہ سے ہڈا کر دیئے امنام، اسی نے
 شاہوں کو دیئے موت کے پیغام، اسی نے قبضہ میں کیا روم سے تا شام، اسی نے
 کانپا کیے خاقان جانِ حرب سے اس کی
 جاری ہوا، سکے کا چلن ضرب سے اس کی

آفاق میں ہے، دبدبہ شاہی کا اسی سے ۱۲۲ آغاز ہے، ملکوں کی تباهی کا اسی سے
 اقبال چمکتا ہے سپاہی کا، اسی سے بیٹھا ہے محلِ شہرِ الہی کا اسی سے
 یاد اُن کو نہ بھولی، کوئی دم تیغ علی کی
 جسیریں بھی کھاتے ہیں قسم تیغ علی کی

چار آئینہ مردوں کے لئے، دفع ضرر ہے ۱۲۳ جو ہر ہیں زندہ، قبضہ شمشیر، سپر ہے
 گر ہاتھ کی زینت ہے، گئے زیب کر ہے رکھ لیجئے پہلو میں تو آرام جگر ہے
 خوش قدر ہے خوش اسلوب کا خوش درخشاں ہے
 جب یہ ہو تو حاجت کسی حربے کی نہیں ہے

جب تیزی شمشیر زیاں اس کو دکھائی ۱۲۴ ٹھنڈا تو ہوا تھا، پہ حرارت بھی کچھ آئی
 تلوار علم کر کے جو دھال اس نے اٹھائی معلوم ہوا تیسرہ گشا، کوہ پہ چھائی
 خود شہید ہوا زندہ اُڑی گرد یہ بھن کی
 گھوڑے کی نگاہ سے زیریں میں گئی تلک کی

شب دیز کو، اکبر نے بھی کا دے پہ لگایا ۱۲۵ واں سے بھی تڑپ کر، فرس تیز رنگت آیا
 منہ کھولے ہوئے خیر پہ حملے کو لگ گیا پردہ کے الگ زندہ سے گیا، اور الگ آیا
 لاتی تھی اہل کینچ کے شمشیر کے منہ پر
 آسکتا ہے روباہ کہیں، شہر کے منہ پر

اکبر نے مسدادی کو ٹھہر سامنے آکر ۱۲۶ کیوں منہ کو چھپاتا ہے سپر چہرے پہ لاکر
مردانہ دکھاوار حریفانہ دغا کر کچھ اپنے رسالے کے جوانوں سے جیا کر

ناداں ہے تیز حق و باطل نہیں رکھتا

تواتنے تن و توش پہ کچھ دل نہیں رکھتا

یہ خوف کہیں جان نہ گھبرا کے نکل جائے ۱۲۷ بودا ہے جولانے کی جگہ پا کے نکل جائے

ایسا نہ ہوتا وار کوئی کھا کے نکل جائے چنچے نہ شیروں کے شکار آ کے نکل جائے

یک جا صفت سایہ آہو نہیں تھمتا

یہ اب ٹھہر جاتا ہے، پر تو نہیں تھمتا

تجھ سا تو جوان لشکر بد خویش نہیں ہے ۱۲۸ ہاں زور شجاعت ترے بازو میں نہیں ہے

گھوڑا ہے یہ چالاک پہ قابو میں نہیں ہے فوج میں ادھر زیاں کوئی پہلو میں نہیں ہے

ہم ایک ہیں جاننا زک فوجوں سے طرے ہیں

کیا تجھ کو کہیں گے جو صفیں ہاندھے کھڑے ہیں

نیزے کو ہلانے میں بھی تو زور کو ہارا ۱۲۹ کیوں میں نے کہاں جھین لی اور تیرہ تمھارا

اک ضرب تبر تھی کہ ہوا گرز، دو پارا لڑنے پہ تیرا ہے ترے اور ستم آرا

آئینہ جوانانِ خوش اقبال کے اوپر

چہرے کو چھپاتا ہے جھلم ڈال کے منہ پر

یہ سن کے بڑے غیظ و غضب سے وہیل آیا ۱۳۰ اکبر نے کہا آ کر مقام اہل آیا

بارے شجر جرأت و ہمت میں پھل آیا بس روک لے پودا کہ فرس منہ کے بل آیا

یہ پھولنے پھلنے کی مگر فصل نہیں ہے

گر ہڑتال ہے جلدی تری کچھ اس نہیں ہے

تمھاریں کنہیں برجیاں چمکیں علم آٹھے ۱۳۱ گھوڑوں کی تنگ دلوں میں برابر قدم آٹھے

نظارے کو، گردن پہ لٹکے سہم آٹھے گر گر کے ادھر خاک پہ شاہِ اُمم آٹھے

اکبر جو مقابل ہوئے اس ضال و ضل سے

خیر تیرا آگئے میتابی دل سے

چلائے گراے میرے بہادز ترے قرباں ۳۲ یہ پیاس کئی روز کی یہ دھوپ یہ سیدیاں
کچھ یہ توجہوں سے بھی قوی تر ہے مرقی ٹاں اس دیو پہ اللہ نظر دے تمہیں اس آل

کیا پیاس بہت ہے کہ پیکارا نہیں جد کو

اب دل نہیں قابو میں ہم آتے ہیں مدد کو

رونے لگے اکبر یہ سدا شن کے پدر کی ۱۳۲ جوڑے جوئے ہاتھوں کو نیشہ پہ نظر کی
کی عرض دعا بس ہے سنبہ جن و بشکی اس وقت نہیں پیاس تسم آپ کے سر کی

غازی ہیں انم تشہ دہانی کا نہیں ہے

اس مثل میں کچھ دھیاں بھی پانی کا نہیں ہے

قتولیش نہ فرمائیے میں نے اے مارا ۱۳۳ آیا ہے تو جاتا ہے کہاں یہ ستم آرا
مرحب کی طرح طول میں کرتا ہوں دوپارا - اشد کی تائید ہے مولا کا سہارا

دل تپ بڑھائیں گئے تو بڑھ بڑھ کے لڑوں گا

اس دیو سے میں سوئے جن پڑھ کے لڑوں گا

بر چند سن اس کا ہے نیا دھرمے سن سے ۱۳۵ پانی بھی لبوں تک نہیں پہونچا کئی دھن سے
بیزاری ہے جن و ملک دانش کو ان سے ہم وہ ہیں کہ جانبر نہ جوئے دیو بھی جن سے

اُس چاہ کے ارد گرد بھی جڑائے ہیں دم اتک

مشہور ہے افسادہ سیرا لام اتک

خادم کی لڑائی نہیں کچھ نہ تالی تعریف ۱۳۶ آقا کے کرم سے ہے بہت پیاس میں صغیف
غم یہ ہے کہ موتی کو نہایت ہوئی تکلیف ہے دھوپ کو سیاہی میں لے جائیے تشریف

گھروں سے تہ تیغ اب اس عربہ جو کی

بھینٹیں نہ پڑیں قبلہ عالم پہ لہو کی

حضرت نے کہا: خیر خدا حافظ ناصر ۱۳۷ جرات میں نہ تم کم ہوا نہ میں صبر میں ناصر
یہ یکس دہے پر میں مدد کرنے کو ناصر دہ جائے گا آؤنی سے بھی آؤنی ہے یہ کفر

نیور کہیں چھپتے ہیں شہاب ازل کے

اٹلی سے تم اٹلی ہو کہ پوتے ہو ٹلی کے

ہاں ذہنی طرف آنے نہ دیکھو اے زہبار ۱۳۸ گھوڑے کو بڑھائے ہوئے زور کے ہوئے تلو
منفرد تن و توش پہ اپنے بنے یہ غدار خود منہ کے بھل آئے گا جو خالی گئے دو وار
دشمن جوڑے جم کے تو پھر نطف سوا ہے

ہاں تمام لو باگ اس کے فرس کی تو مزاج ہے
یہ سن کے بڑھا جنگ کو وہ شیر زینہ ۱۳۹ پہنچا تھا جسے زور علی سینہ بہ سینہ
شوکت وہی سب تھی وہی تلے کا قرینہ شہد زینہ تھے آپ کہ خاتم پہ نگینہ
یوں سینہ کشادہ گئے اس عہد شکن پر
جس طرح جھپٹتا ہے کہیں شیر برن پر

لڑنا ماوہ ڈھالوں کا وہ تلواروں کی جھنکار ۱۴۰ آفت کی لڑائی تھی قیامت کا براک وار
مرحب تھا ادھر ادھر ادھر ہیہ دیکر زار تلوار پہ تلوار تھی، رہوار پہ رہوار
بکلی سی فزوں تھی، تڑپ آتش نفسوں کی
اسواروں تک آجاتی تھیں، ٹاپیں فرسوں کی

مہینز پہ مہینز تھی، اور کوڑے پہ کوڑا ۱۴۱ ہر مرتبہ منہ ڈالت تھا، گھوڑے پہ گھوڑا
کل پھر گئی جس باگ پہ جس نے جسے موڑا زخمی ہوئے پر کھیت کو دو فوں نے نہ چھوڑا
اس زور سے تیروں کی بھی سرپاں نہیں ملتیں
یوں جھوم کے چلتے تھے کڑیاں نہیں ملتیں

زن سے جودہ تلوار گئی، سن سے یہ آئی ۱۴۲ وہ خود سے ملتی ہوئی، گردن سے یہ آئی
وہ کھنچ کے پہرے گئی، جوشن سے یہ آئی وہ صدر سے خالی گئی، تون سے یہ آئی
ہاں بعد علی، کم ہوئی جنگ و بدل ایسی
غل تھا کہیں دیکھی نہیں رزو بدل ایسی

غصے میں جو سفاک نے کی، رخش کو مہینز ۱۴۳ شہزادے کے گھوڑے کے قریب گیا شہدیز
بس تمام لی اکبر نے خان فرس تیز جھپکا تھا وہ گھوڑا کہ ملی تیغ شہدیز
بوشس اڑ گئے اس بانی بیداد ستم کے
سرکٹ کے گرا فرق پہ چایس قدم کے

تازی کی عنقاں چھوڑ کے اک ہاتھ جو مارا ۱۳۳ چاروں سم رہوار کئے، صاف قضا را
گھوڑا جو گرا، دشتِ ستم ہی گیا سارا بس چور ہوا پس کے وہ کافر ستم آرا
دکھلا دیا صفدر نے جوارِ شادِ پدِ رتقا

نہ پاؤں تھے گھوڑے کے نہ اسوار کا سر تھا
مصرف تھے لڑنے میں ادھر اکبر دل گیر ۱۳۵ بیتاب تھے، تھامے ہوئے دلِ حضرتِ شہید
تقراتے ہاتھ اور زباں پر تھی یہ تقریر یہ سب تری تا ئید ہے، اے مالکِ تقدیر
بیکس ترے بندے پہ عجب وقت پڑا ہے
یارب یہ پسرتیسرے فاتح سے ملا ہے

بہنم سے ہے پانی کا تلاطم مرے گھر میں ۱۳۶ نہ بھر میں پیاسوں کا ٹھکانا ہے نہ بر میں
دے صبر کر بے تاب نہ ہوں بھر پیس میں لوٹا ہے مجھے اُنت احمد نے، سفر میں
فرزندِ جواں، باپ سے منہ موڑ رہا ہے
چھوٹا جو ہے، گھوڑے میں دم توڑ رہا ہے

طالب نہیں اس کا کہ سلامت یہ پھر آئے ۱۳۷ مجروح تری راہیں ہو، برجیاں کھائے
خادم کے بزرگوں کا جو منصب، وہ پائے جرات جو دکھائی ہے تو غربت بھی دکھائے
دنیا سے پُر امان سفر کرنے پر رو میں
سب پیر و جواں اس کے جواں گئے پہ رو میں

یہ کہہ کے علی اکبر رو رو کو پٹکارے ۱۳۸ احنت مرے شیر مرے پیاس کے امے
ٹھہر دک پدِ رچم لے ہاتھوں کو تھکائے خالی ہے علمدار کی جا، اے مرے پیارے
جسٹ اسی کس ہی سے اسی دھبے لڑے تھے
خیبر میں علی، بھی یونہی مر چکے لڑے تھے

بالیدہ ہوا شہ کی صدا سن کے وہ جزار ۱۳۹ مجھ اکیا رہوار سے ٹھک ٹھک کے کئی بار
کی عرضِ شہادت کی دُعا کا ہوں، طلبگار اب پیاس نے مارا، مجھے یاسید ابرار
گری سے غش آتا ہے، ٹھکا جاتا ہے سر ہی
ہتھیار بھی سب گرم ہیں جلتا ہے جگر بھی

قوت کا بٹا زور، گمشا زورِ جوانی ۱۵۰ اب دیتی ہے پیغامِ اجل تشنہ دہانی
ہے دھوپِ کردی، اے اسدا اللہ کے جانی جان آئے، زرہ پر جھڑک دے کوئی پانی

سنبھلوں تو بھگا دوں ابھی اس لشکرِ شر کو

ایسی ہو کوئی چسپ زکھنڈک ہو جگر کو

حضرت نے کہا، پانی کا ملنا تو ہے دشوار ۱۵۱ اب دور کرو، خود سے کیا تم کو سرور کار
ملتی ہے زرہ گز، تو آتا دم مرے دلدار کافی ہے لڑائی میں، جو انرد کو تلوار

رہنے دوزخ ہو دھوپ میں آرام، سپرے

جو سینہ سپر ہو اُسے کیا کام سپرے

کہنے کو کہیایہ، پہ ہوا دل تہ و بالا ۱۵۲ اک سیب تروتازہ گریباں سے نکالا
بولایہ اے شوگھ کے وہ گیسوڑوں والا فرزند میں جاں آگئی، اے سیدِ والا

اعجازِ امامت، شہِ خوش خُونے دکھایا

پانی کا اثر سیب کی خوشبو نے دکھایا

اس سیب سے بُوکی، شن کا کسے یارا ۱۵۳ دید اس کی ہے پونف کے زخموں کا نظارا
اٹھ جائے گراس کی طرف، انگشتِ اشارا اللہ ری لطافت کو، وہ ہو جائے دوپارا

بہتر کوئی سیب اس سے نہیں، خلدِ بریں میں

یو آج تک اس کی ہے مزارِ شہِ دیں میں

تسلیم کی اور اس پُصا دم کو اڑا کر ۱۵۴ پھر ڈوب گیا فوج میں، وہ شبیرِ دلاور
یاں بیٹھ گئے تمام کے دل، بسطِ پیہر داں شام کے بادل میں گہرا، وہ میرِ انور

تیروں کی جو بوجھار ہوئی چھن گیا سینہ

دوزخ ہوئے اتنے کو زرہ بن گیا سینہ

مکڑے ہوئے تینوں سے، پہنت کو نہ ہا ۱۵۵ مجرد نے اسی نفر اس فوج کے ماسے
مصر میں کبھی تھے کبھی دریا کے کنارے پھر دیکھ گئے باپ کو، پھر زن کو سدھائے

دوکے نہ پدرِ قتل ہو تختِ جگر ایسا

باپ ایسا ہو صابر، تو جری ہو پسر ایسا

ڑاتے تھے کہ پیشانی افور پہ لگا تیر ۱۵۶ سب خوں سے بھری اُمید مختار کی تصویر
لکھا ہے کیس میں تھا کوئی ظالم بے پیر برہمنی جو گئی سیز میں حالت ہوئی تفسیر

اللہ ری شجاعت کہ نہ ابرو پہ بل آیا

پہل اس نے جو کھینچا، تو کلیجہ بھل آیا

نکڑے جو بے خوں کے ڈیر زول میں جگر کے ۱۵۷ غش ہو گئے سر گردن رہوار پہ دھر کے
نزدیک سے پھر وار چلے تیغ و تبر کے سب پسلیاں کٹ کٹ گئیں نکرے ہوئے سر کے

تواریں تھیں یا آپ تھے یا سر پر خدا تھا

جس ہاتھ سے لڑتے تھے وہ پہنچوں سے جدا تھا

جس وقت برا دینے لگا زخم جگر کا ۱۵۸ سینے میں رکا آکے دم اس رشک قر کا

گرتے ہوئے گھوڑے سے خیال آیا پد رکا چلائے کہ اب کوئی ہے دنیا سے پسر کا

بیکس کی، مسافر کی، مدد کیجئے بابا

اپنے علی اکبر کی خبر لیجئے بابا

بیٹے کی صداؤں کے ہوا صد مدد جاں کاہ ۱۵۹ اک ہوک کھیجے میں اُمی بیٹھ گئے شاہ

معلوم ہوا، جان چسلی آہ کے ہمراہ دل تمام کے ہاتھوں سے کہا یا اسدا اللہ

ماں باپ کے بیٹے کا مزالے گئے بیٹا

عہدہ جو تمہارا تھا، ہمیں دے گئے بیٹا

چلائے، بتاؤ علی اکبر کہ مر آئیں ۱۶۰ ڈھونڈیں تمہیں اس بحر میں یا ٹوئے بر آئیں

یتاب ہے دل قلب میں، شکر کے قد توئیں تم آ نہیں سکتے، تو ہمیں لاش پر آئیں

رنگ اڑ گیا تھا، گیسوؤں پر گر زخمی تھی

تیورا کے جو بیٹے تو بھارت میں کمی تھی

بیٹا ہمیں پھر یا ابستا کہہ کے نکلاؤ ۱۶۱ مظلوم غریب الفربا کہہ کے نکلاؤ

ناشاد گزشتہ بلا کہہ کے نکلاؤ لب تشدد و مجرد جفا کہہ کے نکلاؤ

جو وقت معین ہے وہ ہرگز نہ ملے گا

خنجر مری گردن پہ اسی طرح چلے گا

مردو علی اکبر علی اکبر علی اکبر ۱۶۲ دل جو علی اکبر علی اکبر علی اکبر
 علی رو علی اکبر علی اکبر علی اکبر خوش خوش علی اکبر علی اکبر علی اکبر
 اس عمر کا پیدا کوئی بے برگ نہ ہوئے
 تجھ سا کوئی دنیا میں جواں مرگ نہ ہوئے

انھار حواں یہ سال، یہ غربت، یہ جوانی ۱۶۳ یہ شان، یہ اقبال، یہ شوکت، یہ جوانی
 دیکھی تھی ناب تک یہ شجاعت، یہ جوانی یوں خاک ہوئی، بائے یہ صورت، یہ جوانی
 کس درجہ مشابہ تھے رسولِ عربی سے
 گویا کہ حسین آج بچھڑتا ہے نبی سے

لے آئی جو میت بانی دل لاشیں پس پر ۱۶۴ جھٹکنے میں نظر پہلے پڑی زخمِ جگر پر
 اک تیر لگا قلبِ شہِ حق و بشر پر سینے پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر
 اوپر کے دم اس شیر کو بھرتے ہوئے دیکھا
 بابا نے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا

بونٹوں پہ زبانِ رُخ پہ عرقِ خاک پی گیسو ۱۶۵ پتھرائی ہوئی آنکھ، کٹے تیتھوں سے ابرو
 گردن توکے اور ملحق پہ اک تیسرے پہلو چہرے پہ ہوں گالوں پہ ڈھلکے ہوئے انسو
 یہ زیرِ لب آواز، کراہت نہیں آئے
 نزدیک اجل آگئی بابا نہیں آئے

اے دردِ جگر تھم کر شہِ بحر و بر آئیں ۱۶۶ اے جانِ زگہرا، شہِ جن و بشر آئیں
 اے رُوحِ توقفِ شہِ دلاو ادھر آئیں اے موتِ ٹھہرا، پدرا آئیں پدرا آئیں
 ارمینِ دل زارِ پسرِ ہوش میں نکلے
 حسرت ہے کہ دمِ باپ کی آغوش میں نکلے

چلوئے شہِ دیں علی اکبر پدرا آیا ۱۶۷ اٹھو مے پیائے مے دلبر پدرا آیا
 تم ڈھونڈتے تھے اے مہِ انور پدرا آیا ناشاد پدرا بے کس و بے پر پدرا آیا
 کچھ دل کی کہو بات، ذرا ہوش میں آؤ
 مدد تے پدرا آؤ، مری آغوش میں آؤ

منہ کھولے ہو کیوں تیر کو گردن سے نکالوں ۱۶۸ گرد و زہ ہوا ہاتھوں کو بازو سے سنبھالوں
گرتا ہے پہاڑ اس کو میں کس طرح سے ٹالوں مرتے اُسے دیکھوں جسے آغوش میں پالوں
بہ بہ کے ہوں میں جس کا آتا ہے تمہارا

سینے سے کلیجہ نظر آتا ہے تمہارا
کچھ منہ سے تو بولو علی اکبر علی اکبر ۱۶۹ آنکھوں کو تو کھولو علی اکبر علی اکبر
رخصت بھی تو بولو علی اکبر علی اکبر لو باپ کو رولو علی اکبر علی اکبر
دو لہا بھی اس آرام سے سوتے نہیں بیٹا
ہم روتے ہیں اور تم ہمیں روتے نہیں بیٹا

ہم آئے ہیں لو پاس ہمارا کرو بیٹا ۱۷۰ اک آن کی تکلیف گوارا کرو بیٹا
کچھ کچھ تو مرے درد کا چارا کرو بیٹا بولا نہیں جاتا تو اشارا کرو بیٹا
خوڑیں تمہیں گھیرے ہیں کہ بہانے ہو
ہاتیں ہیں یکس سے کہ ہمیں بھول گئے ہو

غش میں جوشنی باپ کی آواز پیر نے ۱۷۱ بس ہاتھوں کو پھیلا دیا اُس رشک تر نے
پٹا لیا چھاتی سے شہ جن و بشر نے منہ کھول کے دکھلائی زبان تشدد جگرنے
فسر یا کہ قطرہ مرے جانی نہیں رہتا
بجسور ہوں اکبر مجھے پانی نہیں رہتا

کی عرض علی آئے ہیں یا شاہ خوش انجام ۱۷۲ ہاتھوں میں ہیں کوثر کے چھلکتے ہوئے دو جام
اک جام مجھے دے کے بعد شفقت انعام فرماتے ہیں پی لے اے اے اکبر گھٹام
میں کہتا ہوں مجروح ہوں آوارہ وطن ہوں
دروں مجھے دیکھ کر بہت تشدد دہن ہوں

اشک آنکھوں سے پٹکا کے یہ فرماتے ہیں جید ۱۷۳ شبیر بھی پیاسا ہے بہت لے مرے طبر
گھبرا کر نزدیک ہے اب چشمہ کوثر حصہ یہ ترے باپ کا ہے لے علی اکبر
دردن سے اٹھائے ہیں تسب تشدد ہی کے
یہ تمیرا فاتہ ہے نواسے پہ نبی کے

یہ کہتے ہی آنکھوں سے بس آنسو ہوئے جاری ۱۷۳
 کی عرض حضور آتی ہے زہرا کی ماری
 کھوئے ہوئے آنکھوں کو سافر ہوئے اکبر

بجلی کا بس آنا تھا اگر آخر ہوئے اکبر
 گھا ہے کہ نکلا، علی اکبر کا ادھر دم ۱۷۵
 سرنگے تھیں پیچھے کئی سیدائیاں باہم
 ہلتا تھا فلک نالہ و فدا و بکا سے
 اک حشر تھا ہے ہے علی اکبر کی صدا سے

خورشید چھپا، گرد آڑی، زلزلہ آیا ۱۷۶
 پہیلی تھی جہاں دھوپ، وہاں ہو گیا سایا
 جو حشر کے آثار میں سارے نظر آئے
 گرتے ہوئے مقتل میں تارے نظر آئے

محبوب الہی کی فواسی کا تھا یہ حال ۱۷۷
 کچھ چہرے پہ کچھ دوش پہ بکھرے تھے بال
 سر پر نہ بردا تھی، نہ قضا بہ تھا، نہ رومال
 ہر کام تھی بس کی تڑپ، زخمیوں کی چال
 ٹوٹا تھا مصیبت کا فلک زار و حزیں پر
 تھی نصف بردا دوش پہ اور نصف نے میں پر

چلاتی تھی، جنگل کی بجے، راہ بتا دو ۱۷۸
 کس ابر میں پنہاں ہے، مرا ماہ بتا دو
 لاشے پہ کدھر ہیں شبہ ذی جاہ بتا دو
 آنکھوں میں بصارت بھی نہیں جاؤں کدھر کو
 میں پہلے پہل ڈھونڈنے نکلی ہوں پسر کو

زینب کی صدا سنتے ہی دوڑے شہر والا ۱۷۹
 فرمایا قدم خیمے سے کیوں تم نے نکالا
 دامانِ عباسِ فرق پہ ہم شیر کے ڈالا
 اے بنتِ علی، مر گیا وہ گیسوں والا
 ٹکڑے ہے بدن کشتہ شمشیر ہیں اکبر
 دیکھو گی کسے خاک پہ اب ڈھیر ہیں اکبر

خاموشس انیس۔ آگے نہیں تاب رقم کی ۱۸۰ شق جوتی ہے بھاتی دم تحسیر قلم کی
 کیونکر کوئی نو داد لکھے، اہل حسرت کی حقا کہ نہایت نہیں ہمشیر کے غم کی
 مصروف ہر اک اشک بہانے میں ہے مگر
 ماتم علی اکبر کا زمانے میں رہے مگر

مرثیہ (۱۸)

کیا نازبانِ فوجِ خدا نام کر گئے ۱ لاکھوں سے تشنہ کام لڑے کام کر گئے
آفت کی مغفرت کا سرانجام کر گئے فیض اپنا مثلِ ابرِ کرم غام کر گئے
بیشعے میں سب درود جو ذکر ان کے بنتے ہیں

ایسے بشر وہ تھے کہ ملک جن کو ملتے ہیں

دیندار و سرفروش و شجاع و خوش اعتقاد ۲ ہاتھوں میں بیغیں اور دلوں میں خدا کی یاد
زخموں کو نخلِ قد پہ وہ سمجھے گلِ مراد مردانگی پیاس میں فاقوں میں یہ جبار

تینوں سے بند کو نسا ان کا کٹنا نہ تھا

پر معرکے سے پاؤں کسی کا بٹنا نہ تھا

برسوں رہے گا چرخ میں، گر آسمانِ پیر ۳ لیکن نظر: آئے گا ان کا کہیں نظیر
گوئے نہ اُن کے پاؤں نہ روئے نہ منیر خورشید جن کے سامنے اک ذرہ حقیر

پُرغوں قبائیں جسم میں، سینے تنے ہوئے

پہنچے ریاضِ خلد میں دو لہا بنے ہوئے

رستم اُٹھا نہ سکتا تھا سر اُن کے سامنے ۴ شیروں کے کانپتے تھے جگر ان کے سامنے
پھیل گئی روشنیِ قرآن کے سامنے اُٹھتا تھا رنگِ روئے سحر ان کے سامنے

بخشا تھا نورِ حق نے ہر اک خوش صفات کو

ہوتا تھا دن، جو گھر سے نکلتے تھے رات کو

پیشانیوں پہ جلوہ نما اختِ اسرِ جود ۵ دیکھیں جو اُن کا نور تو قدسی پڑھیں درود
رُخ سے عیاں جلال و جو انمردی و نمود شیدائے آل، شریفۃ واجب الوجود

جینے کی شاہ دیں کو دماغ دے کے مر گئے

ایمان کے آئینہ کو چلا دے کے مر گئے

تاثر کر گئی تھی انہیں محبتِ امام ۶ تھا نزع میں بھی خشک لبوں پہ خدا کا نام
بریزتے محبتِ حیدر سے دل کے جام ذی قدر، ذی شعور، دلاورِ مجتہد کام

لشکرِ جوان پہ ٹوٹ پڑے شام و روم کے
تلواریں کھائیں جُستِ پہ کیا جھوم جھوم کے

لاکھوں میں انتخاب ہزاروں میں لا جواب ۷ تھا خشک و تر پہ جن کا کرم صورتِ سحاب
وہ نور، وہ جلال، وہ رونق وہ آبِ قباب زہر کے گھر کے چاند، زمانے کے آفتاب

بس یک بہ یک جہاں میں اندھیرا سا چھا گیا
دن بھی ڈھلاں تھا کہ زوال اُن پہ آگیا

محل ہو گئے عقیل کی تربت کے جب چراغ ۸ جعفر کے لاڈلوں نے دئے شرکِ کُل کو داغ
ماتم سے بھانجوں کے ہوا تھا نہ انفراس پامال ہو گیا، حسنِ مجتبیٰ کا باغ

لاٹھے اٹھائے جنگ کرے یا بکا کرے
جس پر گر گئی یہ کوہِ مصیبت وہ کیا کرے

صد یہ تھا کہ لٹنے لگی دولتِ پدر ۹ نکلے نبرد کو اسد اللہ کے پسر
ماہے گئے جہاد میں جس دم وہ شیرِ زر رخصت ہوئے حسین سے عباس نامِ دل

دریا بچے لہو کے بڑا کشت و خون ہوا
ڈھلتی تھی دو پہر کہ علم سرنگوں ہوا

پیری میں قبر ہے، خبر مرگ کو جوان ۱۰ رہتی پہ تھر تھرا کے گرے شاہِ انس و جان
نکلیں سروں کو بیٹی، نیچے سے بیبیاں تھا خاندِ علی میں تلاطم کہ الاماں

یوں گھراٹ پلٹ تھا امامِ حجاز کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے لنگرِ حجاز کا

غل تھا کہ خون میں بھر گیا سقائے اہلبیت ۱۱ دنیا سے کوچ کر گیا، سقائے اہلبیت
ہم لٹ گئے گذر گیا سقائے اہلبیت فریاد ہے کہ مر گیا، سقائے اہلبیت

ہے بے کہاں سے اپنے بہشتی کو لائیں گے
سو کھی زبان، اب کسے بچے دکھائیں گے

لمسا تھا خیرہ روتے تھے یوں البلیت شاد ۱۲ صدے سے حال زور و عباس تھا تباہ
چلاتی تھی کہ نہر کی مجھ کو بتاؤ راہ ^(۱۲) کوئی گئی میں دشت پر آفت میں آہ آہ

ختم تھے گرا تھا کوہ مصیبت حسین پر

ماتم تھا بیبیوں میں سکینہ کے بین پر

ماتم ادھر تھا، جشن میں تھے اہل شر ادھر ۱۳ بجتے تھے شادیاں فوج و ظفر ادھر
انعام بانٹتا تھا براک کو عمر ادھر روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت ادھر ادھر

غل تھا کہ بس حسین بہت روئے بھائی کو

کوئی جوان ہوا اور تو بھیجو لڑائی کو

باقی نہیں کوئی تو دغا کو خود آئیے ۱۴ حیدر کی ذوالفقار کے جوہر دکھائیے

زخم سنان و خنجر و شمشیر کھائیے گرمی بڑی ہے آج لہو میں نہائیے

آمادہ ہم تو دیر سے ہرستیز ہیں

تیغیں بھی ہیں اپنی ہوئی خنجر بھی تیز ہیں

کالٹے ہیں جس نے بازوئے لخت دل امیر ۱۵ ہے خوب آبدار، وہ شمشیر بے نظیر

چھیدا ہے جس سے مشک کو موجود ہے وہ تیر ہرگز زہ ہے مگر جسے جس کی ہوئے اخیر

ترپے تھے جس سے مشک کو دانتوں سے چھوڑ کر

برجھی (۱۶) ہے جو نکلی تھی پہلو کو توڑ کر

صابر بڑے ہیں آپ تو یا شاہ انس و جان ۱۶ اک بھائی کے فراق میں یہ نالہ و فغان

رونے سے جی اٹھیں گے ز عباس نو جوان حضرت پکارتے ہیں کسے، بھائی اب کہاں

لمسا ہے کب جہاں میں بھلا جو گذر گیا

اب فکر اپنی کیجئے وہ شمشیر مر گیا

اکبر نے کی غضب کی نظر سوئے فوج شام ۱۷ کانپے یہ غلط سے کہ اُگلنے لگی حسام

کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے قبلہ امام سنتے ہیں آپ لشکر اعدا کا یہ کلام

خون تن میں جوش کھاتا ہے ہنگام جنگ ہے

مولا! بس اب تو حوصلہ صبر تنگ ہے

اُن کے کلام سننے کی کس کے جگر میں تاب ۱۸ خادم زبانِ تیغ سے دے گا انھیں جواب
کیا اپنے دل میں سمجھے ہیں یہ خانہاںِ نواب نعرہ کروں تو شیر کا زہر و ہوا آب
آداب شاہ سے نہیں ہم بول سکتے ہیں

زخمِ جگر پہ اب تو نمک یہ چھڑکتے ہیں
ہم کو یہ طعن و طعنہ کی باتیں نہیں پسند ۱۹ کونے میں بیس گے دم جو اٹھائیں گے پھر سہند
ہو تلوں پہ غم سے اب چلے یہاں جانِ درد مند کاشیں ترے تیغ سے خنجر سے بند بند
جنسِ جنس کے جسم پر تیر و تیر کھائیں گے
تیغِ زباں کے زخم اٹھائے نہ بھائیں گے

گھبرا کے دیکھنے لگے بیٹے کے منہ کو شاہ ۲۰ فرمایا، خیر کہہ لیں جو کہتے ہیں روسیہ
کیوں کا پتہ ہو غلط سے، میرے شکاہ لازم ہے مبر و شکر کرا مضی رہے اٹم
غصہ اسی طرح اُگر آئے گا آپ کو
خنجر کے نیچے دیکھو گے کس طرح باپ کو

برہم نہ ہو تمہیں سببِ تیر کی قسم ۲۱ اگر میں جاؤ خیر سمجھ لیں گے ان سے ہم
دیکھو تمہیں کہہ دانی کہہ دے میرے قسم تلوں، دل پہ چل گئی، مارا نہ ہم نے دم
سب جمل کے خاک ہوں جو ابھی بدعا کروں
پر اترت نہیں ہے بجز صبر کیا کروں

یہ سن کے زرد ہو گئے ہم شکلِ مصطفیٰ ۲۲ رو کر کہا یہ کرتے ہیں ارشاد آپ کیا
وہ وقت دھمکڑی، نہ دکھائے ہمیں خدا بااں ہو تو بیٹے کے بیٹے کا کیا مزا
آباد فنا ہیں، خوشی دل سے فوت ہے
پھر غم کی حیات لے کر تو موت ہے

کیا پہلے مر گئے گا یا شہمِ زماں ۲۳ کس اشتیاق سے شہر ہیں نے کہا کہ ایں
آگے جو کہو رضائے خدا ہے بد کی جاں جیتے ہیں پیرِ سامنے مرتے ہیں فوتِ جاں
دیکھو کہ چھوٹے بھائی کا تم میں دوستی
پاکستان کو ہم نے دیا ہے سونے میں

یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے سلطان محمود ۲۳ پٹکے سے باز نہ گئے، ٹوٹی ہوئی کمر
قدموں پہ گر پڑے، علی اکبر چہشتم تر کی عرضِ جسم کیجیے، مرجائے گا پسر
آگے مرے جو ہوگی شہادتِ امام کی
دنیا میں آبروز رہے گی غلام کی

چھوٹے تھے جو کہ سن میں بڑے کو گئے وہ کام ۲۵ یا شاد، کیا لڑائی کے قابل نہیں غلام
متر کے خون کا لیں گے، لعینِ نوح استقام ہم نے بھی تیغِ باندہ می ہے، بچپن سے یا امام
عزت لی ہے خلق میں صدقے سے آپ کے
بیٹا وہی جو رنج میں کام آئے آپ کے

انصاف آپ کیجیے یا سرورِ عسرب ۲۶ بیٹا تو گھر میں بیٹھے، لڑے باپ تشناب
ارا گیا نہ آج، تو کل یہ کہیں گے سب کیسا لبو سفید ہے، دنیا کا بے خُش
سر کو کٹا کے باپ جہاں سے گذر گیا
بیٹا جوان، باپ کے آگے نہ مر گیا

بہرِ رسولی زن کی رضا دیجیے مجھے ۲۷ صدقہ علی کا، اذن و نادر دیجیے مجھے
مرا ہوں یا امام، جیلا دیجیے مجھے یا خدا میں دل سے بھلا دیجیے مجھے
کو ملیں کمر، حضور تو دل کو قرار ہو
کہہ دیجیے کہ جا! علی اکبر شمار ہو

شہ نے کہا تمہیں مرے دل کی نہیں خبر ۲۸ پیارے کہاں سے لاؤں میں اس طرح کا بچہ
ہے باپ کو حصائے فیضی، جواں پسر جب تم نہ ہو گے پاس تو مرجائے گا پند
ایسے ہٹے نہ تھے، کہ ہمیں تم رلاتے ہو
شادی کے دن جو آئے تو مرنے کو جاتے ہو

راتیں یہ پیش کی ہیں مرادوں کے ہیں یہ دن ۲۹ پورے جوان نہیں، ابھی کیا ہے تمہارا سن
اکبر تری جوانی پہ روئیں گے انس و جن کیوں کہ قرار آئے گاں کو تمہارے جن
کیسی ہوا پٹی، چسپن روزگار میں
سینہ کا باغ لٹکا ہے فصلِ بہار میں

دیتا اگر تمہیں کوئی فسر زند، ذوالہلال ۳۰ ہوتی پدر کی قدر، سمجھتے ہمارا حال
رخصت کا آپ سے یوں ہی کرتا، وہ جیٹاں تب جانتے کہ دیتے اسے رخصت جلال
کیا جلنے وہ مزاج سے اس کا ملا نہیں

اچھا سدا دوا، تم سے ہمیں کچھ گلا نہیں
تسلیم کر کے بولے، عملی اکبر غفور ۳۱ لاکھوں برس جہاں میں سلامت میں عضو
فرمایا شب نے خیر، اجل بھی نہیں ہے دور بر بھی لگا کے دل پہ، خوشامد یہ کیا ضرور
تقریر میں پدر کو نہ اب بند کیجیے
خیمے میں جا کے ماں کو، رضامند کیجیے

ہیں بتلائے رنج، بھلا کیا ہمارا پیار ۳۲ تم سے جو پسر ہوں، تو اس راہ میں شمار
ہر دم خدا سے، خیر کا ہوں میں امیدوار ہاں ماں نہ جلنے دے تو مر کیا ہے اختیار
سینے میں دل بٹے گا بدن تھر تھرائے گا
رخصت کا نام سنتے ہی خش اس کو آئے گا

سب جانتے ہیں جو ہے بھوکھی کو تمہاری چاہ ۳۳ معلوم ہوگا، جاؤ گے جب ہوئے خیر گاہ
باہیں گلے میں ڈالے گی، زینب بہ اشک واہ قدموں پہ گر کے، آپ کی ماں، ہوگی سدا راہ
یہ مرحلہ بھی کم نہیں، زنجیر و طوق سے
دونوں رضا جو دیں تو چلے جاؤ شوق سے

روتے ہوئے چلے علی اکبر سوئے خیام ۳۴ کانپا یہ دل کہ بٹھ گئے خاک پر امام
رڈنا ہوا جو ڈیوڑھی سے آیا وہ نیک نام دوڑی پسر کو دیکھ کے بانوئے قشہ کام
دامن سے آکے بالی سکینہ چٹ گئی
زینب بلائیں لے کے، گلے سے لپٹ گئی

ماں گرد پھر کے بولی کہ اے میرے گلہزار ۳۵ تم صبح سے گئے تھے اب آئے یہ ماں شمار
در پر تڑپ تڑپ کے میں جاتی تھی بار بار کھو لو بس اب کمر کہ مراد دل ہے بے قرار
گرمی یہ اور قحط کئی دن سے آب کا
رُخ تمہارا گیا ہے مرے آفتاب کا

ترے قبائلیں میں، پنکھا کوئی بلاؤ ۲۶ سونلا گئے بودھو پ میں، واری ہوا میں آؤ
جھاڑوں روا سے گرد میں، زلفوں کی ٹیچ جاؤ گھٹ جائے گا لہو مرا آنسو نہ تم بہاؤ

مدمر جودل پہ ہوا سے کچھ منہ سے کہتے ہیں

کیا ہے جوا شک زکسی آنکھوں سے بہتے ہیں

سفر کی تو وطن سے کچھ آئی نہیں خبر ۲۷ جلدی کہو کہ منہ سے نکلتا ہے اب جگر
اکبر نے عرض کی کہ ہیں سب خیر سے، مگر لٹتا ہے کوئی آن میں خیر النساء کا گھر

ملتی نہیں رضا ہمیں، آنسو بہاتے ہیں

بابا گلا کٹانے کو میداں میں جاتے ہیں

اس وقت کس سے درد دل اپنا کہوں میں آہ ۲۸ حم بھی ہو سدا راہ، بھو بھی بھی ہیں سدا راہ
چھائی ہے واں گٹھا کی طرح شام کی سپاہ اماں مدد کرو کہ، کمر باندھتے ہیں شاہ

اب زندگی ہے تلخ، بہت دق ہیں جان سے

الفت نے آپ کی ہمیں کھویا جہان سے

دیتے نہیں رضا جو امام فلک اساس ۲۹ خاطر فقط یہ آپ کی ہے اور کچھ بھی کا پاس
اب غیر پاس، کوئی نہیں ان کے آس پاس نا طاقتی ہے، ضعف ہے، فاقہ ہے اور پاس

کیوں کر لڑیں گے وہ کہ سراپا ضعیف ہیں

ہیری ہے ملول ضعیف ہے، اعضا ضعیف ہیں

جتاں جب سے مر گئے، روتے ہیں دم بدم ۳۰ رخ زرد ہے، کہاں کی طرح ہو گئے ہیں غم
چٹوں میں تیر جوڑے ہیں واں باقی ستم قرباں ہوں کس طرح پسرا طمہ پہ ہم

سب روکتے ہیں دن کی طرف جائیں کس طرح

ماں کو، بھو بھی کو، بہنوں کو سمجھائیں کس طرح

بابا کا حکم ہے کہ رضا جا کے ماں سے لاؤ ۳۱ راضی بھو بھی ہوں جب تو لڑو اور زخم کھاؤ
مرضی ہے آپ کی کہ مرے پاس سے نہ جاؤ یا غلطہ تمہیں مسئلہ کبر کے کام آؤ

چلنے لگیں دتیر، شمشیر حسین پر

نرم ہے ظالموں کا تھما سے حسین پر

دیکھی گئی نہ ماں سے یہ بیٹابی پسر ۴۲ وارث کی بے کسی پہ لگا، کانپنے جگر
ہاتھوں سے دل کو تمام کے بولی وہ نوہر گر دولت پہ غافلہ کی تصدق، تمام گھر
پہلے نہ کچھ کہا تھا ناب روکتی ہوں میں
روتے ہو کس لیے تمہیں کہہ دیتی ہوں میں

زہرا کے لال پر، مرے مادر پدر نثار ۴۳ عابد نثار، اصغر تشریف جگر نثار
جانیں ہزار ہوں توفد الاکوہ نثار قربان گھر، کینز تصدق، پسر نثار
کسرانی کو کہہ ہوں، پر بہو میں علی کی ہوں
ہانگو گے جو وہ دوں گی کہ لوٹتی تھی کی ہوں

مجھ پر حوالہ کرتے ہیں گر شاہ خوش خصال ۴۴ رخصت نہ تم کو دوں، یہ بھلا ہے مری مجال
صدقہ انھیں کا ہے کہ ملامت سا نو نہال رخصت کا سہنے جاؤں بھو بھی سے کرو سوال
ہم سب کینزیں، ہنٹ امیر عرب کی ہیں
اصغر بویا کہ تم وہی مختار سب کی ہیں

کہنے کو یوں ہیں چاہنے والے تمہارے سب ۴۵ لیکن ہے ان کے عشق سے نسبت کسی کو کب
دن کو انھوں نے دن، کبھی جاہاز شب کو شب عیجہ انھیں سے آپ کو جس شے کی ہے طلب
مجھ سے نہ کچھ، نہ سید عالی سے پوچھیے
گرو عیجے تو پالنے والی سے پوچھیے

روتے ہوئے گئے علی اکبر بھو بھی کے پاس ۴۶ دیکھا کہ عشق پڑی ہے زمیں پر وہ حق شناس
زاد پر نہر لیے ہوئے کبرا ہے بے خواہ اس حال میں بھی لب پہ یہی ہے کلام پاس
اب تاب و طاقت جسد و روح دول گئی
کیوں ماحجوا رضا علی اکبر کو مل گئی

اکبر سے مجھ کو یہ نہ توقع تھی ہے غضب ۴۷ اتنا نہیں خیال کہ ہے کون جاں بہ لب
اس گل نے ہائے میری ریا بھلائی سب نام خدا جواں ہوئے کیا ہم سے کام اب
ہیں مودن کے شوق میں از صفت دیوان ہیں
کچھ ہے کسی کا کون ہوا ہے جہان میں

یابے ہمارے چین نہ تھا کون کوئی دم ۴۸ مالک اب اور ہو گئے کوئی ہوئے نہ ہم
کیا دخل تھا جو ڈیوڑھی سے باہر بیٹھیں قدم ہے ہے وہ میرا درد مصیبت وہ رنج و غم
جاگے ہوں میں جو چونکے راتوں کو دئے ہیں
پوچھو تو کس کی چھائی پہ پھین میں سوئے ہیں

کٹکسی کسی کے ہاتھ کی، بھائی نہ تھی کبھی ۴۹ بے میرے لیٹے نیندا نہیں آتی نہ تھی کبھی
بے ان کے ماں کی قبر پہ جاتی نہ تھی کبھی روئیں پسرا پہ ان کو رلاتی نہ تھی کبھی
میرے سوا کسی کو کبھی جانتے نہ تھے
جو تھی سو میں تھی ماں کو تو پہچانتے نہ تھے

برہند دونوں تھے مرے فرزند، خود سال ۵۰ پیران کے آگے اُن کا مجھے کچھ نہ تھا خیال
راتوں کو جب پیٹتے تھے مجھ سے وہ نونہال میں کہتی تھی، ہٹو علی اکبر ہے میرا لال
وہ دونوں مرنے والے تو پہلو میں ہوتے تھے
پھیلا کے پاؤں یہ مری چھائی پہ سوتے تھے

چھوٹا تو ضد بھی کرتا تھا، راتوں کو بار بار ۵۱ پر عوں کیا عقیل تھا، بخشے اُسے خدا
دن رات تھی، خوشامد ہم مشکل مصطفیٰ سینے پر جب یہ سوئے تو اُس نے یہی کیا
آقا کے نور عین ہیں، عالی مقام ہیں
آماں یہ شاہزادے ہیں، اور ہم غلام ہیں

رہتے تھے پاس باپ کے، ادہ غیرت قمر ۵۲ الفت میں ان کی مجھ کو کچھ اُن کی نہ تھی خبر
قرآن پڑھنے بیٹھی تھی جب دم سحر صورت پہ تھی انہیں کئی تلاوت میں بھی نظر
فاضلِ زمان کے پیارے میں ایک آن تھی
قرآن تو رُحل پر تھا، حائل میں جان تھی

میں نے انہیں پہ صدقہ کئے اپنے دونوں لال ۵۳ تسکین تھی کہ باقی ہے اکبر سا نونہال
لمگے تو آگے مجھ سے بھلا رخصت جدال نکلوں گی ساتھ خیمے سے بکھرا کے سر کے بال
کیا خوب بیٹھے ہی مرے جائیں گے مرنے کو
تلوار باندھ لی ہے ہمیں ذبح کرنے کو

بچپن میں، تھانہ ہم سے زیادہ کسی کا پیار ۵۴ اب کیا غرض گزر گئی، وہ فصل وہ بہار
بھگیں مسیں، نمود ہوا سبزہٴ عذار مالک ہیں خود، بکلامِ اب کیا ہے اختیار

ثابت ہوا اُدھر سے اُدھر مرنے جائیں گے
میں موبھی جاؤں گی تو وہاں تک نہائیں گے

باہر سدھائے یا ابھی ہیں ماں سے کچھ کلام ۵۵ بھابی نے کیوں لیا تھا، ابھی روکے میرا نام
سیٹے پر منہ کو رکھ کے یہ بولا وہ لالہ فام آنکھیں تو آپ کو لیے حاضر ہے یہ غلام

خادمِ جدا نہ تھا شہِ گردوں سریر سے
کس جرم پر حضورِ خفا ہیں حقیر سے

کیا ہے قصور جس پر یہ خستہ ہے یہ عتاب ۵۶ کرتا ہوں بات میں کوئی بے مرضی جناب
روتا ہوں اب کہ مبر کی مجھ کو نہیں عتاب شکوہ یہ خاکسار کا، اسے بنتِ بو تراب

ہر دکھ میں ہر بلا میں مددگار آپ ہیں
پالہ ہے مجھ کو، مالک و مختار آپ ہیں

پیدا ہوا تو آپ کی صحبت مجھے ملی ۵۷ کرتی ہے روت شکر، وہ راحت مجھے ملی
یوسف کو کب ملی تھی جو دولت مجھے ملی رکھا عزیز آپ نے، عزت مجھے ملی

صدقہ ہے اس قدم کا جو سرتا فلک گیا
کی مہر آفتاب نے ذذہ چمک گیا

مرضی نہ ہو تو رن کو بھی جائے نہ یہ غلام ۵۸ بندے ہیں ہم، اطاعتِ مالک ہم کو کام
شکرار کی مجال، نہ اصرار کا مقام مرتے اگر تو اس میں بھی تھا آپ ہی کا نام

روٹی ہیں آپ کس لیے اچھا نہ جائیں گے
پر یاد رکھیے منہ نہ کسی کو دکھائیں گے

یہ کہہ کے چمک گیا جو قدم پر وہ ذمی وقار ۵۹ بس ہو گئیں محبتِ قلبی سے بے قرار
پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو اٹھیں بحال نڈر شکوے کے بے اُمنے سے یہ نکلا کہ میں شمار

اٹھا یہ دل کہ چشم کے ساغر چمک پڑے
دیکھا جو آفتاب کو آنسو ٹپک پڑے

لے کر ملائیں بولیں کہ داری، خفا نہ ہو ۶۰ صدف ہے تم پہ جان ہماری، خفا نہ ہو
 باتیں تمہیں یہ تو پیار کی ساری خفا نہ ہو روتے ہو کیوں منگاؤ سواری خفا نہ ہو

کئے بلا صیغہ پہ جو اس کو رد کرو

اچھا سدا رو، دکھ میں پدر کی مدد کرو

الفت کی جوش میں تو یہ منہ سے کہا مگر ۶۱ اٹھایہ دل میں درد کہ تھرا گیا جگر
 کبرا کو روتے دیکھ کر بولی، وہ نوحہ گر کیا ماجرا ہوا، مجھے مطلق نہیں خبر

میں روکنے نہ پائی کہ وار اُن کا چل گیا

کیا میں نے کہہ دیا کہ کلیجہ نکل گیا

کیا جا کے اب نہ آئے گھر میں یہ نونہال ۶۲ ہے ہے مری کمائی پہ آجائے گا زوال
 جس وقت سے شہید ہوئے دن میں دونوں لال بیہوش ہوں، حواس میں ہے میرے اختلال

ایسا ہے اضطراب کہ کچھ بس کی حد نہیں

جو آپ میں نہ ہو، سخن اس کا سند نہیں

میں ہوش میں نہ تھی یہ قدم پر گئے تھے جب ۶۳ میں بھی کہوں، یہ پاؤں پر گرنے کا کیا سبب
 لوجہ پر اب کھلا کہ یہ رخصت کی تھی طلب اکبر کو میں نے ہاتھ سے کھویا تھا ہے غضب

اصلاً خبر نہیں، مرے دلبر نے کیا کہا

میں نے جواب کیا دیا، اکبر نے کیا کہا

کیا کہہ دیا تھا، مرنے کو جلائے یہ گل بدن ۶۴ راضی ہوئی تھی میں کہ خسراں ہو مرا چمن
 بخود ہوں، جبکہ دن میں سدا کے چشم زمن کہتی ہوں کچھ زباں سے نکلتا ہے کچھ سخن

اتنی خبر نہیں مصلی اکبر کے پیار میں

قابو میں ہے زلزلہ زباں اختیار میں

زندوں میں ہوتی گزرتی کہتی کہ مرنے جاؤں ۶۵ اس پیاس میں شہید ہوں، قانون میں تم کمائیں
 اٹھاؤ اس سچا دلمی تو مجھے دکھائیں پالا ہے منتوں سے مرادیں مری برائیں

مرتی ہوں اشتیاق میں، سہرا تو دیکھ لوں

سہرے کے نیچے، چاند سا چہرہ تو دیکھ لوں

رخصت کے نام سے مرا پختا ہے اب بھر ۶۶ ایسا نہ ہو کہ بانو نے بے کس کو بوخبر
 محرم لیا تو دل میں کہے گی وہ نوحہ گر پیارا ہوا نہ بنت علی کو مرا پسر
 سمجھیں تمہیں کیا جو دی اسے رخصت بدال کی
 زینب نے بے قدر نہ کی میرے لال کی

پتہ ہے کہ اس کی چاہ سے نسبت مجھے کہاں ۶۷ ہوں لاکھ ان کی چاہنے والی وہ پھر ہے ماں
 آنکھوں کا نور، قلب کی طاقت، بدن کی جاں آج آتما کی ہے، وہ قیامت کے الاماں
 کیا سوچتے ہو صاحبو، کچھ تم کو خیر ہے
 ماں ہے تو ماں ہے غلطی میں پھر غیر غیر ہے

ماں کی زخم تو بھی اور نہ کسی کا پیار ۶۸ غرض میں یا کہ سخت کہے دل میں ہے شمار
 بے لیل فدا ہے گل پڑ شکایت کرے ہزار دنیا میں ماشتوں کے دلوں کو کہاں قرار
 دیں ماں کا ساتھ نام خدا اب جوان ہیں
 میرا ہے جب یہ حال پھر اس کی تو جان ہیں

جس دم مٹنے یہ دور سے بانو نے سب کلام ۶۹ آئی قریب حضرت زینب وہ نیک نام
 کی عرض ہاتھ جوڑ کے، اسے خواہرام میں ہوں کینہ آپ کی اور یہ پسر غلام
 کس کی مجال ہے، جو کہے گا یہ کیا کیا
 بی بی نے دی غلام کو رخصت، بجا کیا

لوٹدی ہے، فاطمہ کی کینزوں میں با وفا ۷۰ ہو قطع وہ زباں جو کرے آپ کا گلا
 حضرت کو ان کے سر پہ، سلامت رکھے خدا مالک ہیں آپ، اس میں کسی کو ہے دخل کیا
 کچھ جائے گفتگو ہے: ماں کو، نہ باپ کو
 ہے دخل اذن دینے نہ دیے کا آپ کو

غم کھائیے نہ خون جگر آپ پیچھے ۷۱ مابذ کو بھیج دیجیے، امغر کو نیچے
 ہے اختیار دیجیے رخصت نہ دیجئے قرآن جاؤں جو ہو مناسب وہ کیجئے
 شادی ہو یا کہ غم ہو شریک ثواب ہوں
 ہر طرح سے میں تابع حکم جناب ہوں

گھر میں اجبے لٹ گیا، اس گھر میں آئی ہوں ۴۲ شکوے کا کوئی حرف کبھی لب پہ لانی ہوں
کمرے کی گول کوکرتی ہوں، سلطان کی جالی ہوں لوٹدی ہوں آپ کی، علی اکبر کی دانی ہوں
صدقہ یہ آپ کا ہے جوشہ کو عزیز ہوں

بھاوج نہ جانیے مجھے، ادنیٰ کینز ہوں
آپ اس کی ماں میں آپ کا فرزند ہے یہ لال ۴۳ دخل اس معاملہ میں کوئی دے یہ کیا مجال
یہ غلام جدال ہے اور آپ کا یہ حال قدموں کو چھوڑتا نہ کبھی یہ نکو خصال
آپ اس کو چاہتی ہیں یہ صدقے ہے آپ پر
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

قسمت بری ہے اس میں کسی کا قصور کیا ۴۴ اچھا رہیں کہ جائیں، ہمارا بھی ہے خدا
پردہ ہماری ہے، نہ خیال ان کو آپ کا تابع ہم آپ کے بھی ہیں، ان پر بھی ہیں فدا
عابد ہوں یا کہ یہ سبھی آنکھوں کے تالے میں
پر اب تو یہ نہ آپ کے ہیں، نہ ہمارے ہیں

یہ سن کے کانپنے لگی، زینب جگر نگار ۴۵ آئی صدائے فاطمہ بیٹی یہ ماں نثار
اللہ یہ محبت فرزند اور یہ پیار تنہا ستم کی فوج میں ہے میرا گل عذار
رفعت نہ دے گی تو اگر اس نور عین کو
کون اب بچائے گامے میکس حسین کو

آواز سن کے کانپ گئی، بنت مرثضاً ۴۶ بانو کے منہ کو دیکھ کے اکبر سے یہ کہا
واری سدھارو، خیر جو کچھ مرضی خدا ترک اب ہے تم کو اگر اب نہ دوں رضا
یاں والدہ بہشت سے تشریف لائی ہیں
بنت نبی تمہاری سفارش کو آئی ہیں

تسلیم کیے غم سے وہ سیم برچلا ۴۷ پیچھے حرم کا قافلہ سب نئے سرچلا
بانو پکارتی تھی کہ پیار اپسرچلا چلائی تھی پھوپھی، مراحت جگر چلا
لٹے ہیں اہل بیت، دہائی امام کی
قصود گھر سے جاتی ہے خیر الام کی

بجائی کے غم سے ماہرِ بیکس تھے بے قرار ۷۱ اٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار
بہنیں پکارتی تھیں کہ بجیتا ترے نشان سینوں کو بیٹھتی تھیں خواہیں بہ حال زار

اک شہر تھا۔ جد اعلیٰ اکبر جو ہوتے تھے

جھولے میں پھوٹ پھوٹ کے اسفر بھی لڑتے تھے

ہلتا تھا خیر رائیوں میں تھی یہ دھڑا دھڑی ۷۲ آہوں کی بجلیاں تھیں تو اشکوں کی تھی جھڑی
کوئی ادھر کو غش تھی کوئی تھی ادھر بڑی آفت کا وقت تھا تو قیامت کی تھی جھڑی

ماتم تھا یہ حسینؑ کے تازہ جوان کا

جاتا ہے گھر سے جیسے جنازہ جوان کا

نکلا حرم سرا سے جو وہ نورِ حق کا نور ۸۰ خادم نے دی صدا کہ برآمد ہوئے حضور
حضر کھڑے تھے خیمے کی دیوڑھی سے کچھ جو دور دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ ذی شعور

رخصت ہوں اب، جو حکم شہِ نامدار ہو

رو کر کہا حسینؑ نے اچھا سوار ہو

گھوڑے پہ شاہزادہٴ عالم ہوا سوار ۸۱ گویا چلے جہاد کو محبوبِ کردگار
تھا ثانی براق، فلک سیرا ہوا سر مرے تند و تیز، تو بجلی سے بے قرار

یوں سامنے سے وہ دمِ جولاں نکل گیا

گویا ہوا پہ تختِ سلیمان نکل گیا

حضرت تو یاں زمیں پہ گرے تمام کر جنگ ۸۲ جاسوس نے یلشکرِ امدا کو دی خبر
آتا ہے اک جوانِ حسینؑ غیرتِ قمر چہرہ پہ جس کے نورِ محمدؐ ہے جلوہ گر

شان و شکوہ سب اسدِ کبریا کی ہے

کہتے ہیں سب بشر نہیں قدرتِ خدا کی ہے

بے دھوم ذرے ذرے میں اس آفتاب کی ۸۳ خوشبو ہے زلف و جسم میں مشکِ گلاب کی
سزا قدم ہے شانِ رسالتِ مآب کی تصویر ہے رسولِ خدا کے شباب کی

گھوڑے کے گرد، جن دُنگ کا ہجوم ہے

مسلکِ اعلیٰ الہی کی، یہاں میں دھوم سے

روشن کیا ہے روئے منور نے راہ کو ۸۳ رُخ پر نہیں ٹھہرنے کا یارا، نگاہ کو
حیراں بے عقل دیکھ کے زلفِ سیاہ کو آغوش میں لیے ہے شبِ قدر راہ کو

چہرے کے نور سے شبِ مہتاب اند ہے

خالق گواہ ہے کہ اندھیرے کا چاند ہے

یہ ذکر تھا کہ نورِ خدا جلوہ گر ہوا ۸۵ گویا رسولِ پاک کارن میں گذر ہوا
چلائے اہلِ شام کہ طالعِ قمر ہوا ہنگامِ ظہر تھا پہ گمانِ سحر ہوا

جلوہ دکھایا برقِ تجلی طور نے

خورشید کو چھپا دیا چہرے کے نور نے

غش ۸۶ با کوئی، کوئی گر کر سب غسل گیا وصلِ علی کسی کی زبان سے نکل گیا
خجالت سے آفتاب کا نقشہ بدل گیا چمکا جو نورِ دھوپ کا جو بن بھی ڈھل گیا

دریائے نور حق کا فقط اوج موج تھا

سب پست تھے زمیں کے ستارے کا انج تھا

صحر کو شمعِ محسن نے تابندہ کر دیا ۸۷ جو مُردہ دل تھے، دم میں انھیں زندہ کر دیا
ذروں کو آفتاب درخشندہ کر دیا گردوں کو اس زمین نے شرمندہ کر دیا

پایہ زمیں کا عرش کے ہم دست ہو گیا

جاؤے سے اوج کا کھشاں پست ہو گیا

اللہ رے نبیؐ مشکل کشا کی شان ۸۸ تھی جس کے عضو عضو سے پیدا خدا کی شان
حیراں تھے لوگ دیکھ کے اس مددِ لقا کی شان حمزہ کا رعب، زورِ علی، مصطفیٰ کی شان

پاکیزگی نسب میں، بزرگی صفات میں

شیرینیِ کلامِ حسنِ بات بات میں

کچھ محسن پہنچنے کا تو کچھ آمدِ شباب ۸۹ وہ محلِ سا جسم اور وہ چہرے کی آبِ تاب
اپنی جسگہ یہ خال کے نقطے ہیں انتخاب پتلی کا نور جن کی سیاہی سے بہرہ یاب

گردن کی منو میں طور، تجلی طور کے

سب عضو تن ڈھلے ہوئے سا پنچے میں نور کے

دل پاک، روح پاک، نظر پاک، جسم پاک ۹۰ طینت میں آب خلد تھا، اود کر ہلاکی خاک
غرفوں سے جس کے کُسن کی جوروں کو جھانک تاک یوسف جو دیکھ لیں تو کہیں روحنا فلک

ام اس کا لوح پر، جو قلم نے رقم کیا

سو بار پڑو کے سورۃ نور اس پر دم کیا

کیا دخل چار ہو، جو کسی بے ادب کی آنکھ ۹۱ رکعتی تھی رعب یہ، نہ عجم نہ عرب کی آنکھ
لاکھوں تھے اس طرف چمکتی تھی سب کی آنکھ غصہ ستم کا، قہر کی چتون غضب کی آنکھ

پانی تھا، خوف جاں سے جگر، ہر دلیر کا

آبوش کار کرتے تھے میدان میں شیر کا

غل تھا رسول پاک کے ثانی کو دیکھنا ۹۲ حسن بہار، باغ جوانی کو دیکھنا
کھلتے ہیں گل، شگفتہ بیانی کو دیکھنا یہ سب تو ہے پر غنچہ دہانی کو دیکھنا

نازک لب اس صفت کے، دین اس طریق کا

فاتمہ پر جڑ دیا ہے عینہ عقیق کا

کچھ عمر بھی نہیں، ابھی اٹھارواں ہے سال ۹۳ یہ باغ کس بہار میں ہوتا ہے پانچ سال
قامت یہ ہے کہ سرورِ گلستانِ اعتدال ماں باپ دیکھ دیکھ کے کیونکر نہ ہوں نہال

آنکھوں کے سامنے جو یہ قامت نہوے گی

بتلاؤ ماں کو دل پہ قیامت نہوے گی

زخمی جو ہوگی تیرے یہ چہانہ سی جہیں ۹۴ پٹکی کی سر کو، خاک پہ افوٹے دل حزی
تیغوں سے جب کٹیں گے یہ زسارِ نازنیش پیشیں گے دونوں استخوانِ مٹا پناشہ ویش

سینہ چھوے ہر کا تو کیا دل کو گل پڑے

ایوب بھی جو ہوں تو کلیجہ نکل پڑے

ناگہ فوج کیں سے عمر نے کیا کام ۹۵ یہ وقت کا دُزار ہے سائیں شام
بس بے پی بساؤ شہنشاہِ خام مارا گیا یہ طعیر تو مر جائیں گے امام

لو تو جناب قاطع زہر اکباغ کو

ٹھنڈا کر دھیں گے گھر کے چسراغ کو

تصویر مصطفیٰ کی مٹائے گا آج جو ۹۶ کہتا ہوں میں کہ صاحب جاگیر ہو گا
محبوب کبریا کے مشابہ ہے گزرتو ہو اب مصلحت یہی ہے کہ مہلت اسے دو

ہے اس سے کیا مراد حسین ہے کہ نیک ہے

دو لاکھ اس طرف ہیں اولاد وہ ایک ہے

دنیا نہ جائے، دین کا گریہ تو ہو ضرر ۹۷ مٹھے کر دے کہ یہ دشمن کا ہے ہر
تم آب دیدہ ہو، لب خشک اس کے دیکھ کر قطرہ نہ دوں میں گھٹنیوں اصغر بھی آئے گر

غیر از یزید، اور کوئی حکمراں نہ ہو

اولاد مرتضیٰ میں کسی کا نشان نہ ہو

ہاں غازیو، اس کی جوانی کا قسم کرو ۹۸ نیزے پر نیزے مارو قسم پر قسم کرو
برجی اٹھاؤ ہاتھوں میں تیغیں علم کرو نخل مراد سبب نبی کو قلم کرو

بیانہ جب رہا تو کہ مر جائیں گے حسینؑ

گھونٹے سے گھونٹے کا تو مر جائیں گے حسینؑ

پہنچ جائے گستاخ سے جو اس شیر کا بکر ۹۹ تڑپیں گے کیا زین پر شہنشاہِ بکر وہ
ڈیوڑھی سے ماں پکارے گی، پہنچا ہر ایک نکلے گی خیر گاہ سے از سببِ برہنہ سر

حضرت تو بیٹے ہوئے لاشے پہ آئیں گے

ہم لوٹنے کو خیر اتر س میں جائیں گے

یہ گلِ خلد، دخترِ حیدر کی جان ہے ۱۰۰ بہنوں کی زندگی ہے برادر کی جان ہے
بالکدوچ ہے تن اند کی جان ہے بے جاں گرد اسے کہ یہ سب گل کی جان ہے

جوشن بھی ہے بازوئے برتاو ہیر کا

بعد اس کے خاتمہ ہے صغیر و کبیر کا

یہ سن کے فوجی کہیں ہوئی آملہ نبرد ۱۰۱ دو دو دل حسین کا تھا، ایک کو نہ درد
فل س کے ہو گیا شہر والا کلا گند کسے جو پاؤں بیٹے گئے بھر کے آہ سرد

ہاں کہہ کر نہ ہی ہے، پھر بھی لبِ لکھن

بل ستم کی دہلی، مسل کبیر و جہان

قرا چکی سپاہ میں طبل و غا، بجا ۱۰۲ بازے پرے سواروں نے بڑھو بڑھو کے بابا
پیدل، پہلے نبرد کو! بے، بجا، بجا چلاے اہل بیت کہ ہے ہے یہ کیا بجا

حضرت پکارے لال پہ انداکے ریلے ہیں

راٹھو دنا کرو، علی اکبر اکیلے ہیں

لڑنے کو اُس طرف سے عدو کے سب بڑھے ۱۰۳ تنہا ادھر سے اکبر عالی نسب بڑھے
چوے قدم نہیٹا نے جھک کر یہ جب بڑھے گویا اپنے جہاد، امیر عرب بڑھے

دہشت سے فوج شام کی بدلی سمٹ گئی

قدرت خدا کی دن جو بڑھارت گھٹ گئی

دُعا لوں کو رکھ کے چہروں پہ گر گر پڑے حسود ۱۰۴ گوتھے کئی ہزار پہ کیا ان کی ہست و بود
تھر اگیا تمام، جنودِ سقر و درود نور خدا کے سامنے ظلمت کی کیا نمود

عبرت سپاہ شام پہ دہ چند ہو گئی

اجوں کی فوج کیس کے، صدا بند ہو گئی

جرار کی زرہ پہ لگے جب کئی خدنگ ۱۰۵ صفدر نے پڑھ کے فاتحہ، تیغ شعلہ رنگ
چمکا اک آئینہ کہ، ہوئی فوج شام دنگ دکھلائے تیغ تیز نے بجلی کے رنگ ڈھنگ

تھی کس کو تاب، صاعقہ شعلہ بار کی

یاد آگئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی

تعم تعم کے یوں گیا صفِ اعدا پہ وہ دلیر ۱۰۶ جاتا ہے داؤں کر کے غزالوں پیسے شیر
غازی جو بھوک پیاس میں تھانڈنگی سے سیر کشتوں کے پستے ہو گئے دم میں سڑن کے ڈھیر

اک سیل زور شور سے آئی گذر گئی

ثابت نہ یہ ہوا صفِ اول کدھر گئی

جب یہ بڑھے، لہو تن اعدا کا گھٹ گیا ۱۰۷ باقی تھا جو حساب وہ لاشوں سے پٹ گیا
لشکر میں فرد فرد کا چہرہ جو کٹ گیا پس دفعتہ سپاہ کا، دفتر الٹ گیا

سر داغل خزانہ سرکار ہو گئے

پہلا ہی جائزہ تھا کہ بیکار ہو گئے

چہرے پہ ایک کے نہ بحالی نظر پڑی ۱۰۸ جو صف بھری ہوئی تھی، وہ خالی نظر پڑی
سر پر سبھوں کے تیغ بالائی نظر پڑی سوئے جنوب، فوج شمالی نظر پڑی

غل تھا کہ تیغ تیز نہیں موت آتی ہے
کیوں کر قدم تمہیں کہ زمیں سر کی جاتی ہے

ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ بھالے ادھر ادھر ۱۰۹ چھتے تھے ڈر کے برہمیوں والے ادھر ادھر
پیش نظر تھے خون کے تھالے ادھر ادھر اترتے دشت کیوں میں، رسالے ادھر ادھر

ماتا تھا فصل کا، نہ ٹھکانا نہ باب کا

شیرازہ کھل گیا تھا بستم کی کتاب کا

بڑھ کر کسی نے وار جو رو کا سپر کٹی ۱۱۰ چار آئینہ کتا، زرد و خیرہ سر کٹی
نیک سز کی ہر گرہ، صفت نیشکر کٹی سینہ کتا، حیر گر ہوا زخمی، کسر کٹی

رہوار بھی دو نیم، میان مصاف تھا

ان سب کے بعد منہ کو جو دیکھا تو صاف تھا

دہ گھاٹ، باڑھ اور اس کی چمک دمک ۱۱۱ کانپی کہیں زین، کہیں تھرا گئے فلک
شعلے میں یہ چمک تھی، نہ بجلی میں یہ لپک ہر ضرب میں ساسے تلاطم تھا تا سسک

کونین میں حواس بجاتے نہ ایک کے

گاؤ زمین سمنی تھی ٹھٹھنوں کو ٹیک کے

سیدی ہلی وہ جب صدف دشمن، الٹ گئی ۱۱۲ باقی تھی جتنی عمر تیر تیغ کٹ گئی
اگر زمیں پہ جب سوئے گردن پلٹ گئی بجلی سے رعد، رعد سے بجلی پلٹ گئی

گرتے تھے جن زمین پہنڈ ڈھانپ ڈھانپ کے

بٹنتے تھے جبریل امیں کانپ کانپ کے

ماتا نہ تھا صفوں میں علم کا نشان کہیں ۱۱۳ چلے کہیں تھے مشلات کہیں اور کہاں کہیں
نیزے کہیں تھے، ڈانڈ کہیں اور ناں کہیں جمدھر کہیں، کنت کہیں، برجیاں کہیں

اک اک یاہ رو کا جگر داغ داغ تھا

جنگل تمام ڈھالوں کے پھولوں کا باغ تھا

پہلی گری، اٹھی، ادھر آئی، ادھر گئی ۱۱۳ خالی کیے پرے تو صفیں خوں میں بھر گئی
 کانٹے کبھی قدم، کبھی بالائے سر گئی نندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اتر گئی

اک شہر تھا، یہ کیا ہے جو قبر صمد نہیں

ایسا تو روڈ نیل میں بھی جزر و مد نہیں

سرخود سروں کے چنبر گردن سے اڑ گئے ۱۱۵ ہاتھ آستیں سے اڑ گئے، سر تن سے اڑ گئے
 ڈرڈ کے سب پرند، نشیمن سے اڑ گئے پائی جورا، طاہر جاں سن سے اڑ گئے

تھے قتل عام پر علی اکبر تلے ہوئے

رستے تھے نند زخموں کے کوہچے کھلے ہوئے

اللہ سے دوڑ بانی تیغ دودم کا کاٹ ۱۱۶ آفت تھی جس کی بارش، قیامت تھا جس کا گھاٹ
 مقتل سے تاب نہ رہا دریاے خوں کا پاٹ ہر دم تھی اس کو تازہ ہوا، چاٹنے کی چاٹ

سختی کو جوڑ بند کے کب مانتی تھی وہ

ہر استخوان کو مفسد قلم جانتی تھی وہ

آئی جدھر پلٹ کے صفوں کو بچھا گئی ۱۱۷ تن سے اڑا دیا وہی بس جڑیں کو پا گئی
 ہر اک کڑی کو نرم سمجھ کر جب گئی فولاد کی زرہ کو، اشارے میں کھا گئی

چار آئینہ کا کاٹ لکھی اس پر حوالہ تھا

ذکر اس کا کیا ہے خود تو منہ کا نوالہ تھا

یارا قرار کا تھا، نہ صورت فسار کی ۱۱۸ پیدل کی موت تھی تو غرابی سواری کی
 روئیں تنوں کو، تاب نہ تھی ایک دار کی جھوٹے تھے دو کے ہاتھ یہ گھائی تھی چار کی

آگے بڑھے تو منہ وہیں کٹ جائے گیو کا

بھلی کی تھی کروک کہ ملانچہ تھا دیو کا

اتری زمین پہ وہ سر دشمن پہ جب چڑھی ۱۱۹ دم بھر میں آبِ تیغ کی، نندی غضب چڑھی
 اک شہر تھا صفوں میں کب اتری یک چڑھی سب کو بھاڑ تیغ سے، لڑنے کی تپ چڑھی

مقتل سے بھل گئے پٹنگ ظرف ٹٹ گئے

کانچے یہ نیزہ باز کہ سب بند کھل گئے

زندہ کسی کو تیغ دو دم چھوڑتی نہ تھی ۱۲۰ پیاسی یہ تھی کہ جسم میں دم، چھوڑتی نہ تھی
 بے دم کیے گلا کوئی دم چھوڑتی نہ تھی بھاگیں کہاں کہ موت قدم چھوڑتی نہ تھی
 خود وہ دبے تو لڑتے تھے گھوڑوں کو داہکے
 بڑی قدم میں بن گئے، حلقے رکاب کے

تعب و مشقت میں کشتہ ضربِ نخت تھے ۱۲۱ لے سر ہوئے بہت جو لڑائی میں جُست تھے
 قبضہ میں تھامنا زور، نہ بازو درست تھے کھینچیں کسے کمانوں کے بازو بھی سُست تھے
 ہر کج نہاد تیرا جسل کا نشانہ تھا
 شانے بھی تھے قلم، یہ نیا شاخسانہ تھا

تیغوں کو ڈر کے عُربدہ جو پھینکنے لگے ۱۲۲ مغفروں سے، مثلِ سبُو پھینکنے لگے
 حلقے کماں کے سب لب جو پھینکنے لگے ۱۲۰ تینکا سمجھ کے تیر عُدو پھینکنے لگے
 ترکش بھی اہل ظلم کے آفت رسیدہ تھے
 چلے بھی کش کش میں کماں سے کشیدہ تھے

کرتے تھے فتح جنگ کو، جو ایک آن میں ۱۲۳ رُشر تھا ان کے ہاتھ میں، لکنت زبان میں
 الجھاتے تھے کمند، کینے کمان میں ترکش مہرِ تغین رکھتے تھے تیروں کو میان میں
 تلوار رکھ کے ہاتھ سے منہ ڈھانپ لیتے تھے
 آتی تھی تیغ جب تو سپر پھینک دیتے تھے

بڑھتے تھے جو ہرے سے بڑے بول بول کے ۱۲۴ پہلے انھیں کو مار لیا، رول رول کے
 مہم کیا جو تیغ دو دم، تول تول کے ہتھیار سب نے پھینک دیئے کھول کھول کے
 اس شان سے کبھی نہ عجم نہ عرب لڑے
 دودن کی پیاس میں علی اکبر غضب لڑے

دہشت سے کٹھن ڈوب کے، دیا میں مر گئے ۱۲۵ اس گھاٹ پر جو آئے، سر اُن کے اتر گئے
 رستہ تھا ایک ادمر وہ گئے یا اُدھر گئے ہر پھر کے ہر طرف سے میانِ سقر گئے
 نار اُن کے اشتیاق میں ماب اُن کی لاگ میں
 پھینکا ہونے آب میں پانی نے آگ میں

وہ حرب وہ شکوہ وہ شان بھیری ۱۲۶ نعرے وہ زور و شور کے وہ ضرب چڑی
وہ تیغِ نبوں چکاں وہ جلالِ غنفری راکب جو رنگِ حور تو رہوار بھی پری

چالاک آہوانِ ختن اس قدر نہ تھے

اڑ جاتا تھا ہما کی طرح اور پر نہ تھے

باریک بلد وہ کہ نظر آئے تن کا خون ۱۲۷ کندھے کو دیکھ کر مہ نو ہووے سرنگوں

رفقاریں وہ سحر کر، پریوں کو ہوجنوں غنچے بھی کچھ بڑے ہیں کنوئی کو کیا کردوں

قرآن ہزار جان، فرس بے نظیر پر

پیکان دو چڑھے ہوئے ہیں ایک تیر پر

کو تباہ و گرد و صاف کنوئی کسرِ کفل ۱۲۸ کیا خوشنما کٹا دی سینہ و بغل

سیاہ کی طرح نہیں آرام ایک پل پھرتا تھا اس طرح کہ پھرے جس طرح سے گل

راکب نے سانس لی کہ وہ کو سولہ واں تھا

تا رفس بھی اس کے لیے تازیانہ تھا

وہ جستِ خیز سرعتِ چالاکِ سمند ۱۲۹ سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اس کے جوڑ بند

نمِ قرصِ ماہتاب سے روشن ہزار چند نازک مزاج و شوخ وسیعہ جنم سر بلند

گہر ل گئی ہوا سے ذرا باگ اڑ گیا

چلتی سوار کی نہ پھری تھی کہ مڑ گیا

آہو کی جست، شیر کی آمد، پری کی چال ۱۳۰ کبک درمی غفل، پرطاؤس پائمال

سبزہ بک روی میں قدم کے تلے نہال اک دو قدم میں بھول گئے جو کڑی غزال

جو آگیا قدم کے تلے گرد بڑھتا تھا

چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاد ابھی گرد تھا

بھلی کبھی بنا، کبھی رہوار بن گیا ۱۳۱ آیا عرق تو ابر گہر بار بن گیا

گہر قطب، گاہ گنبدِ دوار بن گیا نقطہ کبھی بنا کبھی پرکار بن گیا

تیراں تھے اس کے گشت پہ لوگ اس جھوم کے

تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

جب اس جرمی نے قتل کیے پانچ سو جواں ۱۳۲ ہر صف سے ہر پے سے اٹھا شور الاماں
چلایا ابن سعد سیر قلب و سخت جاں نکلیں وہ دس ہزار کسا ندر میں کہاں

بے رحمی کا اب بے کام نہ تلواریا ہے

اس نوجواں پہ تیروں کی بو چھار چاہیے

یہ سن کے تیر کھلب پہ چلے چار سو سے تیر ۱۳۲ پتھر عقب پڑنے لگے رو برو سے تیر
آنے تھے فوج فوج سپاہ مدو سے تیر سب سرخ تھے شبیبہ نبی کے لہو سے تیر
مقتل میں کیا جہوم تھا اس نور عین پر

پروانے گر رہے تھے چراغ حسینؑ

سینے پہ تیر کھا کے اٹھایا جو راجوار ۱۳۴ بجلی چمک کے ہو گئی گویا فلک کے پار
سرخ خاک پر گر آنے لگی، تیغ آبدار تیروں کو پھینک پھینک کے بھاگے خطا شعار
حملہ کیا تھا جن پہ، رخ ان کے تو بھر گئے

پرہیز پلٹ کے برہمچویں والوں میں گھر گئے

یوں آگیا سانوں میں، وہ آسمان جناب ۱۳۵ ہو جس طرح خطوط شعاعی میں آفتاب
سوکھی زباں میں پڑ گئے کانٹے بغیر آب طاقت بھی فرط ضعف سے دینے کی جواب

آمد ہوئی جو غش کی سرپاک جھک گیا

وا حسرتا کہ ہاتھ بھی لڑنے سے رک گیا

اس حال میں بھی تیغ سے کیں، برہمچیاں قلم ۱۳۶ لیکن جگر پہ لگ گیا اک نیزہ ستم
زخم جگر سے بہنے لگا خون دم بہ دم نکلے ہوئے رکابوں سے تھرتاتے تھے قدم

کھینچا جو اس نے سینے سے نیزہ نکال کے ساتھ

دو پارہ جگر نکل آئے سناں کے ساتھ

نیزہ لگا کے بھاگ چلا تھا وہ نابکار ۱۳۷ قربان جرات پر شاہ نامدار
زخم سناں تھا سید انور کے وار پار ماری شقی کو دوڑ کے اک تیغ آبدار

بہو پنوں سے اس کے ہاتھ قلم ہو کے گر پڑے

لیکن فرس سے آپ بھی غم ہو کے گر پڑے

گرناتھابس کرسر پہ لگا کر زہے ستم ۱۳۸ یوں جسکے لگے کہ ہوتے ہیں سہرے میں جیسے غم
رکھدی گئے پر شیت نے، شمشیر تیز دم تلوار اک پڑی کہ ہوئیں پسلیاں قلم

غل تھا کرو نہ رحم تن پاش پاش پر
دوڑا دو گھوڑے اکبر مہر کی لاش پر

حضرت کھڑے تھے خیمے کی چمٹے ہوئے طناب ۱۳۹ سن کر یہ غل رہی نہ دل ناتواں کو تاب
اگاہ رن سے آئی صدا اے فلک جناب بیٹا جہاں سے جاتا ہے اب آئیے شتاب

لاٹھے پر ظلم و جور بد افعال کرتے ہیں
گھوڑوں سے اہل کین، ہمیں پامال کرتے ہیں

شن کر یہ استفادہ فرزند خوش خصال ۱۴۰ سید نے آہ کی کہ بلا، عرش زوال جلال
کھولے جناب فاطمہ کی بیٹیوں نے بال بانو پکاری، خیر تو ہے اے علی کے لال

ہے بے پسر سے کون سی مادر بچھڑ گئی
صاحب بتاؤ کیا مری بستی اجڑ گئی

نیز سے کس کے لال کا، زخمی ہوا جگر ۱۴۱ کرتے ہیں کس کی لاش کو پامال اہل شر
کبتا ہے کون رن میں تڑپ کر پد پر اب گھر سے میں نکلتی ہوں ہے میرا پسر
پردہ نہ مجھ سے کیجیے سب جانتی ہوں میں

آواز یہ اسی کی ہے بچپانی ہوں میں

بانو کو قسمیں دے کے چلے، شاہ نامدار ۱۴۲ وہ پیاس اور وہ دھوپ کا مدد وہ اضطراب
دل تھا الٹ پلٹ، تو کلیجہ تھا بے قرار اٹھتے تھے اور زیں پہ گرتے تھے، بار بار

چلاتے تھے شبیبہ جیسے ہم آتے ہیں
گھبرائیو نہ اے علی اکبر ہم آتے ہیں

بیٹا پکارو پھر کہ بصارت میں فرق ہے ۱۴۳ اے نور عین جسم کی طاقت میں فرق ہے
تم یہ نہ جانو کہ محبت میں فرق ہے زخمی ہے قلب روح کی راحت میں فرق ہے

دارِ جگر ملا ہمیں گودی میں پال کے
کس کو دکھاؤں اپنا کلیجہ نکال کے

اؤں کدھر کو اے علی اکبر جواب دو ۱۴۲ چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ مادر، جواب دو
اکبر برائے خالق اکبر جواب دو بیٹا جواب دو، مرے دلبر جواب دو
گرتے ہیں ہم ثواب کا ہاتھوں سے کام لو

بیٹا ضعیف باپ کے بازو کو تھام لو
کچھ سوچتا نہیں کہ کدھر جاؤں کیا کروں ۱۴۵ اے نور چشم مجھ کو کہاں پاؤں کیا کروں
مضطرب ہے جان و دل کسے سمجھاؤں کیا کروں کیوں کر پسر کو ڈھونڈنے کے میں لاؤں کیا کروں
پایا تھا مدتوں میں جسے خاک چھان کے
وہ لال ہم نے کھو دیا جنگل میں اُن کے

بس اب خبر حسین کی لے جلد اے اجل ۱۴۶ اے جسم زار، زیست کا باقی نہیں محل
اے جانِ ناتواں، تن مجروح سے نکل ہاں اے نفس چمڑی کی طرح سے گلے پہ چل
جھوٹے نہ اس کا ہاتھ جو پیری کی آس ہو
لاشہ بھی لاشہ علی اکبر کے پاس ہو

جنگل سے بے گھر اس پھرے، نہر پر گئے ۱۴۷ واں بھی جو وہ گھبر نہ ملا سگئے بر گئے
روٹے کسی طرف، تو کسی جا ٹھہر گئے تھالے لے لہو کے، برابر جسد صر گئے
ٹپکا ہوا زمین جگر کا لہو ملا
لیکن کہیں نہ وہ پسر ماہ رو ملا

جا کر صفوں کے پاس پکارے باشکب آہ ۱۴۸ بے کس طرف مرے علی اکبر کی قتل گاہ
اے ظالمو، یہ شب ہے کہ دن ہو گیا سیاہ کس ابر میں چھاپے مرا چودھویں کا ماہ
بتلاؤ جان بے کہ نہیں جسم زار میں
زخمی پڑا ہے شیر مرا کس کچھار میں

لاش پسر کو ڈھونڈتے تھے شاہ بحر و بر ۱۴۹ سر پیٹنے کی جا ہے کہ ہنستے تھے اہل شہر
کہتا تھا شمر، اے پسر سید البشر کس کو حضور ڈھونڈتے ہیں مر گیا پسر
خود ڈھونڈنے لہجے، جسد پاش پاش کو
بتلائیں گے نہ ہم، علی اکبر کی لاش کو

یہ سن کے کھنچ لی شہ والا نے ذوالفقار ۱۵۰ چمکی جو برقی تیغ تو بجائے ستم شعار
شہ کو نظر پڑا، علی اکبر کا راہوار چلائے اے عقاب کہ صر ہے ترا سوار

دکھلا دے مجھ کو لاش مرے نورین کی
کس دشت میں پڑی ہے بضاعت حسین کی

لٹنے دے ان رکابوں کے، حلقوں سے چشم نم ۱۵۱ ہے اسی میں تھے مرے فرزند کے قدم
بوسے تری لگام کے لوں، میں اسیرِ غم اکبر کے ہاتھ میں تھی یہی باگ، ہے ستم
ہے وہ ہاتھ پاؤں مرے آفتاب کے

قرباں تری لگام کے، صدقہ کلاب کے

گھوڑے نے ہنہنکے، سوئے دشت کی نظر ۱۵۲ یعنی کہ لاش آپ کے پیاسے کی ہے اُدھر
جاتا تھا آگے آگے وہ تازی، بہ چشم تر گھوڑے کے پیچھے پیچھے تھے سلطانِ بکر و بر

جنگل میں لاش پر نوجواں ملا

وہ مردِ قاتل تو، مگر نیم جاں ملا

دیکھی عجیب حالتِ فرزندِ نوجواں ۱۵۳ پیکان لگے میں ہونٹوں پر نکلی ہوئی زباں
تن پر جراحتِ بردِ خنجر و سنان گردن تھی کج، پھری ہوئی آنکھوں کی پتلیاں

ہالوں سے مرکبوں کے جراحت پٹختے ہوئے

چہرہ سفید، خاک میں گیسو آئے ہوئے

چمکی کے ساتھ، کہتے ہیں وا کر کے چشم تر ۱۵۴ اے جان، جسم زار میں اور ایک دم ٹھہر
اے موت بے وطن کی جوانی پر رسم کر اے دردِ تھم ذرا، کہ پٹھا جاتا ہے جگر

پھر ایک بار سید والا کو دیکھ لوں

مہلت بس اتنی دے کہ میں بابا کو دیکھ لوں

دشمن کو بھی، نہ بیٹے کا لاشِ خدا دکھائے ۱۵۵ حضرت زمیں پر گر کے پارے کہ ہائے ہائے
زندہ رہے یہ پیر، جواں یوں جہاں بچائے لے لال تین روز کے فائقے میں زخم کھائے

شاید جگر کے زخم سے تم بے قرار ہو

زخمی تمہاری جھاتی پہ بابا نثار ہو

کیوں کہنتے ہو پاؤں کو اے میرے مغلدار ۱۵۶ کیوں ہاتھ اٹھا اٹھا کے پٹکتے ہو بار بار
آنکھیں تو کھول دو کہ مرادل ہے بے قرار بیٹا تمہاری ماں کو تمہارا ہے انتظار

بہنیں کھڑی ہیں در پہ بڑے اشتیاق میں

اکبر تمہاری ماں نہ جیے گی فسراق میں

غش میں سنا جو ہیں علی اکبر نماں کا نام ۱۵۷ کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سونے خیام
سوکھی زباں دکھ کے یہ بولا وہ تشنہ کام شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہے کلام

اب اور کوئی دم کا پسر میہان ہے

امداد یا حسین کہ پانی میں جان ہے

فرمایا شبہ نے اے علی اکبر میں کیا کروں ۱۵۸ پانی نہیں ہے مجھ کو میسر میں کیا کروں
گھیرے ہیں نہر کو یہ ستم گرا میں کیا کروں کچھ بس نہیں مرا مرے دلبر میں کیا کروں

اعدا نہ دیں گے بوند، اگر لاکھ کد کریں

بیٹا تمہاری ساقی کو شر مدد کریں

حضرت یہ کہتے تھے، چلا خلق سے پسر ۱۵۹ اتنی زباں ملی کہ خدا حافظ اے پدر
بچکی جو آئی، تمام لیا ہاتھ سے جگر انگڑائی لے کے رکھ دیا، شبہ کے قدم پہ سر

آباد گھر ٹٹا، شبہ والا کے سامنے

بیٹے کا دم نکل گیا، بابا کے سامنے

لکھتا ہے ایک راوی غمگین پُر طال ۱۶۰ یعنی ادھر ہوا علی اکبر کا انتقال
نکل حرم سے، ایک زن فاطمہ جمال گویا جناب سیدہ کھولے ہوئے تھیں بال

تھی اس طرح سے رخ پہ ضیا اُس جناب کے

حلقہ ہو جیسے نور کا، گرد آفتاب کے

چلاتی تھی، اے مایا را ہے کس طرف ۱۶۱ اے آسمان، وہ عرش کا تارا ہے کس طرف
اے ابر شام، چاند ہمارا ہے کس طرف اے ارض کر بلا وہ سدھارا ہے کس طرف

ہے ہے سناں سے جان گئی میہان کی

میت کدھر کو ہے مرے کڑیل جوان کی

اے میرے لمبے گیسوؤں والے کدھر ہے تو ۱۶۲ ہے ہے مری غریبی کے پالے کدھر ہے تو
واری کہاں لگے، تجھے بھلے کدھر ہے تو کیوں کر پھو بھی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو

اٹھا حواں برس تھا کہ موت آگئی تھے
اے نور عین کس کی نظر کھا گئی تھے

ہے ہے مرے سعید و رشید و متیس جوان ۱۶۳ خوش روحاں، فریبہ جوان، مرجیں جوان
صفر جوان، شکیل جوان، نازیں جوان کس نے تجھے مروڑ لیا، اے حسین جوان
آغاز تھیں مسیں ابھی ایسے مٹن نہ تھے

پتے مرے ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

یہ بین کرتی جاتی تھی، وہ سوختہ جگر ۱۶۴ سیدانیوں کا غول تھا پیچھے برہنہ سر
جاتی تھی بے حواس ادھر سے وہ نوحہ گر آے ادھر سے لاش لیے شاہ بھر و بر

دیکھا ہورواں جو تہن پاش پاش سے
سب بیبیاں لپٹ گئیں الکر لاش سے

ہاں شاہ دیں کے تعزیر دارو بکا کرو ۱۶۵ ہاں اے خدا کے دوست کے پیارو بکا کرو
ماتم میں ہاتھ سینے پہ، مارو بکا کرو اکبر جہاں سے اٹھ گئے یارو بکا کرو
سمجھو شرک بزم مشہ مشرقین کو
دے لو جوان بیٹے کا پڑا حسین کو

بے ہے حسین آپ کا دلیر چھڑ گیا ۱۶۶ فریاد ہے شبیہ ہمیں چھڑ گیا
وا حیف، وا دروغ، دلاور چھڑ گیا درد و حسرتا، علی اکبر چھڑ گیا
منظومیت پر تشنہ دہانی پر روئیں گے
جب تک جییں گے اس کی جوانی پر دیں گے

آقا اتیس ہند میں کب تک پھرے تباہ ۱۶۷ گھٹتی ہے عمر، بڑھتے چلے جاتے ہیں، گناہ
ضعف اس برس بہت ہے، اجل آنے جائے آہ بلوائے غلام کو، اے میرے بادشاہ

قرب مزار شاہ دو عالم نصیب ہو
بس کر بلا میں اب کی محرم نصیب ہو

فرہنگ

مرثیہ نمبر (۱)

- ۱۔ برومند : بار آور۔ پھل دار
- ۲۔ غواص : غوطہ لگانے والا
- ۳۔ لالی : لُو لُو (موتی) کی جمع
- ۴۔ سمک : (استعارہ) وہ پھلی جس کی پیٹھ پر زمین ٹکی ہوئی ہے۔
- ۵۔ بالجزم : پکا، آہنی، پختہ
- ۶۔ خذف : کنکری
- ۷۔ کُلف : چہرے کی جھائیاں
- ۸۔ حسان : (حسان بن ثابت انصاری) رسول اللہ کا مداح شاعر
- ۹۔ فسرزدق : عرب کا مشہور شاعر
- ۱۰۔ وائل : عرب کا ایک قبیلہ
- ۱۱۔ سبحان : عرب کا بڑا فصیح و بلیغ شخص
- ۱۲۔ ماہ حبالی : ایرانی تقویم کا مہینہ
- ۱۳۔ طیب و طاہر : پاک صاف
- ۱۴۔ محبت باہر : روشن دلیل
- ۱۵۔ توأم : جڑواں
- ۱۶۔ قدسی : فرشتہ
- ۱۷۔ دَوْد و دام : چوہا پائے، چرندے
- ۱۸۔ کسری : ایران کے بادشاہ، نوشیرواں کا لقب

مرثیہ (۲)

- ۱۔ بھڑو کہد : بڑے اہتمام سے، کوشش سے
- ۲۔ فاسق : بدکار
- ۳۔ نیچہ : چھوٹی تلوار
- ۴۔ ہل آئی : (تلمیح) قرآن پاک کی ایک سورت کی شروع کی آیتیں جو حضرت علیؓ کی شان میں نازل ہوئیں۔
- ۵۔ مثل کفی : قرآن پاک کی آیت کا ایک حصہ
- ۶۔ استغاثہ : فریاد
- ۷۔ مخفی : خفا کی ہوئی

مرثیہ (۳)

- ۱۔ یثرب : ملک عرب کا ایک صوبہ جس میں مدینہ ہے
- ۲۔ ہوو ج : عماری، کجاوہ
- ۳۔ محمل : کجاوہ (جس کو اونٹ کی پشت پر رکھا جاتا ہے اور اس میں لوگ بیٹھتے ہیں)
- ۴۔ تبرید : ٹھنڈائی
- ۵۔ عترت اطہار : خاندان رسالت کا لقب
- ۶۔ شقمہ : ٹکڑا (مجازاً پردہ)
- ۷۔ چپ وراس : بائیں و دائیں
- ۸۔ بطحا : مکہ معظمہ کی ایک وادی (مجازاً مکہ)
- ۹۔ روتہ امین : جسریل کا لقب
- ۱۰۔ عشرہ : دس دن (مجازاً محترم کے مہینے کے پہلے دس دن کے لیے آتا ہے)

مرثیہ (۴)

- ۱۔ بہیر : امنڈتا ہوا انہو
- ۲۔ یمین دیار : داہنا۔ بایاں
- ۳۔ ثعلبیۃ : عراق کا ایک گاؤں
- ۴۔ ثَمًا : طرح۔ طریقہ
- ۵۔ پاتراب : منزلِ اول
- ۶۔ ہراول : فوج کی چھوٹی سی جماعت جو لشکر کے آگے رہتی ہے۔
- ۷۔ سبیل : تدبیر۔ طریقہ
- ۸۔ کوثر : جنت کے ایک حوض کا نام
- ۹۔ نسیمِ سبیل : جنت کی نہروں کے نام

مرثیہ (۵)

- ۱۔ رفیع المکاں : اونچا درجہ رکھنے والی جگہ
- ۲۔ ایوانِ اساس : محل کا مالک
- ۳۔ سقر : جہنم
- ۴۔ کحلِ البصر : آنکھ کا سرمہ
- ۵۔ صرہ : تنقیسی پوٹلی (مجازاً اگر بلا کی خاک کی پوٹلی کو کہتے ہیں)
- ۶۔ جوہرِ ظہریں : روایت اور عقیدے کے مطابق ساری دنیا کا پانی حضرت فاطمہ زہراؑ کے مہر میں خدائے دے دیا تھا۔ وہ فرات ہے
- ۷۔ مترصد : امیدوار، امید رکھنے والا
- ۸۔ قشون : لشکر
- ۹۔ جنود : فوجیں
- ۱۰۔ کشتہٗ درخبر : خیر کا دروازہ اگلاٹنے والا یعنی حضرت علیؑ

- ۱۱۔ ہزبر : شیر۔ مجازاً بہادر
 ۱۲۔ ارتفاع : بلندی، اونچا ہونا
 ۱۳۔ شمشکیوں جناب : جس کی ڈیوڑھی بلندی مرتبہ میں رُحل کے برابر ہو۔
 ۱۴۔ قرنا : بگل، فوجی باجا جو سنکھ کی طرح پھونکا جاتا ہے
 ۱۵۔ ڈہل : ڈھول
 ۱۶۔ خدیو : بادشاہ۔ مالک
 ۱۷۔ هل من جبارین : عربی کا جملہ ہے کوئی لڑنے والا " جنگ میں مقابل طلب کرنے کا نعرہ۔
 ۱۸۔ براق : اس گھوڑے کا نام جو آسمان سے اترتا تھا اور رسول اللہ معراج پر، اسی پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے۔
 ۱۹۔ کہربا : ایک زرد پتھر جو گھاس کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔
 ۲۰۔ ستیز : لڑائی
 ۲۱۔ مغفر : خود کے نیچے پہننے کی زدہ۔ یازدہ کا ٹھوڑا
 ۲۲۔ زہرہ : پتہ
 ۲۳۔ سرودی : ایک قسم کی دو دھاری، سیدھی تلوار
 ۲۴۔ نیزہ خلی : ایک قسم کا نیزہ جو خطا نام کے ایک مقام سے منسوب ہے۔
 ۲۵۔ شیر رزم : غضب ناک شیر

مرثیہ (۶)

- ۱۔ فارس : سوار
 ۲۔ محل کرنا : معاف کرنا
 ۳۔ کارہ : کراہت کرنے والا
 ۴۔ بالیدہ ہونا : بڑھنا
 ۵۔ جنود اللہ : اللہ کی فوجیں

- ۶۔ سبقت : پہل کرنا
 ۷۔ قرنا : تریجی - منہ سے بجانے والا باجا
 ۸۔ جلاجل : جمائیں
 ۹۔ سرودوں : گیت - فوجی گیت
 ۱۰۔ سرمد آواز ہونا : سرمد کھانے سے آواز بیٹھ جاتی ہے
 ۱۱۔ قسزم : سمند (اس سمند کا نام جو افریقہ اور عرب کے ساحل کے بیچ میں ہے)
 ۱۲۔ ساتی کوثر : کوثر پر پانی پلانے والا (حضرت علی کا لقب)
 ۱۳۔ قاطر : فخر
 ۱۳۔ قرۃ العین : آنکھوں کی ٹھنڈک
 ۱۵۔ خالصے لگ جانا : برباد ہونا - ضبط ہو کر سرکاری قبضے میں چلا جانا
 ۱۶۔ آئے : آئیں - آیت کی جمع
 ۱۷۔ ذقن : ٹھوڑی
 ۱۸۔ تو تیا ہوئے نجل : اس گردے بہترین سرمد بھی شہر جاتا ہے ، یعنی آنکھیں کھل جا رہی تھیں }
 ۱۹۔ راس درئیں : سر و سرور
 ۲۰۔ پرچہ نویس : خبر نویس (وہ شخص جو حکومت کی طرف سے خبریں پہنچائے)
 ۲۱۔ ڈراب : چوڑے کی پیٹی جس کے حلقے میں تلوار لٹکاتے ہیں
 ۲۲۔ فازی : بہادر ، سپاہی ، مجاہد
 ۲۳۔ قنبر : حضرت علی کے غلام کا نام
 ۲۳۔ رضوان : بہشت کے دربان کا نام
 ۲۵۔ تعویق : تاخیر
 ۲۶۔ قعر دوزخ : دوزخ کی گہرائی
 ۲۷۔ الفیاض : مدد کو پہنچنا (مدد کے لیے آواز دینا)

- ۲۸۔ اسود : حضرت علی کے زمانے کا ایک مجسم
- ۲۹۔ معین الفضل : کمزوروں کا مددگار
- ۳۰۔ اذریکئی : میری خبر لیجیے
- ۳۱۔ خذ پیدی : میرا ہاتھ تمام لے
- ۳۲۔ مورضعیف : کمزور حیوان
- ۳۳۔ بای اننت : عربی کا ایک محاورہ جس کا مطلب ہے میرے ماں باپ آپ پر
- ۳۴۔ اتی : فدا ہوں ؟
- ۳۵۔ آشم : گندہ گار
- ۳۶۔ مقدار، سلمان، ابوذر } حضرت رسول اللہ اور حضرت صلی کے
عمار، مالک اشتر } صحابیوں کے نام
- ۳۷۔ صاحب جود : سخی
- ۳۸۔ داب : عطا کرنے والا } اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی
- ۳۹۔ محمود : قابلِ حمد
- ۴۰۔ صبح و مسا : صبح و شام
- ۴۱۔ خدنگ : تیر
- ۴۲۔ اہل ضلال : غم راہ لوگ
- ۴۳۔ برجیوں اڑنا : (محاورہ) بہت اونچی جست کرنا
- ۴۴۔ متقی نور : روشنی کا ستار
- ۴۵۔ لاریب : بے شک، بلاشبہ
- ۴۶۔ خسرو : خسرو پرویز ایران کے ایک بادشاہ کا نام تھا
- ۴۷۔ برقیں : جھنڈیاں
- ۴۸۔ سیفی : ایک محل کا نام (ایک خاص دغا دشمن کو ہلاک کرنے کی عسکرین سے پڑھی جاتی ہے)
- ۴۹۔ صیدزہوں : کمزور شکار

- ۴۹۔ حقّاح : کبھی
 ۵۰۔ سُوفار : تیر کا نیچے کا سرا
 ۵۱۔ ورطہ : بھنور
 ۵۲۔ تَاذَاتُ اللّٰہ : کلّیٰ تحسین : خدا برکت دے
 ۵۳۔ طوبیٰ : جنت کے ایک درخت کا نام

مرثیہ (۷)

- ۱۔ انجمن کی فرد فرج : ہر ایک تارے سے
- ۲۔ دفتر کشائے صبح : استوائے میں صبح کو اجالے کا دفتر کھولنے والا کہا ہے
- ۳۔ سلطانِ غرب و شرق : مغرب و شرق کا بادشاہ سورج سے مراد ہے
- ۴۔ نظم و نسق : انتظام
- ۵۔ قرآنِ عزلی شب : رات کی معزولی کا قرآن (ہٹایا جاتا)
- ۶۔ مالکِ سحر کا نصب : صبح کے کاندوں کا تقرر ہوا
- ۷۔ زمزمہ پردازی : نرم آوازیں گانا
- ۸۔ نافہ : ہرن کی ناف سے نکلنے والی خشک کی تھیلی
- ۹۔ کتاب : نیچے کی ڈوری۔ رسی
- ۱۰۔ بے چوبہ فلک : ایسا خیمہ جس میں چوبیس نہیں ہوتیں۔ مجازاً آسمان
- ۱۱۔ سپہرِ دیں : دین کا آسمان
- ۱۲۔ ثقبے حیات کے : قنات کے سودا خ
- ۱۳۔ کیواں : زحل
- ۱۴۔ مقتدا : روحانی پیشوا۔ رہنما
- ۱۵۔ مقتدی : پیروی کرنے والا
- ۱۶۔ مصحف : کتاب۔ کلام مجید کے پلے خاص کر آتا ہے
- ۱۷۔ زیرِ طبیق : فو آسمانوں کے نیچے

- ۱۸۔ صیفِ ایمان : ایمان کی کتاب (کلام مجید)
- ۱۹۔ چرخ : گھومنے والا پہیہ
- ۲۰۔ نینگ : مگرچھ
- ۲۱۔ صلّٰی علیٰ : درود شریف کے شروع کے لفظ
- ۲۲۔ بُرج : آسمان کے ان بارہ برجوں میں سے ایک جو علم ہیئت کے لحاظ سے مقرر کیے گئے ہیں۔
- ۲۳۔ شبِ دیزِ بلع : کالے رنگ کے گھوڑے کو شبِ دیز کہتے ہیں۔ استعارہ میں طبیعت کو گھوڑا قرار دیا ہے۔
- ۲۴۔ ذوالفقارِ حیدر : علی کی تلوار (روایت ہے کہ ذوالفقار حضرت علیؑ کے لیے آسمان سے اُتری تھی)
- ۲۵۔ عیال دار : بال بچوں والا
- ۲۶۔ میزان : وہ ترازو جس میں تول کر بخشش کا فیصلہ ہوگا۔
- ۲۷۔ مشایعت : رخصت کرنے کے لیے دوچار قدم ساتھ چلنا۔
- ۲۸۔ کنشت : آتش کدہ
- ۲۹۔ قدر انداز : ماہر تیسرا انداز
- ۳۰۔ ضرر : آئندہ، عجب کد
- ۳۱۔ جیسے رنگِ سحاب کبھی بونٹرگ بار : سحاب : بادل۔ بونٹرگ : اولہ۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح بادل کی رگوں سے اولے برستے ہوں

مرثیہ (۸)

- ۱۔ حشمت و اجلال : شان و شوکت
- ۲۔ نئے مرغان : شرابِ معرفت
- ۳۔ بارِ علایق : دنیاوی تعلقات کا بوجھ
- ۴۔ یہ قدرت : (مجازاً) خدا کا ہاتھ

۵. زبیدہ : زیب دینے والا
 ۶. روباہ : لومڑی
 ۷. پیکب اجل : موت کا پیامی ۔ ملک الموت
 ۸. محلّہ جنت : جنت کا خلعت
 ۹. حبیب ابن مظاہر : امام حسین کے بچپن کے دوست جو کربلا میں ان کی حمایت میں لڑ کر شہید ہوئے۔
 ۱۰. کھلی بصر : آنکھ کا سُردہ
 ۱۱. مصمام : تلوار
 ۱۲. یک پیری و صدعیب : عاوردہ ایک بڑا پاسبان گھڑوں آزار
 ۱۳. بدعت : ظلم تشدد
 ۱۴. شیع لم یزل : خدا کے گھر کا چراغ
 ۱۵. سبک تاز : نرم رو
 ۱۶. سلمان ، مقداد ، ابذر } حضرت علی کے اور آنحضرت کے اصحاب کے نام
 اہلک عار ، مالک اشتر }

مرثیہ (۹)

- ۱۔ راہیں گلوں شہادت : وہ شہسوار جس کا لباس خون شہادت سے سرخ تھا۔
 ۲۔ مستوجب رحمت : جس کے لیے رحمت الہی واجب ہو۔
 ۳۔ در ممکنون : چھپا ہوا موتی
 ۴۔ مالک : دوزخ کا دار و فر
 ۵۔ راوی صادق : سچی روایت بیان کرنے والا
 ۶۔ عطائے صدی : خدا کی عطا کی ہوئی
 ۷۔ لطف ابدی : خدا کا فضل
 ۸۔ اولوالعزم : عزم و ہمت والا

- ۹۔ العظمة فقبو : سب بڑائی خدا کے لیے ہے۔
- ۱۰۔ رایت : پرچم، مسلم
- ۱۱۔ قاصر ہیں : عاجز ہیں
- ۱۲۔ شہ مرداں : حضرت علی کا لقب
- ۱۳۔ محسوب ہوں : جن کا شمار کیا جائے
- ۱۴۔ ہاتھوں کے عوض جن کو خدا نے دیے دوہر : حضرت علیؑ کے بھائی جعفر طیار عون و محمد کے دادا تھے۔ ان کے دونوں بازو رسول اللہ کے ساتھ جنگ موتہ میں کٹ گئے تھے۔ وہ علم بردار فوج بھی تھے۔ شہادت کے بعد روایت ہے کہ خدا نے ان کو زمرد کے دو پر جنت میں عطا کیے ہیں۔
- ۱۵۔ شہرہٴ خیبر شکنی، بُت شکنی ہے : حضرت علیؑ نے (جوعون و محمد کے ہاتھ) کعبہ میں بتوں کو توڑا تھا۔ جنگ خیبر میں درِ خیبر کو اکھاڑا تھا اس کی طرف اشارہ ہے۔
- ۱۶۔ احسنت : کلر شاہاں
- ۱۷۔ کھیت میں سرسبز ہونا : مطلب میدانِ جنگ میں کامیاب ہونا
- ۱۸۔ سادنت : بہادر
- ۱۹۔ عمر جردود : عرب کا ایک بڑا بہادر جوان جس کو جنگ خندق میں حضرت علیؑ نے شکست دی تھی۔
- ۲۰۔ خاصہٴ قیوم : خدا کا خاص بندہ
- ۲۱۔ سفین و اُحد : اُحد رسول اللہ کے زمانے کی جنگ اور سفین حضرت علیؑ کے زمانے کی جنگ۔ ان دونوں میں حضرت علیؑ نے بہت بہادری سے جنگ کر کے دشمن کو زیر کیا تھا۔
- ۲۲۔ دَوَا دُو : گھوڑے کی دوڑ
- ۲۳۔ کاوا : گھوڑے کا چکر کاٹنا
- ۲۴۔ بادیرہ ہما : جگہ کو تاپنے والا
- ۲۵۔ تلک و تاز : دوڑنا بھاگنا
- ۲۶۔ پیکِ سبا : ہوا کا قاصد

- ۲۸۔ خاتم قدرت کے تئیں : قدرت کی انگوٹھی کے نیچے
- ۲۹۔ مصحف ناطق : بولنے والا قرآن (جناب رسول اللہ کا لقب)
- ۳۰۔ مفتوم : جس پر مہر لگی ہو۔
- ۳۱۔ شمع حرم لم یزل : خدا کے گھر کی شمع
- ۳۲۔ شفق طراز علم : پرچم کے پھویرے کو لہرانے والا۔ (علم بردار)
- ۳۳۔ جیفہ دستار : پجڑی کی کلفی
- ۳۴۔ مرجب و عنتر : عرب کے دو مشہور بہادری کو حضرت علی نے شکست دی تھی
- ۳۵۔ چشمہ اولوالابصار : اہل بعیرت کی آنکھوں کی روشنی بڑھانے والا
- ۳۶۔ جمد صر : ایک قسم کا بخیر۔ کنار
- ۳۷۔ یاربضا : روشن ہاتھ (حضرت موسیٰ جب معجزہ دکھاتے تھے تو ان کا ہاتھ سفید روشن ہو جاتا تھا)
- ۳۸۔ چار آئینہ : زرہ میں جڑے ہوئے لوہے کے چار ٹکڑے جو پہننے والے کی پشت اور سینے کی حفاظت کرتے ہیں۔
- ۳۹۔ نیم : سمندر۔ دریا
- ۴۰۔ جد : دادا۔ پردادا

مرثیہ (۱۰)

- ۱۔ رسولان سلف : وہ پیغمبر جو حضرت محمد سے پہلے گزر چکے ہیں۔
- ۲۔ مروکب دیدہ : آنکھ کی پستلی
- ۳۔ مضاعف : کئی گنا
- ۴۔ نیت بیچ بتول : وہ بیچ جو روزِ نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے (اللہ اکبر، الحمد للہ)
- ۵۔ شہنشاہ اللہ : اور حضرت فاطمہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔
- ۶۔ نظم کی فریاد : نظم کی فریاد
- ۷۔ مشبک : چلتی نہیں ہوا

- ۷۔ تیوم : بیشہ قائم رہنے والا (اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک)
- ۸۔ ساجد : سجدے کرنے والے
- ۹۔ راکع : رکوع کرنے والا
- ۱۰۔ تازی : عسکری گھوڑا
- ۱۱۔ امیرام : امتوں کا سردار (مراد امام حسین)
- ۱۲۔ جرار، کرار، صفدر : بہادر
- ۱۳۔ مضرغام، ضیف، غضنفر : شیر کے معنی میں آتے ہیں۔ مراد بہت بہادر
- ۱۴۔ خاقان : چین کے بادشاہوں کا لقب
- ۱۵۔ باج : خراج
- ۱۶۔ چتر، فلک قدر : آسمان جیسے رتبے والا چتر (چتر اس سنہری چتری کو کہتے ہیں جو بادشاہوں کے سروں پر سایہ کرتی تھی)
- ۱۷۔ جلوریز : مطلب ہے گھوڑوں کو دوڑایا
- ۱۸۔ سیاف : تلوار چلانے کا ماہر
- ۱۹۔ عسکر دیں : دینداروں کی فوج
- ۲۰۔ اِطام : اعلان
- ۲۱۔ کوس، شغب، ناک : پر شور نقادہ
- ۲۲۔ مصلح کیا : خلعت بخشا
- ۲۳۔ معنبر : خوشبودار
- ۲۴۔ قافیر، تنگ ہونہ : کچھ بنائے دینا
- ۲۵۔ مسل : فوج کا دستہ
- ۲۶۔ سَلَّمَكَ اللہ : خدا تمہیں سلامت رکھے
- ۲۷۔ مُحَقِّق : حقدار
- ۲۸۔ قفاے : چپے سے
- ۲۹۔ صادق الاقرار : وعدے کا پتا

مرثیہ (۱۱)

- ۱۔ صولت و شوکت : شان و شوکت
- ۲۔ کمر بند : کمر کی پٹی
- ۳۔ پیکِ خرد : عقل کا سفیر
- ۴۔ گاہ : گھاس
- ۵۔ تسلی : اپنی بڑائی کرنا
- ۶۔ حلالِ مہم : مشکوں کو حل کرنے والا
- ۷۔ سرورِ مہوم : غمزدوں کے آقا
- ۸۔ عالم کا مُہم : دنیا کا مدگار
- ۹۔ مصدرِ الہامِ احد : خدا کے الہام کا سرچشمہ
- ۱۰۔ آری کیا : بے بس کیا
- ۱۱۔ شہزنگ : ایک بادشاہ پر دیز کے گھوڑے کا نام
- ۱۲۔ تنگ کے نیچے : گھوڑے کے زین کا بند
- ۱۳۔ صاعقہ کردار : بجلی کی سی صفت رکھنے والی
- ۱۴۔ برقِ چندہ : کوندنے والی بجلی
- ۱۵۔ جلاؤنگ : مرتج
- ۱۶۔ گیو : ایک ایرانی پہسلوان کا نام
- ۱۷۔ ارث : ترکہ - میراث
- ۱۸۔ مہوارے میں اژدہ کو بھیج دیا ہے کسی نے ؟ : اس روایت کی طرف اشارہ کہ حضرت علی نے پنپھن میں جمولے میں لٹے لٹے ایک اژدہ کو جو اُن پر ملاؤد ہوا تھا، مار ڈالا۔
- ۱۹۔ طبل، دف، نقارہ، قرنا : فوجی باجوں کے نام
- ۲۰۔ بوڑھی : برجی کا پھل

- ۲۱۔ مجلّم : لوہے کی کرٹیوں کی نقاب جو تلوار کے وار سے بچنے کے لیے چہرے پر ڈالی جاتی تھی۔
- ۲۲۔ بکتر : زره جو غصے سے منڈھی ہو۔
- ۲۳۔ جم دھر : ایک قسم کا خنجر
- ۲۴۔ تہمتن : رستم کا لقب۔ مجازاً بہت بہادر
- ۲۵۔ تتق گرد کے : مٹی کے پرت
- ۲۶۔ قران مدو خورشید : ایک ہی برج میں چاند اور سورج کا جمع ہونا

مرثیہ (۱۲)

- ۱۔ چربخ اخفزی : ہزار آسمان
- ۲۔ چربخ زبردی : نیلا آسمان
- ۳۔ ینلے لاورد : نیلا شیشہ (نیل) مطلب آسمان سے ہے
- ۴۔ حلب : شام کا ایک شہر جہاں کے آئینے مشہور ہیں
- ۵۔ خقن : چینی ترکستان کا علاقہ جہاں کا خشک مشہور ہے۔
- ۶۔ یمن : عرب کے ایک ملک کا نام جہاں کے حقیق مشہور ہیں
- ۷۔ حق پرورد : سچائی کو قبول کرنے والا
- ۸۔ ثمرن : چونتیس دانوں کی مالا (ہندوؤں میں تسبیح کے طور پر استعمال ہوتی ہے)
- ۹۔ لامع : چمکنے والا
- ۱۰۔ لاف : ڈینگ، شیخی
- ۱۱۔ بنی النصار و النسطور : آگ میں اور جہنم میں پہنچا (کلام مجید کی ایک آیت)
- ۱۲۔ یوں دو کیا عموماً سربا بکار کو : یعنی دشمن کے سر کو لمبائی میں تلوار سے کاٹ کر دو کر دیا۔
- ۱۳۔ دوانک کی لمان : کمان کا تالوچ جس کو دو تیر کے برابر کھینچا جاسکے۔
- ۱۴۔ سفاہت : کھینچنا

- ۱۵۔ رف رف : اس سواری کو کہتے ہیں جس پر رسول اللہ معراج کے لیے تشریف لے گئے تھے۔
- ۱۶۔ اوجھڑگی : بہتر سے بہتر لڑنے کا ہلکا سا دمکا
- ۱۷۔ اَوَّانٌ یَّکَادُ : دماغے نظر بہ۔

مرثیہ (۱۳)

- ۱۔ کشندہ عنتر : عنتر کو قتل کرنے والا (مراد حضرت علی)
- ۲۔ محل مر سبد : ٹوکری کا بہترین بھول
- ۳۔ بیاض و سواد : سفیدی اور سیاہی
- ۴۔ جزو لا تجزئ : مادہ کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ (یعنی ایٹم)
- ۵۔ کیومرث : بادشاہ کا نام
- ۶۔ ناشیہ بردار : خادم
- ۷۔ قاف سے آقاف : مراد ساری دنیا
- ۸۔ مر بر کلک : قلم کے چلنے کی آواز
- ۹۔ خراج ستانہ : خراج لینے والی
- ۱۰۔ فلک مُسیر : آسمان پر دوڑنے والا
- ۱۱۔ سرہنگ : سردار
- ۱۲۔ خدنگ : ایک قسم کا چھوٹا تیر
- ۱۳۔ زباہ شمشیر شطرنج : آگ کی طرح پکھنے والی تلوار کا شعلہ

مرثیہ (۱۴)

- ۱۔ شیبہ پیشہ حیدر : مراد حضرت عباس
- ۲۔ نوہ سردی : نوہ ازل۔ یا نور الہی کا پرتو
- ۳۔ حورا : مطلب ایک حمد

- ۳۔ ابرش : دورنگ کا گھوڑا۔ عموماً سیاہ اور سفید یا سرخ و سیاہ
 ۵۔ دُزلزل : حضرت علی کے گھوڑے کا نام۔ جس پر کربلا کے معرکہ میں
 امام حسین نے سوار ہو کر جہاد کیا۔
 ۶۔ کبک دری : چکور۔ ایک قسم کا تیر
 ۷۔ شری : زمین کا سب سے پھلا طبقہ
 ۸۔ نہیب : خوف
 ۹۔ خلت و دوار : دوستی
 ۱۰۔ مطیعانِ نو : نئے غلام
 ۱۱۔ ناشیہ بدوش : زمین پوشش کا کونہ پھڑکڑ چلنے والا
 ۱۲۔ الکن : لگنت کرنے والی
 ۱۳۔ لال : گوجی
 ۱۴۔ لازیبِ فینہ : بلا شک
 ۱۵۔ ثور فلک : ایک برج آسمانی جو کہا جاتا ہے کہ بیل کی شکل کا ہے
 ۱۶۔ گوپال : ایک قسم کا گرز
 ۱۷۔ زگیر : ایک انگوٹھی جس کو انگوٹھے میں پہن کر تیر کھینچتے ہیں۔
 ۱۸۔ چردغل : مکار
 ۱۹۔ تصمیع : حلیہ لانا (فوجی اصطلاح میں وہ رجبہ جس میں حلیہ لگسا جاتا ہے)
 ۲۰۔ طبلق : رجبہ۔ کاغذات کا طحا
 ۲۱۔ سکن : باشندے۔ رہنے والے

مرثیہ (۱۵)

- ۱۔ فتراک : چمڑے کا تسمہ جو زمین کے اوپر اُدھر ضروری سامان باندھنے کے

- ۲۔ پیک : قاصد
 ۳۔ بالی : رونے والا
 ۵۔ توسین مکان : عرش سے بہت قریب کا مقام جہاں تک جناب رسول اللہ شب معراج پہنچے تھے۔
 ۶۔ اجمال : مہلت دینا۔ مراد آٹھ گھنٹہ
 ۷۔ رومال : کنایہ غفلت میں رومال مٹا دینا۔

مرثیہ (۱۶)

- ۱۔ بلاغت : خوشدیہائی۔ فصاحت
 ۲۔ کیانی کماں : بادشاہوں کے ہاتھ کماں دیکھائی ایوان کے بادشاہوں کا ایک فائدہ
 ۳۔ میں الکمال : نظریہ
 ۴۔ سہیل : ایک چمک دار اور مبارک ستارہ کا نام
 ۵۔ رہ سیز جس کا معنی اکبر مشبہ :- وہ سیز جس کو قرآن پاک سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔
 ۶۔ دست نقیہ : عالم دین کا ہاتھ
 ۷۔ خیرورنی : پیغمبر اسلام کا لقب
 ۸۔ گس : شہد کی مکھی
 ۹۔ قد انداز : ماہر تیر انداز۔ جس کا نشانہ خلا ذکر ہے
 ۱۰۔ عالم مرکبات میں تحائف و کرامات کا : جسم جو کہ مرکب ہے کثرت کو رنگ لگے۔
 محمّدوں میں بٹ گیا تھا۔
 ۱۱۔ گھٹا ہے آدمی قلم اب سرورِ خطاب : اب قلم کا گھٹا اعتبار کی ضرورت نہ رہتا ہے۔
 ۱۲۔ ایراق : ہتھیار۔ طرائف کا سامان
 ۱۳۔ ابولہب : عرب کا شہرہ یافتہ و فخریہ سردار کے ساتھ سخت دشمنی رکھتا تھا۔
 ۱۴۔ تان اور تکان : وار اور جھٹکا

- ۱۵۔ دُماں : تیزی سے پھٹنے والا
 ۱۶۔ ہرزہ خورد : فضول، بے کار پھرنے والا
 ۱۷۔ محصور : چڑیا
 ۱۸۔ گیتھاں خدیو : دنیا کا مالک - دنیا کا بادشاہ
 ۱۹۔ کبد : کلیجہ - جگر

مرثیہ (۱۷)

- ۱۔ ریحان ہے یہی، راح یہی روح یہی ہے : یعنی اسی سے خوشی ہے، اسی سے
 قوت ہے اور یہی جسم کی روح ہے۔
 ۲۔ منہاج : راستہ - طریقہ
 ۳۔ قَوْلًا : محبت - دوستی (خاص طور پر اہل بیت رسول کی محبت کے
 لیے آتا ہے)
 ۴۔ اَلَّا : سنو - دیکھو (مخاطب کرنے کا لفظ)
 ۵۔ ناصیہ سائی : پیشانی گھسنا
 ۶۔ زمد : آشوب، چٹم - آنکھیں آنا
 ۷۔ جَسَر : پُل
 ۸۔ برق : جھنڈا - پھیرا
 ۹۔ زہ : کمان کا چنڈہ
 ۱۰۔ پُشَم : تلوار میں قبضے کے قریب دو گھنٹیاں ہوتی ہیں انھیں پُشَم کہتے ہیں۔
 ۱۱۔ شطخوٹ : خون کا دیرا
 ۱۲۔ ہرزہ سرائی : بھواس - فضول باتیں
 ۱۳۔ قطعاً طریق : رہ زن (وہ ڈاکو جو راستے میں ڈاکہ ڈالے)
 ۱۴۔ کفل : کولہ - مچھا
 ۱۵۔ منکہ : گردن کی ہڈی

- ۱۹۔ مٹکار : تیز گھوڑا
 ۱۶۔ طعن : نیزہ مارنا
 ۱۸۔ تبریزی : ایک قسم کا تبرجے سوار زین پر کمونس پلٹے ہیں
 ۱۹۔ تیزنگ : تیز دوڑنے والا گھوڑا
 ۲۰۔ خال و فصل : گمراہ اور گمراہ کرنے والا
 ۲۱۔ پیرالالم : جنوں کا کنواں (ایک تلمیح ہے جس کے بارے میں روایت ہے کہ جن رہتے تھے)
 ۲۲۔ عربہ جو : بد خو - جنگ جو - لڑاکا

مرثیہ (۱۸)

- ۱۔ اختر سجد : سجدے کا نشان (اُسے تاسے نے تشبیہ دی گئی ہے)
 ۲۔ آل : اولاد رسول اللہ
 ۳۔ شیفۃ واجب الوجود : خدا سے محبت کرنے والے
 ۴۔ غمستہ کام : خوش بخت - نیک کام کرنے والا
 ۵۔ آبی ہوئی : سان پر چڑھی ہوئی
 ۶۔ اٹکلنے لگی حسام : میان سے تلوار خود بخود نکلنے لگی
 ۷۔ کسرائی : ایرانی بادشاہ (کسرا) کی اولاد (امام حسین کی بیوی شہسرا بنو ایران کے آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد سوم کی بیٹی تھیں)
 ۸۔ رعل : لکڑی کی بنی ہوئی تپنی کی شکل کی تختی ہوتی ہے جس پر لکھ کر قرآن شریف پڑھا جاتا ہے۔
 ۹۔ حائل : چھوٹی تقطیع کا ستر آن شرین جسے اکثر گلے میں لٹکایا جاتا ہے
 ۱۰۔ حصار : محال - رخسار
 ۱۱۔ متوالی ہفتی : مثنیٰ پر صلوات نبیجو علی اکبر ہم شیبہ ہمیر کہے جاتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر لوگوں کو حضرت محمدؐ یاد آئے۔

۱۲۔ جمہورت : ہم قریبہ - برابر
۱۳۔ خیر و شکر کا : حضرت علی کا پوتا یعنی علی اکبر (خیر و ہوتے نواسے دونوں کے لیے آتا ہے)

۱۴۔ روحِ حیات : بیماری جان (روح) تم پر نثار ہو۔
۱۵۔ خوش : آفت و بلا سے محفوظ رہنے کی ایک دعا جو لوگوں کو بازو پہنایا جاتی ہے۔ ایک ذریعہ کام جواز دہرہ پہنایا جاتا ہے۔ ایک خاص قسم کی زندگی کو بھی کہتے ہیں۔

۱۶۔ برتاؤ : جوان اور بوڑھا
۱۷۔ خیب : خوف - ڈر
۱۸۔ جنو ستر واد : جہنم رسید ہونے والی فوجیں
۱۹۔ چیر و کٹ : دفتر سے نام خارج ہو جانا (فوج کے دفتر میں ہر سپاہی کا طبع درج ہوتا ہے)

۲۰۔ جہانزہ : مہارانی، مہارانی، باج
۲۱۔ شست : چمڑے کا انگٹھا جو تیر انداز انگوٹھے میں پہن لیتے ہیں
۲۲۔ ڈاکٹر : ہنس یا کھڑی کا ڈاکٹر جس پر ہر بھی کا پہل لگا لیتے ہیں
۲۳۔ کشتہ : رسی کا چند اجس سے جنگ میں سپاہی اپنے مقابل کو پھانس لیتے ہیں
۲۴۔ چیر و کٹ : گردن کا

۲۵۔ زخم کے شکار : زخم کے شکار یا شکار
۲۶۔ کھلم کھلا : جو بہت ہلکا تھکے ہیں اور آسانی سے کٹ جاتے ہیں

۲۷۔ شست : پہلا وار - پہلی چٹ

۲۸۔ کشتہ : گھوڑے کی گردن کا زخم

۲۹۔ گرد و نم : خاک میں مل جانا

۳۰۔ ہوا : ہمیں بتا دو

۳۱۔ کتب : علی اکبر کے گھوڑے کا نام

پہلی جلد کے لیے میر انیس کے مرثیہ کے جو نسخے میں فراہم کر سکی وہ مندرجہ ذیل ہیں :

- ۱۔ مرثیہ انیس - نظامی پریس دہلیوں - ہر سہ حصہ مطبوعہ ۱۹۳۵ء
- ۲۔ روح انیس - مرتبہ سید مسعود حسین رضوی ادیب مطبوعہ ۱۹۵۸ء
- ۳۔ مرثیہ انیس - مرتبہ سید نائب حسین نقوی - پہلا حصہ مطبوعہ ۱۹۵۸ء
- ۴۔ مرثیہ انیس - مطبوعہ مطیع نامی منشی نول کشور - لکھنؤ ۱۸۸۲ء چار حصہ
- مرثیہ انیس - مطبوعہ مطیع نول کشور - کانپور ۱۸۹۲ء

اس مجموعہ کے دو سب سے اہم مرثیہ :

۶۔ بخدا فارس میدان تہور تھا حُر

اور ۱۸۔ کیا غازیانہ فوج خدا نام کر گئے

کے لیے بنیادی نسخہ روح انیس کو قرار دیا گیا ہے اور دوسرا نسخہ مرثیہ انیس نظامی پریس دہلیوں کی جلد اول ہے۔

دو مرثیوں کے لیے ۱۔ یارب چمن نظم کو گلزار ارم کر

بنیادی نسخہ مرتبہ سید نائب حسین نقوی مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۵۵ء ہے اور دوسرا نسخہ مرثیہ انیس مطبوعہ نامی نول کشور بار سوم ۱۸۸۲ء

۲۔ جس دم بزم شام میں مسند نشیں ہوا

کا بنیادی نسخہ مرثیہ انیس مطبوعہ نامی نول کشور جلد دوم مطبوعہ ۱۸۸۲ء ہے اور دوسرا نسخہ مرثیہ انیس جلد دوم مرتبہ سید نائب حسین نقوی (غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۵۵ء)

مندرجہ ذیل مرثیوں میں بنیادی نسخہ مرثیہ انیس - نظامی پریس دہلیوں کے تینوں حصہ ہیں جو

۱۔ مرثیوں پر مبرہم نے فہرست کی ترتیب کے مطابق دیے ہیں۔

- بار دوم ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئے تھے۔
- ۳۔ فرزندِ پیر کا مدینہ سے سفر ہے
دوسرا نسخہ مرثیہ انیس جلد اول۔ بار سوم مطبع نامی نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۲ء
- ۴۔ سبطِ نبی سے منزلِ بقعہ قریب ہے
دوسرا نسخہ۔ مرثیہ انیس جلد اول مطبع نامی نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۲ء بار سوم
- ۵۔ جب کربلا میں داخلہ شاہ دیں ہوا
دوسرا نسخہ۔ مرثیہ انیس۔ مطبع نامی نول کشور۔ کانپور جلد دوم (بار ششم) ۱۹۱۹ء
- ۶۔ طے کر چکا جو منزلِ شب کا رواں صبح
دوسرا نسخہ۔ مرثیہ میر انیس۔ مطبع نامی نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۲ء
- ۸۔ کیا فوجِ حسینؑ کے جو اہانِ حسین تھے
دوسرا نسخہ مرثیہ میر انیس جلد اول۔ مطبع نامی نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۲ء
- ۹۔ جب مرکبِ خلعت پر خونِ شہادت
دوسرا نسخہ مرثیہ میر انیس جلد دوم۔ مطبع نامی نول کشور، کانپور، بار ششم ۱۹۰۷ء
- ۱۰۔ جب زلف کو کھولے ہوئے لیلے شبِ آئی
دوسرا نسخہ مرثیہ میر انیس جلد اول مطبع نامی، نول کشور، کانپور ۱۸۹۲ء
- ۱۱۔ جب حضرت زینب کے پسر مر گئے دونوں
دوسرا نسخہ۔ مرثیہ میر انیس جلد اول مطبع نامی نول کشور، کانپور ۱۸۹۲ء
- ۱۲۔ پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح
دوسرا نسخہ مرثیہ میر انیس جلد دوم مطبع نامی نول کشور، کانپور ۱۹۰۶ء
- ۱۳۔ آدھے کربلا کے میاں میں شیر کی
دوسرا نسخہ مرثیہ میر انیس جلد اول مطبع نامی نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۲ء
- ۱۴۔ جا آہے شیرِ بیشہ حیدرِ فرات پر
دوسرا نسخہ مرثیہ میر انیس جلد دوم مطبع نامی نول کشور، کانپور ۱۹۰۶ء
- ۱۵۔ جب آبِ رواں بند ہوا فوجِ خدا پر

- دوسرا نسخہ مرثیہ انیس مطبع نامی نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۲ء
 ۱۳۔ جب بادشاہ کشتی شاہ ام گرا
 دوسرا نسخہ، مرثیہ میر انیس جلد اول مطبع نامی نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۲ء
 ۱۴۔ دولت کوئی دنیا میں پس سے نہیں بہتر
 دوسرا نسخہ مرثیہ میر انیس جلد سوم مطبع نامی نول کشور کانپور ۱۸۸۲ء

اگلے صفحات میں ہم اختلاف نسخ کے سلسلے میں مرثیہ کا صرف نمبر درج کریں گے
 اور ہر مرثیہ کا بند اور مصرعہ کا نمبر درج ہو گا۔ فرہنگ کی نشاندہی کے لیے نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵ دیے گئے ہیں۔ اور اختلاف نسخ کی نشاندہی ابجد، ہوز وغیرہ کے حروف
 سے کی گئی ہے۔

مرثیہ (۱)

نشان	اختلاف	بند	معرمہ
الف	آغاز	۴	۳
ب	ہے	۱۰	۵
ج	ہی	۱۱	۴
د	جلیں	۲۴	۵
ہ	گرے	۴۲	۲
و	منہ زند	۴۹	۵
ز	ماشور	۸۱	۳
ح	جو	۸۵	۶
ط	سنائیں	۹۸	۳
ی	بڑھ کے	۱۰۹	۱
ک	یہ ہے	۱۱۰	۱
ل	میں	۱۱۳	۲
م	خدا داد	۱۱۹	۳
ن	ہست	۱۳۵	۲
س	حید کشی	۱۴۶	۲
ع	کے	۱۷۲	۱۲

مرثیہ (۲)

الف	جہاں	۲۱	۴
ب	عقب	۴۸	۴

مرثیہ (۳)

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
الف	نہ ہو	۶	۳
ب	کیا جانے	۱۳	۳
ج	بجائی نہ ہوئے	۲۰	۲
د	کھلیں سر	۲۰	۴
ہ	بے کس	۲۳	۴
و	دم اس کا	۲۵	۵
ز	جن	۲۶	۵
ح	چلنے کے لیے قافلہ تیار ہے آقا	۵۹	۲
ط	آج پہنچی جو	۶۳	۱
ی	پ	۶۷	۱
ک	لمنی	۱۰۳	۲
ل	بن	۱۰۸	۶

مرثیہ (۴)

الف	آتی ہے	۱	۶
ب	جن کے	۳۸	۲

مرثیہ (۵)

الف	ہے	۱۱	۳
ب	بس	۳۳	۶
ج	ہو امیں	۳۳	۵

نشان	اختلاف	بند	مصر
د	ابجری	۲۶	۲
ه	تازگی	۲۸	۳
و	رُکے ہوئے	۲۸	۶
ز	ترائی سے کوئی	۲۵	۴
ح	طرح	۲۲	۶
ط	تھی	۲۶	۲
ی	کہنی تک آستین جو الٹیں دم عتاب	۲۴	۲
ک	کا تھاسر	۱۵۲	۴
ل	جو سخا	۱۵۵	۱
م	چاٹا	۱۶۳	۶
ن	زہ	۱۶۰	۱
س	منفعل	۱۶۳	۴
ع	کی ہے یہ جا	۲۴۰	۴

مرثیہ (۶)

الف	ہم صورت	۱۰	۲
ب	یک	۱۵	۱
ج	تم نے	۱۶	۲
د	طفل ان میں	۲۰	۲
ه	لرتے	۲۰	۳
و	کا	۲۵	۲

۱۔ ۸۲ بندے تین بندہ مطلوبہ مولیٰ کشور مرانی میں زیادہ ہیں۔

۲۔ روح انیس ۳۲ - ۳۳ بندہ کی ترتیب بدلی ہوئی ہے۔

نشان	اختلاف	بند	مصر
ز	جانے گا	۴۶	۱
ح	کی	۴۷	۲
ط	پھنسی	۴۸	۲
ی	میرا ہے	۴۹	۳
ک	ہے جس کی زباں	۵۲	۱
ل	وہ جس دل میں	۵۳	۵
م	ان کی	۵۴	۶
ن	کے کرم ہیں	۶۸	۱
س	جوش میں آگیا	۷۲	۲
ع	پھیلا کے	۷۲	۳
ف	شکر معبود کا اس پر بھی نہیں کرتے عباد	۷۸	۲
ص	اے ہر وقت ہے یاد	۷۸	۳
ث	سپر دوش پہ	۸۶	۳
خ	چاندنی	۹۲	۲
ذ	پسِ فاطمہ	۹۳	۲
ض	ہوئے گا	۹۴	۶
ظ	گر بڑھی گاہ بھری گاہ تھی	۱۰۱	۳
غ	وہ جل	۱۰۳	۵
ج الف	ہاتھ اڑا دیتی تھی	۱۰۷	۲
ج ب	وہ نہ	۱۱۰	۲
ج ج	طاثر دل	۱۱۰	۳
ج د	بھی ہوئے	۱۱۲	۳
ج ہ	جفا کاروں	۱۱۳	۲

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
ج و	کبھی برجھی کی آئی تھی تو کبھی تیر کی پھال	۱۱۵	۲
ج ز	کبھی تلوار کبھی خنجر پڑاں کبھی ڈھال	۱۱۵	۲
ج ح	گلاب چھپا اور گئے نکلا وہ مدبرج مشرف	۱۱۸	۱۱۵ تک کبھی کی جگہ چھپا آیا
ج ط	بچاؤں	۱۲۲	۳
ج ی	خادم حضرت زہرا و علی گرتا ہے	۱۲۲	۵
ج ک	خاک پر اب وہ سعید ازلی گرتا ہے	۱۲۲	۶
ج ل	اشھاؤں کا کر مہمان کا	۱۲۳	۶
ج م	میرے مہمان و مددگار	۱۲۶	۲
ج ن	چشم کو	۱۲۶	۵
ج س	کب	۱۲۶	۶
ج ع	صحت	۱۲۹	۳

مرثیہ (۷)

الف	سب	۲	۳
ب	یہ آگے	۱۵	۲
ج	گا	۲۵	۶
د	ہمیں	۶۳	۶ - ۵
ه	مگر	۷۳	۶ - ۵
و	لڑنے لگے ہمیں	۸۹	۳
ز	مرقد میں بے قرار خا خا زلفاں کا زوج	۹۱	۲
ح	نیزے	۱۱۹	۲
ط	جن کے لیے زمیں پر ملک پر بھاتے ہیں	۱۳۲	۵

لے نکلی ہیں بے یوں کی جلد میں پانچ بندہ اندر ہیں جو صفت کر دے گئے

صفحہ	اختلاف	بند	مصرعہ
ی	وہ لوگ غلہ سے مرے لینے کو آتے ہیں	۱۳۲	۶

مرثیہ (۸)

الف	دنیکے نہ خواہاں تھے نہ تھی خواہش اجلال	۳	۱
ب	تھے دوست فقیروں کے نہ تھی حُبِ زرداں	۲	۲
ج	مذکور	۳	۵
د	تھے	۵	۹۰۵ روین
ہ	کو	۱۰	۳
و	فخار وہ مختار تھا، جو خلق کا مختار	۱۲	۳
ز	پشا	۲۲	۳
ح	کُل	۲۶	۳
ط	تھا وہ	۳۲	۲
ی	تبار	۳۵	۱
ک	ناگاہ وہاں	۶۸	۱
ل	پھول	۶۹	۶
م	تلوار نہ ہو دے گی تو ہاتھوں سے لڑوں گا ہر طرح سے مرکز اسی میدان میں محکموں کا	۹۲	۵-۶

مرثیہ (۹)

الف	لڑی	۲۶	۵
ب	سے جدا	۳۱	۶

۱۳ بند ۱۳ مطلع نول کشور کے نسخہ میں نہیں ہے

۱۴ بند ۱۰۸ مطلع نول کشور کے نسخہ میں نہیں ہے

نشان	اختلاف	بند	مصر
ج	بھی	۵۳	۶
د	ہوں عرب کے	۵۶	۶
ہ	ابھی	۵۹	۶
و	رہا	۶۶	۵
ز	ہی میں	۸۱	۵
ح	مشریان ہیں	۸۶	۲
ط	کیلا	۸۷	۳
ی	میں	۹۱	۲
ک	پنہ	۹۷	۳
ل	لے گا	۱۰۰	۵-۶ (رویف)
م	خبر لے کے پھریں گے	۱۲۳	۵
ن	دروازے	۱۲۹	۱
س	یہ تھا	۱۳۲	۵

مرثیہ (۱۰)

الف	ہے	۱۳	۳
ب	اس	۵۶	۱
ج	مکڑ	۷۲	۱
د	کوئی	۱۳۲	۵-۶ (رویف)
ہ	جب	۱۳۶	۳
و	زافوؤں	۱۷۷	۱

۹۵ بند نظامی پریس دایوں کے نسخہ میں نہیں ہے۔

مرثیہ (۱۱)

مسموم	بند	اختلاف	خان
۲	۲۷	کہ اختلاف	الف
۶	۵۷	اس قوم کو ہٹتے	ب
۴	۷۲	گرا دیں	ج
۲	۷۹	وہ	د

مرثیہ (۱۲)

۱	۳	صبح نور	الف
۳	۱۷	پھر	ب
۴	۲۸	کا	ج
۴	۶۹	چھپائے	د
۶	۸۴	تو دروں	د
۱	۸۸	ہو کے کور	و
۱	۹۶	کا لال	ز
۱	۱۰۴	سفر	ح
۴	۱۴۴	تھا کوئی تو	ط
۲	۱۵۶	نہاں	ی
۶	۱۵۶	دو تم حسین کو بھی	ک

مرثیہ (۱۳)

۶	۲۴	کہتے	الف
۵	۳۱	وہ جو آج	ب

نشان	اختلاف	بند	مرد
ج	قلب و دل آئینہ	۳۳	۳
د	مقام	۳۵	۳
و	خزاج جہاں جس کلبے گاموں	۴۰	۴
و	ہے جو	۴۱	۶
ز	پ	۵۵	۶
ح	انصاف راہ	۱۰۸	۱
ط	تجے	۱۱۵	۱
ی	ہر اس	۱۳۳	۵
ک	جو بند آئیں	۱۳۹	۱

مرثیہ (۱۴)

الف	صعب	۲	۲
ب	نہر	۱۲	۴
ج	نہرو ہے	۱۴	۴
د	پ	۳۹	۴
و	جہاں	۵۲	۲
و	لا جواب	۵۹	۲
ز	تغیر	۶۱	۲
ح	گے	۶۶	۵
ط	پیادوں	۸۱	۶
ی	لڑے	۸۴	۵
ک	یاشاہ کریم	۹۷	۴
ل	گنتی	۱۱۴	۳

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
م	اُنٹ کر کے	۱۳۳	۳
ن	ہے	۱۳۳	۱
س	میں	۱۴۱	۶

مرثیہ (۱۵)

الف	کے	۱۱	۱
ب	کھولے	۶۲	۶
ج	بھی آئی یہ صدا	۱۳۲	۶

مرثیہ (۱۶)

الف	تسلیم کر کے اکبر شیریں سخن چلے	۵۱	۱
ب	۴	۵۸	۳
ج	لعین سب	۶۷	۲
د	اس شان	۶۹	۱
ه	بجھا دو	۶۹	۳
و	پڑھا رجز	۱۰۱	۱
ز	پسر کی	۱۲۰	۵

مرثیہ (۱۷)

الف	شہسرت ہو کہ	۲۳	۱
ب	بتیار کدھر	۳۲	۱
ج	خون کیجیو	۵۰	۲
د	بھی نہ	۸۳	۵

نشان	اختلاف	بند	
ہ	یہ گزر	۱۲۱	۳
و	ایسے	۱۲۹	۶
ز	میں	۱۳۲	۱
ح	پھر آئی	۱۴۵	۳-۲-۱-۲-۱ رولف
ط	کرد بات	۱۷۰	۵
ی	ہو	۱۸۱	۳

مرثیہ (۱۸)

الف	جب اے زان	۱	۱
ب	سینوں پر	۶	۶
ج	گرے	۸	۶
د	ہے جس میں لٹ گئی مرے بچے ہوئے تباہ	۱۲	۳ لے
و	وہ	۱۵	۶ لے
و	جلوے	۸۸	۶
ز	دیکھ لے	۹۱	۳
ح	دو آہ	۱۱۷	۱
ط	اسی پر	۱۱۸	۵
ی	پھر پھر کے	۱۲۶	۳

لے چٹا مصرعہ دونوں جلدوں میں مختلف ہے۔

لے روج انیس میں ۱۹-۲۰ بند نہیں ہیں۔

